

مختلف گروہوں سے مختلف عنوانات پر
حافظ عبد المنان صاحب اور حافظ عبد السلام
کے تحریری مناظرے

مکالماتِ فقیر پوری

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا
الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله
والحمد لله رب العالمين

اداره تحقیقات سلفیہ۔ گوجرانوالہ

WWW.IRCPK.COM

مکالمات نور پوری

از قلم

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالمنان نور پوری
حافظ عبدالسلام بھٹوی

ناشر

ادارہ تحقیقات سلفیہ۔ گوجرانوالہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب..... مکالمات نور پوری
از قلم..... حافظ عبدالمنان نور پوری وحافظ عبدالسلام بھٹوی

ناشر

ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ

0300-7453436

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ علمی مواد یکجا جمع کر کے طبع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

یہ مکالمات دراصل حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ تعالیٰ کے ان مناظرات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف عنوانات پر بذریعہ خط و کتابت ہوئے۔ ان مکالمات کے اسباب، پس منظر اور حالات و واقعات ہر مناظرے کے شروع میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

آخر میں تین مناظرے حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ کے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں:

- ① ایک دین اور چار مذہب
- ② ایک دین اور چار مذہب کا جواب قاضی حمید اللہ حنفی صاحب دیوبندی نے اظہار المرام کے نام سے دیا۔ اس کا جواب بھٹوی صاحب نے کشف الظلام کے نام سے دیا۔
- ③ سورۃ فاتحہ اور احناف۔

اس کتاب کے فوائد

- ① اگر کوئی صاحب ان مکالمات کو قلب سلیم کے ساتھ پڑھے گا ان شاء اللہ اس کے لیے صراطِ مستقیم ضرور واضح ہوگی۔
 - ② رفع الیدین، تراویح، تقلیدِ ردمرزاہیت، فاتحہ، سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ عنوانات پر علمی ذخیرہ منطقی نکات، حریف کا ناطقہ بند کر دینے کا طریقہ، نایاب حوالہ جات پر کافی مواد فراہم ہوگا۔ ان شاء اللہ
 - ③ صحیح بحث و مناظرہ کا بہترین سلیقہ حاصل ہوگا۔
 - ④ مناظرہ کے اصول کو جاننے کے ساتھ ساتھ اصولِ مناظرہ پر اجراء بھی ہو جائے گا۔
 - ⑤ صحیح احادیث کا دفاع، بہترین صبر و تحمل کے ساتھ اپنی ایک ہی بات پر قائم رہنا، حریف کو مجبور کر کے اصل بات پر لانا۔ غیر ثابت روایات کو صحیح قرار دینے کی کوشش کا قلع قمع، اور غیر متعلق باتوں سے اچھے طریقے کے ساتھ عہدہ برآء ہونا۔ ان ساری باتوں کا بخوبی علم حاصل ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ
- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب کو بہت ساری علمی خوبیوں سے نوازا ہے۔

والسلام

محمد طیب محمدی

مدرس جامعہ شمس الہدیٰ ڈسکہ

آئینہ کتاب

- 7 کیا مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے؟ ❊
- 53 کیا تقلید واجب ہے؟ ❊
- 73 حقیقت تقلید ❊
- 157 تحقیق التراويح ❊
- 291 تعداد التراويح ❊
- 299 نماز میں ہاتھ اٹھانے اور باندھنے کی کیفیت ❊
- 547 مسئلہ رفع الیدین ❊
- 761 ایک دین اور چار مذہب ❊
- 805 کشف الظلام ❊
- 881 سورۃ فاتحہ اور احناف ❊

کیا مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے؟

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبد المنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

گوجرانوالہ کے مرزائی مربی محمد اعظم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سخن گفتنی

خاکسار محکمہ صحت گوجرانوالہ میں ملازم ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک قادیانی حمید عالم اکثر و بیشتر مرزائیت کی تبلیغ کرتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے اسے کھل کر بات چیت کرنے کو کہا۔ اس نے اپنی جماعت سے مشورہ کے بعد کہا کہ آپ ہمارے ہاں محلہ امیر پارک میں آئیں اور گفتگو کی شرائط طے کر لیں۔ چنانچہ ہم اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حافظ عبدالمنان صاحب کو لے کر قادیانیوں کے پاس محلہ امیر پارک میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ قادیانیوں نے باقاعدہ اپنے مربی کو مناظرہ کے لیے بلا رکھا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے امیر مقرر تھا۔ سب سے پہلے میں نے موضوع متعین کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اور آپ کا بنیادی اختلاف یہ ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے جبکہ ہم اسے نبی نہیں مانتے۔ باقی سب اختلاف اس کے تابع ہیں۔ اگر وہ نبی ثابت ہو جائے تو پھر وہ جو کچھ کہے درست ہے اور اگر نبی ہی ثابت نہ ہو سکے تو پھر دوسری باتوں پر بحث بیکار ہے۔ چنانچہ آپ کے ذمہ ہوگا کہ صرف قرآن و حدیث کے دلائل سے مرزا قادیانی کی نبوت ثابت کریں۔

مرزائی حمید عالم نے اگرچہ ہمیں صرف شرائط طے کرنے کے لیے بلایا تھا مگر اس کے بلائے ہوئے مربی نے باقاعدہ اس موضوع پر مناظرے کا آغاز کر دیا تو میں نے اپنے ساتھی حافظ عبدالمنان صاحب سے عرض کیا کہ اب آپ گفتگو کریں۔ حافظ

صاحب نے تقریباً تین گھنٹے تک مرزائی مناظر سے اسی موضوع پر گفتگو کی۔ مگر مرزائی مناظر اپنے دعویٰ ”مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہے“ کو ثابت نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر کہنے لگا کہ میں آئندہ اس دعویٰ کو ثابت کروں گا۔ یہ بات میرے ذمے ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ لکھ دیں۔ آئندہ گفتگو تحریری ہوگی تاکہ ریکارڈ رہے۔ چنانچہ مرزائی مناظر محمد اعظم مربی گوجرانوالہ نے یہ دعویٰ لکھ کر دیا:

”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی..... اُمتی نبی ہیں۔“ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے۔“

(مربی سلسلہ احمدیہ گوجرانوالہ)

اس کا یہ لکھنا کہ ”اس دعویٰ کے دلائل..... پیش کرنا مجھ پر لازم ہے۔“ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زبانی گفتگو میں اپنا موقف ثابت نہ کر سکا۔ اس کے بعد تحریری گفتگو ہوئی جس میں دعویٰ سمیت دونوں طرف سے کل تین تین تحریریں ہوئیں۔ حافظ عبدالمنان صاحب کی تیسری تحریر کے بعد میں نے حمید عالم قادیانی سے بار بار مطالبہ کیا کہ آپ اس کا جواب لادیں لیکن آج تک ایک سال گزرنے کے باوجود وہ اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود جواب نہیں لاسکا۔

چونکہ اس گفتگو میں مرزائیوں کے مغالطات اور ان کا بہترین خاموش کن جواب موجود ہے اس لیے اسے افادہ عوام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔

منور اختر

۲۲ رجب ۱۴۰۶ھ



مرزائی مربی کی پہلی تحریر.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعویٰ

”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمتی نبی ہیں۔“ اس

دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے۔

دستخط مدعی: محمد اعظم

مربی سلسلہ احمدیہ گوجرانوالہ

۲۴/۱/۸۳

حافظ عبدالمنان صاحب کی پہلی تحریر.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب:

السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ آپ نے ہمیں مندرجہ ذیل تحریر دی

تھی ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی..... اُمتی نبی ہیں۔ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم

اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے۔“ مگر تاحال آپ نے اپنے مندرجہ بالا

دعویٰ کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لہذا اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے مذکورہ بالا دعویٰ

کی دلیل قرآن مجید اور احادیث ثابتہ سے پیش فرمائیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۳ مارچ ۱۹۸۳ء



مرزائی مربی کی دوسری تحریر.....

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيمِ.

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام (اپنے محبوب و مطاع سرور انبیاء حضرت محمد مجتبیٰ ﷺ کے ظل و بروز ہو کر مسیح موعود و امام مہدی ہیں جن) کا مقام امتی نبی کا مقام ہے۔ اس حقیقت تک رسائی کے دو اہم مرحلے ہیں:

(ا) قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کی رو سے امتی نبی کا امکان ہو۔

(ب) حضرت مرزا صاحب کو منجانب اللہ یہ مقام ملنے کا دعویٰ ہو۔

بعض لوگ امکان اور دعویٰ کے ساتھ صداقت کے ثبوت طلب کیا کرتے ہیں جیسا کہ خدا کے تمام فرستادوں کے وقت ہوتا رہا ہے۔

(ا) سورۃ فاتحہ ایک مسلمان ہر نماز میں بارہا پڑھتا اور دعا کرتا ہے:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے کا نتیجہ انہی انعامات تک رسائی ہے ورنہ وہ چلنا لا حاصل و بیکار ہے۔ قرآن کریم کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۷۷ ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾

اللہ اور الرسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کامل اطاعت وہ راستہ ہے جس پر چلنے والے منزل پالینے پر چار گروہوں میں نظر آتے ہیں: انہیں 'صدیقین' شہداء صالحین..... اس آیت میں چاروں گروہوں کے ساتھ معیت کا تذکرہ ہے لیکن ایک بات واضح ہے کہ چاروں انعامات تک رسائی یکساں ممکن یا ناممکن ہے کیونکہ بیان

یکساں ہے۔ یہاں معیت زبانی اور معیت مکانی ممکن نہیں اس لیے معیت رُتبی ہی مقصود ہے جیسا کہ التفسیر الکبیر المسمیٰ بالبحر المحیط کی جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ پر امام راغبؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

مِمَّنْ أَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْأَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالْثَوَابِ النَّبِيُّ
بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيقُ بِالصِّدِّيقِ وَالشَّهِيدُ بِالشَّهِيدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ.

گویا امت میں صالحیت، شہادت، صدیقیت کی طرح نبوت کا بھی امکان ہے۔

حدیث شریف سے امتی نبی کا امکان ✽ صحیح مسلم کی الجزء الثامن مطبوعہ ۱۳۳۲

کے صفحہ ۱۹۷ پر نو اس بن سمان کی بیان کردہ طویل حدیث نبویؐ میں امت محمدیہ میں آنے والے کا ذکر کر کے اس کی طرف وحی آنے کا تذکرہ ہے نیز اسے چار دفعہ نبی اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر امت محمدیہ کا ہمیشہ یہ اعتقاد رہا ہے کہ آنے والا امت میں سے ہوگا نیز نبی ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں آنے والے کے امتی نبی ہونے کا ہمیشہ اظہار ہوتا رہا۔

صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ کی کتاب الجنائز میں حدیث نبویؐ ہے کہ اپنے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا.

آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد حضورؐ کے اس ارشاد سے امتی نبوت کا امکان واضح ہے ورنہ فرماتے کہ اگر زندہ بھی رہتا تو نبی نہ ہوتا!..... اسی طرح حضرت علامہ سیوطیؒ کی انصا لئس الکبریٰ جلد اول (اردو ص ۳۵-۳۱) اور نشر الطیب فی ذکر النبیؐ الحبيب مطبوعہ تاج کمپنی کے صفحہ ۲۶۲-۲۶۱ پر ایک طویل حدیث درج ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حضور امت احمدؑ کا نبی بنائے جانے کی التجا کی جس پر جواب ملا نَبِيَّهَا مِنْهَا کہ اس امت کا نبی اسی میں سے ہوگا۔

الحاصل: قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رو سے امتی نبی کا امکان واضح ہے۔

(ب) حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا دعویٰ منجانب اللہ:

- ۱۔ ”مجھے خدا کی پاک اور مطہر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی معبود اور اندرونی و بیرونی اختلافات کا حکم ہوں۔ یہ جو میرا نام مسیح اور مہدی رکھا گیا ہے ان دونوں ناموں سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے مشرف فرمایا اور پھر خدا نے اپنے بلا واسطہ مکالمہ سے یہی میرا نام رکھا اور پھر زمانے کی حالت موجودہ نے تقاضا کیا کہ یہی میرا نام ہو۔“ (اربعین حصہ اول ص ۳)
- ۲۔ ”مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افتراء کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لیے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اس طرح پر میرے لیے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیشگوئیوں کے مطابق ضروری تھا کہ انکار بھی کیا جاتا اس لیے جن کے دلوں پر پردے ہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ خدا میری تائید کرے گا جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنے رسولوں کی تائید کرتا رہا ہے کوئی نہیں جو میرے مقابل پر ٹھہر سکے کیونکہ خدا کی تائید ان کے ساتھ نہیں۔ اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں

مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کہہ کے پکارا ہے۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۷-۶)

۳۔ ”یہ شرف مجھے محض آنحضرت ﷺ کی پیروی سے حاصل ہوا ہے۔ اگر میں آنحضرت ﷺ کی امت نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ و مخاطبہ نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو پس اسی بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی اور میری نبوت یعنی مکالمہ و مخاطبہ الہیہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک ظل ہے اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور چونکہ میں محض ظل ہوں اور امتی ہوں اس لیے آنجناب کی اس سے کچھ کسر شان نہیں۔“ (تجلیات الہیہ ص ۲۳)

۴۔ خدا نے آپ کو فرمایا: ”جَعَلْنَاكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ“ کہ ہم نے تجھے مسیح ابن مریم بنادیا ہے۔

نوٹ ① حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو امتی نبوت کا مقام ملنا، آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا نتیجہ و اثر ہے۔ کیونکہ:

”اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۹۷)

- ② آنحضرت ﷺ کے ارشاد لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدْقًا نَبِيًّا. سے امتی نبوت کے جواز پر حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ کا تشریحی نوٹ خوب روشنی ڈالتا ہے:
- فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهُ تَعَالَى خَاتَمَ النَّبِيِّينَ إِذَا لُفِّعَ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بَعْدَهُ نَبِيٌّ يَنْسُخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ.
- گویا ایسے نبی کا امکان ہے جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آپ کی امت میں سے ہو۔ (موضوعات کبیر ص ۵۹)

﴿ صداقت کے ثبوت ﴾

ایک مسلمان کے لیے اطمینان کا طریق یہ ہے کہ وہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ مبارک سے صداقت کے معیار معلوم کر کے ان پر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر کھلے۔ اول تو بہترین ذریعہ ہے کہ مومن تنہائی میں قادر مطلق خدا کے حضور دُعا کرے اور اس سے التجاء کرے اگر مرزا صاحب تیری طرف سے ہیں اور سچے ہیں تو کسی نہ کسی طرح مجھ پر آشکار کر دے مسنون دعاء استخارہ اور اپنی زبان میں گریہ وزاری صداقت معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ہزاروں ہیں جو اس طریق کو اختیار کر کے دنیوی و اخروی فلاں و اطمینان پا گئے۔

- دوسرے مختلف معیار اخذ کر کے دیکھنا ضروری ہے مثلاً چند معیار حسب ذیل ہیں:
- ① فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ. سے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ سے پہلے کی پاکیزہ زندگی صداقت کا ثبوت ہوتی ہے جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے اس معیار کو پیش فرمایا حضرت مرزا صاحب کا اس بارہ میں چیلنج ضرورت الامام میں درج ہے اور اپنے پرائے سبھی اس زندگی کو دلکش قرار دیتے ہیں جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اشاعت السنۃ اور تاریخ مرزا میں اقرار کر چکے ہیں۔

- ② لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ. الخ کی رو سے جھوٹے مدعی کو مفتری علی اللہ کو خدا خود ہلاک کرتا ہے۔ اس معیار کے مطابق جس طرح آنحضرت ﷺ کی سچائی روشن ہے اسی طرح آپ کے بروز کی صداقت عیاں ہے۔
- ③ جھوٹا موت کی تمنا نہیں کرتا جیسا کہ قرآن کریم کی کئی آیات سے واضح ہے۔ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے بارہا خدا کے حضور مناجات کی ہے کہ اگر تیری نظر میں میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو مجھے ہلاک و برباد کر دے۔ اس کے باوجود آپ کا پھلنا پھولنا آپ کی صداقت پر دلیل ہے۔
- ④ لَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ. کے مطابق کثرت سے غیب پر اطلاع صرف خدا اپنے رسولوں کو دیتا ہے حضرت مرزا صاحب پر خدا نے بے شمار غیب کی باتیں آشکار کیں جو ہر دور میں پوری ہو رہی ہیں۔ آج بھی ہو رہی ہیں۔ اور یہ آپ کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔

مسک الختام ✽ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”یہ سلسلہ آسمان سے قائم ہوا ہے۔ تم خدا سے مت لڑو۔ تم اس کو نابود نہیں کر سکتے اس کا ہمیشہ بول بالا ہے۔ اپنے نفوس پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لیے پیدا ہوا اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا اور ایسا مفتری جلد ہلاک ہو جاتا کہ اب اس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلتا۔ اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظر ثانی کرو۔ کم از کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہو گئی ہو اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو“۔ (ربعین نمبر ۴۔ ص ۲۷)

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

محمد اعظم ربی انچارج ضلع گوجرانوالہ

۲۷/۴/۱۹۸۳

حافظ عبدالمنان صاحب کی دوسری تحریر.....
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب!

والسلام علی من اتبع الهدی

اما بعد! آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو ہم سے زبانی بات چیت کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنا دعویٰ ان الفاظ میں لکھا تھا ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پھر آپ نے اپنی اس مندرجہ بالا دعویٰ والی تحریر میں یہ بھی لکھا ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ جس سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے“ الخ اور جو تحریر آپ نے اب کہ بھیجی ہے اس میں بھی آپ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کو ثابت کرنے والی کوئی دلیل پیش نہیں کی نہ تو قرآن پاک سے اور نہ ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے اس لیے جناب سے پر زور التماس ہے کہ آپ ادھر ادھر کی باتیں بنانے کی بجائے قرآن کریم کی کوئی آیت یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں جس سے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہیں“ ثابت بھی ہوتا ہو؟۔

امکان وعدم امکان نبوت والا مسئلہ

آپ نے اپنی اس تحریر میں امکان وعدم امکان نبوت کے مسئلہ پر بحث کی ہے جو فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں اولاً تو اس لیے کہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ نہ کہ امکان نبوت اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ بالفرض امکان وعدم امکان نبوت والے مسئلہ کو اپنی خواہش کے مطابق

ہی حل کر لیتے ہیں تو بھی اس سے آپ کا مدعا ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا لہذا آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے کوئی ایک ہی دلیل پیش فرمادیں اور امکان و عدم امکان نبوت والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب آپ اپنا مندرجہ بالا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سے ثابت فرمائیں گے تو اس قسم کی اباحت خود بخود حل ہو جائیں گی۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ

صحیح مسلم میں موجود حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب اس کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے ناچنانچہ اسی حدیث نواس بن سمعان میں رسول اللہ ﷺ مسیح دجال کا حلیہ اور اس کے چند کتب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”فَإِنَّمَا هُوَ كَذَابُكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ“ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى قَوْمٌ“ بیان کو جاری رکھتے ہوئے آپ مزید فرماتے ہیں: ”إِذْ أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى“ اور اس کے بعد اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر چار مرتبہ ”نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ“ کے الفاظ بولے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے عیسیٰ نہیں اور حدیث نواس بن سمعان میں مذکور نبی اللہ کا نام عیسیٰ ہے علیہ الصلاہ والسلام غلام احمد نہیں نیز آپ کو اعتراف ہے کہ مرزا صاحب کی والدہ کا نام مریم نہیں چنانچہ آپ نے ۲۴ جنوری کی زبانی بات چیت میں اہالیان مجلس کے روبرو بھی اس بات کا اقرار فرمایا تھا اور حدیث نواس بن

سمعانؑ میں آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے تو آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم ہے چراغ بی بی نہیں اور مرزا صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے مریم نہیں لہذا حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیش گوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں علیہ الصلاۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں۔

آپ اس مقام پر اپنی عبارت پر ذرا نظر ثانی فرمائیں کہ آپ نے اس حدیث نواس بن سمعانؑ میں چار دفعہ نبی اللہ والے لفظ کو تو پکڑ لیا اور اسی حدیث میں موجود ایک بار لفظ ”المسیح بن مریم“ کو دو دفعہ لفظ ”عیسیٰ“ کو اور چار مرتبہ لفظ ”نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام“ سے عیسیٰ کو آپ نے اپنی تحریر میں جان بوجھ کر ذکر تک نہیں کیا ”جان بوجھ کر“ کا لفظ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کی ہی تحریر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ طویل حدیث آپ کے علم میں ہے ہم تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کریں گے کہ وہ آپ لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے کہ آپ اس قسم کے کاموں ہی سے باز آ جائیں۔

ثابت ہی نہیں * ابن ماجہ کی روایت ”وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صَدِيقًا نَّبِيًّا“ کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان نامی بھی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے ”كَذَّبَهُ شُعْبَةُ“ الخ لہذا یہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں پہلے اسے ثابت فرمائیں پھر استدلال کریں۔

سند پیش کریں * آپ کی تحریر میں پیش کردہ الخصائص الکبریٰ للسیوطی کی روایت ”نَبِيَّهَا مِنْهَا“ کی سند درکار ہے لہذا اس روایت کی سند پیش کریں۔

مرزا صاحب کے اقوال نہ قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث

آپ نے خود ہی لکھا ہے ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ اور واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال ہمارے نزدیک نہ تو قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ کا اپنی تحریر میں مرزا صاحب کے اقوال کو

نقل کرنا بے کار ہے نیز روایت لوعاش پر ملا علی قاری کا نوٹ نہ قرآن ہے اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ پر ابھی تک لازم ہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ”مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے دلائل قرآن کریم اور صحیح حدیث سے پیش فرمائیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۲۳ رجب ۱۴۰۳ھ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

مرزائی مربی کی تیسری تحریر

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

پرچہ دوم..... حصہ اول..... بجواب ”معترض“..... ص ۱

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام بموجب حکم الہی وہ موعود وجود ہیں جسے ہمارے آقا و مولا سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسیح مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ناموں کے ساتھ مختلف حکمتوں کی بناء پر امت کے سامنے بیان فرمایا اور امتیوں کو تاکید فرمائی کہ جب وہ آئے تو خواہ برف پر سے گھسٹ کر جانا پڑے اس کے پاس پہنچو بیعت کرو اور اسے میرا سلام پہنچاؤ۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے بموجب حکم الہی اس مقام پر منجانب اللہ فائز ہونے کا دعویٰ فرمایا اور تفصیلاً بتایا کہ اس موعود کا مقام ”امتی نبی“ کا مقام ہے۔

تاریخ انبیاء و اقوام شاہد ہے کہ کسی بھی آنے والے کو اہل دنیا نے فوراً سر آنکھوں پر نہیں بٹھایا بلکہ ہمیشہ تمام گروہوں نے اس کی تکذیب و تکفیر کرتے ہوئے مخالفت و استہزاء کا طریق اپنایا۔ امت محمدیہ میں آنے والا موعود کسی ایک فرقہ عالم مولوی یا حافظ وغیرہ کی خواہشات و توقعات کے عین مطابق نہیں آ سکتا۔ اگر وہ کسی ایک فرقہ وغیرہ کے اعتقادات کے مطابق آتا ہے تو دیگر تمام فرقے فوراً تکذیب کر کے مختلف معیار اپنی خواہشات کی تکمیل میں پیش کریں گے۔ اسی لیے آنے والا موعود کسی ایک فرقہ یا شخص کے اعتقادات و نظریات کا پابند نہیں بلکہ حکم و عدل بیان کیا گیا۔ اہل فہم کے لیے میں نے، حضرت صاحب علیہ السلام کے صدق دعویٰ تک

رسائی کے لیے دو مرحلے اعمی امکان اور بامر الہی اس مقام پر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ اپنے پرچہ اول میں تحریر کیے تھے۔

امراؤل * کے متعلق دو آیات قرآنی اور تین احادیث نبویہ پر مشتمل دلائل کے پیش نظر ”معرض“ نے جواب لکھا ہے:

① ”حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے۔“

② ”حدیث میں نبی اللہ کی پیش گوئی ہے۔“

امردوم * اعمی بموجب حکم الہی اس امکانی مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ میں نے حضور کی حلفیہ تحریرات کی رو سے پیش کیا نیز یہ وحی الہی کہ جعلناک المسیح ابن مریم۔ علاوہ ازیں قرآن کریم سے چار معیار بیان کیے جن سے آنحضرت ﷺ یا کسی اور مدعی کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ ”معرض“ ان دلائل کے سبب اپنی عاجزی کا اظہار یوں کرتے ہیں: (جس طرح امراؤل کے متعلق اقرار کر چکے ہیں)

”امکان وعدم امکان والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت وعدم صداقت مرزا

صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“۔ (ص ۱)

یہ صورت احوال حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی نبی ہونے والے دعویٰ کی صداقت کا از روئے قرآن کریم و احادیث نبویہ محکم ثبوت ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔

حصہ دوم

سیدنا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی صداقت دعویٰ تو بموجب حصہ اول ثابت ہے۔ حصہ دوم میں ”معرض“ کی زاید باتوں کے متعلق حقیقت حال بیان کرنا مقصود ہے۔ زاید اس لیے کہا ہے کہ بنیادی طور پر یہ باتیں دلائل کے رد میں نہیں۔

① مجھے افسوس ہے کہ معرض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں اپنے پرچہ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی

صدقات پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے لہذا اثابت ہوا کہ اس تحریر سے پہلے میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکا۔ کسی سے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے۔

خدا خونی سے سوچیں کہ میں نے تحریری پرچہ میں مذکور قرآن وحدیث والے دلائل مذکورہ تحریر سے پہلے زبانی گفتگو میں آپ کے سامنے نہیں بیان کیے تھے؟

② معترض لکھتے ہیں: ”امکان وعدم امکان نبوت کے مسئلہ پر بحث..... فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں۔“

حضرت! آپ نے پھر بغیر سوچے سمجھے ایک بات کر دی۔ آپ کے اکابر پون صدی سے یہ علمی بحث کرتے آرہے ہیں اور بایں وجہ احمدیوں کو ختم نبوت کا نعوذ باللہ منکر بنا رہے ہیں۔ کیا ان کا یہ طریق عمل بوجہ جہالت ولا علمی تھا؟ اور اگر ان کا طریق عمل درست تھا تو آپ کا طرز گفتگو کیسا ہے؟

شاید آپ اس لیے اس موضوع سے کترارہے ہیں کہ آپ ایک طرف ختم نبوت پر ایمان کے دعویدار ہیں اور دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں؟

محترم! اگر ایک مقام کا امکان ہی نہ ہو اور آپ اس مقام کے مدعی پر بحث کرنے لگ جائیں تو ایسی حالت میں دنیا آپ کو کیا کہے گی؟ یہ تو آپ کو علم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رسولا الی بنی اسرائیل ہیں وہ امت محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ اگر علم نہ ہو تو بے شک دریافت کریں ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔ ان شاء اللہ مختصر یہ کہ جو فوت ہو جائے وہ نہیں آیا کرتا۔

③ ایک اور عجیب محضہ کا آپ شکار ہیں۔ آپ جن بزرگوں کو اپنے بزرگ مانتے ہیں ان کی محنت شاقہ اور مسلسل دعاؤں سے جمع کی ہوئی احادیث کی سندیں ہم

سے طلب کر رہے ہیں، ایک طرف آپ صحاح ستہ کہتے ہیں دوسری طرف معترض ہو رہے ہیں۔ یہ کیا چکر ہے۔ آپ خود ہی غور کریں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

④ حدیث نبویؐ ولو عاش لکان صدیقاً نبیا کو آپ ٹھکرا رہے ہیں کہ سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں۔ حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں اس لیے حدیث پاک کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں! نیز غور فرمائیں:

یہ حدیث آپ اس لیے تو رد نہیں کر رہے کہ آپ کے عقائد سے ٹکراتی ہے!

غالباً ایسا ہی ہے۔

اصل حقائق * ۱۔ معترض سے زیادہ علم و فہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی القاریؒ نے اس اعتراض کو بیان کر کے فرمایا:

فِي مُسْنَدِهِ أَبُو شَيْبَةَ ۱ اِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ الْوَاسِطِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ
لَكِنْ لَهُ طُرُقٌ ثَلَاثَةٌ يَقْوَىٰ بِبَعْضِهَا بَعْضُهَا.

کہ حدیث کی سند میں ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہیں لیکن یہ حدیث تو تین طریقوں سے بیان ہوئی ہے چنانچہ اس طرح یہ حدیث قوت پا رہی ہے۔

۲۔ رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی کسی وجہ سے ایک کو غیر معتبر سمجھتا ہے

اور دوسرا معتبر۔ مومنانہ حسن ظنی سے کام لیا جائے تو مسئلہ آسان ہو سکتا ہے اسی راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ثقہ بھی قرار دیا ہے چنانچہ تہذیب التہذیب اور اکمال الاکمال میں لکھا ہے:

قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ مَا قَضَى رَجُلٌ أَغْدَلَ فِي الْقَضَاءِ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ

عَدِي لَهُ أَحَادِيثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْ أَبِي حَيَّةٍ.

(تہذیب جلد اول ص ۱۲۵ و اکمال ص ۲۰)

یعنی ابن ہارون نے کہا ہے کہ ابراہیم بن عثمان سے بڑھ کر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابی حبیہ سے بہتر راوی ہے۔ ابوجیہ کے متعلق لکھا ہے: وَثَّقَهُ دَارُ قُطَيْبٍ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ثَقَّةً. (تہذیب التہذیب جلد اول ص ۱۱۳) یعنی حضرت امام نسائی نے ابوجیہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیضاوی کے حاشیہ ”الشہاب علی البیضاوی“ میں بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: أَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيهَا. کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

علامہ شوکانی اس حدیث کے متعلق مذکور اعتراض کو یوں رد فرماتے ہیں:

وَهُوَ عَجِيبٌ مِّنَ النَّوَوِيِّ مَعَ زُرُودِهِ عَنْ ثَلَاثَةِ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَكَأَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ تَأْوِيلُهُ. (الفوائد المجموعہ ص ۱۳۱)

یعنی نووی کا اس حدیث سے انکار عجیب ہے باوجودیکہ اس حدیث کو تین صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوویؒ پر اس کے صحیح معنی نہیں کھلے۔

علامہ شوکانی کی بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ جو بات اسے اپنے نظریات کے خلاف معلوم ہو وہ اس کا انکار کر دیتا ہے اور پھر انکار کے جواز کے لیے بہانے تلاش کرتا ہے۔ ورنہ جن خدا رسیدہ بزرگوں نے غور کیا انھوں نے اسے نہ صرف قبول کیا بلکہ پورا مضمون واضح کر دیا۔ مثلاً امام علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ بے شک ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہو جاتے مگر امتی نبی جس کا آنا خاتم النبیین والی آیت کے خلاف نہیں:

فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلُهُ تَعَالَى خَاتَمَ النَّبِيِّينَ إِذَا لُفِّعَ أَنَّهُ لَا يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ
يُنْسخُ مِلَّتَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ.

کہ حضرت خاتم النبیینؑ کے بعد صرف ایسا نبی آ سکتا ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آپ کا امتی ہو۔

الحاصل حدیث لوعاش لکان صدیقاً نبیاً۔ سچی اور ہر طرح سے قبول کے لائق ہے اس لیے آئندہ معترض کو چاہیے کہ حسن ظن اور حسن نیت سے کام لے کر قبول کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں انکار کے لیے کوشاں ہونا چنداں مفید نہیں۔ باقی آپ کی مرضی ہے ع

صبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا کیے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

۱۹۸۳-۵-۱۴/البلغ: محمد اعظم

مرتب سلسلہ احمدیہ

مسجد احمدیہ باغبانپورہ۔ گوجرانوالہ

نوٹ* امید ہے آئندہ آپ راویوں پر بحث کی بجائے اپنا رخ اصل موضوع کی طرف رکھیں گے۔ اگر آپ نے اسی فن کی طرف ضرور رجوع کرنا ہے تو زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کر لیں پھر کوئی نئی بات کریں۔

حافظ عبدالمنان صاحب کی تیسری تحریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب محمد اعظم صاحب!

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی

ابا بعد! اب تک آپ کی طرف سے ہم کو تین تحریریں موصول ہو چکی ہیں جن میں سے تیسری آپ کی یہ حالیہ تحریر ہے اور پہلی وہ جو آپ نے ہمیں ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو ہم سے زبانی بات چیت کرنے کے بعد اسی وقت اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی جس میں آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ درج ہے نیز اس میں آپ ہی

نے لکھا ہے ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ مگر آپ نے اپنی اس حالیہ تحریر پر ”پرچہ دوم“ کے لفظ لکھ کر اپنی ۲۴ جنوری والی پہلی تحریر کو نظر انداز فرمادیا ہے تو واقع کے لحاظ سے آپ کی یہ حالیہ تحریر پرچہ سوم ہے نہ کہ دوم۔

بندہ نے لکھا تھا ”جس سے (آپ کی پہلی تحریر سے) پتہ چل رہا ہے کہ آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے“ الخ (میرا قلعہ نمبر ۲ ص ۱) اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ”مجھے افسوس ہے کہ معترض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے پرچہ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے لہذا ثابت ہوا کہ اس تحریر سے پہلے میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکا کسی سے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے خدا خونی سے سوچیں کیا میں نے تحریری پرچہ میں مذکور قرآن و حدیث والے دلائل مذکورہ تحریر سے پہلے زبانی گفتگو میں آپ کے سامنے نہیں بیان کیے تھے“۔ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

آپ کے اس بیان میں کئی ایک نقص ہیں:

- ① آپ کا قول ”میں نے لکھا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ نادرست ہے کیونکہ جو کچھ آپ نے اپنی ۲۴ جنوری والی تحریر میں لکھا وہ من و عن اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ ایک دفعہ پھر سن لیں آپ نے اپنے ۲۴ جنوری والے پرچہ میں لکھا تھا ”دعویٰ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ (آپ کی ۲۴ جنوری والی تحریر) غور فرمائیں دونوں باتوں ”حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر“ الخ اور ”دعویٰ“ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم“ الخ میں کتنا فرق ہے؟

② آپ نے اپنے قول ”مجھے افسوس ہے کہ معترض اپنے علم سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے ہیں“ میں خواہ مخواہ بندہ کی نیت پر حملہ کیا ہے جس کا آپ کو قطعاً حق حاصل نہ تھا نہ ہے۔ یہ بندہ اپنے علم سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ جل و علا اپنے فضل و کرم کے ذریعہ مجھ سے میرے علم سے بڑھ کر خدمت دین کا کوئی کام لے لیں تو اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے رہا آپ کو افسوس والا معاملہ تو اس کا تعلق بندہ کے کسی کام اور ارادے سے نہیں اس کا تعلق ہے تو صرف اور صرف آپ کو اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہ ہونے اور نہ ملنے سے ہے اور یہ افسوس ان شاء اللہ ہمیشہ آپ کا دامن گیر رہے گا لایہ کہ آپ تائب ہو جائیں۔

③ آپ نے اپنے دو قولوں ”کسی سے علم منطق کی ابجد سیکھ لیں تو بہتر ہے“ اور ”خدا خونی سے سوچیں“ الخ میں علم منطق سے ناواقف ہونے اور خدا خونی کے بغیر سوچنے کے بندہ پر دو بہتان لگائے ہیں۔ فخر نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بندہ میں یہ دونوں چیزیں ”علم منطق کی واقفیت اور خدا خونی“ آپ سے تو زیادہ ہی ہیں چنانچہ اسی تحریری بات چیت سے واضح ہے۔

④ آپ اپنی تحریر میں مذکور آیات و روایات کو اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی دلیل سمجھ رہے ہیں جیسا کہ آپ کے قول خدا خونی سے سوچیں کیا میں نے تحریری پرچہ“ الخ سے واضح ہو رہا ہے حالانکہ یہ آیات و روایات آپ کے مذکورہ بالا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی دلیل نہیں ہیں اسی لیے تو بندہ نے خدا خونی سے سوچ کر ہی لکھا تھا ”آپ اس تحریر سے قبل زبانی بات چیت میں مرزا صاحب کے امتی نبی ہونے کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہ کر سکے تھے ورنہ آپ یوں نہ لکھتے کہ ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے“ الخ اور جو تحریر آپ نے اب کے بھیجی ہے

اس میں بھی آپ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کو ثابت کرنے والی کوئی دلیل پیش نہیں کی نہ تو قرآن کریم سے اور نہ ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے۔ اس لیے جناب سے پر زور التماس ہے کہ آپ ادھر ادھر کی باتیں بنانے کی بجائے قرآن کریم کی کوئی آیت یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں جس سے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ ثابت بھی ہوتا ہو؟“ (میرا قلعہ نمبر ۲ ص ۱)

تفصیل * آپ کی اپنی ۲۴ جنوری والی پہلی تحریر کے مطابق آپ کا دعویٰ ہے ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ اور آپ ہی کی اسی ۲۴ جنوری والی تحریر کے موافق اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا آپ پر لازم ہے آپ کی اپنی تحریر میں پیش کردہ کل آیات مندرجہ ذیل ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (سورہ فاتحہ)
 ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ (سورہ نساء)

﴿لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ الْخَفَقْتُ لِبُثِّ فِيكُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿الْخَفَقْتُ﴾ ان مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے کسی ایک آیت مبارکہ میں بھی آپ کے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پر کوئی سی بھی دلالت نہیں ہے۔ نہ عبارت ”نہ دلالت“ نہ اشارۃً ”نہ اقتضاء“ نہ مطابقت ”نہ تضمناً“ نہ التزاماً ”نہ صراحۃً اور نہ ہی کنایۃً نیز نہ حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ پھر آپ کی تحریر میں پیش کردہ ثابت و غیر ثابت کل روایات صرف تین ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ماجہ کی غیر ثابت روایت لو عاش الخ اور خصائص کبریٰ للسیوطی کی بے سند پیش کردہ روایت نبیہا منها

مگر ان تینوں روایات سے کوئی ایک روایت بھی آپ کے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پر دال نہیں ہے الغرض مرزا غلام احمد کا امتی نبی ہونا ان تمام آیات و روایات میں سے کسی کا نہ ترجمہ ہے اور نہ ہی مطلب۔

مرزا صاحب کے اقوال نہ قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث

آپ نے اپنی تحریر میں مرزا صاحب وغیرہ کے کچھ اقوال بھی نقل کیے تھے جن کے جواب ورد میں بندہ نے لکھا تھا ”آپ نے خود ہی لکھا ہے“ اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ اور واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال ہمارے نزدیک نہ تو قرآن ہیں اور نہ ہی حدیث۔ اس لیے آپ کا اپنی تحریر میں مرزا صاحب کے اقوال کو نقل کرنا بے کار ہے۔ نیز روایت لو عاش پر ملا علی قاری کا نوٹ نہ قرآن ہے اور نہ ہی حدیث اس لیے آپ پر ابھی تک لازم ہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے دلائل قرآن کریم اور صحیح حدیث سے پیش فرمائیں (میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۲) لہذا آپ کا اب کے پھر لکھنا ”امردوم اعنی بموجب حکم الہی اس امکانی مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ میں نے حضور کی حلفیہ تحریرات کی رو سے پیش کیا نیز یہ وحی الہی کہ جعلناک المسیح ابن مریم (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱) بے سود ہے کیونکہ آپ کے حضور مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال حلفیہ وغیرہ حلفیہ نہ قرآن ہیں اور نہ حدیث اور آپ اپنی ۲۴ جنوری والی تحریر کی رو سے قرآن و حدیث پیش کرنے کے پابند ہیں اب ذرا آپ بھی خدا خونی سے سوچ لیں۔ آیا مرزا صاحب کے اقوال پیش کرنے میں آپ کا رخ اصل موضوع کی طرف ہی تھا؟ تو حضرت! آپ سے بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اپنی ہی ۲۴ جنوری والی تحریر کا پاس رکھتے ہوئے اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد امتی نبی ہیں“ کی کوئی ایک ہی دلیل قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث و

سنت سے پیش کر دیں ورنہ اعتراف فرمائیں کہ آپ اپنا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ قرآن کریم اور احادیث نبویہ محمدیہ ﷺ سے نہ ثابت کر سکتے اور نہ ہی ثابت کر سکتے ہیں خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع نہ کریں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کا ثبوت کسی ایک فرقہ عالم مولوی یا حافظ وغیرہ کی خواہشات و توقعات کے عین مطابق دیں۔ ہمارا مطالبہ تو صرف اور صرف یہی ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کا ثبوت اپنے ہی ہاتھوں سے لکھی ہوئی ۲۴ جنوری والی تحریر ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ کے عین مطابق تو پیش فرمائیں نا۔ تو جناب سے پھر گزارش کروں گا کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی زیادہ دلیلیں تو درکنار صرف کوئی ایک ہی دلیل قرآن یا آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے پیش کر دیں اور امکان و عدم امکان نبوت، صداقت وغیرہ صداقت مرزا صاحب اور حیات و وفات مسیح علیہ السلام ایسے موضوعوں کی طرف جانا اور رخ موڑنا ہماری اس بات چیت میں تو بالکل ہی بے سود ہے کیونکہ آپ کی پہلی تحریر (۲۴ جنوری والی) صاف اور واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ آپ کی مدعی ہونے کی حیثیت سے ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پر قرآن کریم اور احادیث سے دلائل پیش کریں تو آپ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی طرف آئیں اور دوسرے موضوعوں کی طرف آنکھیں نہ اٹھائیں۔

دوسرا دعویٰ * آپ اپنے پہلے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی تو قرآن کریم اور احادیث محمدیہ ﷺ سے ابھی تک کوئی ایک دلیل بھی بیان نہ کر پائے تھے کہ آپ نے ایک اور دعویٰ داغ دیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں ”سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بموجب حکم الہی وہ موعود وجود ہیں جسے ہمارے آقا و مولا سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسیح، مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ناموں کے ساتھ

مختلف حکمتوں کی بنا پر امت کے سامنے بیان فرمایا، الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱) تو آپ کے اس دوسرے دعویٰ کی رو سے آپ کا فرض ہے کہ آپ سرور انبیاء حضرت محمد ﷺ کی وہ حدیث پیش فرمائیں جس میں آپ ﷺ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا مسیح، مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ہونا بیان فرمایا ہو ورنہ آپ نبی کریم ﷺ کے فرمان مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ الخ جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی الخ کی زد میں آنے سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ دوسروں کو خدا خونی سے سوچنے کی تلقین کرنے والو خود بھی تو خدا خونی سے سوچو اور بولو: اتَّأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ. الایۃ

امکان وعدم امکان نبوت والا مسئلہ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”آپ نے اپنی اس تحریر میں امکان و عدم امکان نبوت کے مسئلہ پر بحث کی ہے جو فی الواقع غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری اس بات چیت میں بھی ذرہ برابر فائدے کی حامل نہیں اولاً تو اس لیے کہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ نہ کہ امکان و عدم امکان نبوت اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ بالفرض امکان و عدم امکان نبوت والے مسئلہ کو اپنی خواہش کے مطابق ہی حل کر لیتے ہیں تو بھی اس سے آپ کا مدعا ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا لہذا آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے کوئی ایک ہی دلیل پیش فرمادیں اور امکان و عدم نبوت والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب آپ اپنا مندرجہ بالا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ قرآن کریم اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سے ثابت فرمائیں گے تو اس قسم کی ابحاث خود بخود حل ہو

جائیں گی“ (میرا قلعہ بستر ص ۱) اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ”امراؤں کے متعلق دو آیا ت قرآنی اور تین احادیث نبویہ پر مشتمل دلائل کے پیش نظر معترض نے جواباً لکھا ہے:

① حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے۔

② حدیث میں نبی اللہ کی پیشگوئی ہے۔“ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۱)

① آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ نے یہ دونوں باتیں ”حدیث میں ایک نبی اللہ الخ“ اور ”حدیث میں جس نبی اللہ کی“ الخ امکان و عدم امکان نبوت والا مسئلہ کے عنوان کے تحت نہیں لکھیں کیونکہ نزول مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نزدیک امکانی نہیں واقعی مسئلہ ہے پھر وقوع فی المستقبل اور امکان فی المستقبل میں بڑا فرق ہے۔ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى أَهْلِ الْعِلْمِ اسی لیے بندہ نے امکان و عدم امکان نبوت والا عنوان جدا اور اِنَّمَا الْمَسِيحُ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ والا عنوان جدا قائم کیا تھا اور مندرجہ بالا دونوں باتیں میں نے دوسرے عنوان انما المسيح الخ کے تحت درج کی ہیں اور آپ کے امراؤں ”امکان و عدم امکان نبوت والے مسئلہ“ کے جواب میں بندہ نے وہی کچھ لکھا جو اوپر نقل کر دیا گیا ہے اور اس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔

② رہا آپ کا لکھنا ”آپ نے بغیر سوچے سمجھے ایک بات کر دی“ الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲) تو وہ میری اس بات کا جواب نہیں ہے کیونکہ ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ نہ کہ امکان و عدم امکان نبوت۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بعض چیزیں ممکن تو ہوا کرتی ہیں مگر واقعہ کبھی بھی نہیں ہوتیں نیز ہمارے بزرگوں کی آپ لوگوں کے ساتھ اجاث بھی اپنی جگہ بجا درست اور علم پر مبنی تھیں۔ رہا آپ کا سوال ”تو آپ کا طرز گفتگو کیسا ہے؟“ تو جواباً عرض ہے کہ میرا یہ طرز گفتگو ویسا ہی ہے جیسا آپ نے بذات خود اپنی ۲۲ جنوری والی پہلی تحریر میں

متعین کیا تھا کہ اس دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے تو آپ اپنے اس دعویٰ کے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کریں نا ادھر ادھر کیوں دوڑتے ہیں؟ پھر آپ لکھتے ہیں ”شاید آپ اس لیے اس موضوع سے کترارہے ہیں کہ آپ ایک طرف ختم نبوت پر ایمان کے دعویدار ہیں اور دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں“۔ (بزعم شما آپ کا رقعہ نمبر ۲ ص ۲)

① یقین کریں کہ یہ بندہ آپ کے لکھ کر دیئے ہوئے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ والے موضوع سے ہٹ کر کسی اور موضوع مثلاً امکان و عدم امکان نبوت پر اس فرصت میں کلام کرنے کو بات چیت کے اصول و قواعد کے منافی سمجھتا ہے ہاں کسی اور فرصت میں آپ اس بندہ کے ساتھ اس حالیہ بات چیت کے موضوع آپ کے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے علاوہ کسی بھی اور موضوع پر گفتگو کا شوق پورا کر سکتے ہیں البتہ اس موجودہ بات چیت میں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے دلائل قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے پیش فرمائیں ورنہ صاف اور واضح الفاظ میں اعتراف کریں کہ آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ غلط نادرست اور واقع کے خلاف ہے۔ باقی رہیں آپ کے خیال کے مطابق میری زاید باتیں تو وہ آپ ہی کی زاید باتوں کی وجہ سے ہیں کیونکہ آپ کی دونوں تحریریں زاید باتوں سے اٹی پڑی ہیں بھلا آپ ہی خدا خونی سے سوچ کر بتائیں امکان و عدم امکان نبوت والی بحث، روایات لو عاش، عیہا منہا، حدیث نواس بن سمان، مرزا صاحب کی عبارات اور ملا علی قاری وغیرہ کے نوٹ جناب کے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پر قرآن و حدیث

سے کیسے دلائل ہیں؟

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

- ② آپ کا کہنا ”اور دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں“ مجھ پر بہتان ہے۔ آنے والے نبی اللہ کے متعلق میرا اور ہر مسلمان کا عقیدہ وہی ہے جو صحیح مسلم کی حدیث نو اس بن سمانؓ میں بیان ہوا ہے کہ وہ نبی اللہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی ہیں نیز صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لَيَنْزِلَنَّ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ“ الخ تو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ”لَيَنْزِلَنَّ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ“ الخ ضرور بالضرور نازل ہوں گے تم میں ابن مریم الخ آپ کے قول ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رسولا الی بنی اسرائیل ہیں وہ امت محمدیہ میں نہیں آسکتے“ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲) کی تعلیل و تردید کر رہے ہیں لہذا آپ کا قول ”جو فوت ہو جائے نہیں آیا کرتا“ بھی غلط ٹھہرا کیونکہ آپ کے عقیدہ کے لحاظ سے اگر بالفرض حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو فوت شدہ ہی تصور کر لیا جائے تو بھی وہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان ”لَيَنْزِلَنَّ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ“ الخ کی رو سے ضرور بالضرور امت محمدیہ میں تشریف لائیں گے نیز قرآن مجید میں ہے ”ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ“ الخ پھر اٹھایا ہم نے تمہیں تمہارے فوت ہو جانے کے بعد الخ ”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ“ الخ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو طرف جو نکلے اپنے گھروں سے در انحالیکہ وہ ہزاروں تھے فوت ہونے کے ڈر کے مارے تو کہا ان سے اللہ تعالیٰ نے فوت ہو جاؤ پھر زندہ کیا اس نے انہیں الخ ”فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ“ الخ پس فوت کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے سو سال پھر اٹھایا اس نے اس کو الخ ان اور ان جیسی دیگر آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ کا قاعدہ ”جو فوت

ہو جائے وہ نہیں آیا کرتا“ درست نہیں۔ نیز اس قاعدہ کی رو سے آپ کا مرزا صاحب کو مسیح عیسیٰ بن مریم قرار دینا بھی غلط ٹھہرا۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

باقی رہیں مثیل، شبیہ اور مجازی والی باتیں تو ان کا کتاب و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَيَنْزِلَنَّ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ“ الخ نہ کہ ”لَيَنْزِلَنَّ فِيكُمْ مَثِيلُ ابْنِ مَرْيَمَ أَوْ شَبِيهُهُ“۔

نیز آپ لکھتے ہیں ”مقرض ان دلائل کے سبب اپنی عاجزی کا اظہار یوں کرتے ہیں ”امکان وعدم امکان والی بحث کو چھوڑیں نیز صداقت وعدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں“۔ (ص ۱) یہ صورت احوال الخ۔

(بزعم ثما آپ کا پرچہ دوم ص ۱)

① یہ نری لفاظی ہے یاد رہے یہاں لفاظی سے کام نہیں چلے گا۔ یہاں تو دلائل درکار ہیں بار بار لکھ چکا ہوں کہ آپ نے ابھی تک اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن و حدیث سے کوئی ادنیٰ سی دلیل بھی پیش نہیں کی اور نہ ہی آئندہ پیش کرنے کی آپ سے توقع ہے کیونکہ اس دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کا قرآن و حدیث میں محکم کیا غیر محکم ثبوت ہونا بھی امر محال ہے تو پھر آپ کا مجھ پر ”ان دلائل کے اپنی عاجزی“ الخ کی پھبتی کسنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہاں اس طرح آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن و حدیث سے کوئی ایک دلیل بھی پیش کرنے سے عاجز آ جانے اور قاصر رہنے پر پردہ پوشی کی ایک بھونڈی صورت اختیار فرمانے کی ضرور کوشش کر رہے ہیں جسے ہرگز بار آور نہیں ہونے دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تو چار و ناچار آپ کو اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے قرآن کریم اور احادیث محمدیہ ﷺ سے دلائل پیش کرنے کی طرف پلٹنا ہی پڑے گا۔

② امکان و عدم امکان نبوت والی بحث کو چھوڑنے نیز صداقت و عدم صداقت مرزا صاحب والی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہ ہونے کی وجہ کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے انھیں ایک دفعہ پھر پڑھ لیں ان شاء اللہ العزیز بات واضح ہو جائے گی بشرطیکہ آپ خدا خونی سے سوچیں۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”صحیح مسلم میں موجود حضرت نواس بن سمعان والی طویل حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب اس کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے۔ چنانچہ اسی حدیث نواس بن سمعانؓ میں رسول اللہ ﷺ مسیح دجال کا حلیہ اور اس کے چند کربت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ“ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں ”ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى قَوْمٌ“ بیان کو جاری رکھتے ہوئے آپؐ مزید فرماتے ہیں: ”إِذْ أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى“ اور اس کے بعد اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر چار مرتبہ ”نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ“ کے لفظ بولے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے عیسیٰ نہیں اور حدیث نواس بن سمعانؓ میں مذکور نبی اللہ کا نام عیسیٰ ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام غلام احمد نہیں نیز آپ کو اعتراف ہے کہ مرزا صاحب کی والدہ کا نام مریم نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ۲۴ جنوری کی زبانی بات چیت میں اہالیان مجلس کے روبرو بھی اس بات کا اقرار فرمایا تھا اور حدیث نواس بن سمعانؓ میں آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم بتایا گیا ہے تو آنے والے نبی اللہ کی والدہ کا نام مریم ہے چراغ بی بی نہیں اور مرزا صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے مریم نہیں لہذا حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیشگوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں

علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں۔ (میرا رقبہ نمبر ۲ ص ۲ اوص ۲)

اس کا کوئی جواب تو آپ سے بن نہ پڑا۔ آیت ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ سُكَارَى“ سے صرف ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ“ کو جملہ ”وَأَنْتُمْ سُكَارَى“ کے بغیر پڑھنے والوں کی طرح آپ نے لکھ مارا ”معترض نے جواباً لکھا ہے۔ ① حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے۔ ② حدیث میں نبی اللہ کی پیشگوئی ہے“ حالانکہ پہلی عبارت پوربی بندہ کی تحریر میں اس طرح ہے ”صحیح مسلم میں موجود حضرت نواس ابن سمانؓ والی حدیث میں ایک نبی اللہ کی آمد کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر وہ نبی اللہ مرزا غلام احمد قادیانی نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کوئی اور نبی ہی ہیں کیونکہ اسی حدیث میں اس نبی اللہ کا لقب اس کا نام اور اس کی والدہ ماجدہ کا نام بھی تو مذکور ہے نالغ اور اسی طرح دوسری عبارت بھی بندہ کی تحریر میں اس طرح ہے ”لہذا حضرت نواس بن سمانؓ والی حدیث میں جس نبی اللہ کی پیش گوئی ہے وہ نبی اللہ عیسیٰ بن مریم ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مرزا غلام احمد قادیانی بن چراغ بی بی عیسیٰ بن مریم نہیں اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ بھی نہیں“ چنانچہ بندہ اپنے رقبہ نمبر ۲ سے پوری عبارت تفصیلاً نقل کر چکا ہے اسے ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرمائیں۔ تو دیکھا جناب نے بندہ کی اس مقام پر عبارت میں دو جگہ کیسی قطع و برید کی پھر آپ نے اپنی اسی قطع و برید کے بل بوتے پر بہتان ”دوسری طرف حضور کے بعد امتی نبی کی بجائے ایک مستقل نبی کے منتظر ہیں“ مجھ پر تھوپ دیا آیا آپ کے مذہب میں خدا خونی اسی کا نام ہے؟ ہاں تو بندہ کی عبارات آپ کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہیں جبکہ آپ اس سے قبل آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضرت نواس بن سمانؓ والی حدیث میں مذکور بیان میں ایسا کر چکے ہیں چنانچہ اس بندہ نے لکھا تھا ”آپ اس مقام پر اپنی عبارت پر ذرا نظر ثانی فرمائیں کہ آپ نے اس حدیث نواس بن سمانؓ میں چار دفعہ نبی اللہ والے

لفظ کو تو پکڑ لیا اور اسی حدیث میں موجود ایک بار لفظ ”المسیح بن مریم“ کو دودفعہ لفظ ”عیسیٰ“ کو اور چار مرتبہ لفظ ”نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام“ سے عیسیٰ کو آپ نے اپنی تحریر میں جان بوجھ کر ذکر تک نہیں کیا ”جان بوجھ کر“ کا لفظ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کی ہی تحریر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ طویل حدیث آپ کے علم میں ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کریں گے کہ وہ آپ لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے کہ آپ اس قسم کے کاموں ہی سے باز آ جائیں“ (میرا ورقہ نمبر ۲ ص ۲) اس کے جواب میں آپ نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تو گویا دبی زبان میں آپ نے اعتراف کر لیا کہ یہ کام واقعی آپ نے جان بوجھ کر ہی کیا تھا اب ذرا غور فرمائیں کیا خدا خونی آپ کے ہاں اسی کو کہتے ہیں؟

ثابت ہی نہیں * اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”ابن ماجہ کی روایت ”وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا“ کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان نامی بھی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے ”كَذَّبَهُ شُعْبَةُ“ الخ لہذا یہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں پہلے اسے ثابت فرمائیں پھر استدلال کریں۔ (میرا ورقہ نمبر ۲ ص ۲) اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ”ایک طرف آپ صحاح ستہ کہتے ہیں دوسری طرف معترض ہو رہے ہیں یہ کیا چکر ہے الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲) جواباً گزارش ہے کہ یہ وہی چکر ہے جو آپ کے اور تمام لوگوں کے لفظ ”ابوین اور والدین“ میں پایا جاتا ہے کہ ایک طرف تو آپ لوگ ماں اور باپ دونوں کو ابوین اور والدین کہتے ہیں اور دوسری طرف ماں کو اب اور والد کہنے پر معترض ہوتے ہو یہ کیا چکر ہے آپ خود ہی غور کریں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اصل بات یہ ہے کہ کتب ستہ کو جو ہم لوگ صحاح ستہ کہتے ہیں تو صرف قانون تغلیب کے پیش نظر۔ چنانچہ اہل علم نے جہاں یہ اصطلاح بیان کی ہے وہاں انھوں نے اس اصطلاح کی مذکورہ بالا توجیہ بھی لکھی ہے۔ سمجھنے کے لیے دیکھئے ہم سبھی ماں اور باپ

کو ابوین اور والدین کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ہے:

”وَلَا بُيُوتَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ“ الخ (سورة نساء) ”وَرَفَعَ أَبُوَيْه

عَلَى الْعَرْشِ“ الخ (سورة يوسف) ”وَبَالَوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“ (سورة بقرہ، سورة

نساء اور سورة بنی اسرائیل)

تو یہ صرف قانون تغلیب کے پیش نظر ہی ہے نہ اس لیے کہ ماں بھی اب یا والد ہے تو آپ کے صحاح ستہ کے لفظ سے ابن ماجہ کی روایت ”ولو عاش“ الخ کی صحت کو اخذ کرنے میں بس اتنی ہی معقولیت ہے جتنی کہ ابوین یا والدین کے لفظ سے ماں کے اب (باپ) یا والد ہونے کو اخذ کرنے میں۔

آپ مزید لکھتے ہیں ”حدیث نبوی“ ”وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صَدِيقًا نَّبِيًّا“ کو آپ ٹھکرا رہے ہیں کہ سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں اس لیے حدیث پاک کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں۔“ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

جواباً گزارش ہے کہ یہ بندہ حدیث نبوی کو نہیں ٹھکرا رہا۔ دیکھئے آپ نے حضرت نواس بن سمران رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا ذکر کیا تو بندہ نے اسے بسر و چشم قبول کیا رہا جملہ ”وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صَدِيقًا نَّبِيًّا“ جس کو آپ حدیث نبوی سمجھے بیٹھے ہیں تو وہ حدیث نبوی ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں راوی ابراہیم بن عثمان معتبر نہیں اس لیے آپ کا مجھے حدیث نبوی کو ٹھکرانے کا طعنہ دینا بے جا اور غلط ہے نیز آپ کا قول ”حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے“ الخ بالکل ہی نادرست ہے اس کی حیثیت بالکل ویسی ہی ہے جیسے کوئی آپ سے کہے ”ماں کے باپ ہونے کو آپ ٹھکرا رہے ہیں حالانکہ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ماں کے ”وَبَالَوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“ میں آنے کے سبب آپ اسے والد اور باپ کہنے کے پابند ہیں اس لیے ماں کے باپ ہونے کو رد کرنے میں دلیری نہ کریں“ تو جملہ ”وَلَوْ عَاشَ“ الخ حدیث نبوی نہیں ہے لہذا آپ

غیر حدیث نبوی کو حدیث نبوی سمجھنے اور قرار دینے میں دلیری نہ کریں۔ کہیں آپ حدیث نبوی ”مَنْ قَالَ عَلَى مَا لَمْ أَقُلْ“ الخ کی زد میں نہ آ جائیں پھر کسی روایت کے سنن ابن ماجہ میں ہونے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ روایت صحاح ستہ میں آ گئی؟ لہذا آپ کا قول ”صحاح ستہ میں آنے“ الخ نرا مغالطہ ہے ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحاح ستہ میں شامل کتاب سنن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے مگر آپ کو علم ہونا چاہیے کہ سنن ابن ماجہ میں ثابت وغیر ثابت ملی جلی احادیث ہیں۔ لہذا ہم کسی روایت کے صرف ابن ماجہ میں آنے کے سبب اسے قبول کرنے کے پابند نہیں۔ خدا خونی سے کام لیں۔ آخر آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے وہاں اس قسم کے پتچوں اور مغالطوں سے تو کام نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ مزید لکھتے ہیں ”نیز غور فرمائیں یہ حدیث آپ اس لیے تو رد نہیں کر رہے کہ آپ کے عقائد سے ٹکراتی ہے۔ غالباً ایسا ہی ہے۔“ (بزمِ ثناء آپ کا پرچہ دوم ص ۲) جواباً عرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان لوگوں میں شامل ہیں جو لوگ اپنے عقائد اعمال اور اقوال کو قرآن مجید اور احادیث ثابتہ کے مطابق بنانے کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے ہیں ہم ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں جو لوگ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ کو موڑ توڑ کر اپنے یا اپنے بزرگوں کے عقائد اعمال اور اقوال کے مطابق بنانے کے رسیا، خوگر اور عادی ہیں اور نہ ہی ہم ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہیں جو اپنے بڑوں کے عقائد اعمال اور اقوال کو ثابت کرنے کی خاطر احادیث وضع کرتے یا غیر ثابت احادیث کو قابل استدلال بنائے کی خاطر مٹی کے ستونوں کو سونے کا دکھانے کے لیے خام اور ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ ہم جو اس روایت ”ولو عاش“ الخ کو رد کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ یہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اگر ہمت ہے تو آپ اسے نبی کریم ﷺ کی حدیث ہونا ثابت فرما دیں پھر

ہمارے اس کو تسلیم کرنے کا نظارہ دیکھ لیں خواہ مخواہ لفاظی کے ذریعے رعب جمانے کی کوشش نہ کریں۔ یاد رہے اگر بفرض محال آپ اس روایت ”ولو عاش الخ کا قابل استدلال ہونا ثابت فرما بھی لیں تو بھی اس سے آپ کا دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ اولاً تو اس لیے کہ حضرت مرزا صاحب تو غلام احمد بن چراغ بی بی ہیں نہ کہ ابراہیم بن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ثانیاً اس لیے کہ لفظ ”لو“ امتناع اور کسی چیز کے ناممکن ہونے کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں ”معرض سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی القاری نے اس اعتراض کو بیان کر کے فرمایا:

فِي مُسْنَدِهِ أَبَاشِيَّةُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُثْمَانَ الْوَاسِطِيِّ وَهُوَ ضَعِيفٌ لَكِنْ

لَهُ طُرُقٌ ثَلَاثَةٌ يَقْوَى بِبَعْضِهَا بِبَعْضٍ الخ (بزرگ شما آپ کا رقعہ نمبر ۲)

جواباً گزارش ہے کہ آپ نے دیکھ لیا کہ آپ سے زیادہ علم وفہم رکھنے والے بزرگ حضرت ملا علی قاری ہی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف کہہ اور قرار دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی بات ”صحاح ستہ میں آنے کے سبب آپ اسے قبول کرنے کے پابند ہیں“ کو آج سے بہت پہلے حضرت ملا علی قاری ایسے بزرگ بھی رد فرما چکے ہیں رہا تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے والا مسئلہ تو وہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اپنی مشہور و معروف اور مستند کتاب علوم الحدیث میں تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے پر مبنی ایک سوال نقل فرما کر لکھتے ہیں:

وَجَوَابُ ذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ كُلُّ ضَعْفٍ فِي الْحَدِيثِ يَزُولُ بِمَجِيئِهِ مِنْ وَجْهِهِ، بَلْ ذَلِكَ يَتَفَاوَتْ، فَمِنْهُ ضَعْفٌ يُزِيلُهُ ذَلِكَ بَأَن

۱۔ یہ دونوں لفظ آپ کی تحریر میں اسی طرح ہیں۔ اھ منہ

يَكُونُ ضَعْفُهُ نَاشِئًا مِنْ ضَعْفِ حِفْظِ رَاوِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنْ أَهْلِ
الصِّدْقِ وَالِدَيَانَةِ. فَإِذَا رَأَيْنَا مَرَاوَاهُ قَدْ جَاءَ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَرَفْنَا أَنَّهُ
مِمَّا قَدْ حَفِظَهُ وَلَمْ يَخْتَلْ فِيهِ ضَبْطُهُ لَهُ. وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَ ضَعْفُهُ
مِنْ حَيْثُ الْإِرْسَالِ زَالَ بِنَحْوِ ذَلِكَ كَمَا فِي الْمُرْسَلِ الَّذِي
يُرْسَلُهُ إِمَامٌ حَافِظٌ إِذْ فِيهِ ضَعْفٌ قَلِيلٌ يَزُولُ بِرَوَايَتِهِ مِنْ وَجْهِ آخَرَ
وَمِنْ ذَلِكَ ضَعْفٌ لَا يَزُولُ بِنَحْوِ ذَلِكَ لِقُوَّةِ الضُّعْفِ وَتَقَاعُدِ
هَذَا الْجَابِرِ عَنْ جَبْرِهِ وَمُقَاوَمَتِهِ وَذَلِكَ كَالضُّعْفِ الَّذِي يَنْشَأُ مِنْ
كَوْنِ الرَّاوِي مُتَّهَمًا بِالْكَذِبِ أَوْ كَوْنِ الْحَدِيثِ شَاذًا. ۱ ھ

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۱-۳۰)

حاصل عبارت یہ ہے کہ ضعف متفاوت ہوتے ہیں کچھ ضعف تو تعدد طرق سے زائل ہو جاتے ہیں مثلاً وہ ضعف جس کا منشا سچے اور دیانت دار راوی کے حفظ کی کمزوری ہو اور وہ ضعف جو بوجہ ارسال ہو اور کچھ ضعف تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتے۔ مثلاً وہ ضعف جس کا منشا راوی کا متہم بالکذب ہونا یا روایت کا شاذ ہونا ہو اور واضح ترین بات ہے کہ آپ کی پیش کردہ روایت ”ولو عاش“ الخ کا ضعف ان ضعفوں میں شامل ہے جو تعدد طرق سے زائل نہیں ہوتے کیونکہ اس کے ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی کی بعض محدثین نے تکذیب بھی کی ہے چنانچہ میزان کے حوالہ سے پہلے لکھا جا چکا ہے لہذا ملا علی قاری وغیرہ کی بات ”يقوى بعضها ببعض“ اس جگہ درست نہیں۔ اس روایت کے آپ کی طرف سے پیش کردہ ابن ماجہ والے طریق کا حال تو آپ سن ہی رہے ہیں۔ آپ اس کے دوسرے طریق بھی نقل فرمائیں تاکہ آپ کو ان کا حال بھی سنا دیا جائے۔

آپ لکھتے ہیں ”مؤمنانہ حسن ظنی سے کام لیا جائے تو مسئلہ آسان ہو سکتا

ہے اسی راوی ابوشیبہؒ الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

آپ نے یہ مؤمنانہ حسن ظنی والی بات بھی خوب کہی۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا“ الخ۔ اگر مؤمنانہ حسن ظنی ہی کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو تبیین (تحقیق کرنے) کا حکم کیوں دیتے؟ مؤمنانہ حسن ظنی کا معنی آپ غلط سمجھے۔ مؤمنانہ حسن ظنی کا تقاضا ہے کہ ضعیف کو ضعیف ہی سمجھا جائے اور ثقہ کو ثقہ ہی۔ ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ سمجھنا اور قرار دینا کوئی مؤمنانہ حسن ظنی نہیں۔ تو مؤمنانہ حسن ظنی ہی چاہ رہی ہے کہ ضعیف راوی ابوشیبہؒ واسطی کو ضعیف ہی سمجھا اور قرار دیا جائے۔

قاضی ابوشیبہؒ ابراہیم بن عثمان واسطی کو محدثین نے ضعیف کہا اور قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسماء رجال کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر آپ کا خیال ہے کہ بعض محدثین نے اسے ثقہ بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ مَاقَضَى رَجُلٌ أَعْدَلَ فِي الْقَضَاءِ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهُ أَحَادِيثُ صَالِحَةٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي حَيَّةٍ. الخ

(تہذیب جلد اول ص ۱۲۵ و اکمال ص ۲۰) (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

① آپ کا دعویٰ ہے ”بعض نے ثقہ بھی قرار دیا ہے“ اور بطور دلیل جو عبارت آپ نے پیش فرمائی اس میں اس کے ثقہ ہونے کا بیان نہیں اس میں تو صرف اتنی بات ہے کہ موصوف واسطی صاحب اعدل فی القضاء ابراہیم بن ابی حبیہ سے اچھے اور ان کی کچھ احادیث صالحہ ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ ان تینوں وصفوں سے ان کے حامل موصوف کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ لہذا آپ کسی محدث کا وہ قول پیش فرمائیں جس میں اس کے ثقہ ہونے کا بیان

② آپ کا نقل کردہ جملہ ”وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي حَيَّةَ“ آپ کی غلطی ہے کیوں کہ تہذیب التہذیب میں یہی جملہ اس طرح لکھا ہے ”وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ اَبِي حَيَّةَ“ دیکھا آپ نے کیسی شاندار خدا خونی سے سوچ سمجھ کر ”خَيْرٌ مِنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ اَبِي حَيَّةَ“ کو ”خَيْرٌ مِنْ اَبِي حَيَّةَ“ بنا ڈالا۔ بھلا نبی کریم ﷺ کے فرمان ”نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ“ کو جان بوجھ کر صرف ”نَبِيُّ اللّٰهِ“ میں تبدیل کرنے والوں کے لیے ”اِبْرَاهِيمَ بْنِ اَبِي حَيَّةَ“ کو صرف ”اَبِي حَيَّةَ“ کر لینا کوئی مشکل کام ہے؟ تو جب صورت احوال یہ ہے تو بندہ کی عبارات میں حذف اور تغیر و تبدل کرنے سے آپ لوگوں کو کیسے باز رکھا جاسکتا ہے؟ تو جناب! آپ کا کام ہے احادیث نبویہ اقوال سلف اور اس بندہ کی عبارات میں لفظی و معنوی تحریف کرنا اور اس بندہ کا کام ہے ناصحانہ اور خیر خواہانہ جذبہ کے تحت آپ کے مغالطات اور آپ کی ان ہیرا پھیریوں کی قلعی کھولنا ع

کیے جاؤ مے خوار و کام اپنا اپنا

پھر آپ لکھتے ہیں ”ابو حبیہ کے متعلق لکھا ہے: وثقه دارقطنی^۱ وقال

النسائی ثقة. (تہذیب التہذیب جلد اول ص ۱۱۳) (بزعم ثا آپ کا پرچہ نمبر ۲ ص ۳)

① اولاً یہ عبارت تہذیب التہذیب کے محولہ بالا صفحہ و مقام پر ابو حبیہ سے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ تہذیب التہذیب کی پوری جلد اول میں تو ابو حبیہ کا ترجمہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں تہذیب التہذیب میں یہ عبارت ابراہیم بن حبیب بن الشہید الازدی سے متعلق ہے جس کو آپ نے خیر سے ابو حبیہ پر چسپاں کر دیا اور آپ کے ہاں اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی ہیرا پھیریاں تو

۱۔ یہ لفظ آپ کی تحریر میں ایسے ہی لکھا ہے۔ اھ منہ

آپ کا سبب ہے جب اور جیسے چاہیں اس سے اپنا جام بانا م بھریں ع

سبب اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

② ثانیاً آپ کو پہلے علم ہو چکا ہے کہ ”خیر من ابی حیة“ کی جگہ اصل میں ”خیر من ابراہیم بن ابی حیة“ ہے اور ابراہیم بن ابی حیہ کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

”قَالَ الْبُخَارِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيفٌ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ مَتْرُوكٌ“

”ابراہیم بن ابی حیہ کو امام بخاری منکر الحدیث، امام نسائی ضعیف اور امام دارقطنی متروک کہتے ہیں۔“

③ ثالثاً ایک ضعیف راوی کے دوسرے ضعیف راوی سے اچھا ہونے سے نسبتاً اچھے راوی کا ثقہ ہونا ہرگز نہیں نکلتا۔ گملاً یخفی علی اهل العلم ہاں اس سے دوسرے ضعیف کی نسبت اچھے ضعیف کا نسبتاً کم درجہ کا ضعیف ہونا ضرور نکلتا ہے مگر رہے گا تو ضعیف ہی، ثقہ تو نہیں بن جائے گا۔ مثلاً ابراہیم بن عثمان اور ابراہیم بن ابی حیہ دونوں راوی سخت ضعیف ہیں تو اب کسی صاحب کے ابراہیم بن عثمان کو ابراہیم بن ابی حیہ سے اچھا کہنے سے ابراہیم بن عثمان ثقہ تو ہرگز نہیں بن سکتا۔ کچھ تو سوچیں اور خدا خونی سے کام لیں۔

④ رابعاً اصولی طور پر آپ کو ابوجہ صحیح ابراہیم بن ابی حیہ کے متعلق حضرت ابن عدی کی اپنی رائے نقل فرمانا چاہیے کیونکہ ”خیر من“ الخ تو ابن عدی ہی کہہ رہے ہیں نہ کہ امام نسائی اور امام دارقطنی، اور آپ لکھتے ہیں ”رائے مختلف ہو سکتی ہے ایک آدمی ایک آدمی کو کسی وجہ سے غیر معتبر سمجھتا ہے اور دوسرا معتبر“ (برعم شاہ آپ کا پرچہ دوم ص ۲) لہذا آپ کا حضرت ابن عدی کے قول ”وہو خیر من“

...الخ سے ابراہیم ابن عثمان واسطی کے ابن عدی کے ہاں ثقہ ہونے کو اخذ کرنا سراسر غلط ہے اس کی وجوہ پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

آپ لکھتے ہیں ”اسی طرح بیضاوی کے حاشیہ ”الشہاب علی البیضاوی“ میں بھی اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے ”أَمَّا صَحَّةُ الْحَدِيثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيهَا“ الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

جواباً گذارش ہے کہ آپ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمان ”نبي الله عيسى عليه السلام“ کو صرف نبی اللہ کر لیتے، حضرت ابن عدی کے قول ”خير من ابراهيم بن ابی حية“ کو ”خير من ابی حية“ بنا ڈالنے اور امام نسائی اور امام دارقطنی کی تہذیب التہذیب میں ابراہیم بن حبیب بن الشہید الازدی سے متعلق توثیق کو ابوحیہ پر چسپاں کر دینے کی بنا پر بندہ کو آپ کے اس مندرجہ بالا حوالہ پر یقین نہیں آ رہا۔ کیا بعید کہ آپ نے اس جگہ بھی کمال صفائی سے کچھ کا کچھ بنا دیا ہو۔ اس لیے گذارش ہے کہ آپ حاشیہ ”الشہاب علی البیضاوی“ کا یہ مقام مجھے دکھائیں اور ساتھ ہی اس حاشیہ والے بزرگوں کے علم حدیث و رجال میں درجہ و مرتبہ کو بھی واضح کریں کیونکہ بات محدثین کے حضرت واسطی صاحب کو ضعیف قرار دینے نہ دینے پر چل رہی ہے۔ پھر یاد رہے کہ روایت ”ولو عاش“ الخ کی سند ضعیف ہونے کی بنا پر اس کا غیر ثابت ہونا، غیر صحیح اور غیر حسن ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اب اس سے متعلق کسی مُحِشِی کا ”اماصحة الحديث“ الخ کہہ دینا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

آپ ہی لکھتے ہیں ”علامہ شوکانی اس حدیث سے متعلق“ الخ (بزعم شما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

علامہ شوکانی نے اس مقام پر اپنے خیال کی بنیاد اس جملہ ”ولو عاش“ الخ کے تین صحابہؓ سے وارد ہونے پر رکھی ہے وہی تعدد طرق سے قوت حاصل ہونے والی

بات تو اس کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ نیز واضح کیا گیا ہے کہ ابراہیم بن عثمان واسطی والی روایت ان ضعیف روایتوں میں شامل ہے جن کا ضعف تعدد طرق سے بھی زائل اور دُور نہیں ہوتا پھر علامہ شوکانی بذات خود اپنی کتاب نیل الاوطار کتاب الجنائز باب القراءة میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں ”وَفِي سَنَدِهِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ ابُو شَيْبَةَ الْوَاسِطِيُّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ جِدًّا“ کہ اس کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ واسطی ہے اور وہ انتہائی ضعیف ہے اب تک آپ نے روایت ”ولو عاش“ الخ کا ابوشیبہ واسطی والا صرف ایک ہی طریق ابن ماجہ کے حوالے سے پیش کیا ہے جس کی حقیقت و حالت آپ پر آشکارا کر دی گئی کہ راوی ابوشیبہ واسطی سخت ضعیف ہے ملا علی قاری اور علامہ شوکانی بھی اسے ضعیف کہتے اور لکھتے ہیں اور ابھی تک آپ نے اس روایت کے دوسرے دو طریق پیش ہی نہیں کیے ان پر مفصل بات چیت تو تب ہوگی جب آپ انھیں پیش فرمائیں گے۔ سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ ان دونوں طریقوں کی حالت بھی آپ کے پیش کیے ہوئے واسطی صاحب والے طریق کی حالت سے مختلف نہ ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ الحاصل روایت ”ولو عاش“ الخ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ ہی یہ آپ کی حدیث ہی ہے۔

آگے پھر آپ نے ملا علی قاری کا نوٹ نقل فرمایا ہے حالانکہ یہ بندہ بار بار لکھ چکا ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ اور اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا آپ پر لازم ہے مگر آپ ہیں کہ ملا علی قاری کے نوٹ کو لیے پھرتے ہیں۔ تو آپ ہی سوچیں، سمجھیں اور خدا خونی سے کام لیں آیا ملا علی قاری کا یہ نوٹ قرآن کریم ہے یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت اور حدیث ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اسے بار بار بیان کرنے سے آپ کو فائدہ؟ پھر ملا علی قاری کے اس نوٹ میں نبی کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم سے متعلق ایک غیر ثابت جملہ

شرطیہ کی توضیح ہے اس میں یہ بات قطعاً نہیں ہے کہ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ اور نہ ہی اس میں یہ ہے کہ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح مہدی اور عیسیٰ بن مریم وغیرہ ہیں“ جبکہ ہماری یہ بات چیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے نبی ہونے نہ ہونے سے متعلق ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے بفرض زندگی نبی ہونے نہ ہونے سے متعلق خدا را کچھ تو سوچیں اور اپنے موضوع کی طرف پلٹیں اور خواہ مخواہ ادھر ادھر کی باتوں میں میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

سند پیش کریں

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”آپ کی تحریر میں پیش کردہ انحصار الکبریٰ للسیوطی کی روایت ”نبیہا منها“ کی سند درکار ہے لہذا اس روایت کی سند پیش کریں۔“ (میرا قلعہ نمبر ۲ ص ۲)

اس کو پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ”ایک اور عجیب مخلصہ کا آپ شکار ہیں آپ جن بزرگوں کو اپنے بزرگ مانتے ہیں ان کی محنت شاقہ اور مسلسل دعاؤں سے جمع کی ہوئی احادیث کی سندیں ہم سے طلب کر رہے ہیں۔“ (بزم ثناء آپ کا پرچہ دوم ص ۲)

بزرگوں کو ہم بزرگ ہی مانتے ہیں انھیں رب الہ اور پیغمبر تو نہیں مانتے مگر آپ ہیں کہ ہمیں بزرگوں کا بزرگوں سے اوپر والی کوئی ہستی ہونا منوانا چاہتے ہیں بھلا کسی کو بزرگ ماننے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کریں تو ان سے ان کی بزرگی کے پیش نظر اس کی سند ہی طلب نہ کی جائے۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اخبار کے تبیین اور ان کی تحقیق کا ہمیں حکم دیا وہاں ہمارے بزرگوں نے بھی ہمیں اخبار کی چھان بین کرنے کی ترغیب دی ہے۔ شک ہو تو صحیح مسلم کا مقدمہ اور اس موضوع پر دیگر کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ ان سیوطی صاحب نے ہی اپنی کئی ایک کتابوں میں اس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی ہے

پھر جب آپ کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور اہل علم کے اقوال میں دیدہ دانستہ ہیرا پھیری کرنا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے تو ہم آپ سے سند کا مطالبہ کرنا کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں؟ تو روایت ”نَبِيْهَا مِنْهَا“ کی سند آپ نے پہلے بھی پیش نہیں کی تھی اور اب کے پھر آپ نے اس کی سند پیش نہیں کی۔ لہذا ہم ایک دفعہ پھر یہی عرض کریں گے کہ اس روایت کی سند پیش کریں اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ عجیب مخمضہ کا شکار کون ہے آپ یا یہ بندہ؟ ذرا خدا خونی سے سوچنا۔

اصل موضوع سے کون ہٹ رہا ہے؟

آپ لکھتے ہیں ”امید ہے آئندہ آپ راویوں پر بحث کی بجائے اپنا رخ اصل موضوع کی طرف رکھیں گے اگر آپ نے اس فن کی طرف ضرور رجوع کرنا ہے تو زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کر لیں پھر کوئی نئی بات کریں۔“

(بزمِ ثما آپ کا پرچہ دوم ص ۳)

جواباً گزارش ہے کہ آپ ایک دفعہ پہلے اور ایک دفعہ پھر اس عبارت میں مجھ پر اصل موضوع سے ہٹنے کا الزام لگا چکے ہیں حالانکہ میری تحریرات شاہد ہیں کہ میں اس گفتگو کے آغاز سے لے کر اب تک آپ کو اس بات چیت کے موضوع جناب کے ۲۴ جنوری کو لکھ کر دیے ہوئے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کے قرآن کریم اور احادیث سے دلائل پیش کرنے کی طرف دعوت دے رہا ہوں مگر آپ ہیں کہ کمال ہوشیاری سے کبھی اس موضوع سے دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے، کبھی پیچھے، کبھی اوپر اور کبھی نیچے کھسک جاتے ہیں تو پھر آپ کے تعاقب کی غرض سے مجھے بھی آپ کی سمت جانا پڑتا ہے ورنہ آپ کہنا شروع کر دیں گے کہ تو نے میری فلاں بات کا جواب نہیں دیا۔ لہذا اصل میں اور درحقیقت اپنے موضوع سے ہٹنے والے آپ خود

ہیں نہ کہ یہ بندہ۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے تصور اپنا نکل آیا

رہا آپ کا قول ”زیر بحث حدیث کی سند پر فیصلہ کر لیں“ الخ تو وہ آپ خواہ مخواہ سوکھا زعب جمار ہے ہیں اور اصل موضوع جناب کے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ پر گفتگو سے خود ہٹنے اور بندہ کو ہٹانے کی سعی نامشکور فرما رہے ہیں کیونکہ سند پر فیصلہ تو ہو چکا ہے کہ روایت ”نَبِيُّهَا مِنْهَا“ کی سند میرے مطالبہ کے باوجود ابھی تک آپ پیش نہیں فرما سکے اور ابن ماجہ کی روایت ”وَلَوْ عَاشَ“ الخ کی سند کا ضعف بندہ ثابت کر چکا ہے جس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں اس لیے آپ سے ایک دفعہ پھر زور التماس کروں گا کہ آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی طرف پلٹئے کیونکہ وہ اس بات چیت کا اصل موضوع ہے اور اپنے قول ”اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم اور احادیث سے پیش کرنا مجھ پر لازم ہے“ کے موجب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی نبی ہونے کی قرآن کریم اور احادیث سے دلیل پیش کیجیے۔ یاد رہے کہ ابھی تک آپ نے اپنے اس دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی نبی ہیں“ کی قرآن کریم اور احادیث سے کوئی ایک دلیل بلکہ کسی ایک دلیل کی کوئی ایک جزء بھی پیش نہیں کی۔ چنانچہ تفصیلاً لکھا جا چکا ہے اب آپ کے لیے دو ہی راہیں ہیں یا تو آپ اپنے دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن کریم اور احادیث سے کوئی دلیل پیش فرمائیں یا پھر صاف اور واضح الفاظ میں اعتراف و اقرار کریں کہ آپ کے اس دعویٰ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہیں“ کی قرآن کریم اور احادیث میں کوئی ایک دلیل بھی نہیں اس لیے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی بھی نہیں اور ان کے غیر امتی نبی نہ ہونے کے تو ماشاء اللہ آپ پہلے ہی سے قائل اور معتقد ہیں۔ ان دورا ہوں کے سوا جو

راہ بھی آپ لیں وہ اس بات چیت کے موضوع سے ہٹ کر ہی ہوگی اور آپ کے
تعاقب کی خاطر میرے لیے بھی اس راہ چلنا ناگزیر ہوگا۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۲۰ شعبان ۱۴۰۳ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



کیا تقلید واجب ہے؟

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

قاضی شمس الدین حنفی دیوبندی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جناب قاضی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ کا سوال ہے امید ہے جناب جواب دے کر اس کی تسلی کریں گے سوال یہ ہے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید قرآن و حدیث کی رو سے فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟

نیز جو شخص حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کرتا وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ (ماسٹر محمد خالد ۲۱ شوال ۱۴۰۱ھ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوبرا نوالہ)

حضرت القاضی (۱):

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ

ایک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کوئی واجب نہیں کہتا اور نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ﴾ خلاصہ یہ کہ مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے۔ تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھا کہ ان پر عمل۔ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۱):

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ کی بات ہے کہ جناب محمد خالد صاحب نے وجوب تقلید کے اثبات میں حضرت القاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا ایک فتویٰ بندہ کو دکھایا اور اس پر کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا جسے اس نے قبول کر لیا۔

تو حضرت قاضی صاحب اپنے اس فتویٰ میں لکھتے ہیں ”نفس تقلید کا وجوب قرآن

کریم سے ثابت ہے ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ ... الخ اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں اور الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل۔

لہذا جناب ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعوے میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ (ابن عبدالحق مقدمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۲۳ شوال ۱۴۰۱ھ)
حضرت القاضی (۲):

سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟ (شمس الدین)
حضرت الحافظ (۲):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت القاضی شمس الدین

۱۔ اس مقام پر ”ہے“ کا لفظ حضرت قاضی صاحب کی تحریر میں نہیں نیز ان کی تحریر کے آغاز میں تسمیہ نہیں ہے۔ ۲۔ العنکبوت ۴۳ پ ۲۰۔

صاحب مدظلہ کی دوسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں ”سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟“۔

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی صاحب اپنی پہلی تحریر میں نفس تقلید کے وجوب کے قرآن کریم سے ثابت ہونے کا نہ صرف دعویٰ فرما چکے ہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر اپنے ہی خیال کے مطابق قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ بھی بطور دلیل لکھ چکے ہیں۔

نیز آپ کے علم میں ہے کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں لکھا تھا ”اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں اور الفاظ دعویٰ کے معنی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل۔“

لہذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾

سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟“

تو اب چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت قاضی صاحب اپنی اس دوسری تحریر میں بتاتے کہ وہ تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے فلاں فلاں معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ ہم بھی آپ لوگوں کو ان کے بیان فرمودہ معانی کی روشنی میں بتا سکتے آیا ان کا دعویٰ

”نفس تقلید کا وجوب“ مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے آپ سے اپیل ہے کہ آپ ان سے ان کے دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں، پھر ہم آپ کو بتا سکیں گے۔ آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ مذکورہ بالا آیت کریمہ یا قرآن حکیم کی کسی دوسری آیت مبارکہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا اپنی دوسری تحریر میں سوال جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے، کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید! تو اس کا جواب بھی اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک حضرت قاضی صاحب اپنے اس سوال میں مذکور لفظ تقلید کا معنی متعین نہ فرمادیں۔

اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے تقلید نفس تقلید اور وجوب کے معنی متعین کروالیں تو پھر ہم انشاء اللہ العزیز ان کے اس سوال کا جواب دیں گے۔ نیز آپ کو بتائیں گے کہ ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ آیت مذکورہ یا قرآن حکیم کی کسی دیگر آیت کریمہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ (۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ ابن عبدالحق، مہتمم سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ)

حضرت القاضی (۳):

نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ((لَا صَلَوةَ بَعْدَ صَلَوةِ الْفَجْرِ)) والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ((لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رہے ہیں؟ (مٹس الدین)

حضرت الحافظ (۳):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی تیسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

”نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ((لَا صَلَوةَ بَعْدَ صَلَوةِ الْفَجْرِ)) والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ((لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رکھا ہے؟“ ماسٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں دعویٰ کیا تھا ”نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (عنکبوت ۴۳ پارہ ۲۰) نیز آپ جانتے ہیں کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں اپنی پہلی اور دوسری تحریر میں لکھا تھا۔

”اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل۔“

لہذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جاسکے آیا

ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَصْرِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟“

حضرت قاضی صاحب نے اپنی اس تیسری تحریر میں نفس تقلید سے اپنی مراد تو بیان کر دی ہے۔ البتہ تقلید اور واجب یا وجوب سے اپنی مراد کو انہوں نے ابھی تک بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اپنے دعویٰ ”نفس تقلید کے وجوب“ کو اپنے قول ”جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں“ الخ میں ضرور دہرایا ہے۔

تو جناب ماسٹر صاحب سے پر زور اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور واجب یا وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ معلوم کیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ مذکورہ آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

باقی حدیث ((لا صلوة بعد صلوة الفجر ... الخ)) کو کسی اہل حدیث نے کبھی بھی نہیں چھپایا وہ تو اس حدیث کو بھی اپنی تحریرات، اپنے درس و تدریس کے حلقوں اور بوقت ضرورت اپنے جلسوں میں بیان کرتے اور عوام الناس کو سناتے رہتے ہیں، لہذا اہل حدیث کو اس یا کسی اور حدیث کے چھپانے کا الزام دینا بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔

رہا کسی مقلد کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سنا تو یہ اس مقلد کی کوتاہی ہے۔ اگر وہ مقلد اہل حدیث حضرات کی تحریرات پڑھے، ان کے درس و تدریس کے حلقوں میں شامل ہو اور ان سے اس حدیث کی بابت سوال کرے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سننے والا شکوہ بھی کا فور ہو جائے۔

حضرت قاضی صاحب کے اس دوسرے سوال کے پس منظر میں جو ذہنی شبہات ہیں ان کے ازالہ کی خاطر بندہ اور مفتی جمال احمد صاحب مقلد حنفی کے مابین

۱۰۵ صفحات پر مشتمل تحریر بات چیت کی ایک نقل حاضر خدمت ہے اور درخواست ہے کہ حضرت قاضی صاحب ایک دفعہ ضرور بالضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

جناب ماسٹر صاحب! حضرت قاضی صاحب کوئی سائل نہیں کہ سوال ہی سوال کرتے چلے جائیں وہ مدعی ہیں ”نفس تقلید کا وجوب“ ان کا دعویٰ ہے اور مدعی ہونے کی حیثیت سے تقلید اور وجوب کے معنی کا متعین کرنا ان کی ذمہ داری ہے اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ ان کے بیان کردہ معانی کی روشنی میں دیکھا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

نوٹ: آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے دعویٰ ”نفس تقلید کے وجوب“ سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں اگر حضرت قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر بات چیت کرنے کا شوق ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ ”نفس تقلید کے وجوب“ پر مکالمہ مکمل ہونے کے بعد اپنا یہ شوق بھی پورا فرما سکتے ہیں۔

(ابن عبدالحق بھلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳۰ شوال ۱۴۰۱ھ)

حضرت القاضی (۴):

واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالة یا ظنی الثبوت قطعی الدلالة سے ثابت ہو۔

تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا۔

ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں: لَوْلَا

أَنْ أَشَقَّ أَمَّتِي لَأَخَرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ (شمس الدین)

حضرت الحافظ (۴):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ بندہ نے اپنی گذشتہ تین تحریرات میں سے ہر تحریر میں لکھا ”آپ سے گزارش ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معافی متعین کروائیں تاکہ ان کے بیان کردہ معافی کی روشنی میں دیکھا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

تو اس بار بار کے مطالبہ کے بعد حضرت قاضی صاحب تقلید کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ کر ان پر عمل کرنا“ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے اس معنی پر مندرجہ ذیل سوالات وارد ہوتے ہیں امید ہے جناب قاضی صاحب ان کا تسلی بخش جواب دیں گے۔

(۱) ارشاد الفحول میں بحوالہ تحریر ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ ص ۲۶۵ لکھا ہے: **التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ إِحْدَى الْحُجَجِ بِلَا حُجَّةٍ**۔ یعنی ”تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو“۔ تو حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ اور ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ تقلید کے معنی میں کئی ایک فرق ہیں جن سے بڑے دو فرق نیچے لکھے جاتے ہیں۔

پہلا فرق: ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کی رو سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کا بلا دلیل ہونا ضروری ہے جیسے کہ ان کے قول ”بلا حجة“ سے واضح ہے جبکہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کے بلا دلیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ ہیں ”تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ کر ان

پر عمل کرنا۔ اور یہ بات (اظهر من الشمس ہے) کہ قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کا دلیل ہونا ناممکن ہے ورنہ وہ مسائل قرآن اور احادیث سے ثابتہ نہ رہیں گے۔

دوسرا فرق: ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کے اعتبار سے نبی کریم

ﷺ سے پڑھن کر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے: بقول من ليس قوله احدی الحجج۔ اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال اور اعمال شرعی دلائل ہیں، ادھر حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کی رو سے نبی کریم ﷺ سے پڑھن کر عمل کرنا بھی تقلید ہے کیونکہ ان کا قول ہے ”تقلید کے معنی ہے کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ.... الخ۔“ اور کسی اہل علم میں رسول کریم ﷺ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ ((وما يعقلها الا العالمون)) میں شامل ہیں۔

تو حضرت قاضی صاحب اور ابن ہمام حنفی کے بیان کردہ تقلید کے دونوں معانی درست نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی ہے اور قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کی نفی ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کا اثبات جیسا کہ مندرجہ بالا بڑے دو فرقوں سے واضح ہو رہا ہے تو لا محالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نادرست ہے تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

یاد رہے ابن ہمام حنفی تقلید کا مذکور بالا معنی بیان کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ صاحب مسلم الثبوت صاحب تاریخ التشریع الاسلامی اور دیگر بزرگوں نے بھی ان کے معنی سے ملتا جلتا معنی ہی بیان کیا ہے۔

(۲) حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے تو صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام علیہم السلام، حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ، حضرت الامام مالک رحمہ اللہ علیہ، حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سمیت پوری امت مسلمہ کے تمام مجتہدین بھی مقلدین کی

فہرست میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ وہ سبھی قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کو اپنے استاذہ کرام سے پڑھ کر عمل کیا کرتے تھے اور بدیہی بات ہے کہ جو معنی مجتہد پر صادق آجائے اور پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے وہ معنی تقلید کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مجتہد بھی مقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے۔

(۳) حضرت قاضی صاحب کا معنی بتا رہا ہے کہ مقلد جن مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھ کر اپنائے گا ان مسائل کا قرآن اور احادیث سے ثابت ہونا نیز ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا اس کو علم ہونا ضروری ہے ”لَا نَ مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْوَاجِبُ وَاجِبٌ“ ورنہ اسے پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ مسائل ثابتہ پڑھ کر رہا ہے یا مسائل غیر ثابتہ۔ اور واضح ہے جب اسے ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا علم ہو گیا تو پھر وہ ان مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے یا نہ پڑھے سنے دونوں صورتوں میں مقلد نہ رہے گا۔

(۴) حضرت قاضی صاحب کے اس معنی سے واضح ہو رہا ہے کہ تقلید کرنے والا شخص جن مسائل میں کسی اہل علم کی تقلید کرتا ہے اس کو ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا لازماً علم ہوتا ہے۔ ”لَا نَ مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْوَاجِبُ وَاجِبٌ“ حالانکہ ان کی اپنی ہی پہلی تین تحریروں سے واضح ہے کہ تقلید کرنے والا شخص بے علم ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنی پہلی تحریر میں فرماتے ہیں۔ ”ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل“ اپنی دوسری تحریر میں لکھتے ہیں سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے۔ کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید“ اور اپنی تیسری تحریر میں بیان کرتے ہیں ”البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے

۱۔ حضرت قاضی صاحب نے اس مقام پر لفظ ”کریں“ وغیرہ نہیں لکھا۔

کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے۔“ تو حضرت قاضی صاحب دو ٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ فرمانیں مقلد عالم ہوتا ہے تو اس صورت میں ان کی ان پہلی تینوں تحریروں کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی ان میں مقلد کو بے علم قرار دے رکھا ہے اور اگر وہ فرمانیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو پھر اس میں ان کے اپنی اس چوتھی تحریر میں بیان کردہ تقلید کے معنی کی تغلیط ہو جاتی ہے کیونکہ اس معنی کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے۔ لما تقدم۔

(۵) حضرت قاضی صاحب نے مذکور بالا بیان کردہ معنی کے اعتبار سے تقلید کرنے والے شخص کی تقلید کرنے سے پہلے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کا عالم ہونا ضروری ہے لما تقدم اور اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلید ہو اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔

حضرت قاضی صاحب واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالة یا ظنی الثبوت قطعی الدلالة سے ثابت ہو“ تو حضرت قاضی صاحب نے اپنے اس قول میں واجب کی دلیل کی کیفیت و حالت تو بیان فرمادی مگر اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت و حالت کو انہوں نے بیان نہیں کیا اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت و حالت بھی واضح کریں آیا اس کا فعل (کرنا) ضروری لازمی حتمی اور جزمی ہے یا نہیں پھر اس کا ترک (نہ کرنا) منع ہے یا نہیں تاکہ واجب کا پورا پورا معنی سامنے آجائے نیز وہ بتائیں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا قول ”ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی الخ“ تو وہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے اپنے ہی دعویٰ ”نفس تقلید کے وجوب“ سے بالکل

کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے یہ بندہ حسب وعدہ ”آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت صاحب کے دعویٰ ”نفس تقلید کے وجوب“ سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں اگر قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر الخ (بندہ کی تحریر نمبر ۳ ص ۳) ان کے اس قول کا جواب لکھنے کو تیار نہیں۔

تو حضرت ماسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور وجوب کے معانی پر مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ان سے لکھوائیں تاکہ تقلید اور وجوب کے معنی اپنی اصل اور صحیح صورت میں سامنے آئیں جسے سامنے لانے سے حضرت قاضی صاحب ابھی تک گریز فرما رہے ہیں۔ نیز معلوم کیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ”نفس تقلید کا وجوب“ قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

(ابن عبدالحق، مقلدہ سرفراز کالونی، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ)

حضرت القاضی (۵):

صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔

۱۔ عمل واجب نہ ہو۔

۲۔ خود سمجھ کر عمل کرے۔

۳۔ کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔

ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے جب تک آپ اس کا جواب نہ دیں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔

مُحَمَّدُ الدِّينِ

حضرت الحافظ (۵):

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بار بار مطالبہ کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب نے اپنی چوتھی تحریر میں تقلید اور واجب کے معانی بیان کیے تھے چنانچہ بندہ نے ان کے بیان کردہ تقلید کے معنی پر پانچ اور واجب کے معنی پر دو کل سات سوالات وارد کیے تھے تا کہ حضرت قاضی صاحب ان سات سوالات کا جواب دے کر اپنے بیان کردہ معانی کی تصحیح فرمادیں یا پھر ان سوالات کے لا جواب ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے تقلید اور واجب کے صحیح معانی بیان کر دیں کہ بات آگے چل سکے مگر انہوں نے ان دونوں مبنی بر انصاف صورتوں سے کوئی سی صورت بھی اختیار نہیں فرمائی بلکہ انہوں نے اپنی اس پانچویں تحریر میں اپنی پہلی تحریر میں لکھی ہوئی بات کو ایک نئے انداز میں پیش کر دیا ہے تو ان کی اس پانچویں تحریر کا جواب لکھنے سے پہلے گزشتہ سات سوالات کو اختصاراً دہرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ہو سکتا کہ قاضی صاحب اب ہی ان کا جواب لکھ دیں چنانچہ وہ سات سوالات نیچے دیکھئے۔

(۱) حضرت قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی تو لامحالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نا درست ہے۔ تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

(۲) حضرت قاضی صاحب کا معنی تو تمام مجتہدین سمیت پوری امت مسلمہ کو اپنی پلیٹ میں لے رہا ہے حالانکہ کوئی مجتہد و مقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے اس لیے ان کا یہ معنی کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

(۳) حضرت قاضی صاحب کے معنی سے لازم آتا ہے کہ مقلد تقلید کرنے سے پہلے مسائل کے قرآن و حدیث سے ثابت ہونے کا عالم ہو تو واضح ہے پھر وہ ان

مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے پوچھے یا نہ پڑھے سنے پوچھے دونوں صورتوں میں وہ مقلد نہ رہے گا۔ لہذا ان کا یہ معنی کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

(۴) حضرت قاضی صاحب دو ٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں تو ان کی پہلی تینوں تحریریں نادرست کیونکہ ان میں مقلد کو بے علم قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ فرمائیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو ان کا بیان کردہ تقلید کا معنی غلط کیونکہ اس کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے تو حضرت قاضی صاحب فیصلہ فرمائیں ان کا معنی تقلید درست ہے یا ان کی پہلی تین تحریرات؟

(۵) حضرت قاضی صاحب کے معنی کے لحاظ سے مقلد کا قبل از تقلید قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسائل کا عالم ہونا ضروری ہے تو اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلید اہو اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔ یہ پانچ سوال تو تقلید کے معنی سے متعلق تھے رہے واجب سے متعلق دو سوال تو وہ بھی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۶) حضرت قاضی نے واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے صرف اس کی دلیل کی کیفیت لکھی ہے اس لیے ان سے گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل و ترک کی کیفیت بھی بیان فرمادیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب یہ تحریر کریں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

ان سات سوالات کو ذہن نشین کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی پانچویں تحریر ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں ”صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔ (۱) عمل واجب نہ ہو (۲) خود سمجھ کر عمل کرے (۳) کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔ ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے

تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے۔“

(۱) حضرت قاضی صاحب مدعی ہیں نفس تقلید کے وجوب کا قرآن کریم سے ثابت ہونا ان کا دعویٰ ہے اس لیے ان کا کام تو تھا کہ تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت فرماتے مگر وہ تو ابھی تک تقلید اور وجوب کے صحیح معانی بھی بیان نہیں کر پائے بھلا وہ تقلید کے وجوب کو قرآن و حدیث سے کیا ثابت کریں گے؟

(۲) حضرت قاضی صاحب اگر بندہ کے مندرجہ بالا سوالات کے جواب دیتے تو ان کے اس حصر عقلی کی حقیقت کھل کر ان کے سامنے آ جاتی اب بھی وہ ان کے جواب دے کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۳) حضرت قاضی صاحب اپنے اس مقولہ کے آغاز میں لکھتے ہیں ”جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا“ الخ اور تیسری شق میں فرماتے ہیں ”کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے“ اور یہ بات آپ کے علم میں آ چکی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے معنی کی رو سے تقلید کرنے والے کا قبل از تقلید عالم ہونا ضروری ہے لہذا ”کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے“ کو خود علم نہ رکھنے والے کی شقوں میں شامل کرنا درست نہیں یا پھر تقلید کا حضرت قاضی صاحب کی جانب سے بیان کردہ معنی غلط ہے۔

(۴) قرآن و حدیث کسی اہل علم سے پڑھ یا سن یا پوچھ یا سمجھ کر عمل کرنا حضرت قاضی صاحب کی بیان کردہ تین شقوں کے علاوہ ایک چوتھی شق ہے تو حضرت قاضی صاحب کا قائم کردہ حصر عقلی ٹوٹ گیا اور تیسری شق بھی چھوٹ گئی لہذا اپیل کی جاتی ہے کہ حضرت قاضی صاحب جواب تحریر فرمائیں ان کا وقت ضائع نہیں ہوگا کہ ان کی شرط پوری ہو چکی ہے۔

(۵) دوسری شق ”خود سمجھ کر عمل کرے“ میں اگر تقلید ملحوظ ہو تو پھر یہ اور تیسری شق ایک ٹھہریں گی اور اگر اس میں تقلید ملحوظ نہ ہو تو پھر اسے خود علم نہ رکھنے

والے کی شقوں میں شمار کرنا غلط ہے تو حضرت قاضی صاحب کا خود علم نہ رکھنے والے کو ان تین شقوں میں محصور سمجھنا ہی نادرست ہے حصر عقلی یا استقرائی تو بعد کی باتیں ہیں پہلے حصر تو ہو۔

(۶) بندہ کی طرف سے حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور واجب کے معانی پر وارد ہونے والے سات سوالات سے یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ آیت ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنُضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ سے تقلید کے وجوب پر استدلال بالکل ہی نہ درست ہے تاہم حضرت قاضی صاحب نے تو اپنے خیال کے مطابق یہ استدلال کیا ہوا ہے تو ہم پوچھتے ہیں یہ استدلال انہوں نے از خود کیا ہے یا کسی سے نقل کیا ہے۔ پہلی صورت میں ان کا قول ”ہم تیسری شق (کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے) کو لیتے ہیں“ نادرست نیز ان کا دعوائے تقلید غلط اور دوسری صورت میں مذکور استدلال کرنے والے کا نام بتانا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ ہے بتائیں وہ کون صاحب ہیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب نے مندرجہ بالا آیت سے اپنے استدلال کی تقریر درج ذیل الفاظ میں کی ہے ”ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل“ (حضرت قاضی صاحب کی پہلی تحریر) اس تقریر استدلال میں تین جملے۔

۱۔ ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے۔

۲۔ ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے۔

۳۔ دوسروں (بے علم لوگوں) پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل کریں جملہ نمبر ۲ پر تو اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ دلالت کرتا ہے البتہ اس آیت مبارکہ میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں جو جملہ نمبر ۱ و نمبر ۳ پر دلالت کرے لہذا

قاضی صاحب کا اس آیت سے استدلال سراسر غلط ہے ہاں اس آیت کریمہ میں جس چیز کی خبر دی گئی ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف جاننے والے سمجھتے ہیں۔

(۸) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ با علم تو ان مثالوں کو سمجھتے ہیں اور بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ آیت میں موجود قصر سے واضح ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں۔ بے علم جن کو حضرت قاضی صاحب اور ان کے ہمما مقلد بنانے پر تلے ہوئے ہیں کسی با علم سے پڑھ یا سن یا پوچھ کر ان مثالوں کو سمجھ لیں گے یا نہیں پہلی صورت تو ہو نہیں سکتی ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر ”بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے“ کا واقع کے خلاف ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے یاد رہے اس خبر میں بے علم کے ان مثالوں کو سمجھنے کی نفی عام ہے جو اس کے خود سمجھنے کسی سے پڑھ سن اور پوچھ کر سمجھنے اور کسی اور ذریعہ سے سمجھنے سب کی نفی کو شامل ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا کسی با علم سے پڑھنا، سنا اور پوچھنا عبث و بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ تو حضرت قاضی صاحب بتائیں اس آیت سے تقلید کا وجوب کیونکر نکلا ہاں اس آیت سے بے علم کا بے سمجھ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾

(۹) اہل علم خصوصاً ائمہ اربعہ حضرت الامام ابو حنیفہ، حضرت الامام مالک، حضرت الامام شافعی اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین کافی مسائل میں تنازع اور اختلاف پایا جاتا ہے اور تنازع و اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف رجوع فرض ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ... (الایۃ) ﴾ (النساء ۵۹ پ ۵)

”پس اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو۔“

تو کسی امام کی تقلید (جسے حضرت قاضی صاحب واجب قرار دے رہے اور اپنے قول ”ہم تیسری شق کو لیتے ہیں“ میں اختیار فرما رہے ہیں) کی صورت میں مندرجہ بالا حکم ربانی اور نص قرآنی کی مخالفت لازم آتی ہے جو ناجائز ہے لہذا کسی امام کی تقلید بھی ناجائز رہا ثقہ رواۃ کی روایت پر اعتبار کرنا تو وہ ان کی مروی حدیث کی طرف رجوع ہے نہ کہ ان کے قول کی طرف اور تقلید میں کسی امام کی مروی حدیث کی طرف رجوع نہیں ہوتا بلکہ امام کے قول کی طرف رجوع ہوتا ہے چنانچہ حنفی اصول فقہ کی معتبر کتاب مسلم الثبوت میں لکھا ہے:

”وَأَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهُ قَوْلُ مُجْتَهِدٍ لَا ظَنَّهُ وَلَا ظَنُّهُ“۔

تو بندہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چوتھی شق نکال کر حضرت قاضی صاحب کے مزعوم حصر عقلی کو توڑ دیا ہے نیز تیسری شق چھوڑ کر ان کو دکھا دی ہے۔ لہذا ان سے گزارش ہے کہ وہ جواب ضرور لکھیں مطالبہ پورا ہو چکا ہے تو اس وقت جن امور کا جواب دینا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ ہے وہ کل سولہ ہیں تقلید اور وجوب کے معانی پر سات سوالات تقلید کے اثبات میں ان کے استدلال پر نو (۹) تعقبات۔

حضرت قاضی صاحب سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ پہلے وہ ان سولہ امور کا جواب دیں پھر دیکھیں آیت ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ یا دیگر آیات نیز احادیث سے نفس تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے جائیں قرآن و حدیث سے کسی امر کے وجوب پر خود بخود استدلال کرنا اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم دوسری صورت میں آپ کے امام کا اجتہاد ختم۔

(ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ)



حقیقتِ تقلید

تحریری مناظرہ

محمد صالح گھر جا کھی (طالب علم جماعت دہم)
کے سوالات اور ان کے جوابات

از

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

از: خالد گھر جاہی

گھر جاہ کے شان یعنی نوجوانانِ اہلحدیث نے ایک قلمی مباحثہ مجھے دکھایا اور کہا کہ ہم اسے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے سارا پڑھا اور بچوں کے جذبہ کو روکنا نہ چاہا۔

ویسے مباحثہ ہونے میں حرج نہیں ہوتا اور برخوردار محمد صالح کا جذبہ بہت صالح ہے کیونکہ مسائل کی تحقیق کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے آدمی معمولی سودا خریدنے کے لیے پن چھان کرتا ہے کیا دین ہی کوئی ایسی چیز ہے جس کو اختلافی مسائل میں بلا تحقیق قبول کرتے چلے جائیں۔ بہر حال محمد صالح صاحب کا جذبہ قابل تحسین ہے۔

پھر مباحثہ قلمی بہ نسبت مباحثہ لسانی کے بہتر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس میں تحقیق پوری طرح ہو سکتی ہے بلکہ مسائل و دلائل دیگر احباب کو دکھا کر پوری طرح دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور دیگر احباب سے بھی تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نیز جو تحریر ایک دفعہ دے دی جاتی ہے اس کی پابندی کرنی پڑتی ہے ورنہ لسانی مباحثہ میں اکثر لوگ بات کر کے اس پر پابندی نہیں کرتے، بہر حال قلمی مباحثہ کی افادیت زیادہ ہے۔

پچھلے دنوں مجھے ایک برخوردار نے کہا کہ رفع الیدین منسوخ ہو چکا ہے میں نے کہا بیٹا مجھے تو ضرور ایسی دلیل دکھاؤ کیونکہ ہم تو اہلحدیث ارشاد نبوی پر جان دیتے ہیں ہمارا تو مشن ہی یہ ہے۔

چنانچہ اس نے کہا میرے فلاں مولوی صاحب اُستاد ہیں میں ان سے لکھوا کر لاؤں گا، قریباً مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد ایک رقعہ ملا کہ بتاؤ رفع الیدین کیا ہے اس کا کیا حکم ہے میں نے اس کا جواب لکھ کر دے دیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی جواب نہ آیا بلکہ کہنے لگے کہ مناظرہ کر لو، میں نے کہا یہ بھی تو مناظرہ ہی ہے۔ دلائل ہیں تو پیش کرو اور ہم سے دلائل لیتے جاؤ، موازنہ خود کر لو، چنانچہ وہ قلمی مباحثہ سے پہلو تہی کر گئے۔

بہر حال یہ ایک اچھا سلسلہ ہے اور شبان الہمدیث کے برخورداروں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں یہ تمام گفتگو عوام تک پہنچ جانی چاہیے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

خالد گھر جا کھی



مکتوب نمبر ۱:

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ عبدالمنان صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض ہے میں نے دو تین خط مولانا بہادر بیگ راولپنڈی والوں کو لکھے اور دو عدد خط مولوی عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو لکھے اور دو عدد خط مولوی عبدالحفیظ صاحب سرگودھا والوں کو لکھے۔ لیکن کسی نے جواب نہیں دیا حالانکہ جواب کے لیے واپسی لفافہ بھیجا گیا۔ اب آپ کو بھی جوابی لفافہ ارسال کر رہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ آپ بھی جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔

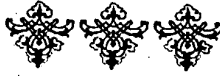
سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

- ① کیا مقلدین آپ کے نزدیک مسلمان ہیں یا نہیں؟ (بریلوی۔ دیوبندی)
- ② کیا مقلدین کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟
- ③ کیا مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- ④ کیا مقلدین کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- ⑤ کیا مقلدین کی نماز سنت کے مطابق ہے؟
- ⑥ حنفی اور محمدی نماز میں کیا فرق ہے؟
- ⑦ کیا مقلدین نماز پڑھتے ہوئے نمازی ہیں یا نہیں؟
- ⑧ کیا مقلدین ختم نبوت کے منکر ہیں یا نہیں؟
- ⑨ کیا مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خاں، حکیم نور الدین بھیروی، عبداللہ چکڑالوی، احمد دین گوی، اسلم جیراچپوری، نیاز فتح پوری، یہ سب اہلحدیث تھے یا نہیں؟ ایمان داری سے تمام سوالات کا جواب دیں۔

⑩ مقلدین آپ کے نزدیک مشرک ہیں یا نہیں؟
آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ جواب ضرور دیں۔

خادم

محمد صالح۔ طالب علم جماعت دہم



جواب مکتوب نمبر ۱:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا نِيَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

وَعَلَيْكُمْ السَّلَام وَرَحْمَةُ اللَّهِ!

اما بعد! آپ کے بیشتر سوالات کے جوابات کی خاطر تقلید کی حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور معلوم ہے کہ تقلید کی حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ لہذا گزارش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں اپنے عندیہ سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں بھی آپ کو آپ ہی کے ان سوالات کے جوابات سے آگاہ کیا جاسکے۔

ویسے اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کی منافی رائے کو ماننا تقلید ہے پس تقلید کی اس حقیقت کے پیش نظر مقلد کا حکم واضح ہے کہ وہ کون ہے مسلم یا کافر، موحد یا مشرک اور اہل حدیث و سنت یا غیر اہل حدیث و سنت؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

مَرْيَمَ﴾ الخ

یہ آیت مبارکہ بلاشبہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی مگر جو نام کا مسلمان اہل کتاب والی اس خصلت کو اپنائے وہ بھی ضرور بالضرور اس آیت مبارکہ کی زد میں آئے گا اس مقام پر دیوبندی بریلوی کا سوال نہیں کوئی نام کا الحمد للہ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

سوال نمبر ۹ میں جن اشخاص کے آپ نے نام لکھے ہیں وہ سب کے سب منکر حدیث ہیں بلکہ منکر قرآن بھی۔

چھٹے سوال کے علاوہ آپ کے باقی تمام سوالات کا جواب تو مذکورہ بالا کلام

میں بیان ہو چکا ہے، رہا آپ کا چھٹا سوال تو اس کا جواب یہ ہے سید المرسلین خاتم النبیین محمد (ﷺ) سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے قولاً یا فعلاً منقول بنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی، گوجرانوالہ

۲ صفر ۱۴۰۲ھ



مکتوب نمبر ۲:

۱۶ نومبر ۸۳ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب مولانا صاحب!

السلام علیکم..... جناب کا نوازش نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میرے کسی سوال کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ جو آیت کریمہ اتخذوا الی آخرہ آپ نے تحریر کی ہے۔ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے پیشواؤں کے متعلق ہے۔ (کیا ائمہ اربعہ بھی حرام کھاتے تھے۔ ہمارا مسائل میں اصول یہ ہے۔ نمبر ایک سب سے پہلے اللہ کی کتاب دوسرے نمبر پر حدیث شریف تیسرے نمبر پر اجماع صحابہؓ چوتھے نمبر پر فقہ)۔ تقلید کا مسئلہ آپ سمجھا سکتے ہیں اور نہ ہی آپ سمجھ سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۹ تو یہ تھا کہ جن اشخاص کے نام میں نے لکھے تھے۔ آیا یہ مقلد تھے یا غیر مقلد سرسید احمد خاں، مرزا غلام احمد قادیانی، حکیم نور الدین، اسلم جیراچپوری، احمد دین گوبی، نیاز فتح پوری یہ سب کے سب غیر مقلد تھے۔ کیا اسی کو دیانت کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا۔ کہ جب آپ حنیفوں دیوبندی ہوں یا بریلوی آپ کے نزدیک مشرک ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز کیسے ہو سکتی ہے۔ ان کا ذبیحہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ان سے رشتہ ناطہ کیسے ہو سکتا ہے کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ گول مول سا خط لکھ کر ٹال دیتے ہو۔

اگلے خط میں ان شاء اللہ تقلید پر روشنی ڈالوں گا ان اشخاص پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، اور شاہ ولی اللہ ان کے صاحبزادوں پر تمام علماء دیوبند پر۔ اگر تقلید بری ہوتی تو یہ لوگ مقلد نہ ہوتے۔

آپ نے ۱۸۸۸ء میں انگریزی دور حکومت میں الہمدیث نام الاٹ کرایا تھا۔ اشاعت السنۃ مصنفہ مولانا محمد حسین صاحب بنالوی۔ ہندوستان میں آپ کے فرقے کا پہلے نام و نشان بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو ثبوت پیش کریں۔
زیادہ نہیں لکھتا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

جواب کا منتظر
محمد صالح از گھر جاکھ



نوٹ: یہ اعتراض واقعی کچھ حقیقت رکھتا ہے لیکن اگر برصغیر میں الہمدیث کی عمر دو صدی ہے تو حقیقت کی عمر ایک صدی زائد ہے کیونکہ چند سادات اور دیاسہ چند مغلوں کو چھوڑ کر برصغیر کے تمام لوگ ہندوؤں اور سکھوں کی اولاد ہیں یہی وجہ ہے کہ آج تمام معترضین کی چھان پھٹک کریں کوئی دس پشت تک اور اس سے بھی کم یا کچھ زیادہ پشت سے مسلمان ہوئے ہیں اس کے پہلے تمام ہندوؤں کی اولاد ہیں یعنی حقیقت کی عمر بھی برصغیر میں بمشکل ایک صدی الہمدیث سے زائد ہے۔ (ناشر)

مکتوب نمبر ۳:

۲۸ فروری ۸۴ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں نے ایک جوابی لفافہ آپ کو لکھا تھا آپ نے خالی لفافہ مجھے واپس ارسال کر دیا، مجھے علم تھا کہ آپ خالی لفافہ ہی ارسال کریں گے۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی نے ہمیں یہ گرتایا تھا کہ غیر مقلدوں کا کوئی مولوی بھی جواب نہیں دے گا۔ اب میں دیکھوں گا کہ آپ جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں۔ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو آئندہ آپ کو کبھی خط نہیں لکھوں گا۔

نمبر ۱: نماز میں سینے پر یا زیناف ہاتھ باندھنا فرض ہیں یا واجب یا سنت مؤکدہ اسی طرح آئین کہنا۔ نمبر ۲: قرآن و سنت کے سوا اجماع و قیاس قانون سازی کی بنیاد ہے یا نہیں؟۔ نمبر ۳: اجماع صحابہؓ۔ اجماع ائمہ مجتہدین دین میں حجت ہے یا نہیں؟۔ نمبر ۴: مجتہدین میں سے امام مقرر کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟۔

اب آخر میں آپ کی بات کا جواب دیتا ہوں۔ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقلد ہوں۔

محمد صالح طالب علم و کیشنل کالج
گر جاکھ محلہ بوہے والی کھوئی
کاشانہ بدر..... گوجرانوالہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا بِنِیَ اللَّهِ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلَّتِیْ هِیَ أَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

آپ کو یاد ہے کہ جناب نے اس بندہ کو دس سوال لکھ کر بھیجے جن کا اس فقیر نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۲ صفر ۱۴۰۲ھ کو جواب لکھ کر آپ کو روانہ کر دیا جو جواب نیچے درج کیا جاتا ہے ذرا غور سے پڑھیے ان شاء اللہ العزیز بڑا نفع ہوگا۔

آپ کے بیشتر سوالات کے جوابات کی خاطر تقلید کی حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور معلوم ہے کہ تقلید کی حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ لہذا گزارش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں اپنے عندیہ سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں بھی آپ کو آپ ہی کے ان سوالات کے جوابات سے آگاہ کیا جاسکے۔

ویسے اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے پس تقلید کی اس حقیقت کے پیش نظر مقلد کا حکم واضح ہے کہ وہ کون ہے؟ مسلم یا کافر؟ موحد یا مشرک اور اہل حدیث و سنت یا غیر اہل حدیث و سنت؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

مَرْيَمَ﴾ الخ

یہ آیت مبارکہ بلاشبہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی مگر جو نام کا مسلمان اہل کتاب والی اس خصلت کو اپنائے وہ بھی ضرور بالضرور اس آیت مبارکہ کی زد میں آئے گا، اس مقام پر دیوبندی، بریلوی کا سوال نہیں کوئی نام کا اہلحدیث ہی کیوں نہ ہو وہ بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ سوال نمبر ۹ میں جن اشخاص کے آپ نے نام لکھے

ہیں وہ سب کے سب منکر حدیث ہیں بلکہ منکر قرآن بھی۔

چھٹے سوال کے علاوہ آپ کے باقی تمام سوالات کا جواب تو مذکورہ بالا کلام میں بیان ہو چکا رہا آپ کا چھٹا سوال تو اس کا جواب یہ ہے سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بمنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے قولاً یا فعلاً منقول بمنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے۔

اس کے بعد جناب نے بندہ کو دوسرا خط لکھا جس کے جواب میں کچھ نہ لکھنا مناسب سمجھا گیا البتہ آپ کا بھیجا ہوا جوابی لفافہ تو آپ کو واپس کرنا ہی تھا چنانچہ وہ خالی لفافہ آپ کو واپس بھیج دیا گیا اب آپ نے تیسرا خط بھیجا ہے جس میں آپ نے اس بندہ سے چار سوال کیے جن کے جوابات ترتیب وار نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

① نماز میں سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا قرآن و حدیث کی روشنی میں نہ فرض ہیں نہ واجب اور نہ ہی سنت مؤکدہ ہاں آئین کہنا نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔

② اجماع و قیاس کا قانون سازی کی بنیاد ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

③ اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ مجتہدین کا دین میں حجت ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

④ مجتہدین میں سے امام مقرر یا غیر مقرر نیز غیر مجتہدین میں سے کسی معین یا غیر معین کی تقلید کا جائز ہونا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ یاد رہے تقلید کا معنی پوری تحریر میں وہی ہے جو یہ بندہ پہلے لکھ چکا ہے۔

ابن عبدالحق بقلمہ..... سرفراز کالونی۔ گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ یکم جمادی الاخریٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

علیکم السلام!

کل مورخہ ۳۸/۷ کو آپ کا تحریر کردہ خط ملا۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ! آپ نے اس خط میں لفظ بلفظ وہی عبارت لکھی۔ جو پہلے خط میں تحریر کی۔ قرآن کریم کی بھی وہی آیت میرے محترم ناراض نہ ہونا۔ میں پہلے آپ کے علماء کرام کی عبارتیں خط میں درج کرتا ہوں۔ انہیں غور سے پڑھنا۔ مولوی عبدالشکور حصاروی (ضلع حصار) لکھتے ہیں:

نمبر ۱: حق مذہب اہلحدیث ہے۔ اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں، اہلحدیثوں پر واجب ہے۔ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں۔

نمبر ۲: مقلدین کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی بلاشبہ گمراہ ہیں۔

نمبر ۳: مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رسالہ فرقہ ناجیہ میں لکھتے ہیں۔

ناجی فرقہ صرف اہلحدیث ہیں۔ باقی بعد میں پیدا ہوئے۔

نمبر ۴: اسی طرح مولوی محمد صاحب جو ناگرھی اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں:

نمبر ۵: بعض اہلحدیث عالم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ اور ان کی عورتوں سے بلا طلاق نکاح جائز ہے۔

نمبر ۶: مولوی محمد صاحب جو ناگرھی سے کسی نے پوچھا۔ کہ جس کا باپ حنفی ہو کر مر گیا

اس کو یہ دُعا پڑھنی چاہیے۔ ربنا غفر لی

مولوی صاحب جواب دیتے ہیں۔ یہ دُعا نہیں پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ اُس کا

باپ مشرک ہو کر مرا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حنفی مشرک ہیں۔
اب مسئلہ تقلید کی طرف آتا ہوں۔ اور اپنے عندیہ سے آگاہ کرتا ہوں اسلام
کی بنیاد قرآن و حدیث ہے۔

میرے نزدیک صحابہ معیار حق ہیں۔ آپ کے نزدیک معیار حق نہیں۔
بعض مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف سے صراحۃً نہیں ملتے۔
اجتہاد و قیاس کی شرعی حیثیت

سب مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور نہیں۔
ہجرت کے نویں سال نبیؐ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک
صوبے کا گورنر بنا کر بھیجا۔ پورا واقعہ آپ کو معلوم ہے۔ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ
اور کھری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مسئلہ قرآن سے نہ مل سکے حدیث شریف سے
نہ مل سکے۔ تو جو شخص اجتہاد کا اہل ہو وہ اجتہاد کرے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم
السلام معصوم ہیں۔ ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطا نہیں ہوتے ایک مسئلہ میں مجتہدین کا
اختلاف ہو سکتا ہے جمہور محدثین اور ائمہ اربعہ کے مقلد تھے۔

امام تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے۔ امام
ترمذیؒ شافعی المسلک تھے۔ امام نسائیؒ شافعی المسلک تھے۔
علامہ عینیؒ حنفی ہیں۔ ملا علی قاری حنفی ہیں۔

سید عبدالقادر جیلانی حنبلی ہیں۔ غرض کوئی حنفی ہے کوئی شافعی ہے کوئی مالکی
ہے۔ کوئی حنبلی ہے۔ اگر مقلد مشرک ہے تو ان سب پر فتویٰ لگاؤ۔ لیکن آپ تو حنفیوں کو
ہی مشرک کہتے ہیں۔ فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔

میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم
② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحب
کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ لوگوں کو یہ مغالطہ ہے کہ ہم نے امام اعظم

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسند رسول پر بٹھا رکھا ہے۔ غلط ہے۔ غلط ہے اللہ پاک آپ کو ہدایت نصیب کرے۔ اللہ پاک آپ کو ہدایت نصیب کرے آمین ثم آمین۔
میں آپ کے فرقے سے بہت متنفر ہوں۔ کیونکہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بدعتی کہتے ہیں:

جمعہ کی دوسری اذان بدعت ہے یا سنت باقی پھر۔

نوٹ: دوسرے خط کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا لکھا تھا۔

حافظ اسلم جیرا چپوری پہلے غیر مقلد تھا۔ پھر اس اسٹیج سے ترقی کر کے اہل قرآن ہو گیا۔ یہ ہے ترک تقلید کی مہربانی۔ آپ اس بات سے ناراض ہو گئے اور مجھے لفافہ خالی بھیج دیا۔ ڈاک خانہ سے لفافہ نہیں ملا اس لیے جوابی لفافہ نہیں لکھ سکا معاف فرمادیں اگلے خط میں مفصل تقلید کے مسئلہ پر لکھوں گا۔

آپ کا مخلص خادم

محمد صالح گر جا کہ محلہ بوہے والی کھوہی

کاشانہ بدر..... گوجرانوالہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا نِيَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ!

اما بعد آپ نے اس چوتھے خط میں ”السلام علیکم“ کی جگہ ”وعلیکم السلام“ لکھا ہے امید ہے آئندہ آپ اس کی ضرور رعایت رکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ بندہ نے صحیح طریقہ ترتیب کے پیش نظر اوپر ”وعلیکم السلام“ لکھ ہی لکھا ہے۔

① آپ لکھتے ہیں ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس“۔ اور آپ خود ہی اس سے تھوڑا سا پہلے تحریر فرماتے ہیں ”فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں“ تو آپ کے اپنے ہی مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر آپ پر لازم ہے کہ ”فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے“ کے اثبات میں پہلے قرآن کریم کی کوئی آیت مبارکہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث شریف لکھیں آخر ”فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنا“ بھی تو ”ہر مسئلہ“ میں شامل ہے نا۔ اتنی بات یاد رکھنا کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ اور حدیث شریف نقل کرنے سے پہلے تقلید کی حقیقت سے متعلق اپنے عندیہ کو واضح الفاظ میں درج فرمالینا جیسا کہ اس بندہ نے آپ کے دس سوالات کا جواب دینے سے پہلے تقلید کی حقیقت سے متعلق واضح اور واضح گاف الفاظ میں لکھا تھا ”اس بندہ کے ہاں تو کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے“ ورنہ آپ کے ہاں تقلید کی حقیقت وہی سمجھی جائے گی جو بندہ اس سے

قبل بیان کر چکا ہے۔

② نیز آپ لکھتے ہیں: ”اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحبؒ کے اقوال چھوڑ دیتے ہیں“۔ یہ بندہ آپ کو آپ کی اس بات پر دو طرح سے غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ ان دو طرح سے ضرور بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ آخر آپ ماشاء اللہ منصف مزاج ہیں اولاً تو اس طرح کہ آپ کی اس مندرجہ بالا بات میں صرف حضرت الامام ابوحنیفہؒ ہی شامل نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام ائمہ شامل ہیں دیکھئے اگر آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو کیا آپ حضرت الامام مالکؒ، حضرت الامام شافعیؒ اور حضرت الامام احمد بن حنبلؒ کے اقوال نہیں چھوڑیں گے؟ چھوڑیں گے یقیناً چھوڑیں گے تو اس طرح آپ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ”فروعی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کرتے ہیں“ یا ”فروعی مسائل میں ہم امام مالکؒ کی تقلید کرتے ہیں“ یا ”فروعی مسائل میں ہم امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہیں“۔ اگر آپ کو صحیح احادیث مل جائے تو ان ائمہ کے اقوال کو بھی تو آپ لوگوں نے چھوڑ ہی دینا ہے نا تو پھر ”فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید“ کا دعویٰ کرنے سے دیگر مقلدین کی نگاہوں میں گرنے سے آخر آپ کو کوئی فائدہ؟

اور ثانیاً اس طرح کہ آپ حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے کل اقوال سے صرف تین اقوال بطور مثال درج فرمائیں جن کو آپ نے محض صحیح حدیث مل جانے کی بنا پر فی الواقع چھوڑ دیا ہو کیونکہ انصاف و اخلاص کا تقاضا یہی ہے۔

③ آپ کے دعویٰ ”فروعی مسائل“ الخ میں فروعی کی قید سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ لوگ اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نہیں کرتے تو کیا امام ابوحنیفہؒ آپ کے ہاں اصولی مسائل میں اعلم (زیادہ جاننے والے) نہیں؟ یا اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے اقوال آپ کے نزدیک کتاب و سنت

کے اقرب (زیادہ قریب) نہیں یا پھر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر چسپاں ہی نہیں ہوتی؟ اور اگر اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہاں علم (زیادہ جاننے والے) اصولی مسائل میں بھی ان کے اقوال آپ کے ہاں کتاب و سنت کے اقرب (زیادہ قریب) ہیں اور حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معہود دلیل اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر چسپاں ہوتی ہے تو پھر آپ نے اپنے دعویٰ میں فروعی کی قید لگا کر آپ کے اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہ کرنے کی طرف اشارہ کیوں فرمایا امید ہے آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

④ جمعہ کی دوسری اذان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔ مشورہ ہے کہ اب تک اٹھائے گئے نکتہ جات کو ہی حل فرمائیں اور کوئی نیا سوال نہ اٹھائیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی..... گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ / جمادی الاخریٰ



مکتوب نمبر ۵:

۲۰ مارچ ۱۹۸۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

خط آپ کا مورخہ ۱۹/۳/۸۴ کو ملا۔ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ آپ بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ میرا خط بغور نہیں پڑھتے۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اور کوئی سوال نہ لکھیں۔ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اہل حدیث ہیں۔ لیکن عمل حدیث کے خلاف اپنی مسجدوں میں جمعہ کی دوسری اذان کیوں دیتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز لکھا ہے۔ ان شاء اللہ کچی بات نہیں کروں گا۔ تمام حوالجات میرے پاس موجود ہیں۔ آپ نے ۱۸۸۸ء میں انگریز سے اہل حدیث کا نام الاٹ کرایا (رسالہ اشاعت السنہ جنگ آزادی ص ۶۶) آپ کے شیخ الکل مجدد اعظم میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے زمانے میں غیر مقلدین اس قسم کی نازیبا اور ناشائستہ حرکات شروع کر دیں تھیں۔ میاں صاحب ان کے ناروارویے سے تنگ آ کر فرماتے ہیں۔ اس زمانہ میں دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک گروہ تو ائمہ مجتہدین کو گالیاں دیتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہلاتا، زنا اور شراب سے زیادہ برا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ)

آپ لوگوں نے اُن مسائل میں اختلاف کیا۔ کہ تیرہ سو سال سے پوری امت مسلمہ کا اتفاق رہا۔ آپ کے اکابرین کا بھی اتفاق رہا۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔

قرآنی آیت **وَ اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** (پیروی کرو اس شخص کی جس نے میری طرف رجوع کیا) تمام محدثین کرام و فقہاء عظام نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔

حدیث شریف: ہجرت کے نویں سال حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ میں پہلے بھی یہ حدیث اپنے پہلے خط میں نقل کر چکا ہوں۔ حدیث دیکھ لیں۔ آپ تو ماشاء اللہ عالم ہیں اور میں تو ایک طالب علم ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: معاذ تیرے پاس مقدمات آئیں گے۔ کیسے فیصلہ کرو گے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی کتاب کے مطابق، فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر۔ عرض کیا آپ کی سنت کے مطابق فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا اپنی رائے اور قیاس پر حضور نے فرمایا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ**۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جس نے پیغمبر خدا ﷺ کے قاصد کو توفیق دی۔ جس پر اللہ راضی اللہ کا رسول بھی راضی اُن کی چھاتی پر ہاتھ مارا۔ اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ تیسری چیز کیا ہے؟ بتائیں۔ اگلے خط میں ضرور بتائیں۔ میں پہلے خط میں وضاحت کر چکا ہوں آپ سے تقلید کی تعریف لکھیں۔ پھر میں لکھوں گا۔ آپ تو ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں۔ جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ آپ ایک امام کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ دوسروں کی کیوں نہیں، ”فروعی مسائل میں“ تو اس کا جواب سنئے:

ایک مریض ہوتا ہے۔ ڈاکٹر چار یا اس سے زیادہ بلائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ کیا تمام ڈاکٹروں کا علاج کریں گے یا ایک ڈاکٹر کا۔ ہم سب اماموں کو مانتے ہیں لیکن آپ تو کسی امام کو نہیں مانتے۔ اماموں کی بات تو ایک طرف رہی۔ آپ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی نہیں مانتے یہی اذان جمعہ کو لیجیے۔

ضروری نوٹ:

میں آپ کے تمام خط جمع کرتا جاتا ہوں۔ مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی کو ذریعہ رجسٹری بھیج دوں گا۔

آپ چلیں کتنا چلتے ہیں۔ باقی مسائل کی وضاحت اگلے خط میں کروں گا۔
 میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا افہام و تفہیم سے مسائل حل
 ہوتے ہیں۔

آپ کا مخلص خادم
 محمد صالح کا شانہ بدر
 محلہ بوہے والی کھوہی گرجا کھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! آپ لکھتے ہیں ”میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا افہام و تفہیم سے مسائل حل ہوتے ہیں۔“ یہ بندہ آپ کے یہ بات ارشاد فرمانے سے پہلے بھی اور اب بھی آپ کی تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا البتہ آپ بھی تو میری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں نا۔

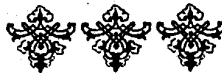
رہی بات افہام و تفہیم والی تو اس سے متعلق مودبانہ گزارش ہے کہ آپ ایک دفعہ پھر سے اس بندہ کے چوتھے خط کو بغور پڑھیں پھر سوچیں آیا آپ کی بات ”آپ پہلے تقلید کی تعریف لکھیں پھر میں لکھوں گا“ بنتی بھی ہے نیز آیت مبارکہ ”واقع سبیل من اناب الی“ سے آپ کا مدعا ”فروعی مسائل میں ہم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے ہیں“ نکلتا بھی ہے؟

افہام و تفہیم کے ساتھ ساتھ فہم بھی ضروری ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ اس دفعہ ضرور بالضرور فی الواقع اخلاص کا ثبوت بہم پہنچائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی..... گوجرانوالہ

۱۴۰۲ھ..... ۲۱/جمادی الاخریٰ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا تحریر کردہ خط مورخہ ۲۷/۳/۸۴ کو ملا۔ میں آپ کے تمام خطوط غور سے پڑھتا ہوں۔ لیکن آپ میرا کوئی بھی خط غور سے نہیں پڑھتے۔ آپ لوگوں کے دلوں میں جتنا تعصب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اتنا تعصب کسی امام کا نہیں اگر ہم تقلید کی وجہ سے بدعتی اور مشرک ہیں تو کیا شافعی، مالکی، حنبلی، مقلدین بدعتی اور مشرک نہیں۔ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فتویٰ لگائیں۔ پیر صاحب امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔ امام بخاری شافعی المسلک تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے متعلق آپ لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ یتیم فی الحدیث تھے۔ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔

ایک بات پوچھتا ہوں۔ کہ شرع میں اجتہاد ہے یا نہیں۔ دونوک جواب دیں۔ سب مسائل قرآن پاک میں اور حدیث شریف میں مذکور نہیں۔ جو حدیث میں نے لکھی تھی کہ حضور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں سال یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ میرے چوتھے خط میں ساری تفصیل پڑھ لیں۔ تیسری چیز کیا تھی۔ خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے۔ وہ چیز بتائیے۔ تاکہ میری اور آپ کی بحث ختم ہو جائے۔ جب آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی قول اور فعل نہیں مانتے۔ تو اماموں کا قول کیسے مانیں گے۔

مجہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔

ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ انبیاء علیہم السلام میں بھی اجتہادی اختلاف تھا اور صحابہؓ میں بھی اجتہادی اختلاف تھا اور ائمہ اربعہ میں بھی اجتہادی اختلاف تھا دیکھیں تم بڑوں میں بھی اجتہادی اختلاف ہے۔ اپنے گھر کی بات تو مان لیں۔ آپ کہتے ہیں بازاری جرابوں پر مسح جائز ہے۔ اور آپ کے شیخ الکل مجد اعظم میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور غیر مقلد مولانا عبدالرحمن مبارک پوری کہتے ہیں کہ بازاری جرابوں پر مسح جائز نہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ جوتی سمیت نماز پڑھنی جائز ہے۔ لیکن مولانا نذیر حسین صاحب اور حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کہتے ہیں کہ جوتی سمیت نماز پڑھنا درست نہیں۔ علماء دیوبند کا نظریہ تقلید اور تحقیق۔

علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے۔

تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے۔

تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اسی کی پیروی کرے۔

انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی، حافظ محمد اسلم جیراچپوری، عبداللہ چکڑالوی، سر سید احمد خاں، نیاز فتح پوری، حکیم نور الدین بھیروی وغیرہ۔

میری تمام باتوں کا جواب دیں۔ میں نے چوتھے خط میں لکھا تھا۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں۔ اُمید واثق ہے۔ کہ آپ جواب ضرور دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

محمد صالح طالب علم

کاشانہ بدر۔ محلہ بوہے والی کھوئی۔ گھر جا کھ

جواب مکتوب نمبر ۶:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَدَانِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاكَ لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! آپ نے اپنے مدعا ”فروعی مسائل میں ہم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے ہیں“ کے اثبات کی خاطر قرآن مجید کی آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيْ“ الخ پیش فرمائی جس پر بندہ نے لکھا سوچیں آیا۔ آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيْ“ سے آپ کا مدعا ”فروعی مسائل میں ہم ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں“ نکلتا بھی ہے؟ اس پر آپ لکھتے ہیں ”علماء دیوبند کا نظریہ تقلید اور تحقیق۔ علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے۔ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس کی پیروی کرے“ آپ سے انتہائی مؤدبانہ اپیل ہے کہ آپ اپنی ان مندرجہ بالا باتوں پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں ضرور بالضرور غور و فکر فرمائیں:

① آپ کی مندرجہ بالا تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں بھی تحقیق تقلید نہیں اور تقلید تحقیق نہیں۔ نیز علماء کا کام تحقیق ہے نہ کہ تقلید اور عوام کا کام ہے تقلید نہ کہ تحقیق ادھر علماء دیوبند بہر حال علماء ہی ہیں عوام نہیں تو آپ کے مندرجہ بالا فرمان کی رو سے ان کا کام تو تحقیق ہوا نہ کہ تقلید حالانکہ آپ خود ہی اپنے دوسرے خط میں تمام علماء دیوبند کو مقلد قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دوسرے خط کی وہ عبارت یہ ہے ”تمام علماء دیوبند کا مقلد ہونا“ درست ہے یا حالیہ خط والی بات ”علماء کا کام تحقیق ہے الخ؟ جواب سوچ سمجھ کر لکھیں ان شاء

اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوگا۔

② آپ نے صاف اور واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ نیز آپ تقلید کے سلسلہ میں آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پیش فرما چکے ہیں تو آپ کے ہی مندرجہ بالا فرمان ”علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے“ پر غور فرمایا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ آپ کے ہاں عوام نے تو تقلید کر کے آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پر عمل کر لیا لیکن علماء دیوبند نے تحقیق کو اپنا کر آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پر عمل نہ کیا حالانکہ آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ“ الخ میں علماء اور عوام دونوں یکساں مخاطب ہیں تو آپ کے اس ذہن کے لحاظ سے تو قرآن مجید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں عوام نے علماء دیوبند کو پیچھے چھوڑ دیا۔

③ آپ کے بیان کردہ معنی تقلید کی رو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تا وفات آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ“ الخ پر عمل کرتے رہے یا نہ! اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین تا وفات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین کا تا وفات آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ“ الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں اُمید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

④ آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ“ الخ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتباع کا حکم ہے اور

آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو آپ کے اس نظریہ کے تحت تو نبی کریم ﷺ بھی مقلد ٹھہرتے ہیں تو فرمائیں آپ واقعی نبی کریم ﷺ کو مقلد ہی سمجھتے ہیں؟ اثبات اور نفی دونوں صورتوں میں جواب نبی کریم ﷺ کی توہین ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ اتباع اور تقلید کو ایک ہی چیز بنانے کا نتیجہ ہے۔

⑤ آپ نے اپنے تیسرے خط میں ”میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں“ لکھ کر بزم خود تو آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ پر عمل کیا ہے مگر آپ نے اپنے چوتھے خط میں ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے نمبر: ۱ قرآن کریم، نمبر: ۲ حدیث شریف، نمبر: ۳ اجماع، نمبر: ۴ قیاس“ لکھ کر اپنے تیسرے خط والی مندرجہ بات کو فراموش کر دیا کیونکہ جو انسان ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ”قرآن کریم، حدیث شریف“ الخ والے اصول پر چلے وہ تو مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد ورنہ کہنا پڑے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین بھی مقلد ہی تھے نہ کہ مجتہد۔

⑥ آپ کا دعویٰ ہے ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ نیز آپ کا اصول ہے ”ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم، حدیث شریف“ الخ اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ مسئلہ ”تقلید اور اتباع کا ایک ہی چیز ہونا“ بھی ہر مسئلہ میں شامل ہے لہذا آپ کے مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ کی دلیل سب سے پہلے قرآن کریم، حدیث شریف“ الخ سے پیش فرمائیں۔

⑦ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کا دعویٰ مقلدیت ختم اور دوسری صورت میں حضرت الامام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مجتہد ہونا ختم کیونکہ قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط والے وصف کی وجہ سے ہی انہیں مجتہد جانا جاتا ہے۔

⑧ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال تحقیق ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم اور دوسری صورت میں اس استدلال میں جس کی آپ نے تقلید کی اس بزرگ کا اسم گرامی بتانا آپ پر لازم کہیں وہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ہی نہ ہوں۔

⑨ تقلید کا حکم ابھی تک آپ نے بیان نہیں فرمایا آئندہ ضرور بالضرور بیان فرمائیں کہ تقلید آپ کے ہاں فرض ہے؟ واجب ہے؟ یا مندوب؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ کی تقلید پر آپ کے ہاں دلالت کون سی ہے؟ قطعی یا ظنی؟ تاکہ آپ کے اس استدلال کی قیمت و کیفیت کو کا حقہ جانچا جاسکے توقع ہے جناب میری سب باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔
ان شاء اللہ تعالیٰ

آپ لکھتے ہیں ”انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ کے نزدیک حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین میں تقلید کا وصف تھا یا ترک تقلید کا وصف؟ پہلی صورت میں ان کا اجتہاد والا وصف ختم اور دوسری صورت میں ان کا منکر حدیث ہونا لازم کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق ”انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ اور یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے۔ تارک تقلید تھے منکر حدیث نہیں تھے، دُور نہ جائے علماء دیوبند کو ہی لیجیے آپ کے ہی فرمان کے مطابق ان کا کام تحقیق ہے اور تحقیق ترک تقلید کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تو کیا آپ علماء دیوبند کو بھی منکر حدیث ہی خیال کرتے ہیں نہیں ہرگز نہیں لہذا انکار حدیث کو ترک تقلید کا لازمی یا غیر لازمی نتیجہ سمجھنا یا کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی، حافظ عبد اللہ روپڑی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد حسین صاحب بنالوی، مولانا عبد الرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ

تعالیٰ اور دیگر علماء اہلحدیث نیز علماء اہل الرائے میں سے کسی عالم کا ہم کلمہ نہیں پڑھتے، نہ ہی ہم ان کے مقلد ہی ہیں اور نہ ہی وکیل اس لیے آپ ان کے متعلق جو درست و غیر درست لکھنا یا ان کے جس قدر صحیح و غیر صحیح حوالجات پیش کرنا چاہتے ہیں بڑی خوشی سے لکھیں اور پیش فرمائیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت آپ کئی دفعہ پیش فرما چکے ہیں مگر ہر دفعہ آپ نے اسے بلا سند ہی پیش فرمایا لہذا آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اگر آئندہ آپ اس روایت کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اسے باسند پیش فرمانا آپ کا بڑا فائدہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ ۳/رجب



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب مولانا صاحب!

علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

آپ کا تحریر کردہ خط ملا۔ آپ ایک بات کو کئی کئی دفعہ لکھتے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ۔ میں لکھتا کچھ ہوں۔ جواب کچھ ملتا ہے۔ بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہے۔ لیکن جو مسائل قرآن اور حدیث سے صراحۃً نہیں ملتے۔ تمام مسائل قرآن اور حدیث میں نہیں ملتے۔ بات پھر بڑھے گی نماز کی شرطیں قرآن اور حدیث سے بیان کریں۔ اگر کسی اور کتاب سے بیان کریں گے تو میں نہیں مانوں گا اگر آپ میں ہمت ہے تو اس کا جواب دیں۔ حدیث نقل کریں۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں نمبر ۱: لغوی معنی، نمبر ۲: شرعی۔ لغوی معنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ شرعی معنی کسی کے قول اور فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا۔ کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

تقلید دو طرح کی ہے ① شرعی ② غیر شرعی۔ تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ ① عقائد ② وہ مسائل جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اجتہاد کو اُن میں داخل نہ ہو ③ وہ مسائل جو قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے گئے ہوں۔ مولانا صاحب جب آپ صحابہؓ کے قول اور فعل کو نہیں مانتے۔ تو مجتہد کی بات آپ کب مانیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میری سنت اور میرے اصحابہ کی سنت کو لازم پکڑو۔ جمعہ کی دوسری اذان کے متعلق میں نے لکھا تھا۔ کہ آپ کی مسجدوں میں بھی جمعہ کی دو اذانیں ہوتی ہیں۔ آپ دوسری اذان کو

کیوں بند نہیں کرتے۔ جو آپ نے یہ لکھا ہے۔ کہ امام صاحب کس کے مقلد تھے۔ آپ کو اتنا بھی علم نہیں۔ کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا۔ مسئلہ کی تحقیق کرنا اہل علم کا کام ہے۔ جو لوگ جاہل اور حروفِ ابجد سے واقف نہیں۔ ان کا کام تقلید ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے آپ کو دشمنی ہے۔ دوسرے اماموں سے نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ حنفیوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اشتہار اور پمفلٹ شائع کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی دشمنی کی حد ہو چکی۔

آپ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ یتیم فی الحدیث تھے۔ آپ کو سترہ حدیثیں آتی تھیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا علمی گہوارہ
حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ

وکج بن الجراح

امام احمد بن حنبلؒ	امام علی بن المدینی	امام یحییٰ بن معین
امام بخاریؒ	امام ابو داؤد	امام ابو یعلیٰ موصلی
امام ترمذیؒ	نسائی	
ابن ماجہ		

نوٹ فرمائیے! ائمہ حدیث میں سے کون ہے جس نے امام ابوحنیفہؒ کی علمی آغوش میں پرورش نہیں پائی۔ جمہور محدثین ائمہ اربعہ کے مقلد تھے۔

امام تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ شافعی المسلک تھے امام ترمذیؒ بھی شافعی المسلک تھے۔ اور امام نسائیؒ بھی۔ امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، ملا علی قاری حنفی المسلک تھے۔ سیدنا عبدالقادرؒ جیلانیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اگر

آپ کے نزدیک تقلید شرک ہے۔ تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچتا جو مشرک نہ ہو۔
میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں۔ حکیم محمود صاحب بن مولوی اسماعیل
صاحب مرحوم جس کو آپ حکیم الامت کہتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ اس بات پر اتفاق
کرتے ہیں ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ (فقہ)

جو آیات یہود اور نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئیں وہ آپ ہم پر چسپاں
(فت) کرتے ہیں۔ مولانا صاحب کچھ خدا کا خوف کریں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو
کیا جواب دیں گے۔ آپ کے تمام علماء کرام ہم کو مشرک کہتے ہیں۔ بلکہ آپ کے شیخ
الحدیث مولوی عبد اللہ صاحب بھی ہم کو مشرک کہتے ہیں۔ ہمارے رشتہ ناٹھ کیوں کرتے
ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا مسلمان کا نکاح مشرک سے ہو سکتا ہے جواب دیں۔
وہ ایک آیت میں نے لکھی۔ آیات تو کئی ہیں۔

تقلید کی تعریف تو آپ نے لکھ دی۔ باقی کیا رہ گیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ نقل کر رہا ہوں۔ ذرا آپ بھی
کوشش کیا کریں۔ مجھے بطور طعنہ یہ بات لکھی ہے۔ کہ بے سند روایت پیش کرتے
ہیں۔ سند بھی لیجیے۔ ترمذی، ابوداؤد، دارمی، مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۲۳
حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ اور کھری ہے۔

ضروری نوٹ:

آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ جب آپ اپنی بات بھی نہیں مانتے کیا
وہ آپ سے کم علم رکھتے تھے۔ تیرہ سو سال تک آپ کے فرقے کا نام و نشان نہیں ملتا۔
آپ اماموں کی توہین کرتے ہیں۔ عبد اللہ پروفیسر نے ایک رسالہ رفع الیدین کے
مسئلہ پر شائع کیا ہے۔ آپ نے اندھے اماموں کی تقلید کی۔ (صفحہ نمبر ۱۷)

محمد صالح طالب علم

کاشانہ بدر۔ گھر جاکھ۔ گوجرانوالہ

جواب مکتوب نمبر ۷:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا نِيَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلنَّبِيِّ هِيَ أَقْوَمُ

وعلیم السلام ورحمة الله وبرکاته!

اما بعد! آپ کی اور میری اس بات چیت کا موضوع ہے ”مسئلہ تقلید“ چنانچہ آپ اپنے اس تازہ خط میں لکھتے ہیں۔ ”بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے“ اس لیے جناب سے مودبانہ اپیل ہے کہ آپ اپنے ہی اصول کے تحت ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ سے اپنے اس موضوع ”مسئلہ تقلید“ پر جس قدر مواد پیش فرما سکتے ہیں پیش فرمائیں باقی آپ کا لکھنا فلاں صاحب شافعی تھے فلاں مالکی فلاں حنبلی اور فلاں حنفی نہ قرآن کریم ہے نہ حدیث شریف نہ اجماع اور نہ قیاس صحیح وغیر صحیح تو آپ نے ”بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے“ لکھ کر موضوع کو متعین فرما دیا ہے لہذا یہ بندہ آپ کی موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تا وقتیکہ اس موضوع ”مسئلہ تقلید“ پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً مسئلہ شرط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں۔

تقلید کا معنی * اس سلسلہ میں بندہ نے تو اپنے پہلے خط ہی میں لکھ دیا تھا کہ کسی کی دلیل شرعی کے منافی رائے کو ماننا تقلید ہے۔ مگر آپ نے اس بارہ میں اپنے چھٹے خط میں لکھا ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تقلید کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس کی پیروی کرے“۔ آپ کے بیان کردہ اس معنی تقلید پر بندہ نے جب متعدد وجوہ سے گرفت کی تو آپ نے اب کے اپنے ساتویں خط

میں لکھا ”تقلید کی دو قسمیں ہیں ① لغوی معنی ② شرعی لغوی معنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ شرعی معنی کسی کے قول اور فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے“ تو جناب اس بیان کے مطابق ”کسی کے محقق شرعی ہونے کی وجہ سے اس کے قول و کلام اور فعل و کام کو حجت اور لازم شرعی جاننا آپ کے نزدیک تقلید کا شرعی معنی ہے“ عرض ہے کہ اپنے اس شرعی معنی پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں غور و فکر فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔

① شرعی محقق کے قول اور فعل کی تین صورتیں ہیں: ① کتاب و سنت کے مطابق قول و فعل ② کتاب و سنت کے منافی قول و فعل ③ کتاب و سنت کے موافق و منافی دونوں قسم کے قول و فعل۔ آپ نے تقلید کے مذکورہ بالا شرعی معنی میں ان تین صورتوں سے کسی ایک صورت کا تعین نہیں فرمایا اس لیے یہ بندہ پوچھتا ہے کہ آپ شرعی محقق کے قول و فعل میں ان مذکورہ بالا تین صورتوں سے کون سی صورت مراد لیتے ہیں؟ دو ٹوک الفاظ میں لکھیں۔

② کسی لفظ کا شرعی معنی تو وہ ہوتا ہے جو شرع سے ثابت ہو لہذا تقلید کے مذکورہ بالا جس معنی کو آپ نے شرعی قرار دیا ہے تقلید کے اس معنی کو شرع سے ثابت کرنا آپ کے ذمہ ہے قرآن مجید اور احادیث مرفوعہ ثابتہ سے اس کے دلائل پیش کریں۔

③ قطعی اور یقینی بات ہے کہ جب شرع کسی لفظ کا معنی متعین کرتی ہے تو وہ لفظ شرع میں موجود ہوتا ہے تو آپ کے ہاں تقلید کا مذکور بالا معنی جب شرعی ہوا تو لا محالہ تقلید کا لفظ بھی اس مذکورہ بالا معنی میں شرعی لفظ ٹھہرا لہذا مذکورہ بالا معنی میں لفظ تقلید کا ہونا شرع سے ثابت کرنا آپ پر لازم ہے قرآن کریم اور احادیث مرفوعہ ثابتہ سے اس لفظ تقلید کو مذکور بالا معنی میں ثابت کریں۔

④ آپ نے بار بار اپنے حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کی تصریح فرمائی

ہے تو آپ کے ہی بیان کردہ مذکور بالا معنی تقلید کو ملحوظ رکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کو آپ حجت اور لازم شرعی جانتے ہیں ادھر آپ اپنے چوتھے خط میں لکھ آئے ہیں ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس“ تو جناب اب آپ کے لیے صرف تین ہی راستے ہیں۔ (۱) حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کو اصول اربعہ قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع اور قیاس کے ساتھ ایک پانچویں اصول ”حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کے حجت اور لازم شرعی ہونے کا اعلان فرمائیں (۲) یا اپنی ان دو باتوں ”حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول و کلام اور فعل و کام کے حجت اور لازم شرعی ہونے“ اور ”میرا اپنا یہ اصول ہے“ الخ میں سے ایک بات سے رجوع فرمائیں دیکھئے آپ ان تین راستوں سے کون سا راستہ اختیار فرماتے ہیں؟

⑤ مسلم الثبوت وغیرہ کتب میں تقلید کے سلسلہ میں قول کا ذکر ہوتا ہے آپ نے قول کے ساتھ فعل کو بھی ذکر فرمایا ہے تو فرمائیں پرانے بزرگوں کا فعل کو ذکر نہ فرمانا تفریط ہے؟ یا آپ کا فعل کو ذکر کرنا افراط؟ یا کوئی اور صورت ہے؟

⑥ اپنے الفاظ ”حجت“ اور ”لازم شرعی“ پر ٹھنڈے دل سے بہت ہی زیادہ غور فرمائیں آیا واقعی آپ شرعی محقق کے قول اور فعل کو حجت اور لازم شرعی ہی جانتے ہیں جب کہ کسی کے قول و فعل کے حجت اور لازم شرعی بننے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ سے واضح ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ”اتخذوا احبارہم“ فرمایا وہ بھی تو اپنے شرعی محققین کے قول و کلام کو حجت اور لازم شرعی ہی جانتے تھے نا۔

تقلید میں کچھ تفصیل * آپ لکھتے ہیں ”تقلید دو طرح کی ہے ① شرعی ② غیر شرعی“

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں ① عقائد ② وہ جو صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو ③ وہ مسائل جو قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے گئے ہوں۔“ جناب نے اپنے اس بیان میں تقلید شرعیہ کی تین اقسام کا تذکرہ فرمایا ہے ذرا وضاحت سے فرمائیں کہ تقلید شرعی کی کچھ تفصیل میں ان تین طرح کے مسائل بیان کرنے سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ اگر یہی کہ مسائل کی تیسری قسم میں تو تقلید ہے اور پہلی دو قسموں میں تقلید نہیں تو محترم خفانہ ہوں مسائل شرعیہ کی دو تہائی میں تو آپ بھی غیر مقلد ہی ٹھہرے نا۔ نیز آپ کی یہ تفصیل و تفریق (مسائل کی تیسری قسم میں تقلید کا ہونا اور پہلی دو قسموں میں تقلید کا نہ ہونا) آپ کی پیش کردہ تقلید کی دلیل آیت مبارکہ ”واتبع سبیل“ الخ سے بالکل نہیں سمجھی جاتی پھر حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسائل کی تیسری قسم میں شرعی محقق ہونے کی طرح پہلی دو قسموں میں بھی تو محقق شرعی ہی ہیں نا تو بتائیں ان دو قسموں میں آپ کا ان کی تقلید کو چھوڑ دینا کیسا ہے؟ کہیں یہ بھی آپ کو انکار حدیث تک نہ پہنچا دے کیونکہ آپ کے نزدیک ”انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ اور مسائل کی دو قسموں میں آپ بھی تقلید کو ترک فرما رہے ہیں تو پتہ چلا کہ تقلید میں کچھ تفصیل والا راستہ بھی خطرہ سے خالی نہیں۔

تقلید کا حکم * بندہ نے اپنے چھٹے خط میں لکھا تھا ”تقلید کا حکم ابھی تک آپ نے بیان نہیں فرمایا آئندہ ضرور بالضرور بیان فرمائیں کہ تقلید آپ کے ہاں فرض ہے واجب ہے یا مندوب! نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ کی تقلید پر آپ کے ہاں دلالت کون سی ہے؟ قطعی یا ظنی؟ تاکہ آپ کے اس استدلال کی قیمت و کیفیت کو کما حقہ جانچا جاسکے۔“ مگر جناب نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اُمید ہے آپ اس دفعہ اس کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مقلد نہیں مجتہد تھے * بندہ نے اپنی تحریرات میں کئی جگہ

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مجتہد لکھا ان سے بطور نمونہ میرے چھٹے خط کے صفحہ نمبر ۲ پر نیچے والی آخری سطور میں مرقوم ہے ”یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے تارک تقلید تھے“ الخ اس عبارت کو پڑھیں اور غور فرمائیں کہ آپ کا بیان جو آپ نے یہ لکھا ہے کہ امام صاحب کس کے مقلد تھے آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا“ کیا ہے؟ میرے کسی خط کا حوالہ پیش فرمائیں یا اپنے اس بیان کو واپس لیں۔

آپ نے جواب نہیں دیا اور جو لکھا وہ جواب نہیں * بندہ کے پہلے خط سے لے کر اب تک کئی ایک باتیں ہیں جن کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور کئی ایک باتیں ہیں جن کا آپ نے بزم خود جواب تو دیا ہے مگر وہ آپ کا جواب فی الواقع جواب نہیں چنانچہ صرف تقلید سے متعلق ایسی سب باتوں کی نیچے باحوالہ فہرست دی جا رہی ہے اسے غور سے پڑھیں نیز اس ساتویں خط میں مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل تمام باتوں کا جواب ضرور دیں ورنہ واضح الفاظ میں ان کی تصدیق و تصویب فرمائیں آخر ماشاء اللہ آپ فروعی مسائل میں حضرت الامام ابوحنیفہ کے مقلد ہونے کے مدعی ہیں یہ بندہ مسائل و مدعا علیہ ہے اور بات چیت بھی افہام تفہیم، فہم، اخلاص اور انصاف کے ماحول میں ہو رہی ہے چنانچہ وہ فہرست تفصیلاً پیش خدمت ہے۔

① آپ کے مندرجہ بالا (چھٹے خط والی) تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے ہاں بھی تحقیق تقلید نہیں اور تقلید تحقیق نہیں نیز علماء کا کام تحقیق ہے نہ کہ تقلید اور عوام کا کام تقلید ہے نہ کہ تحقیق اور علماء دیوبند بہر حال علماء ہی ہیں عوام نہیں تو آپ کے مندرجہ بالا (چھٹے خط والے) فرمان کی رُو سے ان کا کام تو تحقیق ہوا نہ کہ تقلید حالانکہ آپ خود ہی اپنے دوسرے خط میں تمام علماء دیوبند کو مقلد قرار دے چکے ہیں چنانچہ آپ کے دوسرے خط کی وہ عبارت یہ ہے ”تمام علماء دیوبند پر اگر تقلید بری ہوتی تو یہ لوگ مقلد نہ ہوتے“۔ تو محترم فرمائیں آپ کی دوسرے

خط والی بات ”تمام علماء دیوبند کا مقلد ہونا“ درست ہے یا حالیہ خط والی بات ”علماء کا کام تحقیق ہے“ الخ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

② آپ نے صاف اور واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“۔ نیز آپ تقلید کے سلسلہ میں آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پیش فرما چکے ہیں تو آپ کے ہی مندرجہ بالا فرمان ”علماء کا کام تحقیق ہے اور عوام کا کام تقلید ہے“ پر غور فرمایا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ آپ کے ہاں عوام نے تو تقلید کر کے آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پر عمل کر لیا، لیکن علماء دیوبند نے تحقیق کو اپنا کر آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ“ پر عمل نہ کیا حالانکہ آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ سَبِيلَ“ الخ میں علماء و عوام دونوں یکساں مخاطب ہیں تو آپ کے اس ذہن کے لحاظ سے تو قرآن مجید پر عمل کرنے کے سلسلہ میں عوام نے علماء دیوبند کو پیچھے چھوڑ دیا۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

③ آپ کے بیان کردہ معنی تقلید (چھٹے خط والے) کی رو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین تا وفات آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ“ پر عمل کرتے رہے یا نہ؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین تا وفات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر مجتہدین کا تا وفات آیت مبارکہ ”وَاتَّبِعْ“ الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں اُمید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

④ آیت مبارکہ ”واتبع سبیل“ الخ میں نبی کریم ﷺ کو بھی اتباع کا حکم ہے اور آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو آپ کے اس نظریہ کے تحت تو نبی کریم ﷺ بھی مقلد ٹھہرتے ہیں تو فرمائیں آپ واقعی نبی کریم ﷺ کو مقلد ہی سمجھتے ہیں؟ اثبات اور نفی دونوں صورتوں میں جواب نبی کریم ﷺ کی توہین ہے نعوذ باللہ من ذالک یہ اتباع اور تقلید کو ایک ہی چیز بنانے کا نتیجہ ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑤ آپ نے اپنے تیسرے خط میں ”میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقلد ہوں“ لکھ کر بزع خود تو آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ پر عمل کیا ہے مگر آپ نے اپنے چوتھے خط میں ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔“ لکھ کر اپنے تیسرے خط والی مندرجہ بالا بات کو فراموش کر دیا کیونکہ جو انسان ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم، حدیث شریف، الخ والے اصول پر چلے وہ تو مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد ورنہ کہنا پڑے گا کہ حضرت الامام ابوحنیفہ اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین بھی مقلد ہی تھے نہ کہ مجتہد۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

میری اس عبارت نیز دیگر عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ مجھے اتنا علم ہے کہ مقلد مجتہد نہیں ہوتا اور نہ ہی مجتہد مقلد تو محترم فرمائیں میری اس قسم کی عبارات کو دیکھ پڑھ کر آپ کا فرمانا ”آپ کو اتنا علم بھی نہیں کہ مجتہد کسی کا مقلد نہیں ہوتا“ کیا ہے؟

⑥ آپ کا دعویٰ ہے ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ نیز آپ کا اصول ہے ”ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم، حدیث شریف“ الخ اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ مسئلہ ”تقلید اور اتباع کا ایک ہی چیز ہونا“ بھی ہر مسئلہ میں شامل ہے لہذا آپ کے مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ کی دلیل ”سب سے پہلے قرآن کریم“ حدیث شریف، الخ سے پیش فرمائیں۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑦ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کا دعویٰ مقلدیت ختم اور دوسری صورت میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مجتہد ہونا ختم کیونکہ قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط والے وصف کی وجہ سے ہی انہیں مجتہد جانا جاتا ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑧ آیت مبارکہ ”واتبع“ الخ سے تقلید پر آپ کا استدلال تحقیق ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم اور دوسری صورت میں اس استدلال میں جس کی آپ نے تقلید کی اس بزرگ کا اسم گرامی بتانا آپ پر لازم کہیں وہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ہی نہ ہوں۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲)

⑨ آپ لکھتے ہیں (اپنے چھٹے خط میں) ”انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے۔“ آپ سے پوچھتا ہوں آپ کے نزدیک حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین میں تقلید کا وصف تھا یا ترک تقلید کا وصف؟ پہلی صورت میں ان کا اجتہاد والا وصف ختم اور دوسری صورت میں ان کا منکر حدیث ہونا لازم کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق ”انکار حدیث ترک تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ اور یقینی بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین مجتہد تھے تارک تقلید تھے منکر حدیث نہیں تھے دُور نہ جائیے علماء دیوبند کو ہی لیجیے آپ کے ہی فرمان کے مطابق ان کا کام تحقیق ہے اور تحقیق ترک تقلید کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تو کیا آپ علماء دیوبند کو بھی منکر حدیث ہی خیال کرتے ہیں نہیں ہرگز نہیں لہذا انکار حدیث کو ترک تقلید کا لازمی یا غیر لازمی نتیجہ سمجھنا یا کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۲ و ۳)

⑩ نیز آپ لکھتے ہیں (اپنے چوتھے خط میں) ”اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہم امام صاحب کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں“ یہ بندہ آپ کو اس بات پر دو طرح سے غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ ان دو طرح سے ضرور

بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ آخر آپ ماشاء اللہ منصف مزاج ہیں
 اولاً تو اس طرح کہ آپ کی اس مندرجہ بالا بات میں صرف حضرت الامام
 ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی شامل نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام ائمہ شامل ہیں دیکھئے اگر آپ کو
 صحیح حدیث مل جائے تو کیا آپ حضرت الامام مالک، حضرت الامام شافعی اور
 حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال نہیں چھوڑیں گے؟ چھوڑیں گے
 یقیناً چھوڑیں گے تو اس طرح آپ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ”فروعی مسائل
 میں ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں۔ یا فروعی مسائل میں ہم امام
 مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں۔ یا فروعی مسائل میں ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید
 کرتے ہیں۔“ آخر اگر آپ کو صحیح حدیث مل جائے تو ان ائمہ کے اقوال کو بھی تو
 آپ لوگوں نے چھوڑ ہی دینا ہے نا تو پھر ”فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
 کی تقلید“ کا دعویٰ کرنے سے دیگر مقلدین نیز غیر مقلدین کی نگاہوں میں گرنے
 سے آخر آپ کو کوئی فائدہ؟ اور ثانیاً اس طرح کہ آپ حضرت الامام ابوحنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ کے کل اقوال سے صرف تین اقوال بطور مثال درج فرمائیں جن کو آپ
 نے محض صحیح حدیث مل جانے کی بنا پر فی الواقع چھوڑ دیا ہو کیونکہ انصاف و
 اخلاص کا تقاضا یہی ہے۔ (بندہ کا خط نمبر ۴ ص ۱)

⑪ آپ کے دعویٰ ”فروعی مسائل“ الخ میں فروعی کی قید سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ
 لوگ اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہیں کرتے تو کیا امام ابوحنیفہ
 آپ کے ہاں اصولی مسائل میں علم (زیادہ جاننے والے) نہیں؟ یا اصولی
 مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ کے ہاں کتاب و سنت کے اقرب
 (زیادہ قریب) نہیں؟ یا پھر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر آپ کے
 ذہن میں معبود و دلیل اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر چسپاں ہی
 نہیں ہوتی اور اگر اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہ آپ کے ہاں علم (زیادہ

جاننے والے) اصولی مسائل میں بھی ان کے اقوال آپ کے ہاں کتاب و سنت کے اقرب (زیادہ قریب) ہیں اور حضرت الامام ابوحنیفہؒ کی تقلید پر آپ کے ذہن میں معبود دلیل اصولی مسائل میں بھی امام ابوحنیفہؒ کی تقلید پر چسپاں ہوتی ہے تو پھر آپ نے اپنے دعویٰ میں فروغی کی قید لگا کر اصولی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نہ کرنے کی طرف اشارہ کیوں فرمایا؟ اُمید ہے آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر ۴ ص ۴ ص ۲)

⑫ آپ نے اپنے دعویٰ میں ضروری مسائل کا لفظ بول کر واضح اشارہ فرما دیا کہ آپ لوگ اصولی مسائل میں ترکِ تقلید کو اپنائے ہوئے ہیں ادھر آپ کا یہ بھی عقیدہ و عندیہ ہے کہ ”انکارِ حدیث ترکِ تقلید کا لازمی نتیجہ ہے“ تو ان دونوں مقدموں کو ملانے سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ آپ اصولی مسائل میں منکرِ حدیث ہیں یا پھر آپ کی یہ دونوں باتیں نادرست ہیں یا دونوں میں سے ایک۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے ان تینوں صورتوں (انکارِ حدیث، دونوں باتوں کا غلط ہونا اور دونوں سے ایک کا غلط ہونا) میں سے جو صورت آپ کے ہاں مختار و پسندیدہ ہو ہمیں ان سے مطلع فرمائیں۔ اس بات کو فہرست میں شامل نہ سمجھیں کیونکہ یہ بندہ کے سابقہ خطوط میں موجود نہیں۔

⑬ آپ نے اپنے پہلے خط میں سوال کیا تھا ”حنفی اور محمدی نماز میں کیا فرق ہے“ جس کا بندہ نے جواب دیا تھا ”سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً منقول بمنقل مقبول نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر تو محمدی نماز ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے قولاً یا فعلاً منقول بمنقل معتبر نماز یا نماز سے متعلق کوئی امر حنفی نماز ہے بشرطیکہ وہ محمدی نماز کے موافق نہ ہو تو محمدی نماز اور حنفی نماز میں بس یہی فرق ہے“ (بندہ کا خط نمبر ۱) تو محترم مودبانہ گزارش ہے کہ بندہ کی ان سب باتوں کا جواب دیں ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف فرمائیں۔

روایت ”اجتہد برائی“ * آپ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت کو بار بار بلا سند نقل فرمایا تو آپ سے مؤدبانہ التماس کیا گیا کہ ”اگر آئندہ آپ اس روایت کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اسے باسند پیش فرماتا“ مگر اس کے باوجود آپ نے اس کی سند کو تو درج نہیں فرمایا البتہ مشکوٰۃ کو سامنے رکھ کر ترمذی، ابو داؤد اور دارمی کو سامنے رکھیں اور ان میں اس کی سند پڑھیں آپ کو پتہ چلے کہ اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے راوی مبہم ہیں جن کے نام تک بھی کسی کو معلوم نہیں چنانچہ کسی مقام پر ”عَنْ أَنَسٍ مِنْ أَهْلِ حِمَاصٍ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذٍ“ اور کسی مقام پر ”عَنْ رَجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذٍ“ کے لفظ موجود ہیں تو اب جناب خود غور فرمائیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ کے اس کو جید یا قوی کہنے کی کیا قدر و قیمت باقی رہ جاتی ہے جب کہ امام ترمذی رحمہ اللہ ہی اپنی مایہ ناز کتاب جامع میں اس روایت کو بیان کرنے کے بعد بذات خود لکھتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ عِنْدِي بِمُتَّصِلٍ.

”اس حدیث کو ہم صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں اور اس کی سند میرے نزدیک متصل نہیں۔“ (جامع ترمذی جلد اول ابواب الاحکام ص ۲۳۸)

تو یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے بالکل ثابت نہیں اس روایت کے ثابت نہ ہونے پر اس بندہ کے پاس کافی مواد موجود ہے اگر آپ اس روایت پر بات چیت کے سلسلہ میں آگے چلے تو وہ مواد سارے کا سارا جناب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اس کو بھی باسند و حوالہ پیش فرمائیں * آپ لکھتے ہیں ”حضورؐ نے فرمایا میری سنت اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو“ مگر اس کی نہ آپ نے کوئی سند لکھی اور نہ ہی کوئی حوالہ درج فرمایا اس لیے جناب سے گزارش ہے ان الفاظ ”میری سنت

اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو“ کے ساتھ اس حدیث کو باسند و حوالہ درج فرمائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی..... جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۲۰ ررجب ۱۴۰۲ھ



مکتوب نمبر ۸:

۲۹/۴/۸۴

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

السلام علیکم!

آپ کا تحریر کردہ لفافہ مورخہ ۲۸/۴/۸۴ کو ملا۔ موضوع زیر بحث تقلید ہے۔ اگر میں کوئی اور مسئلہ آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ تو آپ لکھتے ہیں۔ کہ میں جواب نہیں دوں گا۔ آپ کے تمام خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ ہر خط میں آپ بار بار ایک ہی بات کو دہراتے چلے جاتے ہیں اور میری تمام عبارتیں نقل کر دیتے ہیں۔ تقلید کے دو معنی ہیں: ① لغوی ② شرعی۔ ① قلاوہ در گردن بستن۔ گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا ② کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا۔ یہ سمجھ کر اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں۔ اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

ہمارے دین کی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف ہے۔ قرآن کریم کی تعبیر اور حدیث شریف کی تشریح وہی معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ اور تبع تابعین حضرات ائمہ دین اور محدثین نے پیش کی ہے۔

آپ اور باتیں لکھ کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ ہمارا اور آپ کا اتفاق کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو معیار حق سمجھتے ہیں۔ آپ نہیں سمجھتے۔ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں (نعوذ باللہ) آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت نہیں۔ بدعت ہے میں پہلے

خطوں میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ مگر آپ کوئی بات نہیں مانتے۔ اگر آپ کو مناظرہ کا شوق ہو تو میں مولانا محمد امین صاحب اداکڑوی کو بلا لیتا ہوں۔ ہمارے ساتھ مندرجہ ذیل مسائل پر مناظرہ کر لیں۔

① تقلید ② فاتحہ خلف الامام ③ رفع الدین ④ آمین بالجبر۔ معاذ بن جبلؓ والی روایت کے متعلق جو لکھا ہے امام ابن کثیرؒ کی بات قوی ہے۔ یا آپ کی میں پھر اپنے اصول کو دہراتا ہوں۔

① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ اب میرے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیں۔ نماز کی شرائط حدیث سے بیان کریں۔ نماز کے ارکان حدیث سے بیان کریں۔

مجھ اور بھونڈ وغیرہ کسی پینے والی چیز میں گرجائیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ حدیث سے پیش کریں۔

آپ کا فرقہ بالکل نیا ہے۔ گستاخ اور بے ادب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی آپ توہین کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں۔ ائمہ دین کی توہین کرتے ہیں اولیاء اللہ کی توہین کرتے ہیں۔ جب آپ اپنے بڑوں کی بھی نہیں مانتے تو ائمہ دین کی بات کب مانیں گے۔ آپ لکھتے ہیں کہ فلاں حنفی تھا۔ فلاں شافعی تھا۔ فلاں مالکی تھا۔ فلاں حنبلی تھا۔ کیا یہ قرآن میں لکھا ہے یا حدیث میں لکھا ہے۔ تمام باتیں قرآن کریم یا حدیث شریف میں نہیں ہوتیں۔ تم مانو یا نہ مانو، لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔ کہ ہم کو مشرک یا بدعتی نہ کہو۔ اگر کہنا ہے تو مقلدین شافعی، مالکی، حنبلی سب کو کہو۔ مکہ معظمہ جا کر اپنے آپ کو سلفی کہتے ہو وہاں جا کر اپنے آپ کو غیر مقلد کیوں نہیں کہتے۔

انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطا نہیں ہوتے۔ امام ابو حنیفہؒ سے جتنا بغض اور عناد آپ کو ہے۔ اور کسی کو نہیں۔

کئی کئی الزام امام صاحب پر لگاتے ہو۔ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک شراب

پینا جائز ہے۔

حافظ محمد جونا گڑھی نے ایک کتاب درایت محمدی لکھی ہے وہ پڑھ کر دیکھیں

جو بکو اس نے کی ہے۔

زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا خادم

محمد صالح طالب عالم جماعت دہم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هٰذَا نِيَّ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاكَ لِتُنِيَّ هِيَ اَقْوَمُ

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ!

اما بعد! جناب سے مودبانہ گزارش ہے کہ آپ اپنے اس تازہ (آٹھویں) خط کو ایک ہاتھ میں اور بندہ کے ساتویں خط کو دوسرے ہاتھ میں تھام کر دونوں کو بغور پڑھیں اور بتائیں آپ نے میری کسی ایک بات کا کوئی سا بھی جواب دیا ہے؟ میرے ساتویں خط میں تقریباً ہر بات پر نمبر لگائے گئے ہیں آپ وہ نمبر لکھ کر آگے اپنا جواب تحریر فرمائیں ادھر ادھر کی باتیں بنانے سے آخر آپ کو فائدہ؟ محترم خفانہ ہوں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْأُولَاءُ“ پر عمل فرمائیں۔

آپ لکھتے ہیں: ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“ اُمید ہے جناب اپنے اس بیان پر مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں ضرور غور فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

① جس انسان کے قول و فعل کو مسائل شرعیہ میں حجت سمجھا جائے وہ معصوم عن الخطا ہوا کرتا ہے مگر آپ دوسری طرف ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطا نہیں ہوتے، لکھ کر حضرت الامام ابو حنیفہؒ کے معصوم عن الخطا نہ ہونے کا اعتراف بھی فرماتے ہیں، تو آپ کی ان دو باتوں ”مسائل شرعیہ میں امام صاحبؒ کے قول و فعل کا حجت ہونا“ اور امام صاحب کا معصوم عن الخطا نہ ہونا، سے ایک بات تو لامحالہ غلط ہے اگر آپ اپنی پہلی بات کو غلط کہیں تو آپ کا دعویٰ تقلید باطل اور اگر آپ

اپنی دوسری بات کو غلط کہیں تو امام صاحبؒ کا مسائل شرعیہ میں معصوم عن الخطا ہونا لازم جس کا نتیجہ نیچے ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

② جس انسان کے قول و فعل کو مسائل شرعیہ میں حجت سمجھا جائے وہ انسان اللہ تعالیٰ کا رسول و نبی ہوتا ہے اور آپ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں“ تو پتہ چلا کہ آپ اندرونی طور پر امام صاحب کو اللہ تعالیٰ کا رسول و نبی ہی سمجھتے ہیں البتہ بیرونی طور پر انہیں رسول و نبی نہیں کہتے فرمائیے صاحب آیا یہ اندر خانے عقیدہ ختم نبوت کی نفی نہیں؟ نیز کیا یہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحقیر ہے یا توقیر؟ پھر اماموں اور بزرگوں کو انبیاء و رسل علیہم السلام کے مقام پر بٹھانا اور کس چیز کا نام ہے؟ صرف زبانی کلامی امام صاحب کو شرعی محقق اور امام مجتہد کہنا اور انہیں رسول و نبی کہنا رسول و نبی اور غیر رسول و نبی میں فرق کے سلسلہ میں کافی نہیں ٹھنڈے دل سے غور فرمانا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا بڑا بھلا ہوگا۔

③ آپ نے تصریح فرمادی ہے کہ ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“۔ ذرا غور تو فرمائیں آپ نے یہ کیا کہہ دیا ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول و فعل کو تو آپ لوگ مسائل شرعیہ میں حجت سمجھیں اور دلائل شرعیہ اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول و نبی ﷺ کی سنت و حدیث میں آپ لوگ نظر تک نہ کریں از روئے انصاف و اخلاص بتائیے کیا یہ امام صاحبؒ کے حق میں افراط و غلو اور کتاب و سنت کے حق میں تفریط و تقصیر ہے یا کچھ اور؟

④ اس دفعہ آپ نے ”مسائل شرعیہ“ کے ساتھ ”فروعی“ کی قید نہیں لگائی پھر اس دفعہ آپ نے مسائل شرعیہ کی تین اقسام سے کسی ایک قسم کی تعیین بھی نہیں فرمائی بتائیے اس کی کیا وجہ ہے؟

⑤ آپ ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں“ لکھنے کے ساتھ ساتھ ”ہم صحابہ کو معیار حق سمجھتے ہیں“ بھی لکھتے جاتے ہیں تو محترم فرمائیں آپ نے امام صاحب کو معیار حق سمجھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو؟ یا پھر اس صحابی کا نام درج فرمائیں جس کے قول و فعل کو آپ مسائل شرعیہ میں حجت سمجھتے ہوں رہا اجماع صحابہؓ تو وہ اس سے الگ مسئلہ ہے۔ کیونکہ اجماع تو صحابہؓ کے علاوہ اور مجتہدین کا ہی کیوں نہ ہو آپ لوگ اسے حجت سمجھتے ہیں تو ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے کہ کسی صحابی حتیٰ کہ کبار صحابہؓ کے قول و فعل کو تو مسائل شرعیہ میں حجت نہ لکھا جائے اور ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں“ کی گردان کی جائے آیا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب ہے؟ یا ان کی بے ادبی؟

⑥ فقہ حنفی اور اصول فقہ حنفی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مقلدین حضرات رسول کریم ﷺ سے ثابت شدہ احاد احادیث کو کئی ایک مقامات پر حجت نہیں سمجھتے ہیں تو فرمائیے صاحب رسول کریم ﷺ کی احاد احادیث امام صاحبؒ کے قول و فعل کا درجہ بھی نہیں رکھتیں۔ خدا را کچھ تو انصاف کیجیے۔ آخر آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

⑦ ”میرا اپنا یہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ کے لیے سب سے پہلے ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس“ لکھ کر تو آپ نے اپنے دلائل شرعیہ میں نظر کرنے کو ثابت فرمایا اور ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“ لکھ کر آپ نے اپنے دلائل شرعیہ میں نظر کرنے کی نفی فرمادی تو بتائیں آپ کی ان دو باتوں سے کون سی بات درست ہے؟

⑧ حنفی مقلدین کی کتب اور آپ کے ابتدائی خطوط سے واضح ہے کہ مسائل شرعیہ

کے دلائل شرعیہ چار ہیں: ① قرآن کریم ② حدیث شریف ③ اجماع ④ قیاس۔ مگر آپ نے اپنے تازہ ایک دو خطوں میں بوضاحت و صراحت لکھا ہے ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں تو محترم فرمائیں آیا آپ یہ دلائل شرعیہ میں ایک اور دلیل شرعی کا اضافہ فرما رہے ہیں؟ یا پھر آپ امام صاحب کے قول و فعل کو چار سابقہ دلائل شرعیہ میں سے کسی ایک دلیل شرعی میں درج سمجھتے ہیں؟ اس دوسری صورت کو اختیار فرمانے کی حالت میں امام صاحب کے قول و فعل کو چار دلائل شرعیہ میں سے جس دلیل شرعی میں آپ درج سمجھتے ہوں اس دلیل شرعی کی تعیین آپ کے ذمہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل والی روایت سے متعلق حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی بات قوی نہیں غلط ہے اس کے دلائل یہ بندہ اپنے پچھلے خط میں لکھ چکا ہے۔ ان کا جواب دیں۔

ابن عبدالحق بقلہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۷ شعبان ۱۴۰۴ھ



محترم المقام جناب حافظ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۴/۵/۸۴ کو ملا۔ میرے اور آپ کے درمیان مسئلہ تقلید چل رہا ہے۔ میں اپنے خطوں میں تقلید پر تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ لیکن آپ کی سمجھ میں میری ایک بات بھی نہیں آئی۔ آپ بار بار لکھتے ہیں کہ آپ میرے خطوں کو غور سے پڑھیں۔ میں نے آپ کے خطوں کو نہایت غور سے پڑھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں نمبر لگا کر خط لکھتا ہوں۔ میرے نمبر پڑھیں۔ لیکن جتنے بھی آپ نے آج تک خط لکھے ہیں ان سب میں ایک ہی عبارت ہے لفظوں کا ہیر پھیر ضرور ہے۔ میں پھر اپنے پہلے عقیدے کو دہراتا ہوں۔

ہمارے دین کی بنیاد قرآن کریم اور حدیث شریف ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث شریف کی تشریح وہی معتبر ہے جو حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین عظام نے اور تبع تابعین نے حضرات ائمہ دین نے فقہاء نے اور محدثین نے پیش کی ہے۔

جو مسائل صراحۃً قرآن کریم اور حدیث شریف سے نہیں ملتے وہ ہم اجماع اور فقہ سے لیتے ہیں۔

حافظ صاحب غصے کو تھوک دینا۔ ہمارے نزدیک صحابہ کرامؓ معیار حق تہتر فرقوں والی حدیث تو آپ کو ازبر ہوگی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ کون سا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا: ”وَمَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں مانتے۔ سید احمد شہید

بریلویؒ نے جو سید اسماعیل شہیدؒ کے مرشد ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں غیر مقلدوں کو رافضیوں کا چھوٹا بھائی لکھا ہے، جیسے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں مانتے۔ اس طرح تم بھی نہیں مانتے۔ میں نے پہلے بھی لکھا کہ جمعہ کی اذان حضور کے زمانہ میں ایک ہی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ایک ہی رہی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ایک ہی رہی۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو جمعہ کی دو اذانیں شروع ہوئیں۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ آپ بتائیں کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت ہے یا کہ نہیں۔ آپ نے جواب دیا تھا کہ جمعہ کی دوسری اذان سنت نہیں۔ پھر میں نے آپ کو آپ کے اکابر علماء غیر مقلدوں کے نام لکھے تھے جو جمعہ کی دوسری اذان کو سنت کہتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ رَاشِدِينَ مَهْدِينَ“ (مشکوٰۃ شریف) ودیگر کتب۔

حضورؐ نے فرمایا کہ ”میری سنت اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو“ اب مسئلہ تراویح کی طرف آئیے گو میرا یہ موضوع نہیں۔ برانہ منانا ضمناً کچھ عرض کر رہا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز تراویح صرف تین دن پڑھی اور آپ پورا مہینہ پڑھتے ہیں دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ۔

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم اللہ کے نبی نے تو صرف تین رات نماز تراویح پڑھی مگر آپ پورا مہینہ کیوں پڑھتے ہیں۔ تراویح کے مسئلہ میں ساری امت ایک طرف عہد فاروقی سے لے کر ۱۲۸۴ھ تک کسی نے بھی بیس تراویح بدعت نہیں کہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، محققین، مفسرین، محدثین، علماء، فضلاء، فقہاء، اذکیہ، اصفیاء، اتقیاء سب کے سب بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح

۱۔ درست لفظ اذکیا ہے لیکن چونکہ مکتوب میں اس طرح اس لیے درست نہیں کیا۔

پڑھتے رہے۔

طلاق ثلاثہ * آپ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاق کو طلاق واحد شمار کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین کے نزدیک تین طلاق تین ہی ہیں۔ آپ کے بعض اکابر علماء بھی اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں اور آئمہ اربعہ کے نزدیک جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اس کا نکاح پڑھنا حرام ہے اور آپ نکاح پڑھتے ہیں۔ برانہ منائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی پہلے غیر مقلد تھا۔ حکیم نور دین بھیروی جو مرزا غلام احمد کا پہلا خلیفہ ہے۔ وہ بھی غیر مقلد ہی تھا۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی خطیب مسجد چینیاں والا بھی غیر مقلد ہی تھا۔ حافظ محمد اسلم جیراج پوری یہ بھی غیر مقلد ہی تھا۔ سر سید احمد خاں نیچری یہ بھی غیر مقلد ہی تھا جتنے بھی نئے فرقے آج تک پیدا ہوئے ہیں یہ تمہاری ہی کوکھ سے نکلے ہیں۔ یہ ہے ترک تقلید کا نتیجہ۔ غیر مقلد کہتے ہی اسے ہیں جو مادر پدر آزاد ہو۔

اب میں تین چار سوال لکھتا ہوں پہلے ان کے جواب دیں پھر خط و کتابت ہوگی ورنہ خط و کتابت بند کر دی جائے گی۔

- ① نماز کی شرائط حدیث سے بیان کریں؟
- ② نماز کے ارکان حدیث سے بیان کریں؟
- ③ اگر پانی، لسی، دودھ وغیرہ میں مجھڑ، چیونٹی، چیونٹا، شہد کی مکھی۔ بھڑیا اور کوئی کیڑا مکوڑا اگر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حدیث پیش کریں۔ قیاس کو میں نہیں مانوں گا۔

- ④ ریل گاڑی، بس، ہوائی جہاز میں نماز کیسے پڑھی جائے؟ حدیث سے ثابت کریں۔

اب میں اپنے اصلی موضوع کی طرف آتا ہوں۔

مسئلہ تقلید * آیات قرآنی: ۱۔

۱۔ فلولاً فافاراً الا آخرہ فدین۔

ب۔ اهد نسراً المسقیحب انعمت علیہم۔

ج۔ وسبقون الاولون الا آخرہ ورضوعن۔

د۔ اطیعوا اللہ الا آخرہ اولی الامرہ منکم۔

ر۔ فسلو الاخرہ لا تعلمون۔

س۔ لایکلف اللہ الا آخرہ الاوسعها۔

ص۔ واتبع سبیل من اناب الی۔

ط۔ والذین الا آخرہ امام۔

ع۔ نفتدی الا آخرہ متقون۔

ف۔ ولوردواہ الا آخرہ منہم۔

ق۔ یوم ندعو الا آخرہ بامام ہم۔

تقلید کے دو معنی ہیں:

① لغوی ② شرعی

① لغوی: قلاوہ در گردن بستن (گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا)

② شرعی: کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا۔ یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور

اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔

① عقائد

② وہ احکام جو صراحۃً قرآن کریم یا حدیث شریف سے ثابت ہوں۔ اجتہاد میں ان

۱۔ یہ آیات تمام غلط ہیں چونکہ اسی طرح کے الفاظ تھے اس لیے ان کی تصحیح نہیں کی۔

کو دخل نہ ہو۔

③ وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔ مقلد مسلمان دو طرح کے ہیں۔ ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔

مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکیں اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے۔ اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت ہو۔ احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو۔ جو اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لیے تقلید منع ہے۔

مجتہد کے لیے چھ طبقے ہیں:

① مجتہد فی شرع ② مجتہد فی المذہب ③ مجتہد فی المسائل ④ اصحاب التخریج ⑤ اصحاب الترجیح ⑥ اصحاب التمییز۔ اب ذرا ان کی شرح بھی سنئے۔

① مجتہد فی شرع: وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے جیسے چاروں امام ① امام ابوحنیفہ ② امام شافعی ③ امام احمد بن حنبل ④ امام مالک۔ ② مجتہد فی المذہب: وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں۔ اور ان اصول سے مسائل شرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف امام محمد، ابن مبارک کے یہ قواعد میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔ اور مسائل میں مجتہد باقی کے ان شاء اللہ پھر لکھوں گا۔

قرآن کریم کی وہ آیات جو یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں وہ آپ ہم پر چسپاں (فٹ) کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کی بارہ میں ہم اور آپ بھی پیش ہوں گے اور اللہ کے سامنے آپ کو جواب دینا پڑے گا۔

① اتاخذوا لآخرہ من دون اللہ۔

② قالو الا آخره آباء ناب

یہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے مولوی اور پیر حرام کھاتے تھے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی حرام کھایا امام ابوحنیفہؒ کا تقویٰ اور دیانت کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

امام ابن حجرؒ کی اپنی کتاب ”الخیرات الحسان“ میں لکھتے ہیں (یہ ہیں بھی شافعی مسلک کے) کہ کوفہ میں کسی کی بکری گم ہو گئی۔ امام ابوحنیفہؒ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری کتنا عرصہ زندہ رہتی ہے۔ بتایا گیا کہ تقریباً چھ سال، امام ابوحنیفہؒ نے چھ سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔ وہ اس لیے کہ کہیں وہ ہی بکری کسی قصاب نے ذبح نہ کر لی ہو۔

اور میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ آپ لوگ گستاخ اور بے ادب ہیں پروفیسر عبداللہ نے رسالہ رفع الیدین عبدالقادر کے نام پر شائع کیا۔ اس میں لکھتا ہے کہ آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی۔ اس سے بڑھ کر اماموں کی اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔ کبھی آپ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ احادیث یاد تھیں اور وہ یتیم فی الحدیث تھے۔ میں نے پہلے خط میں ان کا علمی گہوارہ پیش کیا تھا جس کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اب میرا ایک آخری سوال ہے کہ اسلام میں اجتہاد ہے یا کہ نہیں؟ اس کا جواب ضرور دیں۔ اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔

مانا کہ تم حسیں ہو پر دل کے سخی نہیں

عاشق کے اس سوال کو پورا نہ کر سکے

حافظ صاحب میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک بات اختتام تک نہ پہنچ جائے۔

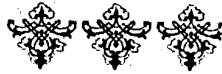
۱۔ یہ آیات بھی غلط لکھی ہیں۔

ضروری نوٹ:

میرے امتحانات ہو رہے ہیں اس لیے مجھے فرصت کم ملتی ہے اس لیے یہ خط کسی سے لکھوا رہا ہوں۔ امتحان ہو لینے دیں پھر آپ کی اور میری باتیں ہوں گی۔

خادم

محمد صالح طالب علم



جواب مکتوب نمبر ۹:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا نِيَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

وَعَلَيْكُمْ السَّلَام وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ!

① آپ نے اس دفعہ اپنے رقعہ پر تاریخ درج نہیں کی امید ہے جناب آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔

② آپ کے اور میرے درمیان اس بات چیت کا موضوع ہے مسئلہ تقلید جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے اسی لیے ساتویں رقعہ میں واضح کیا جا چکا ہے آپ نے ”بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے“ لکھ کر موضوع کو متعین فرما دیا ہے لہذا یہ بندہ آپ کی موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تا وقتیکہ اس موضوع ”مسئلہ تقلید“ پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً مسئلہ شرط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں“ (بندہ کا رقعہ نمبر ۷ ص ۱) لہذا آپ مسئلہ طلاق ثلاثہ مسئلہ تراویح مسئلہ ارکان نماز پانی وغیرہ میں بھڑ وغیرہ کا گرنا جہاز میں نماز پڑھنا اور اس قسم کے دیگر مسائل بڑی خوشی سے پوچھتے رہیں اور بھی غلط یا صحیح جو آپ کے منہ میں آئے لکھتے رہیں یہ بندہ اپنے موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہرگز نہیں ہٹے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

محترم کچھ دانائی سے کام لیں بات کو خواہ مخواہ الجھانے کی کوشش نہ کریں پہلے وہ مسئلہ تو حل فرمائیں جس کے متعلق آپ اپنے اس تازہ رقعہ میں بھی لکھتے ہیں ”میرے اور آپ کے درمیان مسئلہ تقلید چل رہا ہے“ پھر کسی دوسرے مسئلہ کی طرف

رجوع فرمالینا۔

③ بندہ نے اپنے پہلے تمام رقعہ جات والا مواد تقریباً پورے کا پورا اپنے ساتویں رقعہ میں جمع کر دیا ہے اس لیے جناب سے گزارش ہے کہ میرے ساتویں آٹھویں اور اس نویں تینوں رقعہ جات میں درج ہر بات کا ترتیب دار جواب دیں کیونکہ ابھی تک تو آپ نے بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا اور جو کچھ آپ نے اب تک لکھا وہ بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں محترم بات چیت کے سلیقہ و طریقہ کو اپنائے موضوع ”مسئلہ تقلید“ پر اپنی بات کا بندہ سے جواب وصول کر لینے کے بعد بندہ کی باتوں کا بھی تو جواب دیجیے یا پھر بندہ کی باتوں کے درست ہونے کا اعتراف و اقرار فرمائیے اپنے کسی بڑے عالم سے دریافت فرمائیں جو سلسلہ آپ نے شروع کر رکھا ہے۔ اس میں کس حد تک معقولیت ہے؟

④ آپ کی درج کردہ آیات نیز قرآن مجید کی دیگر آیات میں سے کسی ایک آیت اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے کسی ایک حدیث سے بھی آپ کا مدعا تقلید۔ کسی کی کتاب و سنت کے منافی رائے کو ماننے۔ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ خدا را انصاف کیجیے آپ کس طرف جا رہے ہیں۔

⑤ آپ اپنے اس نویں رقعہ میں لکھتے ہیں ”مقلد مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد“ الخ (آپ کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵) اس سے تھوڑا سا بعد آپ خود ہی فرماتے ہیں ”جو اس درجہ۔ درجہ مجتہد پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے“ آپ کی ان دو باتوں میں سے ایک بات تو لامحالہ درست ہے کیونکہ آپ کی پہلی بات میں تو غیر مجتہد کو مقلد کی قسم بنایا گیا ہے جب کہ دوسری بات میں غیر مجتہد کو مقلد کا ہم مطلب قرار دیا گیا ہے پھر آپ کی پہلی بات میں مجتہد کو بھی مقلد کی قسم بتایا گیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ مجتہد مقلد نہیں ہوا کرتا چنانچہ آپ خود

پہلے کسی رقعہ میں اس کی تصریح فرما چکے ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں ”مجتہد کے لیے تقلید منع ہے“۔ (آپ کا رقعہ نمبر ۶ ص ۵)

یاد رہے کہ آپ کے رقعہ نمبر ۶ میں لفظ ”مجتہد“ کو ہر جگہ ”مجتہد“ ہی لکھا گیا

ہے۔

⑥ بندہ تقریباً پونے دو ماہ تو سفر میں رہا نیز دیگر مصروفیات کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوئی۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۲۱ رزوالقعدہ ۱۴۰۴ھ



مکتوب نمبر ۱۰:

۲۹/۸/۸۴

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۷/۸/۸۴ کو ملا۔ میں پہلے رقعہ میں تحریر کر چکا ہوں۔ کہ میرے امتحانات ہو رہے تھے۔ کسی اور آدمی سے خط لکھوایا۔ وہ آدمی B-A تھا۔ اگر اُس نے مجتہد غلط لکھ دیا تھا۔ تو وہ میری غلطی نہیں تھی۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ مجھے خط لکھنے کا طریقہ اور سلیقہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو بھی کوئی طریقہ اور سلیقہ نہیں۔ جو مسائل میں نے رقعہ نمبر ۹ میں لکھے۔ وہ تقلید کے بارے میں ہی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق جب آپ یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ حدیثیں آتی تھیں۔ تو ہم کس باغ کی مولیٰ ہیں۔ ہمیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔

جب آپ صحابہ کی کسی بات پر عمل نہیں کرتے اور تراویح کے مسئلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دوسری جمعہ کی اذان کے بارے میں بدعتی کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت شہید صاحب نے آپ کو چھوٹے رافضی لکھا ہے۔ حافظ صاحب تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں جب آپ کو آپ کی والدہ محترمہ نے کہہ دیا کہ فلاں تمہارا باپ ہے تو تم نے اپنی والدہ سے کوئی دلیل طلب نہیں کی۔ آئے دن ہمارے خلاف رسائل پمفلٹ شائع کرتے رہتے ہیں۔ اتنا زہر اُگلتے ہو۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فروعی مسائل کو دین کا معیار بنائے بیٹھے ہو۔ فاتحہ خلف الامام رفع الیدین آمین بالجہر طلاق ثلاثہ جمعہ کی دوسری اذان جوتے سمیت

نماز پڑھنی۔ جرابوں پر مسح وغیرہ کرنا۔

تقلید کا مسئلہ آپ کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اگر ہم ہزاروں اور لاکھوں دلائل دیں اس لیے اس بحث کو ختم کر دیں۔
ضروری نوٹ:

اگر مناظرہ چاہتے ہیں تو بڑی خوشی سے مناظرہ کر لیں۔ جس مسئلہ پر آپ کا دل چاہے۔

میں نے آپ کے تمام رقعہ جات ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں۔
زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔

آخری بات * قیامت کے دن دربارِ خداوندی میں میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ آئندہ خط لکھنے کی کوشش نہ کریں۔

نہایت ضروری:

آپ کے مدرسہ کے باہر جو بورڈ لگا ہوا ہے اس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ مدرسہ میں فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ کون سی فقہ ہے۔ اور کس امام صاحب کی ہے جس کی تعلیم آپ کے مدرسہ میں دی جاتی ہے۔

فقط والسلام

محمد صالح، ازگھر جاگھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخد مت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا بِنِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

علیکم السلام ورحمة الله وبرکاته!

① یہ بندہ بار بار لکھ چکا ہے کہ وہ ”آپ کی موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تا وقتیکہ اس موضوع ”مسئلہ تقلید“ پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مثلاً شروط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں۔“ (بندہ کا رقعہ نمبر ۷ ص ۱) تو محترم آپ نے پہلے بھی مجھ پر کئی ایک بہتان لگائے ہیں اور اب اس دسویں رقعہ میں بھی جناب نے بندہ پر ایک سے زیادہ بہتان تراشے ہیں مثلاً ”① امام ابوحنیفہؒ کے متعلق جب آپ یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ حدیثیں آتی تھیں ② آپ اصحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی بات پر عمل نہیں کرتے ③ اور تراویح کے مسئلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں ④ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسری جمعہ کی اذان کے بارے میں بدعتی کہتے ہیں۔“ الخ (جناب کا رقعہ نمبر ۱۰ ص ۲-۱)

تو مکرم کوئی بات نہیں اور بھی اس قسم کی چیزیں آپ بڑی خوشی سے لکھیں بقول شام ”قیامت کے دن دربار خداوندی میں میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے گا۔“

(آپ کا خط نمبر ۱۰ ص ۳)

② آپ فرماتے ہیں ”حافظ صاحب تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں جب آپ کو آپ

۱۲ ۳ ۴ : یہ تمام الفاظ آپ کی تحریر میں اسی طرح ہیں۔ منہ

کی والدہ محترمہ نے کہہ دیا کہ فلاں تمہارا باپ ہے تو تم نے اپنی والدہ سے کوئی دلیل طلب نہیں کی۔“ (آپ کا خط نمبر ۱۰ ص ۳)

بزعم خود تو آپ نے اس سے تقلید کو کشید فرمایا ہے جب کہ تقلید اس سے بالکل کشید نہیں ہوتی اولاً تو اس لیے کہ میری یا آپ کی والدہ محترمہ کا اپنی اولاد کو ان کے باپ سے روشناس کرانا تقلید ہے ہی نہیں کیونکہ تقلید تو (صحیح قول کے مطابق) کتاب و سنت کے منافی رائے کو ماننے کا نام ہے اور والدہ کا اپنی اولاد سے کہنا ”فلاں تمہارا باپ ہے“ کوئی کتاب و سنت کے منافی رائے نہیں۔ لہذا والدہ کی اس بات کے ماننے کو تقلید قرار دینا درست نہیں۔

اور ثانیاً اس لیے کہ اگر آپ لوگ اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے قول ”فلاں تمہارا باپ ہے“ کو ماننا واقعی تقلید سمجھتے ہیں تو پھر آپ تو اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے بھی مقلد ہوئے جب کہ مقلدین حضرات بھی یہ کبھی نہیں کہتے اور کبھی نہیں سمجھتے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ یا باپ کا نام بتلانے والے کے بھی مقلد ہیں وہ تو صرف یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بس حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہی مقلد ہیں یا پھر وہ یوں کہتے ہیں ”ہم شرعی مسائل میں حضرت الامام ابو حنیفہ کے قول اور فعل کو حجت سمجھتے ہیں۔“ الخ یہ آج تک کسی ایک مقلد نے بھی نہیں کہا کہ وہ ”فروعی مسائل میں اپنی

والدہ محترمہ کے قول اور فعل کو حجت سمجھتا ہے۔“ الخ

اور ثالثاً اس لیے کہ اگر والدہ محترمہ یا کسی اور کے قول ”فلاں تمہارا باپ ہے“ کو ماننا تقلید ہو تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی طرح مجتہدین کی فہرست سے خارج ہو کر مقلدین کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ انہوں نے بھی تو آخر حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی والدہ محترمہ یا کسی اور کے بتانے سے ہی اپنا باپ تسلیم فرمایا تو بتائیے صاحب آپ کا اس سے کیا جواب ہے؟

③ جناب سے گزارش ہے کہ میرے ساتویں آٹھویں نویں اور اس دسویں چاروں

رقعہ جات میں درج ہر بات کا ترتیب وار جواب دیں کیونکہ ابھی تک تو آپ نے بندہ کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔

إِلَى آخِرِهِ مَا قُلْتُ قَبْلُ فِي الرَّقْعَةِ النَّاسِعَةِ.

④ آپ لکھتے ہیں ”آئندہ خط لکھنے کی کوشش نہ کریں“۔ (آپ کا رقعہ نمبر ۱۰ ص ۳)

محترم مؤدبانہ گزارش ہے کہ جناب ہی نے بندہ کو پہلے خط لکھا اور جواب کا مطالبہ کیا تھا ورنہ میں تو آپ کے نام تک سے واقف نہ تھا تو مکرم خفا نہ ہونا، اگر آپ نے خط لکھا تو جواباً بندہ بھی آپ کو ضرور خط لکھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ آخر کوئی بھائی مکتوب لکھے تو اس کا جواب دینا تو مکتوب غلیہ کا حق ہے جس سے اسے محروم کرنا کوئی انصاف نہیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۴۰۴ھ - ۶/ ذوالحجہ



مکتوب نمبر ۱۱:

۱۱ ستمبر ۱۹۸۲ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا۔ ارادہ تو نہیں تھا کہ آپ کو جواب دوں۔ لیکن آپ کی عادتوں کا مجھے پتہ ہے۔ آپ یہ نہ کہیں کہ محمد صالح شکست کھا گیا۔ اس لیے میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں نے بہت سے دلائل لکھے۔ لیکن آپ نے کوئی بات نہیں مانی۔ جب دل میں ضد اور تعصب ہو تو حق بات سے بھی آدمی انکار کر دیتا ہے۔ مولوی امجد علی صاحب اپنی کتاب بہار شریعت حصہ اول ص ۶۳ پر لکھتے ہیں۔ وہابی ایک نیا فرقہ ہے جو ۱۲۰۹ء میں پیدا ہوا۔ آپ کے فرقے کا بانی مبانی مولوی عبدالحق بنارسی ہے ۱۸۸۸ء میں آپ نے اپنے آقا انگریز سے الحمدیث نام الاٹھ کر لیا پہلے آپ نے اپنا نام وہابی رکھا۔ پھر لوگ آپ کو غیر مقلد کہنے لگے۔ اور اب تک کہہ رہے ہیں۔ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی۔ وہ بھی آپ نے نہیں مانی رقعہ نمبر ۹ میں۔ میں نے بہت تفصیل سے مسئلہ لکھا۔ لیکن آپ نے کسی بات کو بھی نہیں مانا۔ جو آیات کریمہ یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ آپ ہم پر چسپاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے غارت کرے۔ آمین ثم آمین

آپ لکھتے ہیں۔ کہ مجھ پر الزام لگاتے ہو۔ یہ بات غلط ہے۔ اس خط میں بھی تم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر حملہ کیا ہے۔ میں آپ کی کتابوں سے سب کچھ ثابت کر سکتا ہوں۔ آپ کا فرقہ گستاخ اور بے ادب ہے۔ لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے فقہ پر اعتراض کرتے ہو۔ تم تو اپنے بڑوں کی بات نہیں مانتے۔ اپنے فتوے بھی

پڑھ لیا کرو۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

میری کسی بھی بات کا جواب تم آج تک نہیں دے سکے۔ تمہاری کوکھ سے
مرزائی، چکڑالوی، نیچری اور باطل فرقے پیدا ہوئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا۔

حکیم نور الدین بھیروی //

سر سید احمد خاں //

محمد اسلم جیراج پوری //

نیاز فتح پوری //

ابتدا تو میں نے نہیں کی تھی چند مسائل آپ سے پوچھے تھے آپ نے
مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا۔

میں مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی کو بلا لیتا ہوں۔ مسئلہ تقلید پر فیصلہ کر لو۔

آپ کا

محمد صالح از گھر جاکھ



جواب مکتوب نمبر ۱۱:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ. إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ
مُحْسِنُونَ﴾ (سورہ نحل کی آخری آیات)

اور اللہ تعالیٰ جل و علا سورہ حم السجدہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسْهَوِیْ الْحَسَنَةَ وَلَا السَّيِّئَةَ اِذْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا
الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَهُ وَلِيًّا حَمِيمًا. وَمَا يُلْقِهَا اِلَّا الَّذِي
صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا اِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ. وَاَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

اللہ تعالیٰ عز و جل ہی سورہ المؤمنون میں فرماتے ہیں:

﴿اِذْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ﴾

اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق

عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

② آپ نے بذات خود لکھا ”بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے“ (آپ کا خط نمبر

۷ ص ۸) نیز آپ ہی لکھتے ہیں۔ ”موضوع زیر بحث تقلید ہے۔“ (آپ کا خط نمبر ۸

ص ۱) پھر جناب ہی نے مجھے موضوع کے اندر رہنے کی تلقین بھی فرمائی چنانچہ

آپ لکھتے ہیں ”موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں ادھر ادھر جانے کی

ضرورت نہیں۔“ (آپ کا خط نمبر ۶ ص ۳) تو آپ کے ان ارشادات کی روشنی میں بندہ نے اپنے خطوط میں بار بار لکھا ”یہ بندہ آپ کی موضوع“ مسئلہ تقلید سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا تاوقتیکہ اس موضوع ”مسئلہ تقلید پر ہمارا کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں مسئلہ شروط نماز وغیرہ بڑے شوق سے لکھتے رہیں۔“ (بندہ کا خط نمبر ۷ ص ۱) پھر بندہ نے ہی لکھا ”آپ مسئلہ طلاق ثلاثہ مسئلہ تراویح“ مسئلہ ارکان نماز وغیرہ پانی میں بھڑ وغیرہ کا گرنا جہاز میں نماز پڑھنا اور اس قسم کے دیگر مسائل بڑی خوشی سے پوچھتے رہیں اور بھی غلط یا صحیح جو آپ کے منہ میں آئے لکھتے رہیں یہ بندہ اپنے موضوع مسئلہ تقلید سے ہرگز نہیں ہٹے گا ان شاء اللہ تعالیٰ (بندہ کا خط نمبر ۹ ص ۱)

③ تقلید کے اثبات کے لیے جس قدر مواد آپ نے پیش کیا بندہ نے اس تمام مواد کا تفصیلاً جواب دے دیا ہے میرے خطوط کسی عالم کو پڑھائیں پھر ان سے پوچھیں آیا تقلید سے متعلق آپ کی تمام باتوں کا ان میں جواب ہے یا نہیں؟ پھر بندہ نے آپ کے تقلید پر پیش کردہ تمام مواد کا اجمالاً جواب بھی دیا جو اس جگہ درج کیا جاتا ہے تفصیلی جواب بندہ کے خطوط میں ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کی درج کردہ آیات نیز قرآن مجید کی دیگر آیات میں سے کسی ایک آیت اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے کسی ایک حدیث سے بھی آپ کا مدعا ”تقلید“ کسی کی کتاب وسنت کے منافی رائے کو ماننے کا جواز ثابت نہیں ہوتا ذرا انصاف کیجیے آپ کس طرف جا رہے ہیں۔“ (بندہ کا خط نمبر ۹ ص ۲)

④ رہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت تو اس کے متعلق بندہ لکھ چکا ہے۔ ”یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے بالکل ثابت نہیں“ اس کی تفصیل یا دلائل آپ بندہ کے خط نمبر ۷ ص ۶ پر ایک دفعہ پھر پڑھ لیں تو جناب کا فرض تھا کہ اس روایت کو آپ رسول اللہ ﷺ سے ثابت فرماتے یا صاف لفظوں میں اعتراف

کرتے کہ واقعی یہ روایت رسول کریم ﷺ سے ثابت نہیں مگر آپ نے ان دو اصولی، معقولی اور مبنی برانصاف طریقوں سے تو کوئی سا طریقہ نہ اپنایا اُلٹا یہ فرما دیا ”میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی وہ بھی آپ نے نہیں مانی“۔ (آپ کا خط نمبر ۱ ص ۱)

⑤ بندہ نے آپ کی طرف سے آپ کے پچھلے خط میں پیش کردہ ”والدہ محترمہ“ والی دلیل کے تین جواب لکھے ان سے کسی ایک کا بھی آپ سے رد تو نہ ہو سکا البتہ آپ نے ”اس خط میں بھی تم نے امام ابوحنیفہؒ پر حملہ کیا ہے“ (آپ کا خط نمبر ۱ ص ۲) لکھ کر آپ کی طرف سے آپ کی حالیہ اور سابقہ تحریرات میں اس بندہ پر لگائے گئے بہتانات میں ایک اور بہتان کا ضرور اضافہ فرما دیا ہے تو محترم آپ جس قدر چاہیں جی بھر کر اس بندہ پر الزام و بہتان تراش لیں اسے برا بھلا کہہ لیں اور اس کے دینی بھائیوں پر کچڑا اچھال لیں اس سلسلہ میں آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے آپ کا مدعا ”فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں“ (آپ کا خط نمبر ۳ ص ۲) اور ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“۔ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) تو ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔

⑥ محترم آپ سے انتہائی مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ بندہ کے خطوط ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں اور گیارھویں کا جواب دیں اور آپ بھی تو اپنے موضوع ”مسئلہ تقلید“ کے اندر رہیں صرف اس بات کی دوسروں کو تلقین کرنے پر ہی اکتفا نہ کریں:

﴿اتَمُرُّونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ ۱۰۱

⑦ آخر میں یہ بندہ آپ سے نہایت ہی مؤدبانہ اپیل کرتا ہے کہ آپ ایک دفعہ پھر

اپنے اور بندہ کے خطوط غور سے پڑھیں ان شاء العزیز آپ کو پتہ چل جائے گا
ابتدا کس نے کی نیز مناظرانہ رنگ کس نے اختیار کیا خصوصاً آپ کے دوسرے
خط کے جواب میں آپ کے ارسال کردہ جوابی لفافہ کو بندہ کی طرف سے آپ کو
خالی ہی بھیج دینے کے بعد جو رویہ آپ نے اختیار فرمایا اس کو ذرا ذہن نشین
رکھیں بندہ نے تو خالی لفافہ بھیج کر آپ کو موقع فراہم کر دیا تھا دعا ہے کہ اللہ
تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا
رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۲۰ رزوالحجہ ۱۴۰۲ھ



مکتوب نمبر ۱۲:

۱۳/۹/۸۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

گرامی نامہ آپ کا ملا۔ مؤرخہ ۱۲/۹/۸۴ کو جواب دے دیا گیا لیکن ایک خط اور ارسال کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کے دماغ میں کوئی بات بیٹھ جائے۔ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ جب تمہارے آقا اس ملک سے گئے تھے تم فتنہ فساد کو ختم کر دیتے لیکن تم نے اُن کے جانے کے بعد یہ مہم تیز سے تیز تر کر دی۔ تمہارا ہر پمفلٹ اشتہار اور کتابچہ میرے پاس موجود ہے۔ جو تم آئے دن شائع کرتے رہتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ تقلید کو تم شرک اور بدعت کہتے ہو۔ مقلدین کو مشرک کہتے ہو۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو۔ جس میں مقلدین کو مشرک اور کافر کہا گیا ہو۔ منہ مانگا آپ کو انعام دیا جائے گا۔ کیا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مقلدوں کو بھی تم مشرک کہتے ہو۔ کہو۔ اگر ہم مشرک ہیں تو ان پر بھی فتویٰ لگاؤ۔ اور ان اماموں پر بھی فتویٰ لگاؤ۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ، ملا علی قاریؒ، سید عبدالقادر جیلانیؒ رحمہ اللہ پر۔

امام بخاریؒ شافعی المسلك ہیں۔ غرض کوئی حنفی ہے اور کوئی شافعی، سید عبدالقادر جیلانیؒ، حنبلی مسلک ہیں اور مقلد ہیں۔ اب تم کہو گے کہ یہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ مولانا عبدالرحمن فیصل آبادی نے ان کو غیر مقلد لکھا۔ لیکن اتنا بڑا جھوٹ وہ مدرسہ دیوبند کا فارغ نہیں تھا۔ ڈھیل مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے۔ اسے جھوٹ بولتے شرم نہ آئی۔ یہ کہتے ہو کہ تم ہم پر الزام لگاتے ہو۔ یہ بھی تمہارا جھوٹ ہے۔ کیا آپ

نے نتائجِ تقلید کا مطالعہ کیا ہے۔ حکیم محمد اشرف سندھو نے اس میں کیا کیا بکواس کی ہے اس نے امام صاحب ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ امام صاحب یتیم فی الحدیث تھے اور آپ کو سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ مولوی عبداللہ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک شراب پینا جائز ہے۔ نبیذ تمر کے معنی تم نے کھجور کی شراب کیا ہے۔ حنیفوں کے نزدیک شراب کے نو پیالے پینے جائز ہیں۔ حافظ محمد جو نا گڑھی نے درایت محمدی میں جو کچھ بکواس کی اب چند سوالات دریافت کرتا ہوں۔ جواب ہاں یا نہ میں دیں۔

- ① نماز میں رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت مؤکدہ؟
- ② رفع الیدین نہ کرنے والوں کی نماز باطل ہوتی ہے یا نہیں؟
- ③ سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل اور کالعدم ہوتی ہے یا نہیں؟
- ④ زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟
- ⑤ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز جنازہ درست ہوتی ہے یا کہ نہیں کیا وہ اپنے پر اور میت پر ظلم کرتے ہیں؟
- ⑥ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ حج کے دنوں کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے ننگے سر نماز پڑھی؟

میرا اور آپ کا مسئلہ صرف تقلید ہے۔ لیکن جب آپ حضورؐ کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے۔ نہ تو آپ صحابہؓ کے قول و فعل کو حجت مانتے ہیں۔ نہ تابعین نہ تبع تابعین نہ ائمہ اربعہ نہ فقہاء فضلاء نہ اتقیا نہ اذکیا۔ اب بتائیں میں آپ کے ساتھ بات کیا کروں۔ یہ کہہ دینا آسان بات ہے۔ کہ میں نہیں مانتا۔ آخری بات

⑦ کیا تم ہم کو مسلمان سمجھتے ہو۔ یا کافر اور مشرک کھل کر سامنے آؤ۔ منافقت سے کام نہ لو۔

محمد صالح طالب علم
از گھر جا کھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هٰذَا نِيَّ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاكَ لِتُنِيَّ هِيَ اَقْوَمُ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

① آپ لکھتے ہیں ”بات تو تقلید کے مسئلہ پر چل رہی ہے“ (آپ کا خط نمبر ۷ ص ۱) ”موضوع زیر بحث تقلید ہے“ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) نیز آپ اپنے اس تازہ خط میں فرماتے ہیں ”میرا اور آپ کا مسئلہ صرف تقلید ہے“ (آپ کا خط نمبر ۱۲ ص ۲) پھر جناب ہی کا ارشاد گرامی ہے ”موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں“۔ (آپ کا خط نمبر ۶ ص ۳) تو محترم جب ہماری اس بات چیت کا موضوع ”صرف تقلید ہے“ تو اس موضوع کے اندر رہ کر بات کرنا ہم دونوں کے لیے یکساں ضروری ہے اس لیے یہ بندہ تو شروع ہی سے موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے باہر نہیں جا رہا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی وہ اس موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے باہر نہیں جائے گا تاوقتیکہ ہمارا اس پر کوئی باہمی فیصلہ نہ ہو جائے مگر آپ ہیں کہ پہلے بھی آپ اپنے موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹ کر لکھتے آئے ہیں اور اب اپنے اس تازہ خط میں بھی آپ نے چھ سوالات ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹ کر کیے ہیں تو خیر کوئی بات نہیں آپ جو چاہیں بڑے شوق سے لکھیں۔ یہ بندہ موضوع ”مسئلہ تقلید“ سے ہٹی ہوئی آپ کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مطمئن رہیں۔

② آپ لکھتے ہیں ”جب آپ حضور کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے..... اب بتائیں

میں آپ کے ساتھ بات کیا کروں“ (آپ کا خط نمبر ۲ ص ۲) تو جناب آپ اپنے مدعا ”فروعی مسائل میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں“ (آپ کا خط نمبر ۲ ص ۲) اور ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“۔ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) پر کتاب و سنت سے دلائل پیش فرما کر اس بات چیت کو آگے چلائیں تو آپ سے انتہائی مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ بندہ سے یہ بات کریں اس میں آپ کا بھی بھلا ہے تو مکرم آپ سے مکررا پیل ہے کہ ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں“ الخ کے اثبات کی خاطر قرآن مجید کی کوئی ایک ہی آیت یا نبی کریم ﷺ کی احادیث سے کوئی ایک ہی حدیث پیش فرمائیں جو کچھ آپ نے اب تک لکھا اس سارے کے سارے مواد میں کوئی ایک بھی آیت یا حدیث ایسی نہیں جس سے ”حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول و فعل کا مسائل شرعیہ میں حجت ہونا“ فی الواقع ثابت ہوتا ہو تو محترم آپ سے آپ ہی کے الفاظ میں درخواست ہے ”موضوع کے اندر رہ کر بات کیا کریں ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں“ یہ تو صرف بندہ کی آپ سے درخواست ہے امید نہیں کہ آپ اسے درخور اعتناء سمجھیں اسی لیے اس سے قبل کئی دفعہ لکھ چکا ہوں ”آپ جو چاہیں بڑے شوق سے لکھیں“ الخ رہا آپ کا اس بندہ کو برا بھلا کہنا تو اس سے بندہ آپ پر بالکل ناراض نہیں پ دل کھول کر اور بھی جو چاہیں کہہ لیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور مجھے اور آپ کو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ کامیابی اسی میں ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا.

ابن عبدالحق رحمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۲۲ رذوالحجہ ۱۴۰۴

مکتوب نمبر ۱۳:

۱۸ ستمبر ۱۹۸۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

مسئلہ تقلید * اب پھر میں کچھ عبارتیں نقل کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کچھ سمجھیں جائیں۔
تقلید کی تعریف * تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے۔ بلا نظر فی الدلیل کہ دوسرے کی بات کو اپنے لیے راہ نمائی کا ذریعہ بنانا۔ اور اس کی پیروی کرنا۔ اس خیال سے کہ یہ صحیح کہتا ہے۔

اب تم تعریف کرو۔ دوسری بات جب آپ نے کسی بات کو ماننا نہیں۔ تو خط و کتابت فضول ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ اسلام میں اجتہاد جائز ہے یا نہیں۔ جواب صرف ہاں یا نہ میں دیں۔ ہمارے دین کی بنیاد قرآن اور حدیث پر ہے لیکن جو مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف سے صراحۃً نہیں ملتے۔ ہم وہ مسائل اجماع اور قیاس سے لیتے ہیں۔ اپنے قیاس سے بہتر ہم امام صاحب کا اجتہاد اور رائے اپنے لیے بہتر جانتے ہیں۔ اور جو قول امام صاحب کا حدیث کے خلاف ہو۔ اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم امام صاحب کو حضور کی مسند پر نہیں بٹھاتے۔ آپ لوگوں کو فریب اور دھوکا دیتے ہیں کہ حنفی لوگ امام صاحب کو حضور ﷺ کی مسند پر بٹھاتے ہیں۔ خدا تم کو تباہ و برباد کرے۔ ہم قسم اٹھا کر کہتے ہیں لیکن آپ لوگ نہیں مانتے۔ ہمارا اور آپ کا کافی اختلاف ہے ① نماز میں اختلاف ② اذان میں اختلاف ③ نماز کے اوقات میں بھی ④ عیدین کی نماز میں ⑤ نماز جنازہ میں ⑥ نکاح کے مسائل میں ⑦ امامت میں ⑧ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح میں ⑨ نماز وتر میں۔ انگریزوں کے وقت سے پہلے کی

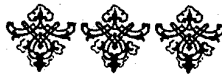
کوئی کتاب پیش کریں۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ تقلید شخصی شرک اور بدعت ہے۔ آپ کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

آپ کا فرقہ ایک نیا فرقہ ہے۔ جو ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ پہلے لوگ آپ کو وہابی کہتے تھے۔ پھر آپ نے اپنا نام موحد رکھا پھر ۱۸۸۸ء میں انگریز اپنے آقا سے اہلحدیث نام الاٹ کرایا۔ مولوی محمد حسین بنالوی کا رسالہ دیکھ لیں۔

حافظ صاحب میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔ نہ اپنا وقت ضائع کریں نہ میرا وقت ضائع کریں۔ مناظروں میں کبھی کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ نہ میں مانوں گا نہ آپ مانیں گے۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحبؒ امرتسری اور مولانا عبدالعزیزؒ صاحبؒ دونوں کا مناظرہ تقلید شخصی پر ہوا مولانا ثناء اللہ صاحبؒ شکست کھا کر بھاگے۔ تمام گوجرانوالہ کے آدمی اس بات پر گواہ ہیں۔ آپ کس باغ کی مولیٰ ہیں۔ میں پہلے رقعہ لکھ چکا ہوں کہ مناظرے کا شوق ہو تو بڑی خوشی سے کریں۔ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔

فقط والسلام

محمد صالح طالب علم ازگھر جاکھ



مکتوب نمبر ۱۴:

۲۳ ستمبر ۸۴ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام جناب حافظ صاحب!

سلام مسنون!

آپ کا تحریر کردہ خط مورخہ ۱۹ ستمبر کو ملا میں نے پہلے بھی تحریر کیا۔ کہ آئندہ خط نہ لکھنا۔ لیکن آپ ایسے ضدی ہیں کہ پھر آپ نے خط لکھ دیا۔ جب آپ کوئی بات نہیں مانتے تو آخر انسان کو غصہ آ بھی جاتا ہے۔ آپ کو امام صاحب ابو حنیفہؒ سے جتنا بغض اور حسد ہے اور کسی امام سے نہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم تمہیں ہدایت دے۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے اپنے رسالہ رفع الدین میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی۔ اس بد بخت نے کسی امام کو نہیں چھوڑا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔ تمہارے نزدیک تمام مقلدین مشرک اور بدعتی ہیں۔ پھر تم مشرکوں کے ساتھ رشتہ ناٹھ کیوں کرتے ہو۔ ہمارے بیاہ شادیوں میں کیوں شامل ہوتے ہو ہمارا کیوں کھاتے ہو۔ کیا مشرک کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ دلیل سے بات کرو۔ صرف ایک بات کا جواب دیں۔ ہم تمہارے نزدیک مسلمان ہیں یا نہیں پہلے بھی جو باتیں میں نے لکھی ہیں آپ نے کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔ نہ آپ جواب دے سکتے ہیں۔ انگریز کے دور سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ بیس تراویح پڑھنا بدعت ہے۔ تقلید کرنی بدعت ہے۔ آپ کو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اب پھر کہتا ہوں۔ کہ آپ اس خط و کتابت سے باز آ جائیں۔ جب آپ کے پاس جواب ہی کوئی نہیں تو کیوں بات کو طول دیتے ہیں۔ مولانا سرفراز صاحب صفدر کی کتابوں مقام ابو حنیفہ اور طائفہ منصورہ کا مطالعہ کریں اور ان کا جواب لکھیں۔ اگر تم میں جرأت اور ہمت ہے۔

تمام باطل فرقے تمہاری کوکھ سے پیدا ہوئے۔ مرزائی، چکڑ الوی، نیچری وغیرہ وغیرہ۔ سرسید احمد خاں پہلے غیر مقلد تھا۔ پھر نیچری ہو گیا۔ چوہدری سرفطر اللہ خاں سابق وزیر خارجہ پہلے غیر مقلد تھا، غیر مقلد گھرانے میں پرورش پائی۔ پھر مرزائی ہو گیا۔ حکیم نور الدین بھیروی پہلے غیر مقلد تھا پھر مرزائی ہو گیا۔ اسلم جیرا چوری پہلے غیر مقلد تھا پھر چکڑ الوی ہو گیا۔

یہ تو تقلید کی برکت ہے کہ آدمی اپنے صحیح عقیدے پر قائم رہتا ہے۔ امام بخاریؒ شافعی المسلك تھے۔ لگاؤ ان پر بھی فتویٰ میں آخری مرتبہ آپ سے التماس کروں گا۔ کہ کیا نکالنا ہے اس مسئلہ میں۔ بات کو میں اور آپ ختم کر دیں۔ آگے آپ کی مرضی۔

ضروری نوٹ:

آپ کے تمام خطوط میں نے ریکارڈ میں رکھے ہیں۔ آپ ایک بات کو بار بار بار لکھتے ہیں۔

نقطہ والسلام

محمد صالح طالب علم از گھر جا کھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب محمد صالح صاحب!

هَذَا نِيَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ لِلنَّبِيِّ هِيَ أَقْوَمُ

وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ!

① بندہ بارہا لکھ چکا ہے کہ آپ کی موضوع ”تقلید“ سے ہٹی ہوئی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے آپ جو چاہیں بڑی خوشی سے لکھیں بندہ آپ پر بالکل ناراض نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ رکھے۔

② آپ لکھتے ہیں ”تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے“ الخ (آپ کا خط نمبر ۱۳ ص ۱) تو محترم یہ بندہ قبل ازیں اس کا جواب دے چکا ہے وہ پھر سن لیجیے ”آپ کے بیان کردہ معنی تقلید کی رو سے تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے چنانچہ آپ اس کی تصریح بھی فرما چکے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اتباع کا حکم دیا ہے جن میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام مجتہدین شامل ہیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین کا تاوفاات آیت مبارکہ ”واقع“ الخ پر عمل کرتے رہے یا نہ؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین کا تاوفاات مقلد ہی مقلد قرار پاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے اور اگر آپ نہ میں جواب دیں تو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مجتہدین کا تاوفاات آیت مبارکہ ”واقع“ الخ پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے تو پتہ چلا کہ تقلید اور اتباع کو ایک ہی چیز کہنا خطرہ سے خالی نہیں امید ہے آپ ضرور بالضرور غور فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (بندہ کا خط نمبر ۶ ص ۱)

یہ ایک جواب ہے باقی جواب آپ خود میرے خط نمبر ۶ میں پڑھ لیں۔

③ آپ فرماتے ہیں۔ ”ہم امام صاحب کا قیاس اور رائے اپنے لیے بہتر جانتے ہیں

اور جو قول امام صاحب کا حدیث کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔“ (آپ کا خط نمبر ۱۳ ص ۱)

محترم آپ سے بڑی ہی مؤدبانہ گزارش ہے کہ اپنے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صرف تین اقوال ہی پیش فرمادیں جن کو آپ نے محض قرآن و حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہو؟ یہ سوال پہلے بھی آپ سے کیا جا چکا ہے مگر تا حال آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا پھر آپ خود ہی لکھتے ہیں ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“ (آپ کا خط نمبر ۸ ص ۱) تو فرمائیے صاحب امام صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر اور کیسے بٹھایا جاتا ہے؟ کہ امام صاحب کے قول و فعل کو تو اپنے لیے حجت سمجھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل جو دلائل شرعیہ میں شامل ہیں ان میں نظر نہ کریں۔

④ آپ نے اپنے خط نمبر ۱۳ ص ۲ پر پہلے کی کسی کتاب کا حوالہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے تو محترم بندہ نے اپنے پہلے ہی خط میں سب سے اعلیٰ کتاب قرآن مجید کا حوالہ پیش کر دیا تھا اور آیت مبارکہ ”اتَّخِذُوا حَبْرَهُمْ“ الخ بھی لکھی تھی آپ میرے پہلے خط کو ایک دفعہ پھر پڑھیں آیا قرآن مجید پہلے کی کتاب نہیں؟ رہا مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام والا مسئلہ تو یاد رکھیے اس سے آپ کا مدعا ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں“ تو ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ بندہ کو آپ کے انعام کی ضرورت نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کے انعام کی ضرور امید ہے۔ باقی آپ کی وقت ضائع کرنے والی بات تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بندہ نے تو آپ کو خالی لفافہ بھیج کر بات چھوڑ دی تھی مگر آپ نے پھر خط لکھ دیا اس لیے اب آپ کو جواب ضرور دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ ابتدا آپ ہی نے کی ہے۔

⑤ آپ کے خط نمبر ۱۳ کا جواب بھی آپ کے خط نمبر ۱۳ کے جواب میں آچکا ہے البتہ اتنی گزارش آپ سے ضرور کروں گا کہ آپ ذرا انصاف کریں سوچیں کہ پہلے خط میں آپ نے لکھا ”دیکھوں گا کہ آپ بھی جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں“

(آپ کا خط نمبر ۱۲) آپ کے دوسرے خط کے جواب میں بندہ نے بات کو ختم کرتے ہوئے آپ کو آپ کا ارسال کردہ لفافہ خالی واپس کر دیا جس پر آپ نے اپنے تیسرے خط میں لکھا ”میں نے ایک جوابی لفافہ آپ کو لکھا تھا آپ نے خالی لفافہ مجھے واپس ارسال کر دیا مجھے علم تھا کہ آپ خالی لفافہ ہی ارسال کریں گے حضرت مولانا محمد امین صاحب اکاڑوی نے ہمیں یہ گرتایا تھا کہ غیر مقلدوں کا کوئی بھی عالم جواب نہیں دے گا اب میں دیکھوں گا کہ آپ جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں“ (آپ کا خط نمبر ۳)

تو آپ نے خود ہی بندہ کو جواب دینے پر مجبور کیا تھا اب آپ لکھتے ہیں ”میں نے پہلے بھی تحریر کیا کہ آئندہ خط نہ لکھنا لیکن آپ ایسے ضدی ہیں کہ پھر آپ نے خط لکھ دیا“ (آپ کا خط نمبر ۱۴ ص ۱) تو جناب آپ غور فرمائیں کسی دوسرے کو میرے اور اپنے خطوط دکھا کر پوچھیں کہ بندہ کو آپ کے خطوط کا جواب ضرور دینے پر کس نے اکسایا اور لگایا تو محترم گزارش ہے کہ خط لکھنے میں آپ ہی نے ابتدا فرمائی بندہ نے خالی لفافہ بھیج کر آپ کو جواب دینا چھوڑ دیا مگر آپ نے پھر بندہ کو جواب دینے پر مجبور کیا اب جب تک آپ بندہ کو خط بھیجتے جائیں گے اس وقت تک آپ کو جواب ضرور بھیجا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نیز تمام مسلمانوں کو صحیح معنوں میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یا رب العالمین۔ آپ اپنے مدعا ”ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب“ کے قول و فعل کو اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے“ کو قرآن و حدیث سے ثابت فرمادیں تو منہ مانگا انعام لے لیں یہ آپ کی طرز پر بات کر رہا ہوں۔

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

۲۹ رذوالحجہ ص ۱۴۰۴ھ

تحقیق التراویح

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

حضرت مولانا حافظ قاضی عصمت اللہ صاحب
دیوبندی حنفی خطیب جامع قلعہ دیدار سنگھ۔ ضلع گوجرانوالہ

فہرست ابواب

صفحہ

عنوان

پہلا باب

- 161 منظور ہے گزارش احوال واقعی
- 177 خط و کتابت کا متن (تحریری گفتگو)

دوسرا باب

- آٹھ رکعات نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کے دلائل اور ان پر
- 210 اعتراضات کے جوابات

تیسرا باب

- 230 بیس رکعت سنت نبویہ ہونے کی دلیل اور اس کے جوابات

چوتھا باب

- 240 بیس رکعت تراویح خلفاء راشدین کی بھی سنت نہیں

پانچواں باب

256..... آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویؐ ہونا حنفی علماء کا مسلک

چھٹا باب

267..... پہلا حصہ: قاضی صاحب کے مغالطات

272..... دوسرا حصہ: قاضی صاحب کے متضاد بیانات

275..... تیسرا حصہ: قاضی صاحب کی اغلاط

287..... اک گذارش مؤدبانہ ہے



پہلا باب

منظور ہے گزارشِ احوال واقعی

ناظرین کرام!

مسئلہ تراویح نے قلعہ دیدار سنگھ اور نور پور میں ایک نزاعی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ مسئلہ دیوبندی مقلدین اور اہل حدیث مکتب فکر کے حضرات کے مابین ہے۔ دونوں جانب سے پمفلٹ شائع کیا گیا تھا۔ ہماری طرف سے رمضان المبارک میں ٹریکٹ نمبر ۱ شائع کیا گیا تھا۔ اس میں واضح کیا گیا تھا کہ کس طرح اس مسئلہ نے تحریری صورت اختیار کی۔ اور کیوں اسے شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ مقلدین نے اپنے پمفلٹ میں اصل واقع کو بدل کر پیش کیا ہے۔ اتنی تک دودو کے باوجود اپنے مدعا میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دیوبندی مقلدین نے اپنے شائع شدہ پمفلٹ ”التنقیح لِعَدَدِ صَلَوةِ التَّراوِیْحِ“ میں کچھ کذب بیانی دروغ گوئی اور باطل پسندی کا اظہار کیا ہے۔ ہر مقام پر اصل مسئلہ سے ان لوگوں کو کم ہی واسطہ رہا ہے۔ چنانچہ یہ ایسے اوڑھنے بچھونے کی تلاش میں رہیں گے کہ اس پر سنت کا لیبیل چسپاں کر سکیں۔ سنت نبوی کا ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق ڈھل جانا تو ناممکن ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ خرافات کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں جس کے تحفظ کے لیے اپنی اساس تک کو بھول جاتے ہیں اور ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کی بجائے ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش رہتی ہے۔ لیکن جب وہاں سے بھی امیدی ہوتی ہے۔ تو پھر یہ حضرات علماء احناف اور دیوبندی امت کا اجماع کہہ کر ڈھارس بندھاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آئمہ احناف کی پیروی بھی صرف ہوس

اور وقار کی خاطر ہوتی ہے۔ کبھی موقع ملا تو اس کی اچھی طرح نقاب کشائی کی جائے گی۔ کہ ان کی اساسی تقلید اور قول و عمل میں اس قدر تضاد کیوں ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ اپنے آئمہ کی پیروی میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اُسے قرآن و سنت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چاہے اس کا قرآن و سنت سے دور تک کا واسطہ نہ ہو۔ لیکن ان لوگوں میں ایک بڑی خوبی ہے کہ جس چیز کو آئمہ احناف کی پیروی میں اپنالیں گے۔ اس کو کسی قیمت پر ترک کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ خواہ وہ صریحاً کتاب و سنت کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر تمام تر تکلفات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ کوئی ضعیف سی روایت ہی ان کے قول و عمل کی تائید میں مل جائے۔ خواہ آئمہ احناف اور بزرگان دین نے ایسی روایات کو ناقابل قبول بیان کیا ہو چنانچہ اس وقت یہ اپنی مذہبی اساس تک کو بھول جاتے۔ اور پھر ان لوگوں کی فنکاری یوں نمایاں ہوتی ہے کہ یہ اپنے کمزور دلائل کی پختگی اسے سنت رسول خلفاء راشدین کہنے میں تلاش کرتے ہیں۔ ہمیں بھی کوئی ملال نہ ہوتا کہ ایسے اعمال کو آئمہ احناف رحمہم اللہ کے اقوال ہی رہنے دیا جاتا۔ یا علماء احناف کے اعمال کی پیروی کہہ لیتے۔ یہاں تک بھی اگر ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوتا تو پھر دیوبندی امت کا اجماع ہی کہہ لیتے۔ لیکن افسوس تو اُس وقت ہوتا ہے۔ جب آئمہ احناف رحمہم اللہ میں بھی ان کے عمل کی تائید نہیں ملتی تو یہاں پر استدلال انوکھی صورت میں رونما ہوتا ہے کہ جناب یہ خلفاء راشدین کی سنت ہے تو ایسی صورت میں ان سے یہی کہنا ہوگا۔

آگ تقلید کی سینے میں جو حضرت ہوتی

نہ یہ شکوہ کہیں ہوتا نہ شکایت ہوتی

پیارے دیوبندی مقلدین خدا تعالیٰ کی عطائی عقل و خرد اور فہم و ادراک ایسی صلاحیتوں کی استعمال نہیں کرنا چاہتے اور یہ بھی ان کی بد نصیبی ہی سمجھئے۔ کہ یہ لوگ خود کو اس قدر کج فہم جانتے ہیں۔ کہ کتاب و سنت کو سمجھنے کی سعی نہیں رکھتے۔ جو کتاب اور صاحب

کتاب کے ارشادات تمام بنی نوع انسان کے لیے باعث رشد و ہدایت ہیں۔ اس وقت موضوع بحث مسئلہ صلوٰۃ تراویح ہے۔ اس لیے اسی کے بارے میں کچھ کہا جائے گا۔ مقلدین کا یہ گروہ براست آ نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ البتہ آئمہ احناف رحمہم اللہ کی پیروی میں اُسے سنت سمجھنے کی جسارت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن وہ بھی صرف ایسے مسائل جو قرآن و سنت کے کچھ قریب ہوں۔ دوسری طرف جن مسائل کو یہ لوگ اپنا چکے ہیں۔ خواہ وہ قرآن و سنت کے متضاد ہی کیوں نہ ہوں۔ وہاں پر یہ اپنے آئمہ کی پیروی بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ جو کہ اس عنکبوتی مذہب کی اساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مذہبی اساس اور قول و عمل میں اس قدر تعارض ہے۔ یہاں پر بھی آئمہ احناف اور جناب قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ العالی کے خیالات کا موازنہ کیجئے۔ کہ علامہ عینی رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان گیارہ رکعت تراویح سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ صرف قیام لمبا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح امام ابن ہمام رحمہ اللہ جو حنفی مذہب کے ستون سمجھے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ قیام رمضان سنت صرف گیارہ رکعت بمعہ وتر ہی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا۔ (فتح القدیر جلد ایک ص ۲۰۰۵) اسی طرح جناب سید انور شاہ رحمہ اللہ صاحب دیوبندی کے نزدیک آٹھ رکعت تراویح کو سنت تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اس کتاب میں آگے چل کر آپ تفصیل سے پڑھیں گے۔ کہ آئمہ احناف رحمہم اللہ علماء احناف اور دیوبندی حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت ہی تھی۔ اب پھر یہی کہنا پڑے گا۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر اسے قبول کرنا ہی ناگوار ہے تو دیوبندی اُمت علماء احناف اور آئمہ احناف کی پیروی میں ہی اسے تسلیم کر لیں۔ اس طرح یہ لوگ زمرہ مقلدین میں ہی رہیں گے۔

دیوبندی مقلدین نے اپنے پمفلٹ میں اصل واقعات میں بھی کذب بیانی

اور دروغ گوئی جیسی ملمع سازی کی ہے۔ لیکن ایسی حیلہ سازیوں سے بھی بیچارے بیس رکعت تراویح کو سنت ثابت نہ کر سکے۔ ہماری طرف سے پمفلٹ چھپ جانے کے بعد بھی کچھ واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ لہذا اُن واقعات کو بھی اس کتاب میں درج کر دیا جاتا ہے۔

ہوایوں کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جامع مسجد اہل حدیث نور پور میں حافظ عبد المنان صاحب نے مسئلہ تراویح بیان کیا۔ سامعین میں سے ایک صاحب مستری حسن دین نے حافظ صاحب سے مزید تحقیق کے لئے دلیل لکھوائی۔ مستری حسن دین صاحب مسلکاً مقلد ہیں۔ حافظ صاحب نے صحیح مسلک اور حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھ دیا۔ کہ ”بنی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً.. الخ. (متفق علیہ)

اور صحابہ تمام کے تمام نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔ بزرگ یہ تحریر لیے قاضی صاحب مدظلہ العالی کے پاس پہنچ گئے۔ قاضی صاحب ایک دفعہ تو سٹ پٹائے کہ شرک و بدعت کے اس ظلمت کدہ میں فروعی مسائل کو کتاب و سنت کے معیار پر بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں جہاں کوئی لگا ہوا ہے وہیں بہتر ہے۔ لیکن پھر بھی قاضی صاحب سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ حافظ عبد المنان صاحب کی دلیل پر ناقدانہ پہلو اختیار کیا۔ یہ تو حسن اتفاق کی بات تھی کہ تحریر قاضی صاحب کے ہاں پہنچ گئی۔ ورنہ اس میں اُن کو مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔ قرب و جوار میں قاضی صاحب خاص مانی ہوئی ہستی ہیں۔ چنانچہ خام بنیادوں پر بڑے بناؤ سنگھار سے جو دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۔ نور پور جو کہ قلعہ دیدار سنگھ سے تقریباً دو میل بجانب مغرب ضلع گوجرانولہ میں واقع ہے۔

معتقدین حضرات وہیں سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اسی بنا پر یہاں بھی فرما دیا کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑھتے تھے۔ اور روایت سنن الکبریٰ میں بسند صحیح موجود ہے۔

قاضی صاحب جسے بسند صحیح جیسے سخن سے الاپ رہے ہیں۔ اس کی قلعی تو کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ جسے آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ ساقط الاعتبار اور مجہول روایات پر بھی اس گروہ نے کیسی ملمع سازی کی۔ لیکن افسوس کہ قاضی صاحب کو ایسے موقع پر بزرگوں کا سہارا بھی نہ مل سکا۔

بد نصیبی کے ہم قائل تو نہیں تھے لیکن!

ہم نے برسات میں جلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں

یہ بحث تو آگے چل کر آئے گی کہ آیا یہ روایت سنداً صحیح ہے۔ یا ساقط الاعتبار تاہم اس وقت قاضی صاحب کی فراخ دلی یہ ہے کہ ایک طرف روایت بیان کرتے ہوئے رمضان کے لفظ سے نسیان ہو گیا اور دوسری طرف یہ نسیان اضافہ کی صورت میں رونما ہوا۔ کہ وتر بھی پڑھتے تھے۔ حقیقت میں ایسی جرأت شہرہ آفاق ہستیوں کے لائق ہی ہوا کرتی ہے۔ اصل کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت ہے۔ بس کتاب کا نام کافی ہے۔ بات جو جی میں آئے کہہ دیں۔ بغیر کسی حیل و حجت کے ماننے والے جہاں موجود ہوں وہاں ایسے تکلفات کی ضرورت ہے۔ یہ بھی قاضی صاحب کی نوازش ہے کہ اس گناہ کی معافی اپنے پمفلٹ صفحہ (۱۳) میں مانگ رہے ہیں۔ کہ ”میں نے نہ کوئی عبارت حدیث درج کی تھی اور نہ ہی لفظی ترجمہ ہونے کی تصریح کی تھی۔“ ایک طرف ان حضرات کو اپنے علم پر بہت ناز ہے۔ دوسری طرف جس روایت پر تمام عمارت کھڑی کرنا مقصود ہوتی ہے۔ اس کے لیے سنداً صحیح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کتاب کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب بیان کرنے میں نسیان اور

اضافہ کو ان کے ہاں کوئی حرج نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ بھی قاضی صاحب کے ذہنی ہیجان کا نتیجہ ہے کہ یہاں پر وہ مولوی بشیر الرحمن صاحب (نور پوری) مدرس جامعہ شرعیہ و خطیب جامع اہلحدیث کرشنا نگر گوجرانوالہ کو اعتراض کنندہ ٹھہرا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بوکھلاہٹ میں ہی قاضی صاحب کو اعتراض کنندہ مولوی بشیر الرحمن صاحب نظر آئے ہیں۔

خیر ہم سمجھتے ہیں کہ بخاری شریف سے گیارہ رکعت والی روایت اگر قاضی صاحب کو اختیار ہوتا تو نکال دیتے۔ لیکن اس موقع پر بیچارے سوائے حدیث پر جرح قدح کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ احادیث صحیحہ پر نکتہ چینی کرنے کے خاصے ماہر ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر عجیب منطق کا اظہار فرماتے ہیں۔ وہ رقعہ جس پر حافظ عبد المنان صاحب نے بخاری شریف کی حدیث لکھی تھی۔ نیچے حافظ عبد المنان صاحب کے دستخط تھے۔ اسی کاغذ کی دوسری طرف قاضی صاحب نے الجواب واللہ الموفق للصواب لکھ کر اپنے نتیجہ فکر کا اظہار کیا۔ نیچے اپنے دستخط کر کے کاغذ سائل کو واپس دے رہے ہیں۔ قاضی کی تحریر حافظ المنان صاحب کے پاس پہنچتی ہے۔ جس کا جواب حافظ صاحب نے تحریر کر دیا۔ قاضی صاحب کو بھی مجبوراً اس تحریر کا جواب دینا پڑا۔ اسی طرح دونوں حضرات کے مابین سلسلہ وار چار تحریریں ہوئیں۔ جو کہ آگے درج کی جائیں گی۔ قاضی صاحب تحریر میں باقاعدہ حصہ لیتے رہے لیکن بعد میں اپنی معصومیت کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ ہماری طرف سے صرف الجواب لکھا گیا تھا۔ الجواب بنام حافظ عبد المنان تو نہیں لکھا تھا۔ قاضی صاحب کو بھی پمفلٹ لکھتے وقت یہ خیال آیا تھا۔ جب حافظ عبد المنان صاحب کا دوسرا رقعہ پہنچا تھا اُس وقت ہی کہہ دیتے کہ میں نے حافظ عبد المنان صاحب کو نہیں لکھا تھا کہ اس کا جواب دیں۔ اس طرح قاضی صاحب شکست خوردہ اظہار معصومیت سے بھی بچ جاتے۔ دیوبندی مقلدین کا پمفلٹ پڑھتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اللہ دتہ صاحب ہمدرد ہیں۔ جو کہ قاضی صاحب سے مزید تفصیلی حواشی لے کر یہ پمفلٹ لکھ رہے ہیں۔ لیکن ہمدرد صاحب نے بھی بڑی بے

دردی کا اظہار کیا ہے۔ اگر قاضی صاحب ہی عالم تصوف میں اللہ دتہ صاحب میں ”حلول فرما گئے تھے۔ تو اللہ دتہ صاحب ہی انہیں اسی جامعہ میں رہنے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں قاضی صاحب کو اصل روپ میں کردار ادا کرنا پڑا ہے۔ شاید اسی وقت سے اللہ دتہ صاحب عاجز ہو گئے ہوں گے۔ یا پھر پمفلٹ کے مؤلف بننے میں رضامند نہیں ہوں گے کہ انہیں پھر عاجز ہونا پڑا۔ واقعی وہ سراپا ہمدرد ہی معلوم ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر! قاضی صاحب مدظلہ العالی کے پاس حافظ عبد المنان صاحب کی پانچویں تحریر کا جواب نہیں تھا۔ لہذا قاضی صاحب اپنے وقار اور وسعت ظرف سے اس تحریر کا یوں جواب دیتے ہیں۔ حلقہ معتقدین کی ایک میٹنگ بلائی جاتی ہے۔ جس میں قاضی صاحب کے زخموں کی مرہم پٹی کا مشورہ ہوتا ہے۔ طرز علاج یہ طے ہوا کہ چند احباب نور پور جائیں اور حافظ عبد المنان صاحب کو ڈرا دھمکا دیں۔ تاکہ وہ مزید تحریر نہ بھیج سکیں۔ چنانچہ قاضی صاحب کی سبکی دور کرنے کے لیے تین معالج تیار کئے گئے اور یہ اخلاق کریمانہ کا بہترین نمونہ تھے۔ اور قاضی صاحب کے حلقہ تلمیذ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ماسٹر نصر اللہ صاحب کی قیادت میں ملک بشیر احمد صاحب اور مولوی عباس علی صاحب نور پور تشریف لائے۔ یہاں سے اپنے ہم مسلک احباب کو ساتھ لیا اور حافظ عبد المنان صاحب کے ہاں آدھمکے۔ حافظ صاحب اس وقت اکیلے تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ چنے چاول کی تجارت کرنے والے ملک بشیر احمد صاحب آڑھتی بھی اپنے وضاحتی بیان میں یہی کہتے ہیں کہ حافظ صاحب اکیلے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ البتہ مسجد میں موجود باقی آدمیوں کے متعلق انہیں آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے یا بیٹھے تھے ملک بشیر احمد صاحب جو روایت بیان کر رہے ہیں بیچارے خود اس بارے میں پریشان ہیں۔ چنانچہ مزید تائید کے لیے انہوں نے پانچ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ ان پانچ آدمیوں میں سے چار مقلد ہیں جو انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب اگر انہیں دن کے وقت رات کہہ

دیں تو یہ باور کریں گے۔ جیسے واقعی ان کو چاند و ستارے نظر آ رہے ہوں۔ لہذا بشیر احمد صاحب کے حق میں ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ کن کی؟

آنسو بہا رہے ہیں جو محفل کے ساتھ ساتھ

خیر! عصر تک یہ سہ رکنی حضرات کافی شور مچاتے رہے اور حافظ عبد المنان کو جاہل گردا ننتے رہے۔ تاہم دیوبندی مقلدین کے مناظر چنے چاول کے تاجر ملک بشیر احمد آڑھتی نے حافظ عبد المنان صاحب کو کہا کہ تو مجھ سے مناظرہ کر لے۔ اسی گفتگو میں کبھی کبھی ماسٹر نصر اللہ صاحب بھی ٹپکتے رہے۔ تاہم یہ دوست سوچی سمجھی سکیم کے تحت واپس چلے گئے۔ ان کا خیال تو تھا کہ شاید حافظ صاحب اتنے پر گفتگو ختم کر دیں گے۔ لیکن ملک بشیر احمد صاحب آڑھتی اُسی روز حافظ عبد المنان سے ایک اور رقعہ لے گئے تھے۔ جس کے جواب کا انہوں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا تھا۔ اب نامعلوم یہ رقعہ ملک بشیر احمد صاحب کی آڑھت کی نذر ہو گیا۔ قاضی صاحب کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ اور ملک صاحب موصوف نے قاضی صاحب کو اتنی تسلی دینی ہی کافی سمجھی کہ اب شاید حافظ عبد المنان صاحب رقعہ نہیں بھیجیں گے۔ اور یہ لوگ نور پور میں اپنی تمام ہنگامہ آرائی کو اپنی فتح سمجھنے لگ گئے۔ قاضی صاحب نے تو رقعہ کے جواب میں سہ رکنی مناظر کمینی کی غوغا آرائی کافی سمجھی۔ لیکن ملک بشیر احمد صاحب بھی ایک رقعہ پیشگی لے گے۔ چھ روز کے انتظار کے بعد حافظ عبد المنان صاحب نے رقعہ نمبر (۶) بھیج دیا۔ جس کو دیکھ کر قاضی صاحب نے موئے آتش دیدہ کی طرح بل کھائے۔ جس کا اظہار قاضی صاحب کے بناوٹی رقعہ نمبر (۵) سے ہوتا ہے دیوبندی مقلدین کی جانب اب یہ تین رقعے جا چکے تھے۔ اور ان کی طرف سے مسلسل خاموشی رہی۔ دوسری طرف قاضی صاحب نے قلعہ دیدار سنگھ میں بھی اس تحریری گفتگو کا خاصا چرچا کر دیا تھا۔ اُدھر ہمارا پمفلٹ چھپ چکا تھا۔ قاضی صاحب نے اس وقت ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ایک رقعہ بھیج دیا۔ جس کو خود ہی رقعہ نمبر (۶) کہنا شروع کر دیا اور یہ ان کے ہاں کمال دیانت کی

دلیل ہے۔ خیر قاضی صاحب کا یہ پانچواں رقعہ تھا۔ رقعہ پہنچے سے پیشتر ہمارا پمفلٹ شائع ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس رقعہ کا جواب حافظ عبد المنان صاحب نے قاضی صاحب کو دے دیا۔ ادھر قاضی بھی پمفلٹ چھپوانے کی تیاری کر رہے تھے۔ پمفلٹ چھپنے سے پیشتر حافظ المنان صاحب کا رقعہ نمبر (۷) قاضی صاحب کو مل چکا تھا اس رقعہ میں بھی حافظ عبد المنان صاحب نے یقین دلایا تھا کہ آپ اطمینان رکھیے۔ آپ کا رقعہ نمبر (۵) جمعیت کے ٹریکٹ نمبر (۶) میں شائع کر دیا جائے گا۔ لیکن قاضی صاحب نے اپنی دیانت اور خلاصی اسی میں جانی کہ رقعہ نمبر (۵) کو رقعہ نمبر (۶) کہہ کر شائع کر دیا جائے۔ قاضی صاحب کو بعد میں بھی موقع ملا تھا کہ اپنی دیانت کا اظہار فرما لیتے۔ کیونکہ بد قسمتی سے ان کا آخری رقعہ ادھورا رہ گیا۔ جس کے لئے انہوں نے دو ورق چار صفحات بعد میں چھپوائے۔ جس کے ساتھ ہی حافظ عبد المنان صاحب کا رقعہ چھپنا چاہیے تھا۔ خیر ازمحت تو دشمنوں نے بھی بہت اٹھائی کہ انہیں عوام میں تقسیم شدہ پمفلٹ کی کاپیاں واپس لینا پڑیں۔ جن میں دو ورق بعد میں نکھی کرنا پڑے۔ چنانچہ اب اسے ترمیم شدہ ایڈیشن کہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے ٹائٹیل آخری سطر میں وہ غائبانہ اعتراف کے ساتھ ساتھ تشہیر بھی رہے ہیں کہ ابھی حافظ عبد المنان صاحب سے مزید رقعہ جات آرہے ہیں۔

اب قاضی صاحب یہ رٹ لگانے میں شاید اپنی فتح سمجھے بیٹھے ہیں کہ ”میرا شاگرد جس جگہ کہو خدمت کے لیے پہنچ جائے گا۔“۔ زالا ڈھنک کیا کہنے شان کے کہ تحریری گفتگو تو حافظ عبد المنان صاحب سے کر رہے ہیں۔ زبانی مناظرہ کے لیے اپنے شاگرد پیش ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اس طرح قاضی صاحب اپنے شاگرد کو شکست جیسا تمنعہ دلوا کر اپنی جیت سمجھنا چاہیں گے۔ لیکن جناب قاضی صاحب کا تلمیذ رشید ملک بشیر احمد صاحب آرہتی کا صاحبزادہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب ایک اور ساتھی کو ساتھ لیے غالباً (۲۵) رمضان المبارک کو نور پور آیا۔ قاضی صاحب کے تیار کردہ بھیجے نو جوان نے حافظ عبد المنان صاحب سے چند سوالات کئے۔ سوالات کے دوران حافظ محمد اسلم نے

کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ حافظ عبد المنان صاحب نے کہا کہ دکھائیے۔ کہاں لکھا ہے؟ تو فوراً حافظ محمد اسلم صاحب نے کہا کہ لوگ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت کچھ لوگ مسجد میں موجود تھے۔ جو حافظ اسلم صاحب کی زبان کی صفائی پر ہنسنے لگے۔ کہ پہلے حافظ اسلم صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے رہے تھے کہ جلد ہی انہیں بزرگوں کی تقلید میں بیان بدلنے پڑے۔ یہ بھی ان لوگوں کی فنکاری سمجھنی چاہیے کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا اگر بات بن گئی تو بہتر ورنہ دوسری دفعہ لوگوں کا نام لگا دیا۔ اور استدلال کی قلعی ایسے جمادی کہ وہ لوگ صحابی تھے۔ یہاں پر ان لوگوں کو مطلع کر دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لینے میں اتنی خوبی سمجھے بیٹھے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے بیس (۲۰) تراویح کا مسئلہ حل ہو جائے گا غلط ہے جب وہ صحیح دلیل سے اسے ثابت ہی نہیں کر سکتے تو پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد حافظ عبد المنان صاحب نے حافظ محمد اسلم صاحب نے چند سوالات کئے۔ تو بیچارے کو قلعہ دیدار سنگھ کی طرف جھانکنا پڑا۔ اس وقت حافظ محمد اسلم کی خوب تسلی ہو چکی تھی۔ اور اپنی شرمساری کو مٹانے کی خاطر حافظ عبد المنان صاحب سے ایک رقعہ لکھوا لیا اور وعدہ کیا کہ میں کل تک اس کا جواب لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خیال تھا کہ یہ سرخ زونو جوان تو اپنے وعدے کا خیال رکھے گا۔ لیکن

اُن کی خوبی اخلاق کہ وعدہ تو کیا

اپنی یہ شومیے قسمت کہ وہ پوار نہ ہو

نور پور پہنچنا تو کجا آج تک اس طرف رخ بھی نہیں کیا۔ اس سے پیشتر حافظ محمد اسلم صاحب کے والد ماجد چنے چاول کے تاجر دیوبندیوں کے مناظر بھی ایک رقعہ لکھوا کر لے گئے تھے اور دوسرے دن تک اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن آج تک دونوں باپ بیٹا جواب لے کر نہیں آ سکے جیسے باپ بیٹا جواب کے نام پر ادھار

کھائے بیٹھے ہوں۔ حقیقت میں جواب دینے والی شخصیت ہی ان کی کچھ مدد نہیں کر سکی۔ البتہ جہاں پر قاضی صاحب کو اپنی مدد خود کرنا پڑی ہے وہاں انہوں نے الزام تراشی سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

محمد اسحاق صاحب کا بیان

ایک دن میں حافظ عبدالمنان صاحب کا چوتھا رقعہ لے کر قاضی صاحب کے پاس گیا۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کل رقعہ لے کر نہیں آئے میں نے کہا کہ کل مولوی صاحب گوجرانوالہ گئے ہوئے تھے۔ قاضی صاحب کہنے لگے کہ استادوں سے مشورہ لینے گئے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ مجھے کیا علم اُن کے وہاں رشتہ دار بھی ہیں۔ شاید انہیں ملنے گئے ہوں گے۔ چوتھے رقعہ کے جواب میں قاضی صاحب نے کہہ دیا۔ جس صاحب کے ہاتھ سے مجھے موصول ہوا اُن کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ آپ کو میری تحریر کا جواب دینے کے لیے گوجرانوالہ کے چکر لگانے پڑے اور مشورہ از اساتذہ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔“ قاضی صاحب کا یہ رقعہ پڑھ کر حافظ عبدالمنان صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے قاضی صاحب کو یہ کہا ہے کہ وہ گوجرانوالہ مشورہ کے لیے گئے تھے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔ یہ بات سن کر میں حضرت قاضی صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ حضرت قاضی صاحب میں نے کب کہا تھا کہ حافظ عبدالمنان صاحب استادوں کے پاس مشورہ کے لیے گئے تھے؟ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔ اور آپ نے لکھ مارا کہ وہ استادوں سے مسودہ تیار کروانے گئے تھے۔ تو قاضی صاحب اپنے فنکارانہ انداز میں بولے کہ پھر اور کس کام سے وہ گوجرانوالہ گئے تھے۔ یہ تھا قاضی صاحب کا صرف اپنا زعم! جسے عالم دین اور تحریری مناظر کی حیثیت سے قاضی صاحب نے بہت غلط رنگ دیا۔ اور اس ایک بہانہ تراشتے ہوئے حافظ عبدالمنان صاحب سے تحریری

گفتگو میں فرار اختیار کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور یہ تمام کردار ایک ذمہ دار مقلد کے روپ میں ادا کیا گیا۔ بس کچھ نہ پوچھئے ۔

وہی قاتل، وہی مجبور، وہی خود منصف ہے

اولیا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

ناظرین کرام! آپ نے محمد اسحاق کا بیان اوپر پڑھ لیا۔ مختصر طور پر آپ نے اصل واقعات و حالات کا بھی جائزہ لے لیا۔ لیکن فریق ثانی نے اصل واقعات کو ہر قسم کا غلط رنگ دینے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ جغرافیائی حدود میں بھی اپنا مسلک صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ ”جناب مسجد گاؤں کے درمیان واقع ہے اور اس کے پاس غیر مقلدین کے گھر ہیں“۔ تو یہاں پر عرض کیا جائے گا۔ کہ ایسی باتیں جو ویسے بھی حقیقت کے خلاف ہوں۔ ان سے بیس رکعت تراویح تو ثابت نہیں ہوں گی۔ البتہ صحیح مسلک کے لیے قوی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں خطوط کا متن دیا گیا ہے۔ اور دیگر ابواب میں صحیح مسئلہ اور حق کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہم صرف قرآن و سنت کے داعی ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہیں۔ کیونکہ ۔

اکملت لکم دینکم اسلام کو بس ہے

باقی ہے اگر کچھ تو وہ دنیا کی ہوس ہے

آخر میں جمعیت اہلحدیث نور پور حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے اس تحریری گفتگو سے عوام کو حق مسئلہ سے روشناسی کا موقع دیا۔ خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو حق بات تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

منجانب: جمعیت اہلحدیث نور پور۔ ضلع گوجرانوالہ

نوٹ: ناظرین کرام! آپ سے اُمید کی جاتی ہے۔ کہ آپ کتابت اور

طباعت کی اغلاط کو نظر انداز فرمائیں گے۔

عبداللہ کاتب بقلم خود

پہلے مجھے پڑھے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
 وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَلِفُقَهَاءِ مِنْ أُمَّتِهِ وَالْمُحَدِّثِينَ وَعَلَى
 عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، صَلَوةً وَسَلَامًا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ
 الرَّاحِمِينَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ
 لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

برادران اسلام!

جب کوئی مسئلہ جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ثابت ہو جائے۔ خواہ کسی ہی نوعیت، کیفیت اور کمیت میں ہو۔ تو اس میں کمی و بیشی، تغیر و تبدل کرنا دنیا کے کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ خواہ وہ عالم ہو یا فاضل، مولوی ہو یا صوفی، حافظ ہو یا قاری قاضی ہو یا غازی، محدث ہو یا مفسر، فلسفی ہو یا متکلم، مجتہد ہو یا مقلد، شاہ ہو یا فقیر، سالک ہو یا مجذوب، قطب ہو یا ابدال، تابعی ہو یا صحابی، خلیفہ ہو یا رعیت اس میں ذرہ برابر بھی رد و بدل نہیں کر سکتا مشکوٰۃ شریف کی جلد ۱ صفحہ نمبر (۲۷) میں بحوالہ صحیحین حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک حدیث مروی ہے کہ تین آدمیوں نے آنحضرت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت دریافت فرمائی۔ جب انھیں بتایا گیا۔ تو وہ اُسے اپنے حق میں قلیل و نا کافی سمجھتے ہوئے کہنے لگے۔ ”ہم نبی کریم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے درجہ و مرتبہ کو کب پاسکتے ہیں۔ وہ تو معصوم ہیں۔ چنانچہ ان سے ایک بولا۔ اَمَّا اَنَا فَاصْلَى اللَّیْلِ اَبَدًا کہ جی میں رات کو ہمیشہ نماز پڑھا کروں گا۔ اور دوسرا بولا۔ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا

اَفْطِر! جی میں تو ہمیشہ کے لئے روزہ رکھا کروں گا۔ اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ اور تیسرے صاحب یوں بولے۔ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اتَزَوَّجُ اَبَدًا۔ جی میں تو ہمیشہ کے لیے عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔ کبھی شادی نہیں کروں گا۔

جب آنحضرت ﷺ کو اس ماجرے کا علم ہوا تو ان کے پاس آئے۔ اور (غضب سے) فرمایا۔ ”تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کی ہیں۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اور تم سے کہیں بڑھ کر خشیت الہی اور تقواے میں سرشار ہونے والا ہوں۔ اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں۔ (یاد رکھو!)

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

”جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

یہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات گرامی ہیں۔ جناب آپ اندازہ فرمائیں۔ کہ آنحضور ﷺ کہاں اور ہم ادنیٰ لوگوں کو ان سے کیا نسبت؟ وہ تو معصوم اور خدا کی محبوب ہستی ہیں۔ لیکن انہوں نے نفلی نماز اور روزہ میں تجاوز کرنے والوں کو نہ صرف ناپسند کیا ہے بلکہ خفا ہوئے ہیں۔ اور فرمایا ہے

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

”جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

غور فرمائیے کہ اس حدیث سے اس بات کی بھی قلعی کھل گئی۔ کہ اگر آٹھ رکعت تراویح سنت ہی ہیں تو بیس رکعت میں یہ آٹھ رکعت بھی تو آ جاتی ہیں۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورۃ حجرات آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ

تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔‘

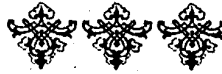
رب العزت نے اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ کی تائید فرمائی۔ اور اپنے پیغمبر سے آگے بڑھنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ لوگوں نے آٹھ رکعت اور بیس رکعت سنت تراویح کے مسئلہ پر متذکرہ بالا آیت کریمہ اور حدیث کی روشنی میں تھوڑا سا غور کرنے کی زحمت اٹھائی تو انشاء اللہ العزیز آپ کو معلوم ہوگا کہ آٹھ رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت ہیں۔ اور بیس رکعت تراویح کو سنت نبوی سمجھ کر ان پر عمل درآمد کرنا اللہ تعالیٰ اور پیغمبر ﷺ خدا کی نارضگی کا باعث ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

معزز قارئین! آپ کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک میں میرے اور جناب قاضی صاحب مدظلہ العالی کے درمیان تحریری گفتگو ہوئی۔ جانبین سے پمفلٹ بھی شائع ہوئے۔ لیکن جونہی قاضی صاحب کے پمفلٹ پر نظر پڑی۔ تو اسے مغالطہ دہی۔ غلط بیانی اور تضاد کلامی ایسے عمدہ عمدہ کارناموں سے بھرپور پایا۔ جہاں تک ہو سکا، اصل واقعات کو بھی بہت غلط رنگ دیا گیا تھا۔ لہذا خیال ہوا کہ پہلے عوام کو احسن انداز میں نفس مسئلہ سے روشناس کرایا جائے۔ پھر جناب قاضی صاحب کے پمفلٹ کی نقاب کشائی بھی کی جائے۔ اور بتایا جائے کہ قاضی صاحب کو یہ پمفلٹ رقم کرنے میں کن کن کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑا۔ ان تمام باتوں کو ایسے سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا زک محسوس نہ کرے۔ رہی معمولی نوک جو کہ تو اس میں جناب قاضی صاحب کے ہاں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ جناب قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں مجھے اساتذہ سے مسودہ سازی، کذب بیانی، فریب دہی جھوٹ، جہالت اور طرح طرح کے بہتانات سے جو دشنام کیا ہے۔ اُسے ان لوگوں کی عادت مستمرہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی لغویات کا جواب دینا بھی کوئی مناسب امر نہیں۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس سعی کو دنیا و آخرت میں باعث خیر و برکت بنائے اور اسے شرف قبولیت بخشے ہوئے آئندہ کے لئے بھی دین حنیف کی زیادہ سے زیادہ بذریعہ اشاعت و تبلیغ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو علم و عمل کی دولت سے مالا مل کرے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب
الرحيم. ويرحم الله عبدا قال امينا.

عبد المنان بن عبد الحق
نور پوری



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریری گفتگو مابین

حضرت مولانا حافظ قاضی عصمت اللہ صاحب
دیوبندی حنفی خطیب جامع قلعہ دیدار سنگھ۔ ضلع گوجرانوالہ

و

حضرت مولانا عبد المنان بن عبد الحق صاحب
خطیب جامع مسجد اہلحدیث نور پور مدرس جامعہ شرعیہ مدینۃ العلم۔ گوجرانوالہ

۱۔ حافظ عبد المنان صاحب:

نبی علیہ السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. (مشفق علیہ) اور صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔ (عبد المنان بن عبد الحق بقلم خود)

۱۔ قاضی صاحب:

الجواب واللہ الموفق للصواب: پشت کاغذ پر جو روایت درج کی گئی ہے۔ اس میں رمضان کا لفظ تصریح کرتا ہے۔ کہ یہ وہ نماز ہے جو غیر رمضان میں بھی ادا ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں۔ تو اس روایت میں نماز تراویح کا ذکر نہ ہوا۔ اور حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور وتر پڑھتے تھے۔ اور یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی میں بسند صحیح موجود ہے۔ اور حضور کا فرمان

ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اب یہی صحیح ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کی جائے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ (عصمت اللہ عنہ)

۲۔ حافظ عبدالمنان صاحب:

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَبِي بَنْ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً... الخ. (رواہ مالک مشکوٰۃ جلد نمبر ایک صفحہ نمبر ۱۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ مولانا نے یزید بن رومان کی روایت سائب بن یزید کے ذمہ لگادی اور یزید بن رومان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا۔ یزید بن رومان کی حدیث مردود منقطع ہے۔

برین عقل و دانش بیاید گریست

(عبدالمنان بن عبدالحق نور پور)

۲۔ قاضی صاحب:

عزیز مکرم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ایک کاغذ میرے پاس پہنچا ہے۔ جس پر آپ کے دستخط ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ایک تحریر کے جواب میں آپ نے اسے تحریر کیا ہے جس تحریر میں بندہ نے حضرت سائب بن یزید سے روایت بیس رکعت تراویح پیش کی تھی۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور میں نے حوالہ دیا تھا۔ کہ روایت سنن الکبریٰ بیہقی میں موجود ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ روایت سائب بن یزید سے نہیں بلکہ یزید بن رومان سے ہے۔ یہ درست ہے کہ یزید بن رومان سے بھی ایک روایت بیس رکعت کی موجود ہے۔ لیکن بندہ نے جو روایت پیش کی ہے وہ سائب بن یزید سے ہے اور سنن کبریٰ میں موجود ہے۔ اب آپ یہ مصرع اپنے آپ پر چسپاں

کریں ع

بریں عقل و دانش بیاید گریست

اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ع

الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اب بحث ختم ہو گئی۔ کیا سنن کبریٰ بیہقی میں یہ روایت ہے یا نہیں۔ اگر ہو اور یقیناً ہے تو آپ کا علم واضح۔ اور اگر نہ ہو جو حقیقت کے خلاف ہے تو ہم دلیل واپس لے سکتے ہیں۔ اب ذار ہوش سے قدم رکھنا۔

دوسری بات جس کا غز پر میں نے جواب تحریر کیا تھا۔ اس کی پشت پر ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درج تھی۔ جس کا جواب بھی میں نے درج کیا تھا۔ اب جواب میں آپ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر اپنی پیش کردہ دلیل کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔ جب آپ کی دلیل کمزور ثابت ہو گئی۔ اور جو دلیل بندہ نے پیش کی وہ پختہ ہے تو کم از کم اب عمل صحابہ سے اعراض کرنے کی جسارت چھوڑ دیں۔ کیا نصیحت کام آئے گی؟ باقی جو روایت آپ نے سائب بن یزید سے پیش کی ہے۔ اس پر گفتگو پہلی بات کے جواب کے بعد ہی ہو سکے گی۔ آپ برائے مہربانی اپنی غلطی تسلیم کر کے آگے چلنے کی کوشش کریں۔ ورنہ کوشش بے سود ہو گی۔ والسلام (عصمت اللہ عنہ)

۳۔ حافظ عبد المنان صاحب:

جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں لفظ رمضان کا ذکر موجود ہے۔ اور آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ آپ کہتے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں رمضان کا لفظ مذکور ہی نہیں۔ تو آپ نے تسلیم کر لیا کہ نبی علیہ السلام رمضان میں بھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ تو براہ کرم بتائیے کہ وہ گیارہ رکعت نماز تراویح تھی یا

نہیں۔ اگر وہ گیارہ رکعت نماز تراویح ہو اور یقیناً ہے تو آپ کو سنت سے اس قدر عراض کیوں۔ اگر وہ نماز تراویح نہ ہو جو واقعہ کے خلاف ہے تو بتائیے کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح کبھی ادا بھی کی یا نہیں۔ اگر نماز تراویح انہوں نے ادا کی ہے تو کتنی رکعت؟ اگر آنحضور نے کبھی نماز تراویح ادا نہیں کی تو آپ بحوالہ تحریر کر دیجئے۔ کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح بالکل کبھی ادا نہیں کی۔ ہم آپ کے مشکور ہوں گے۔

باقی رہے خلفاء راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو میں نے ان کی بابت اپنی پہلی تحریر میں لکھا تھا کہ صحابہ کرام تمام کے تمام بنی علیہ السلام کے متبع تھے۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنی دونوں تحریروں میں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اچھا اب ہی اپنی تحقیق انیق کی روشنی میں بتائیے۔ کہ خلفاء راشدین و صحابہ کرام بنی علیہ السلام کے متبع تھے تو وہ بھی یقیناً نماز تراویح اتنی رکعت ہی ادا کرتے ہوں گے۔ جتنی رکعت نماز تراویح نبی علیہ السلام ادا کرتے تھے۔ اگر آپ کا نظریہ یہ ہو کہ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح بالکل ایک رکعت بھی ادا نہیں کی۔ تو صحابہ پر بیس رکعت کا الزام کیوں؟ بتائیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی نماز تراویح معلوم تھی یا نہیں؟ اور یقیناً معلوم تھی۔ تب ہی سائب بن یزید کے قول کے مطابق انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور یہی وہ روایت ہے۔ جس کا آپ نے

۱۔ قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں اس جگہ ایک حاشیہ درج کیا ہے قاضی صاحب یہاں پر اپنی پرویزی ذہنیت کا زہرا گل رہے کہ ”حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گیارہ رکعت نماز تراویح معلوم تھی تو تراویح ثابت ہی نہیں ہوئیں۔ تو اگلی بات خود بخود ہی ختم ہو گئی جب تک قاضی صاحب کو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گیارہ رکعت تراویح ثابت نہ ہوں۔ اتنی دیر تک وہ صحابہ کرام کو متبع رسول ﷺ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ اب نامعلوم صحابہ پر اس الزام تراشی میں قاضی صاحب کس کی تقلید کا شکار ہو رہے ہیں۔

کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت والی روایت سائب بن یزید کی نہیں۔ کیا آپ اعتراض کریں گے؟ اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی نماز تراویح نامعلوم تھی تو آپ تحریر کر دیجئے وگرنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ السلام کا نافرمان ٹھہرانے کی جسارت مت کیجئے۔ تو اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح خلفاء راشدین کی سنت نہیں ہے۔ اور نہ نبی علیہ السلام نے کبھی بیس رکعت تراویح ادا کی۔ وگرنہ آپ براہ کرم تحریر کر دیجئے کہ نبی علیہ السلام اور خلفاء اربعہ میں سے فلاں خلیفہ نے بیس رکعت تراویح ادا کی؟ یا کسی کو بیس رکعت تراویح ادا کرنے کا حکم دیا ہو۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق میں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ کیا آپ اپنے الفاظ و دلائل واپس لیں گے؟ اور نبی علیہ السلام کی اطاعت کریں گے۔ خلاصہً کیا حضرت عائشہ کی روایت میں رمضان کا لفظ ہے یا نہیں؟ نبی علیہ السلام نے نماز تراویح اپنی زندگی میں کبھی ادا کی ہے یا نہیں؟ اگر ادا کی ہے تو کتنی رکعت؟ خلفاء راشدین و صحابہ نبی علیہ السلام کے متبع تھے یا نہیں؟ خلفاء اربعہ میں سے کون سے خلیفہ نے بیس رکعت تراویح ادا کی اس کا نام بتائیے؟ یا اس کو خلفاء راشدین کی سنت کہنا چھوڑ دیجئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے۔ (عبد المنان بن عبد الحق نور پوری)

۳۔ قاضی صاحب:

جناب مولوی صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
جواب موصول ہوا۔ جو صورتہ ”جواب تھا نہ کہ معنی“ گذارش ہے اور مکرر گذارش ہے۔ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ صلوٰۃ

۱۔ قاضی صاحب کی بجلی کا اندازہ یہاں سے ہوتا ہے۔ کہ وہ ان سوالات کا جواب ہی نہیں دے سکے ہیں۔ چنانچہ وہ اگلے رقعہ میں جوابات سے قطع نظر بحث کو الجھا رہے ہیں۔

تراویح صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے۔ غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتی۔ اور جس روایت میں رمضان اور غیر رمضان کا ذکر ہے وہ آپ کے لیے مفید نہیں کیونکہ سوال اس نماز کا ہے جو صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے۔ غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتی۔ بعض نمازیں ایسی ہیں جو مخصوص ہیں۔ چنانچہ صلوٰۃ عیدین، صلوٰۃ جمعہ وغیرہ ان نمازوں کے متعلق جب کوئی خصوصی بحث ہوگی تو وہی روایات پیش ہو سکیں گی جن کا ان نمازوں کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔ اب جبکہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارے میں ہے تو وہی پیش ہو سکے گی جو خاص اس کے متعلق ہو۔ امید ہے اب آپ اصل بات کو سمجھ چکے ہوں گے۔ جو آپ کے استدلال میں کمزوری ہے۔ میں اس کی نشاندہی مکرر کر چکا ہوں اب یا کمزوری کو دور کریں یا دلیل واپس لیں۔ جب تک آپ کی پہلی پیش کردہ دلیل پر بات ختم نہ ہو۔ دوسری دلیل پر بحث فضول ہے۔ بات کو الجھانے کی کوشش نہ کریں۔

نمبر دوم:

یہ گزارش ہے کہ میں نے سائب بن یزید کی روایت بحوالہ سنن کبریٰ، بیہقی پیش کی تھی جواباً آپ کے الفاظ یہ ہیں مجھے سخت افسوس ہوا کہ مولانا صاحب نے بیس رکعت والی روایت سائب بن یزید کے ذمہ لگا دی حالانکہ بیس رکعت والی روایت یزید بن رومان کی ہے۔ گویا آپ کو انکار ہے کہ یہ سائب بن یزید کی روایت ہو اور سنن کبریٰ میں درج ہو۔ سنن کبریٰ دنیا سے ناپید نہیں موجود ہے۔ اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ روایت سائب بن یزید سے سنن کبریٰ بیہقی میں موجود ہے یا نہیں۔ اب آپ اس کا جواب ہاں یا نہ میں دیں۔ آپ سے غلطی ہو گئی ہے تو کوئی حرج نہیں اقرار فرمائیں اس سے آپ کی اجتہادی بصیرت میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ تو لوازم سے شمار

۱۔ نمبر دوم کی قاضی صاحب نے سرخی جمادی ہے۔ ازل نمبر سرخی نہ معلوم ضرورت کے تحت قاضی صاحب نے اپنے پاس ہی رکھ لی ہوگی واہ کیا کہنے۔ سبحان اللہ

ہے۔ اب یہ دو سوال ہیں آپ ان کے جواب سے گریز کر کے اور دیگر باتوں کو چھیڑ کر بحث کو الجھائیں نہیں۔ ان کا جواب جب تک نہ ہوگا۔ بات آگے نہ چل سکے گی۔ والسلام
عبدہ المذنب عصمت اللہ عنہ، قلعہ دیدار سنگھ

۴۔ حافظ عبد المنان صاحب:

جناب قاضی صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انه سئل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت
صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت ما کان یزید ... الخ.

اس سے صاف و روز روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کے قیام رمضان کے متعلق سوال کیا تھا اور حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابوسلمہ کو نبی علیہ السلام کا قیام رمضان ہی بتلایا تھا۔ تب ہی ابوسلمہ
رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں خاموش رہے۔ وگرنہ وہ صرف کہتے کہ
ام المؤمنین! میں تو آپ سے قیام رمضان پوچھ رہا ہوں اور آپ مجھے کوئی اور نماز بتلا
رہی ہیں؟ اچھا اب آپ جسارت کیجئے۔ اور تحریر فرما دیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کا جواب ابوسلمہ کے سوال کا جواب نہیں تھا اور اگر جواب ہو بھی تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا
سوال اسی سے حل نہ ہوا تھا۔ یا پھر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال قیام رمضان کے متعلق نہ
تھا۔ باسند تحریر فرمائیے۔ آؤ میں آپ کو تمہارے گھر کی بات بتلاؤں بحر الرائق میں ابن
نجیم حنفی بحوالہ فتح القدیر رقمطراز ہیں:

وَقَدْ ثَبِتَ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوُتْرِ كَمَا ثَبِتَ فِي
الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ. (بحوالہ مفتاح باسرار التراویح)

اور امام محمد رحمہ اللہ اپنے موطا میں حدیث کو باب قیام شہر رمضان کے تحت درج کرتے
ہیں۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاة میں تراویح کی بحث میں فرماتے ہیں:

بَلْ كَانَ لَا يَرِيدُ (أَيُّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ) فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى
إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. (بحوالہ مفتاح)

جناب دیکھئے کہ حنفیت کے بڑے بڑے ترجمان یعنی ابن ہمام، امام محمد ملا علی قاری رحمہم الباری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نبی علیہ السلام کی نماز تراویح کے گیارہ رکعت ہونے پر استدلال کر رہے ہیں۔ کیا ان کا یہ استدلال غلط ہے؟ یا انہیں غیر رمضان کے لفظ سے نسیان ہو گیا؟ یا پھر غیر رمضان کا لفظ انہیں کہیں نظر نہیں آیا؟ کہ آپ کی طرح کہہ دیتے کہ یہ صلوٰۃ تراویح کے علاوہ کوئی اور نماز ہے۔ یا پھر وہ آپ سے کم عقل و کم فہم تھے؟ کہ آپ تو نکتہ دقیقہ سمجھ گئے۔ البتہ امام محمد، ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری کے ذہن میں یہ نکتہ نہ آسکا۔

فَوَاعْبَجَا لَكَ أَيُّهَا الْقَاضِيُ وَاسْفَا عَلَيْكَ أَيُّهَا الْحَنَفِيُّ

بہر کیف آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نبی علیہ السلام کے قیام رمضان کی رکعات بیان کرنے میں نص صریح ہے۔ اگر آپ سے غلطی ہو گئی ہو تو کوئی بات نہیں ہر انسان خطا کار ہے۔ اگر آپ مان لیں تو آپ کی تقلید میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں آپ کو تسلیم دیتا ہوں کہ آپ یہ ماننے سے زمرہ مقلدین سے خارج نہیں ہوں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ حق تسلیم کرنے سے مجتہد نہیں بنیں گے۔

باقی سائب بن یزید سے اس مضمون (بیس رکعت) کے متعلق امام بیہقی نے دو مختلف سندوں سے دو روایتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپ بتائیں کہ آپ نے کون سی روایت پیش کی ہے۔ اس کی سند مع الفاظ درج کیجئے۔ ویسے ہی سند صحیح موجود ہے کے دعوے کرنے چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ دعویٰ بلا دلیل غیر مسوع ہوتا ہے۔

خلاصہ:

آپ نے میری پہلی تحریر کا بالکل جواب نہیں دیا۔ نہ ہی نبی علیہ السلام کی

صلوٰۃ تراویح کی رکعت آپ نے بتائیں۔ اور نہ خلفاء راشدین میں سے کسی کے بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت دیا۔ **فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا رَبَّكُمْ وَأَطِيعُوا رَسُولَكُمْ وَلَا تُقِلُّوا أَيْمَتَكُمْ**۔ اس کا جواب اور یہ بھی بتائیں کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کون سی نماز کے متعلق سوال کیا تھا؟ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب صحیح دیا تھا؟ کیا امام محمد ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ یہ درست ہے یا غلط؟ دو ٹوک فیصلہ کیجئے؟ کیا آپ سائب بن یزید کی روایت کے الفاظ مع سند و توثیق رجال تحریر فرمائیں گے؟ اگر آپ اس تحریر کا صحیح جواب دے دیں تو پھر بندہ آپ سے گفتگو کر سکتا ہے۔ ورنہ اعتراف کریں کہ نبی علیہ السلام کی سنت گیارہ رکعت ہے۔ اور خلفاء راشدین بھی نبی علیہ السلام کے متبع تھے۔ فقط والسلام! (عبد النان بن عبد الحق)

۴۔ قاضی صاحب:

عزیر کرم مولوی صاحب وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ

تحریر کا جواب موصول ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اب آپ کو تسلیم ہے کہ بیس رکعت تراویح کے بارہ میں سائب بن یزید سے روایت ہے۔ جس کے متعلق کبھی آپ کو سخت افسوس ہو رہا تھا کہ جو روایت حضرت سائب سے نہیں وہ کیوں سائب بن یزید کے ذمہ لگائی جا رہی ہے اب امید ہے آپ کا افسوس دور ہو چکا ہوگا۔ اور آپ کو یہ بھی واضح ہو گیا کہ گفتگو تو شروع کر دی تھی اور اپنے علم پر ناز بھی تھا۔ لیکن اس نے ساتھ نہ دیا۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ انسان پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے تو بہتر ہی ہوتا ہے۔ جس صاحب کے ہاتھ سے مجھے رقعہ موصول

۱۔ کتاب کی غلطی کیوجہ سے پہلے پمفلٹ میں یہ الفاظ رہ گئے تھے ولا تقلدوا وائمکم کہ اپنے اماموں کی تقلید نہ کرو بلکہ پیغمبر خدا ﷺ کی اطاعت کرو۔

ہوا۔ ان کی زبانی اور بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ کو میری تحریر کا جواب دینے کے لیے گوجرانوالہ کے چکر بھی لگانے پڑے۔ اور مشورہ اساتذہ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو ایسا ہی کیوں نہیں کرتے کہ جب اپنے میں جواب کی تاب نہیں ہوتی تو انہیں سامنے کر دیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں۔ اب آپ کے اقرار روایت اور عمل سے آپ کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اب بات اس سے ہونی چاہیے جس پر آپ کو اور آپ کے حواریین کو اعتماد ہو۔ (عصمت اللہ عفی عنہ خطیب مسجد جامع قلعہ دیدار گلہ)

۴۔ حافظ عبد المنان صاحب:

جناب قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا جواب موصول ہوا جو درحقیقت میری تحریر کا جواب نہیں تھا۔ بلکہ وہ آپ کے اخلاق عالیہ کا ایک نمونہ تھا۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں کہ ”تو انہیں سامنے کر دیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں“ ہو سکتا ہے یہ الزام تراشی آپ کے ہاں دیانتداری کی کوئی خاص قسم ہو۔ میں سمجھتا تھا۔ کہ قاضی صاحب دائرہ تہذیب میں رہیں گے۔ اب معلوم ہوا آپ پر تو گھبراہٹ بوکھلاہٹ طاری ہو چکی ہے۔ اور آپ اصل مسئلہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ پر اپنی تحریروں کی کمزوریاں بخوبی واضح ہو چکی ہیں۔ اور آپ کے بلند بانگ دعوے ”کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کرام میں رکعت نماز پڑھا کرتے تھے“ بالکل پست ہو چکے ہیں۔ وگرنہ کسی صحابی کا نام بتائیں کہ وہ تیس رکعت پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا نبی علیہ السلام کے قیام رمضان میں نص ہونا آپ پر واضح ہو چکا ہے۔ تب ہی آپ اس کا جواب تک نہیں دیتے اچھا اب الزام تراشی میں پڑ کر اصل مسئلہ کو الجھانے کی کوشش نہ کریں اور دیانت داری سے بتائیں کہ نبی ﷺ نے صلوٰۃ تراویح کتنی رکعت ادا کی؟

اور خلفاء راشدین میں کونسے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟ ابوسلمہ

رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز پوچھی؟ کیا حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟ کیا امام محمد بن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے درست ہے؟ دو ٹوک فیصلہ دیجئے وگرنہ تسلیم کیجئے اور اپنے اخلاق حسنہ کا اظہار نہ کیجئے۔

سائب بن یزید کی حدیث موطا امام مالک میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ آپ اپنی پیش کردہ حدیث مع سند و توثیق رجال درج کیجئے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ جو میں نے سائب بن یزید کی حدیث پیش کی ہے وہ محض وہم ہے۔

امید ہے کہ اب آپ دیانتداری سے کام لیں گے اور مذکورہ بالا باتوں کا جواب تحریر فرمائیں گے۔ اور اپنے اخلاق کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اور اقرار فرمائیں گے کہ نبی علیہ السلام اور خلفاء راشدین کی سنت گیارہ رکعت ہی ہے۔ فقط والسلام (عبد المنان بن عبدالحق)

نوٹ: حافظ عبد المنان صاحب کی پانچویں تحریر کے جواب میں قاضی صاحب کی منتخب سہ رکنی کمیٹی نوپور آئی۔ جس کی رپورٹ صفحات گذشتہ میں گذر چکی ہے۔ قاضی صاحب نے یہاں پر تحریری خاموشی اختیار کر لی اس کے بعد حافظ عبد المنان صاحب نے ایک رقعہ نمبر (۶) بھیجا۔ جس کے جواب میں قاضی صاحب نے اپنا پانچواں رقعہ ارسال کیا۔ جس کا جواب حافظ عبد المنان صاحب نے فوراً رقعہ نمبر (۷) میں دے دیا تھا۔ جس کو قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں شائع نہیں کیا تھا اور بھلا قاضی صاحب یہ ساتواں رقعہ کیسے اپنے پمفلٹ میں درج فرماتے۔ کیونکہ وہ مجسمہ دیانت ہیں۔ لہذا ان کا ہر فعل دیانت پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ قاضی صاحب نے جس رقعہ پر نمبر (۶) درج کر دیا ہے۔ کیا وہ ثابت کر سکیں گے کہ یہ ان کا چھٹا رقعہ ہے؟ یہی ہیں جناب دین کے رہنما انبیاء کے وارث ان کے منبر کی یہی ذمہ داریاں ہیں۔ یہی

ان کے بزرگوں کی خلافت ہے۔ خیر سہ رکنی کمیٹی نے بھی جس دیانت کا اظہار کیا اس پر بھی افسوس ہے۔ لیکن صد افسوس تو اس بات میں ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے حواریوں کی باتیں اپنے آئمہ سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ قبول کر لیں واقعی اس مقام پر قاضی صاحب کے ایجاب کی داد دینا پڑے گی۔ حالانکہ حافظ عبدالمنان صاحب نے قاضی صاحب کے حواریوں کو یہ کہا تھا کہ ”جیسا قاضی صاحب مناسب سمجھیں گے میں ویسا ہی کرنے کو تیار ہوں“، لیکن ۔

جن تین حواریوں پر قاضی صاحب کو ہے ناز

حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے

کیا کہنے! آئمہ دین کے پجاریوں کی شان بھی دیکھئے۔ کہ اپنے پمفلٹ میں

رقعہ نمبر (۵) کی بھی سرخی جمادی اور حقیقت میں جو رقعہ نمبر (۵) تھا اسے رقعہ نمبر (۶)

ظاہر کر رہے ہیں۔ اب نامعلوم یہ کس کی تقلید میں دیانت ٹھہرے گی ۔

تراشے ہیں نئے اصنام تمہید نو کے آزر نے

خدائی میں بتوں کی لاج بھی تو رہ گئی آخر

۶۔ حافظ عبدالمنان صاحب:

جناب قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احوال آنکہ۔ اس دفعہ تو مجھے انتظار کی بھی گھڑیاں دیکھنی پڑیں۔ پانچ چھ دن

اسی انتظار میں رہا کہ آج جواب موصول ہوگا۔ لیکن جواب ندارد۔ بہت سوچا کہ آخر

کس چیز نے قاضی صاحب کو خاموشی پر مجبور کر دیا ہے۔ تاہم اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید

مصلحتاً مزید تحقیق کی ضرورت ہوگی تب ہی تو جواب آنے میں اتنی دیر ہوئی۔ بہر حال

اتنی دیر خاموش رہ کر تحقیق کے بعد اگر آپ صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ تو میرے لیے اس

سے بڑھ کر خوشی کیا ہو سکتی ہے؟ خدا آپ کو صحیح تحقیق سے آگاہ کرے۔ آمین۔ لیکن

مولانا ایک بات جو مجھے یہاں پر کہنی ہے وہ یہ ہے۔

مجھے علم ہوا ہے کہ آپ اپنے روزانہ درسوں میں اس قسم کی باتیں کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ دو چار کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ اور عالموں کے مقابلہ پر اتر آتے ہیں۔ افسوس کہ مولانا کچھ وسیع الظرف ہوتے اور اس رویہ کو قطعاً ناپسند فرماتے۔ یا کسی علمی بحث و تمحیص میں الجھ کر مجھے کسی معیار پر آزماتے۔ اور اگر میں واقعی صحیح علمی معیار پر نہ اترتا۔ تو پھر کسی حد تک آپ اس رویہ میں حق بجانب ہو سکتے تھے۔ لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ شاید یہ قرآنی درس میں کس جدید تفسیر کا ہی آغاز ہے۔ لیکن مولانا ایسی ہنگامہ آرائی اور دھمکیوں سے حق ہمیشہ اُجاگر ہوا کرتا ہے۔ یہاں پر میں یہ کہہ دوں تو بے جا نہ ہوگا۔ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
آپ کو آنے والے ان حالات سے آگاہی نہ تھی۔ ورنہ آپ اس پہلے رقعہ میں ”الجواب“ کہہ کر نہ پکارتے۔ دراصل وہی بات ناع

خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا
آپ نے اس سے پیشتر یہ بھی تحریر کیا تھا۔ کہ انہیں سامنے کر دیں جو جواب کا مسودہ تیار کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کی اخلاقی گراوٹ کے علاوہ قلمی لغزش بھی ہے۔ آپ سوچئے کہ تحریری گفتگو میرے اور آپ کے مابین ہو رہی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ مجھے کسی سے جوابات کا مسودہ تیار کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے کئی طریقوں سے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میں اس کے بزرگوں کے ساتھ زبانی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ تو مولانا بحمد اللہ آپ دعوت دیجئے۔ میں ہر وقت زبانی گفتگو کے لیے تیار ہوں۔ اور جس موضوع پر چاہیں آپ اپنی علمی طاقت آزمائی کیجئے۔ میری دلیلیں حقائق پر مبنی ہیں۔ آپ جس وقت زبانی گفتگو کا شوق فرمائیں۔ بندہ حاضر ہے۔ بندہ کو امید واثق ہے کہ یہ صرف راہ فرار اختیار کرنے کا طریقہ ہے۔ جس میں آپ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ میرا تو تجربہ ہے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر آپ کے پاس کوئی دلیل ہے تو لائیے۔ آپ اپنے حقائق اور علم کی طاقت آزمائی ان سوالات کے جوابات میں ہی کیجئے۔ لیکن یہ سوالات اس سے پیشتر بھی آپ سے پوچھے گئے ہیں۔ دوبارہ لکھ دیتا ہوں کہ

۱۔ نبی علیہ السلام نے کتنی رکعت نماز تراویح ادا کی؟

۲۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کون سے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے

۳۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز پوچھی تھی؟

۴۔ کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟

۵۔ کیا امام محمد ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے۔ درست ہے؟

۶۔ سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ میں موجود ہے؟

۷۔ آپ اپنی پیش کردہ حدیث مع سند و توثیق رجال درج کریں؟

خیر ایک بات آخر میں کہتا ہوں کہ تحریری خاموشی اختیار کر کے اوجھے ہتھیاروں سے دھمکیاں دینا اچھی راہ فرار نہیں ہے کسی مؤدبانہ طریقہ سے راہ فرار اختیار کی جائے تو بہتر ہوگا۔ ویسے آپ لوگوں کی یہ جرات بھی قابل ستائش ہے کہ ۔

نہ رکھ دلیل کی کچھ بھی سند پھر اس پہ اڑتے ہو

عجب دانا مقلد ہو کہ بے ہتھیار لڑتے ہو

مولانا دل میں آپ لوگوں کے لیے درد موجود ہے آپ سنجیدگی سے خلوت میں سوچئے۔ میرا نظریہ صرف اور صرف یہ ہے۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

(عبد المنان بن عبد الحق نور پوری)

نوٹ: حافظ عبد المنان صاحب کے پانچویں اور چھٹے دور قعود کے جواب میں قاضی صاحب کا یہ پانچواں رقعہ موصول ہوا۔

۵۔ قاضی صاحب:

جناب مولوی صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے ایک رقعہ موصول ہوا تھا۔ جس میں آپ نے میری دیانت اخلاق اور تہذیب پر ریکھ حملے کئے۔ جن کا قطعاً آپ کو حق نہ پہنچتا تھا۔ اس تحریر کو ناقابل برداشت پاتے ہوئے آپ کے پاس زبانی جواب لے کر یہاں سے چند دوست گئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ بجائے تحریری گفتگو کے زبانی گفتگو ہونی چاہیے اور وہ آپ کی جماعت کے کسی ذمہ دار عالم کے ساتھ ہونی چاہیے۔ آپ تحریر کر دیں تو کام آگے بڑھے لیکن آپ کو سلامتی اس میں نظر آئی کہ اب بات کو یہاں ختم کر دینا چاہیے اور یہ آپ کا زبانی اقرار مسجد میں ہوا۔ کہ ہم نہ مناظرہ کے لیے تیار ہیں نہ تحریر کو جاری رکھیں گے مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کی حالت بہت ہی قابل رحم ہو چکی تھی۔ اور آپ یہ تحریر فرما رہے ہیں ”لیکن جواب ندارد“ کیا خوب! جو آپ پر بنتی وہ بھی یاد نہ رہی پھر آپ کا یہ رقعہ پہنچا اس میں بھی آپ نے ”آپ کی اخلاقی گراؤٹ“ کا لفظ چست کر دیا ہے جو قطعاً اہل علم کی شان کے خلاف ہے اور ہوا صرف اس پر کہ میں نے مسودہ تیار کرانے کی بات کہہ دی تھی جس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ

۱۔ کاتب کی غلطی کی وجہ سے یہ سطر پہلے پمفلٹ میں نہ چھپ سکی تھیں۔

کے ہی رقعہ رساں نے کہا تھا۔ کہ آپ کو مشورہ کے لیے گوجرانوالہ اپنے اساتذہ کے پاس جانا پڑا ہے اور اس کا حوالہ بھی میں نے تحریر کیا تھا۔ مگر آپ ہیں کہ نہ آگے کو دیکھتے ہیں نہ پیچھے کو اور بے جا ناروا حملے شروع کر دیتے ہیں۔ تو میں اتنی گزارش کروں گا۔ کہ یہ طرز تحریر آپ کو مبارک ممکن ہے آپ ایسا لفظ سن سکتے ہوں لیکن مجھے معذور تصور کریں۔ چونکہ آپ نے سوالات کو دہرایا ہے۔ جواب کا تکلف کر رہا ہوں ورنہ ان کی حقیقت پر کاہ کے برابر نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت جو آپ نے پیش کی تھی۔ میں نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ یہ صلوٰۃ تراویح کے بارے میں نہیں۔ کیونکہ اس میں غیر رمضان لفظ موجود ہے۔ اور صلوٰۃ تراویح غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتی۔ اب آپ پر لازم تھا کہ یا دلیل واپس لیتے۔ یا اس کا صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہونا ثابت کرتے۔ آپ نے اپنے زعم کے مطابق اس کا صلوٰۃ تراویح کے عدد کے بارے میں نص ہونا ثابت کیا ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے۔ اب ملاحظہ ہوں مع جوابات:

(۱) کہ بعض آئمہ احناف نے اسے گیارہ رکعت صلوٰۃ تراویح ہونے میں نص قرار دیا ہے۔ مثلاً امام محمد فی الموطا۔ میں نے موطا امام محمد میں جو لکھا ہے وہ دیکھا ہے اس میں کہیں مذکور نہیں کہ اس حدیث سے صلوٰۃ تراویح کا آٹھ رکعت ہونا نصاً ثابت ہوتا ہے۔ صرف باب قیام شہر رمضان میں درج ہونا اس کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ وہ عبارت پیش کرنی چاہیے جس میں یہ تحریر ہو کہ اس حدیث سے صلوٰۃ تراویح کا گیارہ

۱۔ سوالات کو بار بار اس لئے دہرایا گیا کہ قاضی صاحب نے ان کے جوابات نہیں دیے۔ البتہ یہاں پر بھی قاضی صاحب نے محض تکلف کی کوشش کی ہے۔ جو نام کام رہی ہے۔

۲۔ قاضی صاحب رمضان کا لفظ غیر رمضان سے پہلے ہے اس کو آپ تقلیدی ثمرہ سمجھ کر ہضم مت کیجئے۔ تقلید کا نرالا روپ دھارے بیٹھے ہیں کہ اب لفظ رمضان سے بھی منکر ہو رہے ہیں سائل کے سوال میں جو لفظ تھا پہلے اُسی کا جواب دیا گیا ہے۔

رکعت ہونا نصاباً ثابت ہوتا ہے پھر گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اور ملا علی رحمہ اللہ قاری کا نام لینا آپ کو زیبا نہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ ”اس حدیث میں گیارہ رکعت تراویح بطور نص وارد ہے“۔ کو ثابت کریں۔ اور اثبات دعوے میں کسی فقیہ کا قول پیش کرنا کیونکر درست ہے۔ آپ تو غیر مقلد ہیں۔ آپ کی پیش کردہ دلیل پر میں ایک قرینہ ذکر کر کے اعتراض کر رہا ہوں۔ اب آپ اپنے اجتہادی رنگ میں جواب دیں نہ کہ اقوال رجال کی طرف رجوع کریں۔ جس رقعہ میں آپ لَا تَقْلُدُوا اٰمَتَكُمْ رَاٰگ الاپ رہے ہیں۔ اسی میں اقوال رجال سے اپنا دعوے ثابت کر رہے ہیں۔ اب اسے قول و عمل کا تضاد نہ کہیں تو کیا کہیں۔ آپ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ اقوال رجال سے اپنا دعوے ثابت کریں۔ ابھی تو یہ پہلا اعتراض ہے اور فقہاء کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ رع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

پھر اگر تقلید پر مجبور ہو گئے تھے تو بجائے فقہاء احناف کی تقلید کرنے کے امام ترمذی رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابو داؤد رحمہ اللہ، وغیرہ محدثین کی تقلید کرتے۔ جو اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قیام رمضان کے باب میں نہ ذکر کر کے اور صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلقہ ابواب میں ذکر کر کے سمجھا رہے ہیں کہ اس حدیث کا صلوٰۃ تراویح کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس طرح کم از کم فقہاء احناف کی تقلید سے توبخ بھی جاتے۔ بہر حال

۱۔ یہاں پر قاضی صاحب کی تقلید یہ ظاہر کر رہی ہے کہ قیام رمضان اور صلوٰۃ تراویح الگ الگ ہیں۔ لیکن آگے چل کر وہ خود ہی قیام رمضان کو صلوٰۃ تراویح بھی تسلیم کر لیں گے۔ خیر ان تمام تکلفات کو تقلید کا نام ہی دینا چاہیے۔ ۲۔ یہاں پر قاضی صاحب کا مدعا قیام رمضان سے صلوٰۃ تراویح ہے۔ ۳۔ ہمارے نزدیک تو تقلید ناجائز ہے۔ جمود و تقلید ان ہی کو مبارک ہو۔ کہ نت نئے گُل کھلا رہے ہیں۔ دوسروں کو فقہائے احناف کی تقلید سے بچنے کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن کم از کم خود تو فقہائے احناف کی پیروی کر لیں۔

اقوال کا جواب آپ نے اقوال^۱ سے بھی سُن لیا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کے لئے سند اقوال رجال نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ آپ کے مسلک کے خلاف ہے۔ نیز علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں۔ اب جناب یہ لفظ اصحاب جمع ہے اور آپ صرف بعض کی انفرادی رائے پیش کر رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن نجیم حنفی کی آپ نے پوری عبادت نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ ورنہ آپ کے استدلال کی قلعی کھل جاتی۔ وہ اس کو صرف علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی انفرادی رائے قرار دے رہے اپنا نکتہ نظر نہیں پیش کرتے۔ اگر جرأت ہو تو پوری عبادت نقل کریں۔ پھر علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی قول ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید بھی آپ کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

وہ بھی اسی بحر الرائق کے حاشیے پر ہے جس سے آپ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل فرما رہے ہیں۔ لیکن کیا کریں کوئی رسالہ سامنے رکھ کر تحقیق کے درپے ہو گئے جس کا نام بھی خود آپ ہی نے تحریر کیا تھا اور اصل کتاب کی طرف مراجعت بھی نہ کی۔ اب آپ یہ شعرا اپنے پرچسپاں کریں۔ تبغیر سیر ۔

نہ رکھ دلیل کی کچھ بھی سند پھر اس پر اڑتے ہو

عجب دانا مجتہد ہو کہ بے ہتھیار لڑتے ہو

یا پھر یوں ۔

۱۔ قاضی صاحب اقوال سے یہ سُنا رہے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلقہ ابواب میں ذکر کیا ہے ہمارے نزدیک صلوٰۃ تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔ رمضان میں اسی نماز کا نام تراویح ہے جو غیر رمضان میں تہجد ہوا کرتی ہے۔ لیکن قاضی صاحب اپنی تحریر میں بھی اقوال کا جواب اقوال سے سُنا رہے ہیں درج نہیں کر رہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تو گویا اقوال رجال کی آڑ لی تھی۔ لیکن افسوس اس سے بھی کام نہ چل سکا۔

(۲) دوسرا طرز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی گیارہ رکعت تراویح

پرنص ثابت کرنے کے لیے آپ نے یہ اختیار کیا۔ کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں استفسار کیا تھا اور جواب چونکہ سوال کے مطابق ہوتا ہے تو گویا آپ نے بھی جواب صلوٰۃ تراویح کے بارے میں دیا۔ کیا خوب! اجتہاد کی داد دینی پڑتی ہے۔ سوال کی عبارت جو آپ نے تحریر کی یہ ہے:

”کیف كانت صلوٰۃ رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان“

نہ اس میں صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہے نہ ہی قیام رمضان کا۔ عبارت کا معنی صرف یہ ہے۔ ”کیسی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں؟“ اب یہاں مطلق صلوٰۃ (نماز) کا لفظ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کیسے ادا فرماتے تھے۔ اس کا اطلاق فرضی، نفلی ہر نماز پر ہو سکتا ہے پھر رات کی نماز اور دن کی نماز سب اس میں داخل ہیں۔ سوال ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے تو کسی نماز کی تعیین نہیں ہوتی۔ جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سامنے آتا ہے تو درج دیل چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) سوال فرضی نماز کے متعلق نہیں (۲) دن کی کسی نماز کے متعلق نہیں اور یہ دو

۱۔ یہاں پر قاضی صاحب یہی تاثر ظاہر فرما رہے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد صلوٰۃ تراویح ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ حدیث باب قیام رمضان میں ذکر ہو رہی ہے۔ تو اُسی وقت وہ اسے صلوٰۃ تراویح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتے۔ خواہ اسی ضد میں انہیں بزرگوں کی تقلید بھی چھوڑنا پڑے۔

۲۔ سوال میں رمضان کا لفظ ہے غیر رمضان کا نہیں اور قاضی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صلوٰۃ تراویح رمضان سے مخصوص ہے تو سوال ابوسلمہ صلوٰۃ تراویح سے ہی تھا لیکن قاضی صاحب پر کسی کی تقلید سوا ہے۔

چیزیں وہ ہیں جو سیاق سے معلوم ہو رہی ہیں۔ نسا کسی لفظ کا ترجمہ نہیں لیکن یہ دونوں باتیں آپ کو بھی مسلم ہیں۔ تیسری چیز جو جواب سے سامنے آرہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے جو سارے سال میں ادا ہوتی ہے۔ رمضان کے ساتھ خاص نہیں اور یہ وہ چیز ہے جو عبارت جواب کا صاف صاف ترجمہ ہے۔ لایزیدنی رمضان ولا فی غیرہ۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ آپ کو مسلم نہیں۔ شاید صرف اس لئے کہ پھر پیش کردہ دلیل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور چوراہے پر عمارت گرتی نظر آرہی ہے۔ صلوٰۃ تراویح وہ نماز ہے جو رمضان کے ساتھ خاص ہے۔ حدیث کی عبارت کوئی وہ نماز بتلا رہی ہے جو رمضان کے ساتھ خاص نہیں اقوال رجال کے جواب میں اقوال رجال پیش ہو چکے ہیں اب اپنے الفاظ آپ پر چسپاں کریں۔ کیا امام ترمذی رحمہ اللہ امام نسائی رحمہ اللہ امام ابو داؤد وغیرہ محدثین کم فہم تھے۔ جواب اپنی اجتہادی بصیرت سے پیش کریں۔ اور میرے اعتراض کا حل کریں۔ ورنہ دلیل واپس لیں۔ آنحضرت ﷺ کتنی رکعت نماز تراویح ادا کرتے تھے؟ آپ پر قوی دلیل سے پیش کرنا لازم ہے کیونکہ آپ نے ہی استدلال کا یہ رنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے تو سائب بن یزید کی روایت پیش کی

۱۔ قاضی صاحب نے گفتگو تو شروع کر دی تھی۔ لیکن انہیں آج تک ہمارے مسلمات کا بھی علم نہیں ہو سکا۔ قاضی صاحب حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ انکشاف کر رہے ہیں کہ جو فعل رمضان کے علاوہ بھی کیا جاسکے وہ سارا سال کرنا پڑتا ہے۔ رمضان کے علاوہ بھی نقلی روزے رکھے جاسکتے ہیں لیکن قاضی کے نزدیک وہ روزے سارا سال ہی رکھنے پڑ جائیں گے۔ پھر ان کی اقتدر میں یہی کہنا پڑیگا ع یہی صلہ تیری وفا سے ملا۔

۲۔ یہ حافظ عبد المنان صاحب کا سوال ہے جس کا ابھی تک قاضی صاحب جواب نہیں دے سکے ہیں۔ البتہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حافظ عبد المنان پر قوی دلیلیں سے پیش کرنا لازم ہے۔ اور انہوں نے قوی بلکہ اقوی دلیل سے ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر ﷺ آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے؟

تھی اور صحابہ کا عمل پیش کیا تھا۔ اور آپ کا پیش کردہ مقدمہ جو ہمیں بھی مسلم ہے کہ صحابہ کرام رسول ﷺ کے متبع تھے ساتھ مل جائے گا اور دلیل تام ہو جائے گی۔ اب رہا استدلال از روایت سائب بن یزید تو آپ نے الزام لگایا تھا کہ میں رکعت تراویح کی روایت یزید بن رومان سے ہے نہ کہ سائب بن یزید سے۔ اب آپ پر لازم ہے کہ یہ الزام ثابت کریں۔ ورنہ صاف لفظوں میں اقرار کریں۔ کہ الزام غلط ہے۔ اور روایت سائب بن یزید سے سنن کبریٰ میں موجود ہے۔ نمبر دوم آپ تحریر کرتے ہیں۔ کہ سندیں اس روایت کی دو ہیں۔ مولوی صاحب میں نے بغیر حوالہ کے بات نہ کی تھی۔ سنن کبریٰ کا حوالہ دیا تھا۔ اب آپ ثابت کریں کہ سنن کبریٰ بیہقی میں دو سندیں موجود ہیں۔ پھر پوچھیں کہ کون سی سند پیش کی ہے۔ اور اگر سنن کبریٰ بیہقی میں دو سندیں نہ دکھاسکیں:

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا تاتقوا ربکم واطيعوا الرسول واولی الا
مرمنکم.

کیا ابھی تک آپ کو علمی بحث و تحقیص میں کسی معیار پر آزمایا نہیں گیا؟ واقعی آپ صحیح علمی معیار پر اتر آئے۔ جب کہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں آپ کو اقوال رجال کا سہارا لینا پڑا؟ یا جب نظر پڑی تو دو سندیں کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ سنن کبریٰ بیہقی میں صرف ایک سند ہے۔ کیا تطویل فہرست سوالات جن میں ایک بھی کام کا نہ ہو یہی صحیح علمی معیار ہے؟ خوب! جب میں آپ کے بزرگوں کے ساتھ گفتگو کو

۱۔ قاضی صاحب نے اپنے اصل رقعہ میں یہ لفظ ایسے ہی لکھا ہے اور پمفلٹ میں اپنی دیانت سے کام لیتے ہوئے اس کی تصحیح کر لی ہے۔ قرآنی آیات میں اس قسم کی جدت پیدا کر کے تقلید کو تقویت دے رہے ہیں۔

زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو پہنے

ترجیح دیتا ہوں تو آپ کا یہ معیار واضح ہونے پر دے رہا ہوں۔ کیا اب بھی کسر باقی ہے؟ جب آپ اپنے بزرگوں کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ تو میرے شاگرد بھی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ اب اس میں کیا حرج ہے کہ ہر دو جانب سے نمائندگی کنندگان گفتگو کر لیں۔ پھر دعوت کے لفظ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ یہ دعوت پلاؤ کی نہ ہوگی۔ اس کا نام مناظرہ اور علمی گفتگو ہو گا پھر آپ کو یہاں آنے کا تکلف کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ صرف دن کا تعین اور گفتگو پر آمادگی تحریر کر کے بھیج دیں۔ اور نور پور کے علاوہ کسی اور جگہ کا بھی تعین کر دیں۔ آپ کی خدمت کے لئے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا۔ فرمائیے صاحب قبول ہے۔ آپ کے بزرگ یعنی اُستاد جن سے مشورہ کے لئے آپ کو جانا پڑا بقول آپ کے رقعہ رساں کے اگر وہ گفتگو کا شوق فرمائیں۔ تو میں بذات خود گفتگو کر سکتا ہوں۔ پھر نمائندگی کا سوال ختم ہو جائے گا۔ اب بجواب اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیں۔

عصمت اللہ عفی عنہ۔ قلعہ دیدار سنگھ

۷۔ حافظ عبد المنان صاحب:

جناب قاضی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا خیال ہے کہ اب سے دو تحریروں کے جواب میں بھی بڑی مشکل سے ہی جواب موصول ہوا کرے گا۔ پہلے آپ تحریر فرماتے تھے کہ ”جواب موصول ہوا ہے“ پھر آپ کہتے کہ ”جواب موصول ہوا“ اور اب تو ماضی بعید کی باتیں کر رہے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ ”آپ کی طرف سے ایک رقعہ موصول ہوا تھا۔ ان تحریروں سے آپ کے جواب دینے کی مہلت معلوم ہو رہی ہے کہ آپ میری تحریر کا جواب کتنے دنوں میں دیتے رہے ہیں۔ نہیں قاضی صاحب ایک رقعہ نہیں پہنچا۔ آپ کو دو رقعے پہنچ چکے تھے۔ بعد میں آپ نے بھی اقرار فرمایا ہے۔ اگر پہلے ہی لکھ دیتے کہ رقعے تو دو ملے ہیں تو کیا حرج تھا؟ ممکن ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو جسے آپ خود ہی جانتے ہیں۔ لیکن

اتنی بات ضرور ہے کہ اُن کا جواب اتنا آسان نہیں تھا۔ اس لئے تحقیق میں کافی وقت صرف ہوا ہوگا۔ پتہ نہیں دیو بند سے ہی رابطہ قائم کرنا پڑا ہوگا۔ آخر آٹھ دس دن میں آدمی یہ کام تو سرانجام دے ہی سکتا ہے۔ جناب نے جیسا کہ اقرار فرمایا ہے کہ ”جواب کا تکلف کر رہا ہوں“ حقیقت میں یہ تکلف ہی ہے۔ میری تحریروں کا قطعاً جواب نہیں۔ اور نہ ہی انشاء اللہ آپ سے جواب بن پڑے گا۔ ہاں اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ آپ خو کے خاصے دھنی ہیں۔ چنانچہ اب بھی نے اپنی منطقی خو کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ جو یہاں پر کارگر نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ آپ کے متعلق یہی کہنا پڑتا ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

کوئی بات نہیں۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

جناب! جوابات عرض کرنے سے پیشتر ایک گزارش کرتا ہوں۔ ویسے پہلے بھی آپ کو تسلی دی تھی۔ لیکن اب دوبارہ آپ کے اطمینان قلب کی خاطر لکھے دیتا ہوں۔ کہ آپ انجام کے بارے میں بالکل نہ سوچیں کہ اگر میں نے تسلیم کر لی تو شاید اقتدار میں کوئی فرق آنے کا احتمال ہوگا۔ یا مقلدین کی فہرست میں نام کہیں نیچے کی سطر میں نہ چلا جائے۔ میں نے اس سے پیشتر بھی کہا تھا کہ آپ مقلد ہی رہیں گے۔ مجتہد نہیں بنیں گے۔ آپ نے یہ طویل تحریر بھیج کر اپنی ذہنی تسکین مہیا کرنے کی کوشش تو کی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ ایسی ویسی باتیں جو آپ نے لکھی ہیں ان سے قطعاً کوئی سوال حل نہیں ہوا۔ جو اس سے پیشتر آپ سے پوچھے گئے تھے۔ اور نہ ہی ایسی باتیں بنانے سے میں تراویح سنت ثابت ہو سکیں گی۔ اگر آپ اس بات پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ حق کو تسلیم ہی نہیں کرنا، بلکہ جو حق بات ہماری مرضی کے موافق ہوگی وہی قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ پھر تو آپ کے بارے میں یہی کہنا پڑے گا۔

دین کو نفس کی خواہش کے مطابق ڈھالو

ان کا مقصد ہے یہی فہم و فراست والو

(۱) آپ نے تو اتنی باتیں لکھ دی ہیں اور مجھے علمی معیار پر بھی آزار ہے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک صحیح علمی معیار یہی ہے کہ قیام رمضان کو صلوٰۃ تراویح تسلیم نہ کیا جائے۔ جناب کے اس رقعہ کے ایک جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیام رمضان اور صلوٰۃ تراویح کو الگ الگ نمازیں خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جملہ یہ ہے۔ کہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں۔ البتہ آپ کے اسی رقعہ کے دو اور جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ تراویح پر قیام رمضان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دو جملے یہ ہیں:-

(۱) ”جو اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قیام رمضان کے بارہ میں نہ ذکر کے اور صلوٰۃ تہجد وغیرہ سے متعلق ابواب میں ذکر کر کے سمجھا رہے ہیں... الخ“۔

(۲) ”نہ اس میں صلوٰۃ تراویح کا لفظ نہ ہی قیام رمضان کا“۔

دیکھئے جناب ان دونوں جملوں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ کے ہاں صلوٰۃ تراویح پر قیام رمضان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ ہی جو ان جملوں سے چند سطور پہلے یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ”گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں“۔ تو واقعی آپ کو اس تضاد بیانی کی داد دینی چاہیے۔ شاید آپ تو اسے بھی علمی معیار سے ہی تعبیر فرماتے ہو گئے۔ بہت خوب!

مزید برآں یہ کہ اگر ہم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث استدلال میں پیش کریں۔ تو آپ فرمائیں کہ اس میں تو صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہی نہیں۔ تو بتائیے جناب آپ کی پیش کردہ حدیث باوجود یکہ مجہول السند ہے۔ کیا صلوٰۃ تراویح کے لفظ پر مشتمل ہے؟ نہیں جناب نہیں۔ تو بتائیے آپ کا استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اگر ہم کہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو قیام رمضان کے باب

میں ذکر فرمایا ہے۔ تو جناب یوں گویا ہوں! ”کہ اس حدیث کا قیام رمضان کے باب میں مذکور ہونا اس کے صلوٰۃ تراویح کے بارے میں ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے۔ نہ قیام رمضان کے بارہ میں۔“ تو جناب بتائیے آپ کی پیش کردہ مجہول السند موہوم حدیث کا قیام رمضان کے باب میں مذکور ہونا ”جب کہ صلوٰۃ تراویح کا لفظ بھی اس میں موجود نہیں“ کیونکر تراویح پر دلالت کر سکتا ہے؟ کیا جب اپنی باری آئے تو گفتگو کہیں قیام رمضان کے بارہ میں تو نہیں ہو جاتی۔ خیر وہ اپنی بات ہے۔ ٹھیک! علمی معیار پر بہت خوب۔ دراصل بات یہ ہے قاضی صاحب کو اپنی عمارت چوراہے پر گرتی نظر آرہی ہے۔ اس لئے انہیں ایسے تکلفات برداشت کرنے میں بھی باک نہیں۔ جناب میری ماننے اور اپنے بزرگ محترم قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی طرح فرمادیجئے کہ ”آٹھ رکعت سنت ہیں“ تاکہ ان تکلفات سے تو کم از کم آپ کو نجات مل جائے۔

اچھا! اگر واقعی آپ کا یہی نظریہ ہے کہ گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں تو بتائیے کہ حضور ﷺ نے قیام رمضان کس وقت کیا؟ اور تراویح کس وقت ادا فرمائیں؟ اور رمضان المبارک میں حضور نے تہجد کس وقت پڑھی؟ پھر تینوں کی کتنی کتنی رکعتیں تھیں؟ اگر آپ میرا یہ سوال حل کر دیں تو میں آپ کا از حد ممنون ہوگا۔ نیز ان تینوں کی باہم دیگر نسبت بھی تحریر فرمادیں۔ تاکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ بے شک آپ اسے فقہیانہ انداز میں پیش فرمائیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) آپ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری سے علامہ قسطلانی کا قول نقل فرمایا ہے۔ جسے شاید آپ نکتہ دقیقہ عجیبہ سمجھے بیٹھے ہیں وہ یہ کہ ”حَمَلَهُ أَصْحَابُنَا عَلَى الْوُفْرِ“ کہ اس حدیث عائنہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں.... الخ۔

اولاد دیکھئے جناب! آپ وتر کا معنی صلوٰۃ تہجد بتلا رہے ہیں۔ حالانکہ وتر آپ کے ہاں صرف تین ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے۔ جناب آپ کے ہاں گیارہ رکعت وتر بننے کی گنجائش ہے؟

ثانیاً۔ وتر حنفی مسلک کے مطابق تو واجب ہیں۔ بتائیے یہ گیارہ رکعت بھی آپ واجب ہی سمجھتے ہیں۔

ثالثاً۔ کیا وتر اور تہجد آپ کے ہاں یعنی حنفی مذہب میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟ اگر نہیں تو آپ کا ترجمہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

رابعاً۔ اگر فقط وتر کا اطلاق صلوٰۃ تہجد پر ہو سکتا ہے تو صلوٰۃ تراویح پر لفظ وتر کے مطلق ہونے سے کون سا مانع ہے؟ ہو سکتا ہے جملہ اصحابنا علی الوتر کا ترجمہ یہ ہو کہ اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تراویح پر حمل کرتے ہیں۔ کیونکہ امام محمد بن ہمام ملا علی قاری رحمہ اللہ علامہ عینی رحمہ اللہ، انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ بھی تو آخر اصحابنا سے ہی شمار ہیں۔ جو گیارہ رکعت کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔ یا پھر آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ حضرات اصحابنا سے خارج ہیں۔ امکان ہے کہ آپ کے ہاں ملک بشیر احمد صاحب، ماسٹر نصر اللہ صاحب، مولوی عباس صاحب اصحابنا میں سرفہرست ہوں۔ کیونکہ یہ بچارے بھی آخر حنفی ہی ہیں نا۔ کوئی بات نہیں! اچھا مولانا بتائیے؟ کہ امام محمد رحمہ اللہ ابن ہمام رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ علامہ عینی رحمہ اللہ، انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ پر اصحابنا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تو بتائیے اس کا اطلاق کن کن رجال پر ہے؟ پھر آپ فرما رہے ہیں ”اب جناب یہ لفظ اصحاب جمع ہے۔ (واقعی لفظ اصحاب کی جمعیت آپ ہی نے بتائی ہے بھلا اصحاب کی جمعیت کسی کو معلوم تھی؟ یہی تو علمی معیار ہے) اور آپ کی انفرادی رائے پیش کر رہے ہیں دیکھئے جناب یہ کوئی انفرادی رائے ہے۔

(۳) باقی قاضی صاحب آپ نے میرے مسلک پر تو اعتراض کر لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تمام عمر یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ ہمارے نزدیک تو تقلید

ناجائز ہے۔ یہ جمود تقلید آپ ہی کو مبارک ہو میں نے تو آپ سے آپ کے گھر کی باتیں ہی کہی تھیں۔ مجھے کیا خبر کہ آپ اپنے گھر سے بھی نالاں ہیں۔ مجھے تو اور فکر لاحق ہو رہی ہے کہ کہیں قاضی صاحب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کو بھی خیر باد نہ کہہ دیں۔ سنت نبوی سے تو آپ کو پہلے سے ہی اعتراض ہے اور اب فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے بھی منحرف ہو رہے ہیں۔ آپ کو اب کوئی نئی راہ نظر آئی ہے اور اپنے علم پر فخر و ناز بھی اس قدر ہے کہ بار بار مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ ”تو اپنے اساتذہ کو سامنے کر دے“ ”تو جاہل ہے“ تیرے بزرگوں سے گفتگو میں خود کروں گا۔ واقعی آپ داد کے مستحق ہیں۔ اور خوب داد لیجئے۔ کہ میرے متعلق ہی جاہل جاہل کی رٹ لگا رہے ہو ”عجب داننا مجتہد ہو“ ہو سکتا ہے کہ کسی اصول فقہ کی کتاب میں آپ نے پڑھ لیا ہو۔ کہ جاہل کو مجتہد بھی کہا جاسکتا ہے۔ امکان ہے کہ آپ کے علم منطق میں جاہل و مجتہد میں تساوی کی نسبت ہو۔ (العجب)

آپ نے اپنا تمام تر زور قلم صرف اس جملے پر صرف کر دیا۔ کہ یہ لکھ دیا۔ ”کہ تیری خدمت کے لیے وہاں ہی ہمارا کوئی شاگرد حاضر ہو جائے گا“ آپ کے نزدیک یہی انصاف کا معیار ہے۔ کہ تحریری گفتگو مجھ سے ہے اور زبانی گفتگو کے لیے آپ بڑے بڑے عالموں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ اور میں یہ اختیار آپ کو دیتا ہوں کہ مسئلہ نزاع کا تعین اور جگہ کا تعین کر لیں۔ اور میں بذات خود آپ کی خاصی خدمت کروں گا۔ اور تحریری طور پر تو یہ خدمت سرانجام دے ہی رہا ہوں آپ ذرا جرات کر کے تو دیکھئے۔ لیکن اگر اسی طرح آپ نے ٹالنے کی کوشش کی تو پھر یہی کہا جائے گا۔

دل کو تیرے انداز ہی محبوب رہے ہیں

بار بار میرے بزرگوں کو بالواسطہ چیلنج دینے سے آپ کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ اگر جرات ہے تو ان سے کہہ کر تو دیکھیں۔ ابھی تو مجھ سے خلاصی کرائیں

ورنہ میرے اساتذہ کے سامنے تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند، بھی تاب نہیں لاسکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بھلا قرآن و سنت کے مقابلہ میں یہاں اوروں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ ابھی تو میں نے چند آئمہ احناف رحمہم اللہ کے اقوال ہی درج کئے ہیں اور تمام پشتیں آپ تک لانی تھیں۔ کہ آپ نے صرف اتنا لکھ دینا کافی سمجھا کہ ”آئمہ احناف رحمہم اللہ کے اقوال درج کرنا آپ کو زیبا نہیں“ قاضی صاحب! اپنے علم پر اتنا ناز مت کرو ابھی تک آپ کو اصول مناظرہ کی کتاب رشیدیہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ قاضی صاحب یہ تو فرمائیے کہ خصم کے سامنے اس کے مسلمات پیش کرنا آپ کے علم مناظرہ میں قول و عمل کے تضاد سے موسوم ہے۔ آپ نے رشیدیہ کا مطالعہ کیا ہوتا۔ تو اس قدر شیع غلطی نہ کرتے۔ آپ حضرات کو فنون علم پر فخر تو بہت ہے اور گل یہ کھلائے جا رہے ہیں آپ کا تو یہی حال ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

(۴) قاضی صاحب! واقعی آپ پتے کی بات کرتے ہیں۔ مجھے تو کہہ رہے ہو کہ تم نے فقہاء احناف کے اقوال کیوں پیش کئے ہیں۔ ابھی تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ صرف فقہاء احناف آئمہ احناف ہی نہیں بلکہ تمام علماء احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ آنحضورؐ کی تراویح گیارہ رکعت ہی ہے ہم سے تو یہ کہہ دیا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ، ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ کی کیوں بات پیش نہیں کرتے۔ لیکن آپ ان لوگوں کو کیا کہیں گے جن کو حنفیہ کا جامہ پہنایا ہوا ہے۔ کہ آئمہ احناف نے غلط سمجھا تھا۔ اور علماء احناف بھی غلطی پر ہیں۔ میں نے تو اسی لیے آئمہ احناف کے اقوال درج کئے ہیں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک صرف فقہاء احناف ہی مسلم ہیں۔ اگر آپ کے مسلمات میں محدثین ہوتے (امام ترمذی رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ، ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ) تو قیام رمضان اور تراویح کو الگ الگ کیوں خیال کرتے۔ صرف اور صرف آپ ہی کی تسکین کے

لیے آئمہ احناف کے اقوال پیش کئے تھے۔ کیونکہ جتنا اعتماد آپ لوگوں کو آئمہ احناف کے اقوال پر ہے۔ اتنا اعتماد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و اعمال پر شاید ہی ہو۔ اس بات کا پتہ تو آپ کی پہلی تحریر سے ہی چل جاتا ہے۔ چنانچہ آپ اس میں رقمطراز ہیں۔ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ ”جناب نے اتنی جرأت بھی نہ کی کہ حدیث کا ابتدائی حصہ (علیکم بسنتی) کا بھی ترجمہ ہی کر دیتے۔ کیونکہ وہ بھی فرمان نبوی ہے۔ اور یہ آئمہ کا عشق نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ آپ کی نظروں سے علیم بسنتی کا لفظ ہی اوجھل ہو گیا۔ اچھا! اب معلوم ہوا کہ آپ ایسا بھی کر لیا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے عمل پر تو آپ کڑی نظر سے تنقید کریں۔ اور پھر قول و عمل جو آئمہ احناف کے ہوں کم از کم ان پر سنت کا ناجائز لیبل لگانا تو چھوڑ دیجئے۔ اگر حضور ﷺ کا عمل آپ کے سامنے پیش کروں تو آپ کہہ دیتے ہیں۔ میں نہ مانوں۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امر آپ کے سامنے پیش کریں تو آپ فرمادیں۔ میں نہ مانوں۔ آئمہ احناف کے اقوال پیش کریں۔ تو آپ یوں گویا ہوں کہ میں نہ مانوں۔ تم انہیں کیوں پیش کرتے ہو۔ تو پھر آپ خود ہی بتائیے کہ آپ کے مرض ”میں نہ مانوں“ کا علاج کوئی ہے بھی یا نہیں۔ تاکہ اُس طرح آپ کی تسلی کی جائے۔ افسوس کہ اس مرض پہ تو تقلید جیسا بے نظیر نسخہ (بزعم شما) بھی کارگر نہ ہو سکا اجتہاد سے تو آپ پہلے ہی بدک رہے ہیں۔

جناب اس چار ورق کی مطول بلا طائل تحریر میں رقمطراز ہیں۔ جب میں آپ کے بزرگوں کے ساتھ گفتگو کو ترجیح دیتا ہوں تو آپ کا علمی معیار واضح ہونے پر دے رہا ہوں فرمائیے حضرت صاحب! کہ جو ابتدائے رمضان سے آج تک میرے ساتھ مکالمہ کرتے رہے ہیں۔ کیا اسے آپ گفتگو نہیں سمجھتے اور اس دفعہ کی چار ورق کی تحریر بھی گفتگو سے خارج ہے کیا یہ قول و عمل کا توافق ہے؟ چہ خوب۔

ایک وقت تھا کہ حضرت صاحب بیس رکعت کو خلفاء راشدین کی سنت

بتلا رہے تھے۔ اور اب یوں ترمیم کی ہے کہ یہ صحابہ کی سنت ہے اچھا! اُن صحابہؓ کے نام بتلا دیجئے؟ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے برعکس بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ یہ بیس رکعت نماز جو لوگ پڑھا کرتے تھے یہ کونسی نماز تھی۔ یہ رمضان میں تھی یا غیر رمضان میں؟ دن کی تھی یا رات کی؟ آپ کی عبارت سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نماز کونسی تھی۔ اور کن دنوں کی تھی اور کونسے خلیفہ کی سنت تھی؟ اور کیسے! یہ امر بھی وضاحت طلب ہے۔ اور یوں بھی وضاحت فرمائیے کہ اس میں قیام رمضان کی بجائے صلوٰۃ تراویح کا لفظ ہو۔ کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ ”گفتگو صلوٰۃ تراویح کے بارہ میں ہے نہ کہ قیام رمضان کے بارہ میں“ اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی سند صحیح کرنے کی سعی فرمادینا۔ اُمید ہے کہ اب آپ اتنی لمبی خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔ کہیں مجھے یہ نہ کہنا پڑے ع

منہ سے کچھ بول کہ اب ضبط پہ قابو نہ رہا

آپ غلط فہمی میں ہیں۔ اور نہ ہی یہ خیال کرتے ہیں کہ کہیں یہ طعنہ زنی نہ ہو۔ اور بہتان تراشی بھی تو آپ کے ہاں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ میں نے کب مسجد میں یہ اقرار کیا تھا کہ ”ہم نہ مناظرہ کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی تحریر کو جاری رکھیں گے“ آپ کو تو اللہ عظیم نے یہ مقام عطا کیا ہے اگر آپ دن کو رات سے تعبیر کر دیں تو یہ باور کرنے والے بھی موجود ہیں۔ ماشاء اللہ۔ ٹھیک! کیونکہ میری دلیلیں حقائق پر مبنی تھیں۔ اور سوال نہایت قوی تھے۔ جن کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں اور نہ ہے۔

مجھے آپ تک پہنچنے والی روایت کے راویوں پر بھی اعتراض ہے۔ کہ انہوں نے بھی کیسی کیسی گل افشائیاں کی ہیں۔ حالانکہ میں نے اُن سے کہا تھا کہ جیسا قاضی صاحب مناسب سمجھیں گے میں دیا ہی کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کے ایجاب کی بھی داد دینی چاہیے۔ ورنہ یہ تینوں راوی (ماسٹر اللہ صاحب۔ ملک بشیر احمد صاحب اور مولوی عباس صاحب) اس لائق ہیں کہ ان سے پوچھا جائے کہ صاحب ترے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

خیر یہ باتیں مجھے اس لئے کہنا پڑی ہیں تاکہ آپ ان اُلجھنوں میں اصل مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ بلکہ ناقدانہ پہلو کو چھوڑ کر حقیقت کی تلاش کریں۔ ورنہ ابھی تک تو آپ کی حالت یہی ہے۔

تو کیوں حدیث کو سمجھا مسائل نظری
تری نظر میں ہے قرآن بھی ایک دستاویز
اسی کے نطق کا اُم الکتاب ہے نغمہ
کہ جس نبی کے فرمان سے تجھے پرہیز
تو کر رہا ہے حقائق قیاس پر محمول
تیرے قلم کی جسارت ہے کتنی مضحکہ خیز

آج ان سوالات کے علاوہ پہلے سوالات جن کے ابھی تک آپ نے جوابات دینے کی کوشش ہی نہیں کی وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تراویح آٹھ رکعت ادا کی یا بیس رکعت؟
- (۲) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی نماز پوچھی تھی؟ اس سوال کو جو آپ نے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں آپ کو مسلم ہے کہ سوال میں ”فی رمضان“ کا لفظ موجود ہے۔ اس میں وہ رات کی نفلی نماز تھی۔ جناب یہی نفلی نماز جو آنحضرت ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ادا کی۔ اور جس کے متعلق حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔ اُس نماز کا نام بتائیے؟

(۳) کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟

- (۴) کیا امام محمد رحمہ اللہ ابن ہمام رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا درست ہے؟

(یہ سوال اس جواب کا مطالبہ کرتا ہے کہ آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آئمہ نے غلط کہا ہے یا صحیح؟ اور آپ کی تاویل اور اعتراضات کا جواب بھی دے دیا گیا ہے)

(۵) خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کون سے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟ (آپ کو بتا دیا جاتا ہے کہ خلفاء راشدین صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا ہے۔ اور ان چاروں میں سے آپ لوگ کس خلیفہ پر الزام وارد کرتے ہیں۔ کہ فلاں خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور بتائیے خلیفہ المسلمین پر الزام لگانے والا کون ہوگا؟ یہ تو صحیح حدیث پر تنقید کرنے سے آسان ہے)

(۶) سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں بسند صحیح موجود ہے۔ آپ اپنی حدیث بھی تو مع سند و توثیق رجال درج کریں؟

(ہاں آپ جس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بیس رکعت تراویح خلفاء کی سنت ہے۔ اسے منظر عام پر کیوں نہیں لاتے۔ کیا اس صحیح کو بتانے کے لئے بھی جرأت کی ضرورت ہے؟)

اچھا! آخر میں ایک گزارش ہے کہ مسئلہ کو مسئلہ سمجھ کر بات کریں۔ آپ کا مقصود صرف تحقیق حق ہونا چاہیے۔ آپ ناقدانہ پہلو کی بجائے ان سوالات کے جوابات میں زور قلم آزمائیے۔ جس روز مجھے یہ رقعہ ملا ہے اسی دن آپ کے رقعہ رساں بھی ایک رقعہ لے گئے تھے۔ اور وعدہ کیا تھا کہ اس کا جواب کل مل جائے گا۔ وہ کل کب آئے گی؟ جناب کہیں تھک کر انہی لفظوں پر نہ آ جانا کہ خود کہہ انھیں نہ

بھید تقلید کا تدبیر سے پاہی نہ سکے

بات بگڑی ہوئی اپنی تو بنا ہی نہ سکے

نوٹ: جناب آپ کا پانچواں رقعہ اس وقت موصول ہوا جبکہ پمفلٹ چھپ چکا

تھا۔ لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اُنہوں نے میرے رقعہ کو شائع کیوں نہیں کیا۔ اگر کچھ کہنا ہو تو اپنے آپ کو ہی کہہ لیجئے۔ کیونکہ جواب دیر سے بھیجنے والے تو آپ ہی ہیں۔ ہمارا اس میں کیا قصور؟ البتہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے جب پانچویں تحریر کا جواب نہ دیا تو بندہ نے کئی دن کی انتظار کے بعد یہی سمجھا کہ قاضی صاحب تو بالکل خاموش ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کو چھٹی تحریر بھیج دی گئی۔ لیکن وہ پڑھ کر بھی آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تو بندہ نے پھر ”جواب ندارد“ تو کہنا ہی تھا۔ ادھر لوگ مجبور کرنے لگے کہ اس تحریری گفتگو کو ہم تک بھی پہنچنا چاہیے۔

لہذا جماعت نے فیصلہ کیا کہ اسے شائع کر دیا جائے۔ حضور! آپ کا رقعہ پمفلٹ کی چھپائی کے دو یوم بعد موصول ہوا۔ وگرنہ خیانت والی کوئی بات نہیں۔ آپ گھبراہٹ میں نہیں، ہم اسے دوسرے ایڈیشن میں شائع کر دیں گے۔ انشاء اللہ

فقط والسلام

عبد المنان بن عبد الحق نور پوری



آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کے دلائل

اور اعتراضات کے جوابات:

دلائل بیان کرنے سے قبل مناسب ہو گا کہ سنت کا شرعی مفہوم ذکر کیا جائے۔ تاکہ زیر بحث مسئلہ کو علی وجہ البصیرت سمجھا جاسکے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَعْنَاهَا شَرْعًا أَيُّ فِي إِصْطِلَاحِ أَهْلِ الشَّرْعِ فَهِيَ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَعَلَهُ وَتَقَرُّرُهُ. (ارشاد الخول صفحہ نمبر ۳۳ مطبوعہ مصر)
”اور لیکن اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا معنی تو وہ نبی کریم ﷺ کا قول، عمل اور تقریر ہے۔“

آنحضرت ﷺ کا قول آپ کا عمل اور آپ کی تقریر بھی سنت ہے۔ قول و عمل سے تو آپ لوگ واقف ہیں۔ تقریر سے مراد ہماری عرفی تقریر نہیں۔ بلکہ تقریر کا مفہوم اس جگہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا کسی سے سرزد شدہ عمل پر مطلع ہونے کے بعد سکوت فرمانا۔ تقریر نبوی سے ثابت شدہ عمل بھی بالاتفاق سنت ہے۔ اصول فقہ کی معتبر و مستند کتاب تلوت میں ہے:-

وَهِيَ فِي اللُّغَةِ الطَّرِيقَةُ وَالْعَادَةُ وَفِي الإِصْطِلَاحِ فِي الْعِبَادَاتِ النَّافِلَةِ وَفِي الْإِدْلَةِ وَهُوَ الْمُرَادُ هَهُنَا مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَيْرَ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقَرُّرٍ.

(تلوت جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲ سے مطبوعہ مصر)

”اور سنت لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں نقلی

عبادات اور ادلہ کے مسائل میں سنت وہ امر ہے۔ جو قرآن کے سوا
آنحضرت ﷺ سے صادر ہو خواہ قول ہو اسے حدیث کا نام دیا جاتا ہے
یا فعل ہو یا تقریر۔

سنت کا مفہوم تو آپ سمجھ گئے کہ آنحضرت ﷺ صادر شدہ قول، فعل اور تقریر کو کہتے
ہیں۔ اب ذرا سنت نبویہ سے روگردانی اور بے رغبتی کرنے والے حضرات کے متعلق
آنحضرت ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

”جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

ان متذکرہ بالا باتوں کو ذہن میں رکھئے اور اصل مسئلہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

پہلی دلیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ كَيْفَ
كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً يُصَلِّي
أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسَيْنٍ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ
عَنْ حُسَيْنٍ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنَّمَا قَبْلُ أَنْ تُوتَرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنِي تَنَامُ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

(بخاری صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱ مسلم صفحہ نمبر ۲۵۴ جلد نمبر ۱ موطا مالک صفحہ نمبر ۱۰۲ ابوداؤد صفحہ

نمبر ۱۳۳ جلد نمبر ۱ ترمذی صفحہ نمبر ۵۸۷۹۷ جلد نمبر ۱ نسائی صفحہ نمبر ۲۰۰ جلد نمبر ۱ سنن الکبریٰ

للیمینی صفحہ نمبر ۳۹۶ جلد نمبر ۲ موطا امام محمد)

ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد کو بتایا کہ اس نے

۱۔ اور اس جگہ بھی مراد ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز کیسی تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ چار رکعت پڑھتے تو اُن چار رکعت کی طوالت و خوبی نہ پوچھ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا۔“ اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں تو سوجاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محدثانہ و فقہانہ مقام سے کون نا آشنا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ پھر پیغمبر خدا ﷺ کے حالات سے بھی وہ خوب آگاہ تھیں۔ خصوصاً شب کے حالات تو شاید ہی کوئی اُن سے بڑھ کر جانتا ہو گا۔ مزید براں یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی متذکرہ بالا حدیث مندرجہ بالا آٹھ کتابوں کے علاوہ اور بھی کتب حدیث میں موجود ہے۔ اور اس کے مرفوع اور صحیح ہونے میں دُنیا کے تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ نیز یہ فعل مرفوع تصریحی حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی رمضان میں نفلی نماز دریافت فرمائی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انھیں جواب دیا۔ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔“

اس حدیث میں یہاں پر دو غور طلب سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال کوئی نماز کے متعلق تھا۔

۲۔ آیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے سائل کا سوال حل ہو گیا؟

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوال کی عبارت یہ ہے؟ كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی تھی؟ یہاں یہ معاملہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کے سپرد کر دیتا ہوں۔ قاضی صاحب کو تسلیم ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال رات کی نماز کے متعلق تھا دن کی نماز کے متعلق نہیں۔ اسی طرح قاضی صاحب مدظلہ العالی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال نفلی نماز کے متعلق فرضی کے متعلق نہیں۔ ماشاء اللہ۔

قاضی صاحب اور دو باتوں کو تسلیم فرما چکے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال رات کی نماز کے متعلق تھا اور نفلی نماز تھی۔ رہی تیسری بات کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال آنحضرت ﷺ کی سارے سال کی نماز سے تھا یا کسی ایک خاص مہینے کی نماز کے متعلق۔ تو جناب سے گزارش کروں گا کہ وہ ایک بار پھر سوال کی عبارت پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ.

پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی تھی؟ یہاں پر یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی سارے سال کی نماز نہیں پوچھی۔ بلکہ صرف رمضان المبارک کی نماز پوچھ رہے ہیں۔ سوال کے الفاظ ”فی رمضان“ آپ کے یقین میں اضافہ کر رہے ہیں۔ کہ واقعی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی صرف رمضان المبارک ہی کی نماز پوچھی ہے۔ سوال نہ ہی سارے سال کی نماز کے متعلق ہے اور نہ ہی رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے کے متعلق۔ اب قاضی صاحب کی دونوں مسئلہ باتوں کے پیش نظر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال یوں ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کی رمضان میں رات کی نفلی نماز صلوٰۃ التراویح ہی ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کی اس نفلی نماز کے متعلق پوچھا تھا۔ جو رمضان المبارک سے مخصوص ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح ہی کے متعلق پوچھا تھا۔ کیونکہ یہاں پر وہ رمضان کی تخصیص فرما رہے ہیں۔ ایک دفعہ پھر غور

کیجئے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کی نماز پوچھی تھی۔ مراد نفلی نماز تھی۔ اور رمضان المبارک کے مہینہ کی نماز تھی۔ اب آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز صلوٰۃ التراويح ہی تھی۔ البتہ اب قاضی صاحب ایسے فاضل بزرگ سے پوچھنا ہوگا کہ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی رمضان میں رات کی نفلی نماز پوچھی تھی۔ اور ساتھ ساتھ یہ رٹ بھی لگاتے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز تراویح نہیں۔ کوئی اور نماز مراد ہے۔ تعجب بالائے تعجب اس لیے ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سوال کردہ نماز تہجد کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ سوال میں رمضان کا لفظ آچکا ہے۔ اور تہجد صرف رمضان سے مخصوص نہیں۔

ان کا معاملہ وہی ہے۔

ایں چہ ابوالعجی است

منہ میں جو آتا ہے فی الفور کہہ دیتے ہیں
بات کہنے کی نہیں اور کہہ دیتے ہیں

آپ نے جائزہ لے لیا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال صرف نماز تراویح کے متعلق ہی تھا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے سائل کا سوال حل ہو گیا؟ تو قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کے الفاظ یہ ہیں۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً.... الخ.

”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔“

غور کیجئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو دو باتیں بتلائیں:

۱۔ کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے

اور یہی بات حضرت ابوسلمہ کے سوال کا جواب ہے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعت سے زائد کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سوال سے زائد ہے اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کمال فراست ہے کہ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر اسے صرف رمضان کی نماز بتاؤں تو ہو سکتا ہے کہ یہ پھر غیر رمضان کی نماز کے متعلق سوال کر دے۔ اس لئے بہتر یہ سمجھا کہ رمضان اور غیر رمضان کی نماز ایک ساتھ ہی بتادی جائے۔ تاکہ دوبارہ دوسرے سوال کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو غیر رمضان کی نماز بھی بتلا دینا وسعت فراست ہے۔ اس سے حضرت ابوسلمہ کے سوال حل ہونے میں کوئی نقص وارد نہیں ہوا۔

قارئین! آپ غور فرما چکے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سوال صلوٰۃ التراويح کے متعلق ہی تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ کو آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح بھی بتلائی کہ وہ گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اور یہ بھی بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نفلی نماز غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح بمعہ وتر گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اور گیارہ رکعت نماز تراویح وتر سمیت ہی آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ کیونکہ یہ آپ کا عمل ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا عمل بالاتفاق سنت ہے کیونکہ ۔

پیغمبر کا عمل خود حکم شرعی کے برابر ہے

اسی نکتے پہ اوّل روز سے اجماع امت ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی متذکرہ بالا صحیح مرفوع تصریحی حدیث سے

ثابت ہوتا ہے کہ گیارہ رکعت نماز تراویح بمع وتر آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

برادران من! غور کیجئے کہ ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا متذکرہ بالابیان کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک میں بھی گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ دوسری طرف دیوبندی مقلدین کا تجزیہ یہ ہے دعویٰ یوں ہوتا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ہی نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور اقرار یوں بھی فرمالیتے ہیں۔ کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں“۔ اب نہ معلوم اقرار کے بعد بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ کی رٹ کیوں لگائی جاتی ہے ”اقرار“ کو پس پشت ڈال کر دعویٰ کرنا ان لوگوں کا شعار بنا ہوا ہے۔

رحمت حق نے لیا ڈھانپ صدا دے دے کر

کس ادا سے کیا اقرار گنہگاروں نے!

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے دعویٰ کو سچ کرنے کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح مفہوم میں تحریف کرنا پڑتی ہے۔ قاضی صاحب کو بھی قرآن و حدیث پر کچھ گلا ہے کہ وہ اس قدر واضح کیوں ہیں۔ چنانچہ ایڑی چوٹی کے زور سے یہی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن و سنت کسی طرح ان کے دعویٰ کی تائید کر دیں۔ قرآن و سنت پر جب اعتراض ہوتا ہے تو گویائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اب قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں شکایات کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔ اُن کا اعتراض درج کرنے سے پیشتر سوچتا ہوں ۔

مشفق لکھوں، شفیق لکھوں، دلربا لکھوں؟

حیرت میں ہوں کہ آپ کے القاب کیا لکھوں

قاضی صاحب مدظلہ العالی کا اعتراض:

فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تراویح کا ذکر نہیں ہوا۔ علامہ قسطلانی شافعی فرماتے ہیں: حَمَلَهُ أَصْحَابُنَا عَلَى الْوُقُوفِ کہ حدیث عائشہ کو ہمارے اصحاب صلوٰۃ تہجد پر حمل کرتے ہیں۔ حدیث عام ہے۔ اور دعویٰ خاص۔

پہلا جواب:

۱۔ مذکورہ بالا اعتراض کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھا کرتے تھے اس لئے قاضی صاحب سے یہ توقع کی جائے گی کہ وہ پہلے آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا ثابت کر دیں اور تب یہ اعتراض ہو سکے گا۔

دوسرا جواب:

۲۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ ہونے پر ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا نہیں ملتا۔ اس معاملہ میں قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَثْبُتْ فِي رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيحُ
وَالْتَهَجَّدَ عَلَى حِدَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف اٹھدی)

اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔ لہذا یہ اعتراض ساقط ہوا۔

تیسرا جواب:

نوٹ: قاضی صاحب جب تک بقید حیات ہیں۔ اگر آنحضور ﷺ کا رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا ثابت کر دیں۔ تو خاطر خواہ بلکہ منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

تیسرا جواب:

۳۔ قاضی صاحب مدظلہ العالی کو یہ بھی اعتراض ہے کہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں وارد شدہ لفظ ”غیر رمضان“ کیوں ہے؟ اس اعتراض کی بنیاد لفظ ”غیر رمضان“ پر رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں لفظ ”غیر رمضان“ آ جانے سے یہ

لازم تو نہیں آتا کہ اس حدیث میں رمضان کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی رمضان کی راتوں کی نفل نماز اور رمضان کے علاوہ دیگر راتوں کی نفل نماز کا ذکر ہے۔ کہ وہ گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ اب نہ معلوم قاضی صاحب کو اپنے مفاد کی اتنی کیوں فکر ہے کہ اول الذکر نماز کو محض مفاد کے پیش نظر درخور اعتناء نہیں سمجھ رہے۔ یا پھر اس مصرع کا مصداق بننا چاہیں گے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

چوتھا جواب:

۴۔ قاضی صاحب کے زعم کے مطابق آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح میں رکعت ہے۔ اور آپ کی رمضان المبارک میں صلوٰۃ تہجد گیارہ رکعت ہے۔ تو قاضی صاحب کے ہاں آنحضرت ﷺ کی رمضان کی راتوں میں ادا کردہ کل نفل نماز میں جمع گیارہ اکتیس رکعت ہوئی۔ یہ بھی کیسا طرفہ ہوا۔ حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان کی راتوں میں کل نفل نماز گیارہ رکعت سے زائد نہ تھی۔ یہاں پر یہی کہنا پڑے گا۔

زار چشم بصیرت کھول کر دیکھو مسلمانو!

یہ اعجاز پیغمبر ہے حدیث خاتم المرسل

ناظرین آپ خود فیصلہ کیجئے کہ قاضی صاحب کے مقلد بننا چاہتے ہیں۔ یا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کو اپنانا چاہتے ہیں۔ اطمینان سے سوچنے پر مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

پانچواں جواب:

۵۔ یہ بات تو واضح ہوگئی ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح ہی پوچھی تھی۔ ورنہ انہیں ”رمضان“ کو مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں تراویح کا نام و نشان تک نہیں۔ غور فرمائیے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی پر کہیں ناروا حملہ تو نہیں۔ یہاں پر قاضی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ مجبور ہیں اور آپ سے باہر ہو رہے ہیں۔ تو اپنے کسی حریف کو برا بھلا کہہ کر پیدا شدہ تاثرات کو زائل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تو ”سوال گندم جواب چٹا“ کا مصداق نہ بنائیں۔ مومنوں کی ماں کا کچھ تو احترام کریں۔ ایسی جسارت آپ کے شایان شان نہ ہوگی۔ آپ ایسی کج فہمی سے پرویزیت کو فروغ مت دیجئے گا۔

چھٹا جواب:

۶۔ قاضی صاحب نے علامہ قسطلانی شافعی کا قول نقل فرمایا ہے ”حملہ اصحابنا علی الوتر“ ہمارے اصحاب حدیث عائشہ کو تہجد پر حمل کرتے ہیں۔ اب قاضی صاحب کو اپنا دعویٰ سچ کرنے کی خاطر حقیقت سے فرار ہونا پڑا۔ اور شافعی کا جامہ پہننے کی سعی رہی۔ میں ان کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ مجتہد نہیں۔ مسلم الثبوت میں ہے۔ وَأَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنْدَهُ قَوْلُ مُجْتَهِدِهِ لَا ظَنُّهُ وَلَا ظَنُّهُ صَفْحِہٖ نمبر پانچ یعنی مقلد کا مستند اس کے مجتہد کا قول ہے۔ جس کی وہ تقلید کرتا ہے۔ اب قاضی صاحب کو اپنے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے کوئی قول نقل کرنا چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تہجد پر محمول ہے۔ علامہ قسطلانی کا قول ان کے لیے سند نہیں ہو سکتا۔ قاضی صاحب ۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ساتواں جواب:

۷۔ فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب قدوری کنز الدقائق صفحہ نمبر ۵۳ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۱۹۹ جلد نمبر ۱۱ اور ہدایہ کالقرآن عند مقلدی الغمان رضی اللہ عنہ صفحہ نمبر ۱۴۲ جلد نمبر ۱ ہے۔

”الْوُتْرُ ثَلَاثٌ رَكَعَاتٍ“ وتر تین رکعت ہیں۔ لفظ ثلاث (تین) اہم عدد ہے اور اپنے مفہوم میں خاص ہے۔ ایک دفعہ مسئلہ ثلاث قراء پر بھی نظر ڈال کر دیکھ لیجئے۔ احناف کے نزدیک وتر تین رکعت سے کم ہیں اور نہ تین رکعت سے زائد۔ اب قاضی صاحب بتائیں گے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد شدہ گیارہ رکعت کو اُن کے نزدیک وتر کہنا کیسے درست ہوا؟

آٹھواں جواب:

۸۔ علامہ قسطلانی شافعی نے حَمَلَهُ أَصْحَابُنَا عَلَى الْوُتْرِ فرمایا ہے۔ اور حملہ اصحابنا علی الوتر فی رمضان نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ علامہ قسطلانی شافعی فرما رہے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نماز وتر پر محمول کیا ہے۔ خواہ وہ نماز وتر رمضان کی ہو یا غیر رمضان کی۔ ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ کی رمضان میں راتوں کو ادا کردہ نفلی نماز کو تراویح بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ وتر تہجد، صلوٰۃ اللیل، قیام اللیل اور قیام رمضان بھی کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ محققین احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ واضح ہو کہ علامہ قسطلانی شافعی کا فرمان ہمارے مخالف نہیں ہے۔ البتہ اتنا افسوس ضرور ہے کہ قاضی صاحب کو اس سے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوسکا۔

نواں جواب:

۹۔ حدیث کے تمام ہونے سے ہمارے استدلال میں کوئی ضعف نہیں آتا۔ کیونکہ عام سے خاص پر استدلال درست ہے اور آئمہ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ تب ہی اصول فقہ حنفی میں عام اور خاص کے مابین تعارض کو درست قرار دیا گیا ہے۔ پھر شکل اوّل میں شرط کلیتہ کبریٰ بھی اس چیز کو بتلا رہی ہے کہ عام سے خاص پر استدلال کرنا طبعی امر ہے۔ تعجب یہ ہے کہ قاضی صاحب کا مسلک ہے اگر کوئی آدمی بلا جماعت نماز تراویح پڑھے۔ تو اس کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور یہاں

پر حضرت دلیل یہ دیتے ہیں۔ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ اس دلیل میں بالخصوص نماز تراویح کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ کیا قاضی صاحب بتائیں گے کہ یہاں پر عام سے خاص پر استدلال درست ہوا؟

دسوال جواب:

۱۰۔ امام محمد رحمہ اللہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اور قاضی صاحب کے دیگر بزرگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے آنحضرت ﷺ کی صَلَوةَ التَّراویح پر استدلال فرما چکے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ قاضی صاحب کتنی دیر تک اپنے بزرگوں کے استدلال کو ٹھکرانا پسند کریں گے۔

”تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ“

قاضی صاحب کا اعتراض:

فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سارے سال میں وتر تین ادا ہوتے تھے۔ اور غیر مقلدین کے ہاں متروک ہے۔

الجواب:

تین وتر الحمدیث کے ہاں متروک نہیں بلکہ معمول بہ۔ ہیں باقی سارے سال والی بات۔ تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث میں نہیں۔ وہ تو قاضی صاحب کے ہاتھ کی صفائی کا ثمرہ ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث مروی ہے:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي مَا بَيْنَ أَنْ يَقْرَعَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ... الخ. (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے بائیں گیارہ رکعت نماز پڑھتے ہر دو رکعت کے

بعد سلام پھرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر ایک رکعت پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیسے فرما سکتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سارا سال تین وتر ادا کرتے ہیں۔ بحمد اللہ الحمدیث ہی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور ایک وتر کی دیگر احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مقلدین حضرات ایک رکعت کو نماز نہ سمجھتے ہوئے ایک وتر کی تمام احادیث سے رد گردانی کئے جارہے ہیں اور الزام دوسروں کو۔ کیسی جرأت ہے؟ اَلْمَوءُ يَقِيْسُ عَلَى نَفْسِهِ۔ بالکل وہی معاملہ ہے ان کا۔

یہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

قاضی صاحب کا اعتراض:

جناب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ”سارے سال میں چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں“ اور یہ بھی غیر مقلدین کے ہاں متروک ہے۔

الجواب:

الحمدیث کے نزدیک نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث متروک ہے نہ ہی کوئی اور حدیث۔ نہ معلوم قاضی صاحب اس قسم کی غلطی بیانی کے کیوں درپے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو اپنے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ رہی سارا سال چار رکعت اکٹھی ادا ہونے والی بات۔ تو یہ حدیث میں کہیں مذکورہ نہیں اور نہ ہی حدیث کا مفہوم ایسا ہے۔ بلکہ یہ قاضی صاحب نے ماشا اللہ اپنی طرف سے اضافہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُصَلِّي مَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ
رُكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رُكْعَتَيْنِ الخ. (متفق عليه)

”اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے۔“

آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی تو پڑھ لیا کہ آنحضرت ﷺ نماز عشاء سے فراغت اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور ہر دو رکعت میں سلام پھیرتے۔ قاضی صاحب کی نظر سے شاید احادیث مشکل سے گزرتی ہوں گی۔ تبھی تو ”سارے سال میں چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں“ کی رٹ لگائی جا رہی ہے۔ حیف صدحیف کہ یہ لوگ حدیث سے اضافہ ایسا ناروا سلوک کرنے سے باز نہیں آتے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کرنے والا کس جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن ان حضرات کی فنکاری اس میں ہے کہ ”اُلٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے“ الزام دیتے ہیں۔ اہلحدیث کو۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ ہمارے مسلک میں پیغمبر خدا کے ارشادات میں ایسی حیلہ سازیاں نہیں ہیں۔

ما اہلحدیثیم دعا را شناسیم!

صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست

سارے سال میں تین وتر اور چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں۔ قاضی صاحب کی دونوں باتوں پر چھٹے بات میں مزید بحث ملاحظہ فرمائیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر قاضی صاحب کے وارد کردہ تمام اعتراضات کا جواب دے دیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ مسنون صلوٰۃ تراویح جمع وتر گیارہ رکعت ہی ہے۔ اس سے زائد نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان اور غیر

رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ اور ہمارا اس پر ایمان و عمل ہے۔
 نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
 چوغلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
 دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث آنحضرت ﷺ کے مسجد میں نماز تراویح ادا کرنے کے متعلق ہے۔ لہذا پہلے اس حدیث کا نقل کرنا بے جا نہ ہوگا:

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّلَاثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَهْنَحْ مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَفْرُضَ عَلَيْكُمْ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ. (متفق عليه)

”ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی اقتداء میں لوگوں نے بھی نماز پڑھی پھر آئندہ رات آپ نے نماز پڑھی تو لوگ بہت زیادہ ہو گئے۔ پھر لوگ تیسری یا چوتھی رات اکٹھے ہوئے لیکن پیغمبر خدا ﷺ نہیں آئے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کارکردگی تو معلوم تھی لیکن صرف اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ اور یہ تمام واقعہ رمضان میں ہوا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کو چند دن مسجد میں نماز تراویح پڑھائی۔ البتہ اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ نماز کتنی رکعت تھی۔ لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ آٹھ رکعت ہی تھی۔ چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَمْ أَرَ فِي شَيْءٍ مِنْ طَرَفِهِ بَيَانُ عَدَدِ صَلَاتِهِ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي لَكِنْ
رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ. الْحَدِيثُ.

(فتح الباری صفحہ نمبر ۱۶ جلد نمبر ۳)

”اور میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے کسی طریق میں
بھی آپ کی ان راتوں کی نماز کے عدد کا بیان نہیں دیکھا البتہ ابن خزیمہ اور
ابن حبان نے حضرت جابر کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ
پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر ادا
کیئے۔“۔ الحدیث

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح میں
فرماتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتُ لَمْ يُمَيَّنْ فِي الرِّوَايَاتِ الْمَذْكُورَةِ عَدَدُ هَذِهِ الصَّلَاةِ الَّتِي
صَلَّاهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي قُلْتُ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ
حِبَّانٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ
ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ. (عمدة القاری صفحہ نمبر ۵۹۷ جلد نمبر ۳)

اگر آپ کہیں کہ مذکورہ بالا روایات میں اس نماز کا عدد بیان نہیں کیا گیا۔ جو پیغمبر
خدا ﷺ نے ان راتوں پڑھی تو میں کہوں گا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابر
کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ
رکعت نماز پڑھائی۔ اور وتر ادا کیئے۔ نیز علامہ زرقانی بھی اسی حدیث عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا عَدَدُ مَا صَلَّى فَفِي حَدِيثِ ضَعِيفٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ صَلَّى
عِشْرِينَ رَكَعَةً وَالْوُتْرَ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَرَوَى ابْنُ حِبَّانٍ عَنْ

جَابِرٌ أَنَّهٗ صَلَّى لَهُمْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ وَهَذَا أَصَحُّ.

(شرح الزرقانی صفحہ نمبر ۲۳۴ جلد نمبر ۱)

”اور لیکن آپ کی نماز کا عدد تو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ نے بیس رکعت نماز اور وتر پڑھے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کیے اور یہ صحیح ترین ہے۔“

تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مذکورہ بالا فعلی مرفوع تصریحی حدیث سے ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مسجد میں جو نماز تراویح پڑھائی تھی وہ بھی آٹھ رکعت ہی تھیں نہ کہ بیس رکعت۔ لہذا آٹھ رکعت نماز تراویح ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ٹھہری۔ قاضی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں لفظ ”غیر رمضان“ کو مطلب پرستی کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ تو اس سے اُن کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہوگا۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف رمضان کا ذکر ہے۔ غیر رمضان کا نام و نشان بھی نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد اب قاضی صاحب کی آرزوئیں دیکھئے کس خاک کو پسند کریں۔

آرزو اک جرم ہے جس کی سزا ہے زندگی

زندگی بھر آرزوؤں کو پشیمان کیجئے!!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت و مقبولیت:

- ۱۔ امام ابن حبانؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو اپنی کتاب صحیح میں روایت کیا ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حدیث ان کے ہاں یقیناً صحیح ہے۔
- ۲۔ امام بن خزیمہؒ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متذکرہ حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ اس بات کی بین دلیل ٹھہری کہ یہ دلیل اُن کے نزدیک بھی

قطعاً صحیح ہے۔

۳۔ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو فتح الباری میں نقل کرنے کے بعد کسی قسم کی جرح و قدح نہیں کی۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حدیث ضرور بالضرور ان کے ہاں مقبول ہے۔ کیونکہ وہ فتح الباری کے مقدمہ میں اس چیز کی صراحت فرما چکے ہیں کہ اس کتاب میں وہ حدیث درج کروں گا جو مقبول ہو ورنہ اس پر جرح کروں گا۔

۴۔ علامہ بدر الدین عینیؒ نے بھی اس حدیث کو عمدۃ القاری میں نقل کر کے سکوت فرمایا ہے۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ حدیث ان کے ہاں بھی لامحالہ مقبول ہے۔

۵۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مؤطا امام مالک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وهذا اصح اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ترین حدیث ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی اور صحیح ترین دو حدیثوں سے ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت نماز تراویح ہی آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز تراویح کی ہی جماعت کرائی۔ باقی بیس رکعت تراویح نہ آپ ﷺ نے پڑھی اور نہ ہی جماعت کرائی۔ تو بیس رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت نہ ہوئی۔ غور فرمائیے کہ اب بھی قاضی صاحب کو یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہے۔ کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں“، لیکن لا ینجب علینا قبولہ ایسا نظریہ رکھنے والوں کو کون سمجھائے۔ ہمارا تو نظریہ یہ ہے ۔

پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم دامن

تیسری دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ أَبِي بَنْ كَعْبٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ قَالَ وَمَا

ذَٰكَ يَا أَبَتِي قَالَ نِسْوَةٌ فِي دَارِي قُلْنَا إِنَّا لَتَنَقُرُهُ الْقُرْآنَ فَصَلَّى بِصَلَاتِكَ
قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرْتُ وَكَانَتْ سُنَّةَ الرِّضَا وَلَمْ
يَقُلْ شَيْئًا.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ابی بن کعب نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آج رات مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے۔ یعنی رمضان میں آپ نے پوچھا اے ابی بن کعب وہ کام کیا ہے۔ ابی بن کعب نے جواب دیا میرے گھر کی عورتوں نے کہا۔ ہم (زبانی) قرآن نہیں پڑھ سکتیں۔ ہم بھی تیری امامت میں نماز پڑھ لیں؟ تو میں نے انہیں آٹھ رکعت نماز پڑھا دی اور وتر ادا کئے تو یہ سنت رضا ہوئی اور آپ نے کچھ نہ فرمایا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں کہ رمضان المبارک میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا اور آپ ابتدائے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امتی کے عمل کا علم ہو جائے پھر آپ اس پر سکوت فرمائیں۔ تو وہ عمل بھی سنت کہلاتا ہیں تو مذکورہ بالا تقریری مرفوع تصریحی حدیث سے بھی آٹھ رکعت باجماعت نماز تراویح کا سنت ہونا ثابت ہوا۔ یہ حدیث قابل حجت ہے۔ ضعیف نہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع الزوائد فرماتے ہیں:

قَالَ الْهَيْثُمِيُّ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ. بِشَيْءٍ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ
میں فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ (تحفة الاحوزی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۳۰)

پس تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت نماز تراویح ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنہ ہے۔ دوبارہ پھر ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاتہ حدیث کہ ”پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رہ رکعت پر

اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔“

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کے برگزیدہ صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی صحیح اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ نے رمضان المبارک میں ہمیں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔“

۳۔ اقراء القراء امام تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ انہوں نے رمضان میں پیغمبر خدا ﷺ سے ایک دن بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا۔“

آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کے اتنے واضح دلائل ہوتے ہوئے بھی فریق ثانی یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔ کہ رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ لیکن دوسری طرف انہی حضرات کا دعویٰ ہے کہ میں رکعت نماز تراویح سنت بھی ہے۔ یا ویسے سنت نبوی سے کوئی عداوت ہے کہ اُسے ماننے پر تیار نہ ہوں گے۔ ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا۔

یہ روشن دماغوں کا روشن زمانہ

ہر اک فن ہے ان کی نظر کا نشانہ

وہ زور قلم طرز وہ ناقدانہ !!!

حقیقت کو بھی جو بنا دے فسانہ

احادیث نبوی کا گل ریز گلشن

ہے تنقید میں ان کی خاروں کا خرمن

یہ کیا نور دانش یہ کیسی بصیرت

کہ ہے خندہ زن تیر گئی ضلالت

ہے اقرار قرآن کا انکار سنت

نبی سے ان کی یہ کیسی عقیدت

بیس رکعت تراویح سنت نبویہ ہونی کی دلیل اور اس کے جوابات

آپ دوسرے باب کی ابتداء میں سنت کا معنی پڑھ چکے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ کے قول و فعل و تقریر کو سنت کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ”مقلد بزرگ“ فرمائیں کہ مجھے سنت کا یہ مفہوم تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ کسی وقت بھی یہ بزرگ ایسا فرما سکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر اُن کے اطمینان کی خاطر کتب حنفیہ میں سنت کی بیان کردہ تعریف بھی درج کر دیتا ہوں۔ صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں:

السُّنَّةُ مَا وَاظَبَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ مَعَ التَّرَكِّ أَحْيَانًا.

(شرح وقایہ صفحہ نمبر ۶۸ جلد نمبر ۱)

”سنت وہ امر ہے جس پر نبی علیہ السلام نے کبھی بھی ترک کرنے کے ساتھ مواظبت و مداومت فرمائی ہو۔“

محشی شرح وقایہ صاحب شرح وقایہ کی مذکورہ بالا تعریف کو احسن نہیں سمجھتے۔ بلکہ فرماتے ہیں:

وَالْأَحْسَنُ مَا اخْتَارَهُ صَاحِبُ الْبَحْرِ وَغَيْرُهُ أَنَّ الْمَوَاطَبَةَ مُطْلَقًا دَلِيلُ السُّنَنِ مَا لَمْ تَقْتَرِنْ بِالزَّجْرِ عَلَى تَارِكِ ذَلِكَ الْفِعْلِ بِحُصُوصِهِ وَإِنْ اقْتَرَنْتَ ذَلِكَ عَلَى الْوُجُوبِ. (حاشیہ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۶۸ جلد نمبر ۱)

”اور احسن وہ ہے جسے صاحب بحر وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ کسی فعل پر مطلق مواظبت ہی سنت کی دلیل ہے۔ جب تک اس فعل کے تارک کو زجر و عقاب سے مقارن نہ ہو اور اگر مقارن ہو تو پھر وہ وجوب پر دال ہوگی۔“

نیز محشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ جُمْهُورَ الْأُصُولِيِّينَ يَعْرِفُونَ السُّنَّةَ بِمَا وَاطَبَ عَلَيْهِ الرَّسُولُ ﷺ
فَحَسَبَ. (حاشیہ ہدایہ صفحہ نمبر ۱۵۱ جلد نمبر ۱)

”کہ جمہور اہل اصول سنت کی صرف یہی تعریف کرتے ہیں سنت وہ امر ہے جس پر پیغمبر خدا ﷺ نے مواظبت و مداومت فرمائی۔“

تو جمہور اہل اصول سنت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ وہ امر جس پر پیغمبر خدا ﷺ نے مواظبت و مداومت فرمائی ہو۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت کے مذکورہ بالا معنی کی روشنی میں احناف کے ہاں سنت ہے یا نہیں۔ بیس رکعت نماز تراویح سنت ہونے میں قاضی صاحب کے بیانات تو انتہائی متضاد ہیں۔ کیونکہ جناب حاشیہ پمفلٹ صفحہ نمبر ۱۹ پر فرماتے ہیں ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں“ جوں ہی قاضی صاحب سرعت قلم سے صفحہ نمبر ۲۵ پر پہنچتے ہیں تو پہلی بات ذہن سے نکال کر یوں مخاطب ہوئے ہیں ”اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس ہی کو سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔ خیر قاضی صاحب کی متضاد بیانات تو چھٹے باب میں وضاحت سے بیان کی جائیں گی لیکن یہاں پر غور طلب امر یہ ہے کہ قاضی صاحب کے بزرگوں کے ہاں آج تک یہ فیصلہ ہی نہیں ہو سکا کہ آیا تراویح سنت بھی ہیں۔ ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت نہیں مستحب ہے۔ دوسرے گروہ کا عندیہ ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح نے میں بھی دو روایتیں ہیں۔ چنانچہ محشی شرح وقایہ فرماتے ہیں:

إِعْلَمُ أَنَّهُ اخْتَلَفَ فِي أَنَّ التَّارَويحَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ أَوْ مُسْتَحَبَّةٌ فَرَوَى
عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ الْإِسْتِحْبَابَ وَرَوَى عَنْهُ الْإِسْتِثْنَانُ.

(حاشیہ شرح وقایہ صفحہ نمبر ۲۰۷ جلد نمبر ۱)

”جان لو اس بات میں اختلاف ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہیں یا مستحب پس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مستحب ہونا بھی مروی ہے اور سنت ہونا بھی۔“

تو عدد رکعات سے قطع نظر احناف نفس تراویح کے مسنون ہونے میں اختلاف فرما رہے ہیں۔ تو غور کیجئے وہ بیس رکعت کے مسنون ہونے میں کیسے متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ تو قاضی صاحب اور ان کے بزرگوں کے خیالات تھے۔ لیکن جب ہم بیس رکعت نماز تراویح کے مسنون ہونے پر دلائل کی روشنی میں غور و فکر کرتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح سنت نہیں ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے بیس رکعت نماز تراویح کے مسنون ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ہی حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جو سخت ضعیف و منکر ہونے کے باعث قابل احتجاج نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں جو بیس رکعت پر دیوبندیوں کا سہارا بن سکے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اور اس کا ضعف بھی ملاحظہ فرمائیے لیکن فریق ثانی کو پھر یہی کہنا پڑے گا۔

تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے

تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا ضعف:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَاتٍ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ وَالْوُتْرُ تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِيفٌ. (سنن کبریٰ للبیہقی و مصنف ابن ابی شیبہ)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے۔ اس حدیث کو روایت کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔“

۱۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی متذکرہ بالا حدیث کو بیان کرنے کے بعد بذات خود ہی اسے غریب و ضعیف قرار دیا۔ ان کے لفظ آپ پڑھ چکے ہیں تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِيفٌ۔ کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان اس

حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے تو حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث امام بیہقی رحمہ اللہ ایسے محدث کے ہاں غریب اور ضعیف ہے۔

۲۔ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ فَاِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ عَارَضَهُ حَدِيثُ عَائِشَةَ هَذَا الَّذِي فِي الصَّحِيحَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا أَعْلَمُ بِحَالِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلًا مِنْ غَيْرِهَا. (فتح الباری صفحہ نمبر ۲۵۴ جلدی نمبر ۴)

”اور لیکن جو ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث روایت کی ہے پیغمبر خدا ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے اس کی سند ضعیف ہے اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی اس کے معارض ہے جو مسینیں موجود ہے باوجود یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے شبینہ حالات دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں۔“

تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس میں تین خوبیاں ہیں۔ جن میں سے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں خوبی بھی نہیں پائی جاتی۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ضعیف ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری و مسلم کی ہے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بخاری و مسلم کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کو تلقی بالقبول حاصل ہونا تو کجا۔

اسے تو صحاح ستہ میں بھی شمار نہیں کیا جاتا۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیغمبر خدا ﷺ کے شبیہ حالات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہؓ سے بڑھ کر جانتی تھیں۔ اس لیے رات کے مسائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات دوسرے صحابہ سے قوی ہے۔

ایک اور بات:

حافظ حجر رحمہ اللہ کے کلام سے پتہ چلا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تراویح پر استدلال درست ہے ورنہ وہ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے معارض قرار نہ دیتے۔“ (قدبر)

۳۔ نیز علامہ زرقانی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ضعیف فرماتے ہیں:

وَأَمَّا عَدَدُ مَا صَلَّى فَفِي حَدِيثِ ضَعِيفٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ صَلَّى عَشْرَيْنَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَرَوَى ابْنُ حِبَّانَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ وَهَذَا أَصَحُّ.

(زرقانی صفحہ نمبر ۲۳۴ جلد نمبر ۱)

”اور آپ کی نماز کا عدد تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ نے بیس رکعت نماز پڑھی اور وتر اس کو ابن شیبہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ان آٹھ رکعت نماز پڑھائی پھر وتر ادا کئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ترین ہے۔“

۴۔ قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ضعیف و منکر قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں:-

قَوْلُهُ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ إِلَى آخِرِهِ فَإِنْ قُلْتُ رَوَى ابْنُ أَبِي

شَيْبَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوَتْرُ قُلْتُ هَذَا الْحَدِيثُ وَإِذَا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ فِي مُعْجَمِ الصَّحَابَةِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنُصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو شَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِيثُ وَأَبُو شَيْبَةَ هُوَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبْسِيُّ الْكُوفِيُّ قَاضِيٌّ وَاسِطٌ جَدُّ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ كَذَّبَهُ شُعْبَةُ وَضَعَفَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَعِينٍ وَالْبُخَارِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَآوَرَدَهُ ابْنُ عَدِيٍّ هَذَا الْحَدِيثُ فِي الْكَامِلِ فِي مَنْكَبِهِ ۵. (عمدة القاری صفحہ نمبر ۳۵۹ جلد نمبر ۵)

اگر آپ کہیں کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے رمضان میں بیس رکعت نماز وتر پڑھتے تو میں کہوں گا، اس حدیث کو ابوقاسم بغوی نے بھی معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہمیں منصور بن ابی مزاحم نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں۔ ہمیں ابوشیبہ نے حکم سے حدیث سنائی وہ مقسم سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے الحدیث اور ابوشیبہ ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا واسط کا قاضی ابراہیم بن عثمان عیسیٰ کوفی ہے۔ جبکہ شعبہ نے کذاب کہا اور احمد ابن معین بخاری، نسائی دیگر محدثین نے ضعیف کہا اور ابن عدی نے کامل میں اس کی اس حدیث کو اس کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ حنفی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ ”آنحضرت ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے“ پر ایک سوال کرتے ہیں۔ کہ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو آتا ہے کہ آپ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے۔“ پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف و منکر ہے۔ اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے اضافہ کی نفی میں محکم ہے۔“

علامہ عینی رحمہ اللہ کا کلام بھی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ بیہیہ کی حدیث پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح کی رکعات پر استدلال درست ہے۔ اب قاضی صاحب علامہ قسطلانی شافعی کی بجائے اپنے ہی بزرگ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ کی بات تسلیم کر لیں۔ اس طرح انہیں اغیار کی تقلید سے بھی نجات حاصل ہو جائیگی۔

۵۔ قاضی صاحب کے بزرگ شارح ہدایہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ضعیف اور حضرت عائشہ صدیقہ بیہیہ کی مخالف قرار دے رہے ہیں فرماتے ہیں:

وَمَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ فَضَعِيفٌ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلصَّحِيحِ. (حاشیہ بخاری صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱ بحوالہ ابن ہمام)

”اور جو ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں وتر کے ماسوا میں رکعت نماز پڑھتے، تو وہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔“

صحیح حدیث سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ بیہیہ کی حدیث ہے کہ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے“ تو ابن ہمام ایسے کٹر حنفی کے نزدیک بھی حضرت عائشہ صدیقہ بیہیہ کی حدیث سے آنحضرت ﷺ کی صلوٰۃ تراویح پر استدلال درست ہے۔ لیکن قاضی صاحب یہاں پر بھی اپنے بزرگوں کی پرواہ نہیں کرتے اور بھند ہیں کہ حدیث عائشہ صدیقہ بیہیہ سے تراویح پر استدلال درست نہیں۔ مؤدبانہ گزارش ہے کہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کی بات تسلیم کر لیں۔ تاکہ دوسروں کی تقلید کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

۶۔ قاضی صاحب کے بزرگ جناب عبدالحق صاحب محدث دہلوی حنفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ضعیف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے مخالف قرار دیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَلَمْ يَثْبُتْ رِوَايَةُ عِشْرِينَ رَكْعَةً مِنْهُ ۖ كَمَا هُوَ مُتَعَارِفُ الْآنَ
إِلَّا فِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ وَقَدْ عَارَضَهُ حَدِيثُ عَائِشَةَ
وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ. (فتح المنان)

”اور بیس رکعت روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل متعارف ہے مگر ابن ابی شیبہ کی روایت میں اور وہ روایت ضعیف ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے معارض ہے اور وہ صحیح ہے۔“

۷۔ قاضی صاحب کے اور بزرگ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔

وَوَرَدَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَيْضًا صَلَّى عِشْرِينَ رَكْعَةً لَكِنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْمُحَدِّثِينَ. (حاشیہ ہدایہ صفحہ نمبر ۱۵۱ جلد نمبر ۱)

اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی روایت میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیس رکعت نماز پڑھی۔ لیکن یہ حدیث محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت نماز پڑھی باتفاق محدثین و آئمہ احناف ضعیف ہے۔ اگر تمام اعیان کے نام یہاں درج کئے جائیں تو کتاب کی طوالت کا ڈر ہے۔ اس لیے میں صرف جناب قاضی کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ضعیف اور اسے بطور سند نہ پیش کرنے کے اقرار کو ذکر کر کے اکتفا رو چاہتا ہوں۔

۸۔ قاضی صاحب کا اقرار:

قاضی صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے

بعد خود ہی ایک سوال کرتے ہیں۔ ”یہ حدیث ضعیف ہے“ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں ”درست ہے۔ لیکن ہم اسے سند کے طور پر پیش نہیں کرتے“ پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۶ قاضی صاحب اقرار فرما رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے۔ اور ہم اسے بطور سند پیش نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں جس سے بیس رکعت کی سنت ثابت کی جاسکتی ہو۔ تو بیس رکعت تراویح پیغمبر خدا ﷺ کی سنت نہ ہوئی۔ البتہ تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت نماز تراویح پیغمبر خدا ﷺ کی سنت ہے بیس رکعت کو سنت نبویہ سمجھنا صریحا غلطی ہے۔ اگلے باب میں یہ ذکر آ رہا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین کی سنت بھی نہیں ہے۔ آٹھ رکعت نماز تراویح نبی ﷺ کی سنت ہے اسے ایک دفعہ پھر دیکھئے۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاۃ حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی فعلی تصریحی صحیح اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔

۳۔ اقرء القراء امام تراویح حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ ”انہوں نے رمضان میں ایک دن پیغمبر خدا ﷺ سے بیان کیا کہ میں نے آج رات اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا۔“

اب کیا کہنے قاضی صاحب کے اور ان کے حواریوں کے کہ وہ آٹھ رکعت نماز تراویح کے پیغمبر خدا ﷺ سے اتنے ٹھوس مضبوط اور واضح دلائل ہونے کے باوجود یہ شور و غوغا مچائے ہوئے ہیں کہ جی آٹھ کا مسئلہ تو آج سے ۹۶ برس پہلے شروع

ہوا“ یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے۔ پہلے تاریخ سے تھوڑی سی واقفیت حاصل کیجئے گا۔ بے چاروں کو اتنا معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے آٹھ رکعت نماز تراویح ثابت ہے اور یہ آج سے پونے چودہ سو برس پہلے کا مسئلہ ہے۔ قاضی صاحب پر بھی تھوڑا سا تعجب ہے۔ کہ انہوں نے اپنے حواریوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے یہ تو ضرور فرما دیا تھا۔ کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں“ اور اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ اس سے تو بیس رکعت کی سنت پر بھی پانی پھر جائے گا۔

اتَّبِعْ الْخَرْقَ عَلَى الرَّاقِعِ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی



چوتھا باب

بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی بھی سنت نہیں

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آٹھ رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ بیس رکعت آپ کی سنت نہیں۔ اب یہ معاملہ بھی دیکھ لیں کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین کی سنت بھی نہیں۔ اہل رائے چونکہ بیس رکعت کو خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کرتے اس لئے یہاں صرف ان روایات کا ذکر ہوگا جو دوسرے خلفاء سے بیان کی جاتی ہیں اس سے پیشتر حکم فاروقی کی صحیح حدیث بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعت کا حکم دیا:

پیغمبر خدا ﷺ نے صرف چند دن نماز تراویح کی جماعت کرائی۔ آپ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے عہد مبارک میں تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ کیا گیا۔ پھر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا کچھ ابتدائی دور گزر جانے کے بعد تراویح کی جماعت کا باقاعدہ طور پر اہتمام کروایا۔ اور تمام تراویح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ أَبِي بَنٍ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً الخ.

(سنن کبریٰ وموطا امام مالک و سنن سعید بن منصور و مصنف ابن ابی شیبہ)

”حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن

کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھائیں۔“

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب کے ہاں مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی سب احادیث صحیح ہیں۔ نیز قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَرَوَاهُ أَيضًا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ النَّيْمِيُّ فِي أَثَارِ السُّنَنِ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ. (تحفہ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲۲)

”اور اس حدیث کو سعید بن منصور اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ علامہ شوق صاحب نیوی نے آثار السنن میں فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔“

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ کا حکم پیغمبر خدا ﷺ کی صلوٰۃ تراویح سے ہی اخذ کیا تھا۔ شارح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ علامہ باجی فرماتے ہیں:-

قَالَ الْبَاجِي لَعَلَّ عُمَرَ أَخَذَ ذَلِكَ مِنْ صَلَوةِ النَّبِيِّ ﷺ فَفِي حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَنْ صَلَاتِهِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً.

(زرقانی صفحہ نمبر ۲۳۸ جلد نمبر ۱)

”علامہ باجی فرماتے ہیں شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ (گیارہ رکعت کا حکم) پیغمبر خدا ﷺ کی صلوٰۃ تراویح سے اخذ کیا کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان سے آپ کی رمضان کی نماز پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا، آنحضرت ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔“

علامہ باجی رحمہ اللہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کا ذکر بھی ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر

رحمۃ اللہ علیہ حکم فاروقی (گیارہ رکعت) کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق قرار دیتے ہیں۔

وَالْعَدَدُ الْأَوَّلُ مُوَافِقٌ لِحَدِيثِ عَائِشَةَ. (فتح الباری صفحہ نمبر ۲۵۳ جلد نمبر ۴)
 ”اور پہلا عدد (گیارہ رکعت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق ہے۔“

تو حضرت سائب بن یزید کی متصل اور باتفاق محدثین حدیث سے ثابت ہوا کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب کو رمضان میں گیارہ رکعت نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت بھی گیارہ رکعت ہوئی۔ بیس رکعت اُن کی سنت نہیں ہے۔ قاضی صاحب اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ اعتراض اور اس کے جوابات ملاحظہ کیجئے۔

قاضی صاحب کا اعتراض:

فرماتے ہیں، ”اس حدیث میں گیارہ رکعت محمد بن یوسف کا وہم ہے۔ نیز بعض نے محمد بن یوسف سے تیرہ اور اکیس رکعت کو بھی نقل کیا ہے۔ تو بوجہ اختلاف یہ حدیث ساقط الاعتبار ہوئی۔“

پہلا جواب:

گیارہ رکعت کو محمد بن یوسف کا وہم قرار دینا غلط ہے۔ قاضی صاحب محمد بن یوسف کو گیارہ رکعت کہنے میں وہم ہونے کی دلیل پیش کریں۔

دوسرا جواب:

گیارہ رکعت کا سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا۔ لیکن تیرہ اور اکیس کا حکم دینا ان سے ثابت نہیں۔ لہذا گیارہ والی حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔

تیسرا جواب:

گیارہ رکعت اور تیرہ رکعت والی احادیث میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ

تیرہ میں عشاء کے بعد والی دو رکعت کو شامل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب کے ہی بزرگ علامہ شوق نیوی حنفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ النَّيْمِيُّ هَذَا قَرِيبٌ مِمَّا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ أَيْ
مَعَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ. (تحفة الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

”علامہ شوق صاحب نیوی حنفی فرماتے ہیں یہ (تیرہ) والی روایت محمد بن یوسف سے امام مالک کی روایت (گیارہ) والی حدیث کے قریب ہے یعنی عشاء کے بعد والی دو رکعت کو ملا کر۔“

چوتھا جواب:

اکیس رکعت والی روایت بیان کرنے میں عبدالرزاق منفرد ہیں۔ جنہیں آخری عمر میں نابینا ہو جانے کے باعث اختلاط ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی اکیس رکعت والی روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے مؤطا امام مالک رضی اللہ عنہ کی گیارہ رکعت والی روایت سے معارضہ کے قابل نہیں:

إِنَّ الْأَغْلَبَ أَنَّ قَوْلَ غَيْرِ مَالِكٍ فِي هَذَا الْأَثَرِ إِحْدَى وَ عِشْرُونَ كَمَا
فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَهُمْ قَالَهُ قَدْ انْفَرَدَ هُوَ بِإِخْرَاجِ هَذَا الْأَثَرِ بِهَذَا
الْلَفْظِ وَلَمْ يُخْرِجْهُ بِهِ أَحَدٌ غَيْرُهُ فِيمَا أَعْلَمَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِنْ كَانَ
ثِقَةً حَافِظًا لِكِنَّهُ قَدْ عَمِيَ فِي آخِرِ عُمُرِهِ فَتَغَيَّرَ كَمَا صَرَّحَ بِهِ
الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ وَأَمَّا الْإِمَامُ مَالِكٌ فَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ
إِمَامُ دَارِ الْهَجْرَةِ رَأْسُ الْمُتَّقِينَ وَكَبِيرُ الْمُشَيْتِينَ حَتَّى قَالَ الْبُخَارِيُّ أَصَحُّ
الْأَسَانِيدِ كُلُّهَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعِ ابْنِ عُمَرَ إِنَّتَهَى وَمَعَ هَذَا لَمْ يَنْفَرِدْ هُوَ
بِإِخْرَاجِ هَذَا الْأَثَرِ بِلَفْظِ إِحْدَى عَشْرَةَ بَلْ أَخْرَجَهُ أَيْضًا بِهَذَا الْلَفْظِ
سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَابْنُ شَيْبَةَ. (تحفة الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

”اغلب یہ ہے کہ غیر امام مالک کا اس اثر میں اکیس رکعت کہنا وہم ہے جیسا

کہ (عبدالرزاق) اس اثر کو ان الفاظ سے (اکیس رکعت) بیان کرنے میں اکیلا ہے۔ اور اس اثر میں میرے علم کے مطابق یہ لفظ (اکیس رکعت) اس کے (عبدالرزاق) کے سوا کسی نے بیان نہیں کئے۔ اور اگرچہ عبدالرزاق ثقہ و حافظ ہے لیکن آخر عمر میں یہ نابینا ہوا تو اسے اختلاط ہونے لگا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں اس بات کی صراحت کی ہے اور لیکن امام مالک رحمہ اللہ تو حافظ صاحب تقریب میں فرماتے ہیں وہ دار ہجرت (مدینہ طیبہ) کے امام اہل اقصان و تثبت کے رئیس ہیں حتیٰ کہ امام بخاری نے فرمادیا۔ تمام اسانید سے صحیح ترین سند یہ ہے: مالک عن نافع عن ابن عمر حافظ صاحب کا کلام ختم ہوا۔ ان باتوں کے باوجود امام مالک اس اثر کو اکیلے بھی نہیں۔ بلکہ اسی نقطہ (گیارہ رکعت) سے اس کو سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے۔“

پانچواں جواب:

قاضی صاحب کے مسلک میں وتر تین رکعت سے کم و بیش نہیں ہو سکتے۔ تو ہم عبدالرزاق کی بیان کردہ اکیس رکعت سے تین وتر منفی کریں تو اکیس نفی تین ۱۸ رکعت نماز ترواح ہوئی۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ قاضی صاحب کو اس روایت سے کیا فائدہ ہوا۔

چھٹا جواب:

امام مالک رحمہ اللہ کی گیارہ رکعت والی روایت کو عبدالرزاق کی اکیس رکعت والی روایت پر ترجیح ہوگی۔ کیونکہ:

۱۔ گیارہ رکعت والی روایت امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور اکیس رکعت والی عبدالرزاق کی۔

۲۔ امام مالک رحمہ اللہ گیارہ رکعت بیان کرنے میں اکیلے نہیں اور عبدالرزاق اکیس

رکعت بیان کرنے میں اکیلے ہیں۔

تو حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور گیارہ رکعت ہی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اس کے برعکس بیس رکعت نہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہیں نہ پڑھانا اور نہ ہی بیس رکعت کا کسی کو حکم دینا۔ تو بیس رکعت نماز تراویح جہاں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں وہاں خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں ہے۔

اہل رائے کی طرف سے اس موضوع پر جو روایات پیش کی جاتی ہیں اب ان کے جوابات ملاحظہ فرائیے۔

پہلی روایت:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً.

(سنن کبریٰ صفحہ نمبر ۴۹۶ جلد نمبر ۲)

”یزید بن خصیفہ سے روایت ہے وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔“

الجواب:

اس روایت سے بیس رکعت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ اس میں یہ کہیں مذکورہ نہیں کہ حضرت عمر بیس رکعت پڑھتے تھے۔ نہ ہی اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پڑھائیں۔ نہ ہی اس میں یہ ہے کہ انہوں

نے بیس پڑھنے یا پڑھانے کا حکم دیا ہو۔ اور احناف کے نزدیک سنت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مفہوم یہ ہے اور یقیناً قاضی صاحب کے ہاں بھی بغیر ترمیم کے یہی ہوگا کہ مَا وَاطَّبَ عَلَيْهِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ۔ یعنی جس امر پر خلفاء راشدین مواطبت فرمائیں وہ ان کی سنت ہے۔ اور اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک دفعہ بھی بیس پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس روایت سے بیس رکعت کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ثابت کرنا غلط ہے۔ لیکن بعض الناس اس روایت کو پیش کر کے اپنا اُلوسیدھا کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا۔

سب جانتا ہوں میں مجھے غافل نہ جائے
ہر ایک بات ان کی میری نظر نظر میں ہے

دوسری روایت:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً. (موطأ امام مالک)
”یزید رومان سے روایت ہے۔ وہ فرماتے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔“

پہلا جواب:

۱۔ جناب قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی اس روایت کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وَيَزِيدُ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ فَيَكُونُ مُنْقَطِعًا. (عمدة القاری صفحہ نمبر ۵۹۸ جلد نمبر ۳)
”اور اس روایت کے راوی یزید کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔“

۲۔ قاضی صاحب کے بزرگ علامہ زلیعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَيَزِيدُ بْنُ رُوْمَانَ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ. (نصب الراية)

”اور یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں۔“

۳۔ قاضی صاحب کے بزرگ محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔“ (القول الصحیح صفحہ نمبر ۳۳)

آپ نے پڑھ لیا کہ یزید بن رومان کی روایت کو جناب قاضی صاحب کے بزرگ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ علامہ زیلعی اور ان کے محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب بھی مرسل و منقطع قرار دے چکے ہیں۔ اب قاضی صاحب کی بھی سن لیں۔ وہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ایک سوال کرتے ہیں۔ ”یہ روایت مرسل ہے؟“ پھر خود اس کا جواب دیتے ہیں۔ ”ہرگز نہیں۔“

اب ایک طرف قاضی صاحب ہیں اور دوسری طرف ان کے بزرگ جن میں ان کے محترم چچا بھی ہیں۔ اس تنازعہ میں دونوں فریق میں ایک ایک قاضی موجود ہے۔ لہذا فیصلہ تو جلد ہی ہو جانا چاہیے۔ دیکھتے ہیں کس فریق کے قاضی اپنے نام کی لاج رکھتے ہیں۔

دوسرا جواب:

یزید بن رومان کی روایت میں جو مسئلہ بیان ہوا وہ صرف اس قدر ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے۔ اس روایت میں یہ قطعاً مذکور نہیں ہے کہ وہ لوگ بیس رکعت حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ نہ ہی اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت پڑھنے اور پڑھانے کا ذکر ہے۔ تو اس روایت سے بیس رکعت کو حضرت عمر کی سنت ہونا ثابت کرنا قطعاً غلط ہے اور باطل ہے۔ باوجودیکہ یہ روایت بھی منقطع ہے پھر بھی بعض الناس یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کے ذریعہ رات دن لوگوں کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔ ان کو یہی کہنا پڑے گا۔

کئے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی یہی کہنا پڑے گا
خدا نخواستہ اگر خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے!

تیسری روایت:

عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبہ)
 ”یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔“

الجواب:

۱۔ یحییٰ بن سعید کی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيُّ الْمَدَنِيُّ أَبُو سَعِيدٍ الْقَاضِي ثَقَّةٌ ثَبَتَ مِنَ الْخَامِسَةِ الخ. (تقریب صفحہ نمبر ۳۹۱)

”یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری مدنی ثقہ اور ثبت اور طبقہ خامسہ سے ہے۔“

حضرت حافظ صاحب مقدمہ تقریب میں طبقہ خامسہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

الخامسة الطبقة الصُّغْرَى مِنْهُمْ الَّذِينَ رَأَوْا الْوَاحِدَ وَالْآثِنِينَ.

”پانچواں طبقہ تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے صرف ایک دو صحابی کو دیکھا ہو۔“

تو حافظ صاحب نے فرمایا یحییٰ بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں۔ اور طبقہ خامسہ کی یوں وضاحت بیان فرمائی کہ جس نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہو تو پتہ چلا کہ طبقہ خامسہ کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں۔ اور یحییٰ بن سعید بھی چونکہ خامسہ سے ہیں۔ اس لئے ان کی بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملاقات نہیں ہوئی تو یہ روایت منقطع ہوئی:

فائدة: يَزِيدُ بْنُ رُوْمَانَ الْمَدَنِيُّ مَوْلَى آلِ الزُّبَيْرِ ثَقَّةٌ مِنَ الْخَامِسَةِ

مَاتَ سَنَةَ ثَلَاثِينَ وَرَوَاتُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مُرْسَلَةٌ. (تقریب صفحہ نمبر ۳۹۷)

”یزید بن رومان مدنی مولیٰ آل زبیر ثقہ طبقہ خامسہ سے ہے ۳۰ھ میں

فوت ہوا اور اس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقطع ہے۔“

یزید بن رومان طبقہ خامہ سے ہیں اور ان کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے مرسل ہے تو یقیناً ان کی روایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مرسل منقطع ہے۔

۲۔ قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیموی حنفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ النَّيْمَوِيُّ فِي أَثَارِ السُّنَنِ رِجَالُهُ ثَقَاتٌ لَكِنْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَمْ يُدْرِكْ عُمَرَ. (تحفۃ الاحوزی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

”علامہ شوق صاحب نیموی آثار السنن میں فرماتے ہیں اس روایت (مذکورہ)

کے راوی ثقہ ہیں لیکن یحییٰ بن سعید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں۔“

۳۔ قاضی صاحب کے بزرگ محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی مذکورہ روایت نقل کر کے ایک سوال کرتے ہیں۔ ”یہ روایت مرسل ہے؟“ القول الصحيح صفحہ نمبر ۳۸ پر اس سوال کے جواب کا اشارہ فرما رہے ہیں کہ جواب اوپر گزر چکا ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ ”ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔“ اس میں یحییٰ بن سعید کی ملاقات حضرت امیر المؤمنین عمرؓ سے ثابت نہیں۔ قاضی صاحب کے محترم چچا کو تو آخر فرمانا پڑا کہ یحییٰ بن سعید کی یہ روایت مرسل ہے۔ لیکن قاضی صاحب بقول شاعر۔

ذاری بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے

اسی کا نام اُلفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں؟

۴۔ قاضی صاحب بھی یحییٰ بن سعید کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ”اسناد مرسل قوی ہے۔“ (پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۴) تو قاضی صاحب نے اتنا اقرار تو فرمایا کہ یحییٰ بن سعید کی روایت مرسل ہے۔ رہا قوی وغیر قوی کا سوال تو مودبانہ گزارش ہے۔ شرح نخبہ اصول حدیث کی معتبر و مستند کتاب پڑھئے۔ مرسل و منقطع علی الاطلاق خبر واحد کی قسم غیر مقبول میں شمار ہوتا ہے۔ پھر ارسال و انقطاع بذات خود ایک ضعف ہے۔

تو بیس رکعت نماز تراویح کسی ایک صحیح حدیث سے سیدنا حضرت عمر فاروق

کا امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دینا حضرت سائب بن یزید کی باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور گیارہ رکعت نماز تراویح ہی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہوئی۔

بیس رکعت نماز تراویح سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں:
جیسے بیس رکعت تراویح پیغمبر خدا ﷺ کی سنت نہیں۔

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بیس رکعت نہیں پڑھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی بیس رکعت نماز تراویح ثابت نہ ہو سکی۔ اسی طرح بیس رکعت نماز تراویح خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہیں۔ بعض الناس نے اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت کہنے کا شنیع حیلہ کیا۔ لیکن بحمد اللہ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی نے اس کا پردہ بھی چاک کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

قَالَ النِّمَوِيُّ فِي تَعْلِيقِ آثَارِ السُّنَنِ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ مَا رَوَاهُ السَّائِبُ مِنْ حَدِيثِ عَشْرِينَ رَكْعَةً قَدْ ذَكَرَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِلَفْظِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلَى مِثْلِهِ وَعَزَاهُ إِلَى الْبَيْهَقِيِّ فَقَوْلُهُ عَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلَيْ مِثْلَهُ قَوْلٌ مُدْرَجٌ لَا يُوجَدُ فِي تَصَانِيفِ الْبَيْهَقِيِّ. (تحفة الاحوذی صفحہ نمبر ۷۶ جلد نمبر ۲)

”علامہ شوق صاحب نیوی تعلیق آثار السنن میں فرماتے ہیں: آپ پر مخفی نہ رہے کہ سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایت کو بعض علماء نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی اس کی مثل، پھر بیہقی کا حوالہ دیا۔ لیکن اس کا یہ قول کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی اس کی مثل مدرج قول ہے۔ امام بیہقی رضی اللہ عنہ کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا۔“

اب قاضی صاحب ہی بتائیں گے کہ حضرت سائب بن یزید کی روایت میں علی عہد عثمان وعلیٰ مثلہ کا اضافہ کرنا مذہب کی بیچ میں چر لگانا نہیں تو اور کیا ہے؟ ناظرین! میرا اس وقت یہ موضوع نہیں۔ ورنہ خوب نقاب کشائی کرتا۔ کیونکہ اہل رائے حضرات کی حدیث کے ساتھ ناروا سلوک کی داستان بہت طویل ہے۔ معلوم ہوا کہ بیس رکعت نماز تراویح خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں ہے۔

بیس رکعت نماز تراویح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت بھی نہیں:

بیس رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت نہیں اہل رائے نے بہت کوشش کی کہ کسی نہ کسی طریق سے یہ خلفاء کی سنت بن سکے۔ لیکن ناکام رہے۔ کہ بیس رکعت نماز تراویح کو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت کہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت بھی ثابت نہ کر سکے۔ اسی طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سنت بھی قرار نہ دے سکے۔ لیکن ابھی ان کے تجسس کی حس بڑھ رہی ہے۔ اور یہی کوشش ہے کہ کسی طریقہ سے ہم اسے خلیفہ رابع سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت ہی کہہ سکیں۔ لیکن ان بے چاروں پر کہاں تک ترس کھایا جائے۔ یہ جن آثار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت نماز تراویح ہونے پر پیش کرتے ہیں وہ سب کے سب ضعیف ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل نہیں ہے۔ ویسے وہ بھی آپ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا اثر:

عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَفِي هَذَا الْإِسْنَادِ ضَعْفٌ.

(سنن کبریٰ صفحہ نمبر ۴۹۷ جلد نمبر ۲۰)

”ابو الحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو پانچ ترویحیں بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اور اس سند میں ضعف ہے۔“

۱۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بذات خود ہی اس مذکورہ بالا اثر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

وَفِي هَذَا الْإِسْنَادِ ضَعْفٌ. اور اس کی سند میں ضعف ہے

۲۔ اس اثر کے راوی ابواطار مجہول ہیں۔

قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ فِي تَرْجَمَةِ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّهُ مَجْهُولٌ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ فِي مِيزَانِهِ لَا يُعْرَفُ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

”حافظ صاحب تقریب میں ابوالحسناء کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے اور حافظ ذہبی بھی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں وہ غیر معروف ہے۔“

۳۔ نیز حضرت قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی فرماتے ہیں:

قَالَ النَّيْمِيُّ تَعْلِيقُ آثَارِ السُّنَنِ مَدَارُ هَذَا الْأَثَرِ عَلَى أَبِي الْحُسَيْنِ وَهُوَ لَا يُعْرَفُ. (تحفۃ الاحوذی صفحہ نمبر ۷۴ جلد نمبر ۲)

”علامہ شوق صاحب نیوی حنفی تعلق آثار السنن میں فرماتے ہیں کہ اس مذکورہ بالا اثر کا دار و مدار ابوالحسناء پر ہے اور وہ غیر معروف ہے۔“

دوسرا اثر:

حَمَادُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ قَامَرَهُمْ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُؤْتِرُهُمْ. (سنن کبریٰ ۴۹۶ جلد نمبر ۲)

”حماد بن شعیب عطاء بن سائب سے وہ ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ان سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور آپ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو وتر پڑھاتے تھے۔“

قاضی صاحب کے بزرگ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی مذکورہ بالا اثر کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

حَمَادُ بْنُ شُعَيْبٍ ضَعِيفٌ قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيزَانِ ضَعْفُهُ ابْنُ مَعِينٍ

وَعَبْرِهِ وَقَالَ يَحْيَىٰ مَرَّةً لَا يَكْتَبُ حَدِيثُهُ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيهِ نَظَرٌ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيفٌ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ أَكْثَرَ حَدِيثُهُ مِمَّا لَا يَتَابَعُ عَلَيْهِ. (تحفة الاحوذی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

”(اور اس اثر کے راوی) حماد بن شعیب ضعیف ہیں۔ حافظ ذہبی میزان میں فرماتے ہیں یحییٰ بن معین اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف کہا یحییٰ نے ایک دفعہ فرمایا اس کی حدیث قابل کتابت نہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں۔ اس میں نظر ہے۔ اور امام نسائی فرماتے یہ ضعیف ہے اور ابن عدی فرماتے ہیں۔ اس کی اکثر احادیث کی متابعت نہیں ملتی۔“

فائدہ جلیلہ:

قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ الْهَمَّامِ فِي التَّحْرِيرِ إِذَا قَالَ الْبُخَارِيُّ لِلرَّجُلِ فِيهِ نَظَرٌ فَحَدِيثُهُ لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهِ وَلَا يَصْلُحُ لِلْإِعْتِبَارِ أَنْتَهَى كَلَامُ ابْنِ الْهَمَّامِ قُلْتُ فَاتَّرُّ عَلَيَّ هَذَا لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهِ وَلَا يَصْلُحُ لِلْإِعْتِبَارِ فَإِنَّ فِي سَنَدِهِ حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيهِ نَظَرٌ.

(تحفة الاحوذی صفحہ نمبر ۷۵ جلد نمبر ۲)

”شیخ ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں ”جب امام بخاری کسی راوی کے متعلق یہ فرمادیں کہ اس میں نظر ہے تو اس (راوی) کی حدیث قابل احتجاج واستشہاد نہیں اور نہ ہی قابل اعتبار امام ابن ہمام کا کلام ختم ہوا میں کہتا ہوں تو (اس بنا پر) حضرت علی کا یہ (مذکورہ بالا) اثر قابل اجتہاد واستشہاد نہیں اور نہ ہی یہ قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب (راوی) ہے جس کے متعلق امام بخاری فرما چکے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔“

تو بیس رکعت نماز تراویح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی سنت نہ ہوئیں۔ مذکورہ دلائل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح خلفاء راشدین میں سے کسی کی بھی

سنت نہیں ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی خلیفہ نے نہ بیس رکعت پڑھیں نہ پڑھائیں اور نہ ہی پڑھنے کا حکم دیا۔ بلکہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق کا امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دینا باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اب ذرا حکم فاروقی رضی اللہ عنہ کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمائیے کہ یہ لوگ کیسے حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ جی ”آٹھ کا مسئلہ آج سے ۹۶ برس پہلے شروع ہوا“۔ اغلب ہے کہ یہ لوگ جلد ہی خود صحابی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہونے کا دعوٰی کر دیں گے۔ تاہم ان کی اس تاریخ دانی سے ان کے بزرگ تو یقیناً عہد فاروقی سے جاملتے ہوں گے۔ ع

قاضی اربابا نشید بر فشانہ دست را

جناب قاضی صاحب نے دواثر نقل کئے ہیں کہ سوید بن غفلہ اور ابن ابی ملیکہ نے بیس رکعت نماز پڑھائی۔ ناظرین غور فرمائیے ۔

جفاؤں کو وفا کہنے لگے ہیں

وہ ظلمت کو ضیاء کہنے لگے ہیں

سوید بن اور ابی ملیکہ نہ تو پیغمبر ہیں نہ ہی خلفاء راشدین۔ بلکہ یہ دونوں بزرگ تو صحابی بھی نہیں۔ تو پھر ان کے عمل سے بیس رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ یا خلفاء راشدین کی سنت ہونا کیونکہ ثابت ہوا۔ ان لوگوں کو یہاں پر ہی کہنا پڑے گا ۔

ادھر آ لوٹ کر اے رہرو بیگانہ منزل

رہ ایمان میں رہبر ہے حدیث خاتم المرسل

معلوم ہوتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی پیش کردہ روایات کی نفی برہان کی فکر رہی ہے۔ چاہے ان کا اصل موضوع سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔ یا پھر جب ان کے سر سے پانی گذر گیا ہے تو انہیں گویائی کی ضرورت

محسوس ہوئی۔ نتیجتاً انہیں ایسے غوطے آگئے ہوں گے۔ لیکن ایسی بات اہل علم کے شایان نہیں ہوا کرتی۔ قاضی صاحب نے مزید ایک اثر عطاء تابعی سے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے پایا۔“ حضرت عطاء تابعی نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میں نے خلفاء راشدین کو بیس رکعت پڑھتے پایا۔ وہ تو تابعی ہیں۔ اس لیے اس سے بیس رکعت خلفاء راشدین کی سنت ہونے پر استدلال کرنا صریحاً غلط ہے۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں



پانچواں باب

آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونا محقق حنفی علماء کا مسلک

پیغمبر خدا ﷺ کی سنت آٹھ رکعت نماز تراویح ہوئی۔ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی امام تراویح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور سنت نبویہ اور خلفاء راشدین کی سنت تو آٹھ رکعت نماز تراویح ہے۔ اس کے بعد آٹھ رکعت تراویح سنت نبویہ ہونا محقق حنفی علماء کا بھی مسلک ہے یہاں پر اس کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن ہمارا واسطہ چونکہ نام نہاد مقلدین سے ہے۔ جو بعض اوقات اپنے بزرگوں کی عقیدت میں احادیث صحیحہ سے بھی روگردانی کر لیتے ہیں۔ اور ان کا معیار یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر آنحضرت ﷺ کے ارشادات ان کے بزرگوں کے اقوال کے مطابق مل گئے تو بہتر ورنہ یہ آنحضرت ﷺ کی بات اپنے بزرگوں کے مقابلہ میں ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ خود میں اتنی صلاحیت نہیں سمجھتے ہیں۔ کہ یہ آنحضرت ﷺ کی فرمودہ باتیں سمجھ سکیں۔ خدا تعالیٰ نے جو نبی تمام بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کی خاطر مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ اُس کے فرمان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ دینی معاملات کو بالواسطہ سمجھنے کے عادی ہیں۔ اس لئے ان کی تسلی کی خاطر ان کے بزرگوں کا مسلک نقل کر رہا ہوں۔ کہ وہ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ کے قائل تھے۔

۱۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے تلمیذ رشید امام محمد رحمۃ اللہ:

امام محمد رحمۃ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب موطا میں باب ”قیام شہر رمضان“ کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث کہ ”پیغمبر ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پراضاہ نہیں فرمایا کرتے تھے“ بیان کرنے کے بعد آخر باب میں فرماتے ہیں:

وَبِهَذَا كَلَّمَهُ نَاخِذٌ لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُصَلِّيَ النَّاسُ تَطَوُّعًا بِأَنَّ الْمُسْلِمِينَ قَدْ أَجْمَعُوا عَلَى ذَلِكَ. (موطأ امام محمد)

”اور ہم ان تمام (باب میں بیان شدہ احادیث) کو اخذ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ رمضان میں نفل نماز جماعت سے ادا کریں۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔“

امام محمد رحمہ اللہ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو باب ”قیام شہر رمضان“ میں ذکر فرمانا پھر ”وَبِهَذَا كَلَّمَهُ نَاخِذٌ“ ہم ان تمام احادیث کو لیتے ہیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بھی گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس کے برعکس بیس رکعت سنت نبویہ ہونا ان سے منقول نہیں۔ وَمَنْ أَدْعَى فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ۔

امام محمد رحمہ اللہ کا حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باب ”قیام شہر رمضان“ میں ذکر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے ان کے ہاں پیغمبر خدا ﷺ کے قیام رمضان، صلوٰۃ تراویح پر استدلال درست ہے۔

۲۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ:

قاضی صاحب کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے:

فَإِنْ قُلْتَ لَمْ يُمْسِنَ فِي الرِّوَايَاتِ الْمَذْكُورَةِ عَدَدَ هَذِهِ الصَّلَاةِ الَّتِي صَلَّاهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي قُلْتُ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ جَبَّانٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ. (عمدة القاری صفحہ نمبر ۵۹۷ جلد نمبر ۳)

”اگر آپ کہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں پیغمبر خدا ﷺ کی ان راتوں کی نماز کا عدد بیان نہیں ہوا۔ تو میں کہوں گا ابن حبان اور ابن خزیمہ نے حضرت جابر کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں

رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کئے۔

علامہ بدر الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو مسجد میں نماز پڑھائی تھی وہ آٹھ رکعت ہی تھی۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے متذکرہ بالا بیان و مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے غور کیجئے۔ کہ یہ کیسا فریب ہے۔ کہ جی ”آٹھ کا مسئلہ آج سے ۹۶ سال پہلے شروع“۔ اور یہ بھی کیسا طرفہ ہے کہ ”آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کا فتویٰ دینے کی ابتدا حضرت مولانا حافظ حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں۔ کہ اپنے مسلک کے عنکبوتی آشیانہ کی مرمت کذب بیانی ایسی بوسیدہ تاروں سے کر رہے ہیں۔

۳۔ امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ امام ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَتَحْصُلُ مِنْ هَذَا كِلَاهُ قِيَامُ رَمَضَانَ سُنَّةً أَحَدِي عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوُتْرِ فِي جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (حاشیہ بخاری بحوالہ ابن ہمام صفحہ نمبر ۱۵۴ جلد نمبر ۱)

”اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے قیام رمضان باجماعت سنت بمعہ وتر گیارہ رکعت ہے۔ جسے نبی علیہ السلام نے ادا کیا۔“

امام ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا فتویٰ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ گیارہ رکعت بمعہ وتر سنت نبویہ ہے۔ معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے فتویٰ کی ابتداء حضرت مولانا حافظ محمد حسین صاحب بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی۔ بلکہ اُن سے بہت پہلے اہل رائے حضرات کے ہی بزرگ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ہمام بھی یہی فتویٰ دے چکے ہیں۔ چنانچہ قاضی صاحب اپنے عتاب میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اپنے بزرگوں کو ہی کہہ لیں۔

۴۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے امام ابن ہمام کا متذکرہ بالا

فتویٰ نقل کرنے کے بعد سکوت فرمایا ہے۔ کہ گیارہ رکعت بمعہ وتر ہی سنت نبویہ ہے اور اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ انہیں امام ابن ہمام کے فتویٰ سے پورا پورا اتفاق ہے ورنہ وہ ضرور بالضرور اس پر لب کشائی کرتے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم قاضی صاحب کی طرح یہ ہی کہہ دیتے۔ کہ ”ان بزرگوں کی انفرادی رائے ہے۔“

علامہ زیلیعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ:

قاضی صاحب کے بزرگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیس رکعت والی روایت نقل کر

کے فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعْلُولٌ بِأَبِي شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُثْمَانَ جَدِّ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ وَلَيْتَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ ثُمَّ أَنَّهُ مُخَالَفٌ لِلْحَدِيثِ الصَّحِيحِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. (لغیب الریہ جلد نمبر ۱)

”اور وہ ابن عباس کی حدیث امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے معلول ہے۔ اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ اور ابن عدی نے اسے کامل میں ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔ کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی تھی۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ آپ رمضان میں وغیرہ رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔“

تو علامہ زیلیعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ مسلک ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان میں بھی

گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھا کرتے تھے۔

اب تو قاضی صاحب کے زعم میں یہ چیز دور ہو گئی ہوگی۔ کہ حضرت مولانا

حافظ محمد حسین صاحب بنا لوی نے آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے فتویٰ میں ابتدا کی ہے۔ بلکہ ان سے پہلے قاضی صاحب کے بزرگ علامہ زلیعی حنفی رحمہ اللہ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

علامہ زلیعی حنفی رحمہ اللہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح پر استدلال درست ہے کہ ”پیغمبر خدا ﷺ وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے“۔ ورنہ وہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف قرار نہ دیتے۔

۶۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

فَتَحْصُلُ مِنْ هَذَا كَلِمَةٌ أَنَّ التَّارَوِيحَ فِي الْأَصْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ بِالْوُتْرِ فِي جَمَاعَةٍ وَقَعَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخ. (حاشیہ مشکوٰۃ بحوالہ مرقاۃ)

تو اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ تراویح باجماعت بمعہ وتر دراصل گیارہ رکعت ہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں ادا کیا تو جناب اہل رائے کے ہی بزرگ حضرت ملا علی قاری بھی ہمارا ساتھ دے رہے ہیں کہ نماز تراویح دراصل بمعہ وتر گیارہ رکعت ہی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَثْبُتْ رَوَايَةُ عِشْرِينَ رُكْعَةً مِنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا هُوَ مُتَعَارِفُ الْآنَ إِلَّا فِي رَوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ وَقَدْ عَارَضَهُ حَدِيثُ عَائِشَةَ وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

”اور میں رکعت کی روایت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل متعارف ہے۔ مگر ابن ابی شیبہ کی روایت میں اور وہ ضعیف ہے اور حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس کے معارض ہے اور وہ صحیح حدیث ہے۔“

تو اہل رائے کے بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ بھی آٹھ رکعت نماز تراویح کو نبی علیہ السلام کی سنت کہہ رہے ہیں۔ اور قاضی صاحب اپنوں کے بھی بیگانے بنے بیٹھے ہیں۔

۸۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی رحمہ اللہ:

قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں:

وَأَمَّا الْعَدَدُ فَرَوَى ابْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهُ أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ وَثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَتُرَا. (عمدة الراية صفحہ نمبر ۲۸۷ جلد نمبر ۱)
”اور تراویح کا عدد تو امام ابن حبان اور دیگر محدثین نے روایات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان راتوں آٹھ رکعت اور تین اور تر پڑھائے۔“

۹۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا اعتراف:

قاضی صاحب کے بزرگ ان کی طرح اس قدر متعصب نہیں تھے۔ اور وہ حق بات کو تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے خیالات کا جائزہ لیجئے:

لَأَمَّا مَنْ تَسْلِيْمٍ أَنْ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَى حِدَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف الثدى)

”یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعت تھی۔ اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں نماز تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔“

۱۔ تو قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسا عمدہ فیصلہ فرمایا۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت ہی تھیں اور اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ہاں تو بہت ہی چارہ ہوگا۔ کیونکہ نئی روشنی میں نئی تحقیق اجاگر کر رہے ہیں۔ اور تحقیق حق اس کو نام دیا ہوا ہے۔ اچھا اگر ابھی تک ان کو حق کی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ تو خدا تعالیٰ انہیں تحقیق اور حق کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ناظرین غور کیجئے کہ حق بات کہنے اور تسلیم کرنے میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سچے ہیں۔ یا قاضی صاحب کی ذات گرامی۔

۲۔ قاضی صاحب تو ایڑی چوٹی کے زور سے اس بات کا چرچا کر رہے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن شاہ صاحب نے مدت پہلے یہ بات واضح کر دی تھی۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں اب جناب قاضی صاحب اور ان کے پیشوا و امام حضرت شاہ صاحب دونوں بزرگوں میں سے ایک سچ پر ہیں۔ اور دوسرے کو کیا کہوں آپ سمجھئے۔ کیونکہ اصول ہے اجتماع نقیضین بھی باطل اور ارتفاع نقیضین بھی باطل۔ اب آپ خود فیصلہ کریں۔ کیونکہ آپ قاضی ہیں اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے صحیح فیصلہ دیں۔ شاید ہم بھی آپ کو قاضی تسلیم کر لیں۔

قاضی صاحب کے محترم و مکرم چچا صاحب کا اقرار:

قاضی صاحب کے محترم و مکرم چچا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ العالی

فرماتے ہیں:

ناظرین کرام! میرا موقف یہ ہے کہ مجھے نہ آٹھ کی سنیت سے انکار ہے اور نہ عملاً ان کے ترک کو مستحسن سمجھتا ہوں اور نہ ہی حتی المقدور ان کو ترک کرتا

ہوں۔ اور نہ ہی کسی کو ترک کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میری جماعت حنفیہ کرام آٹھ کی سنیت کے منکر یا تارک ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں سنت ہیں۔“ (القول الفصیح صفحہ نمبر ۵)

۱۔ تو قاضی صاحب کے محترم مکرم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب نے اپنا ہی نہیں بلکہ تمام اہل رائے حضرات کا اجماعی مسلک بیان کیا ہے کہ ”نہ ہی میری جماعت حنفیہ کرام آٹھ کی سنیت کے منکر یا تارک ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں۔ سنت ہیں۔“ جناب قاضی صاحب نے ”سنت ہیں۔“ کا لفظ تقریراً اور کیداً دوبارہ بولا ہے تاکہ بعض الناس یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے شیخ الحدیث قاضی صاحب کو ”آٹھ رکعت سنت ہیں“ کہنے میں سہو ہو گیا تھا۔

۲۔ قاضی صاحب کے محترم مکرم چچا صاحب کا بیان تو آپ نے پڑھ لیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں سنت ہیں۔“ اور ادھر قاضی صاحب کے ارشاد یہ ہیں کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں“ پھر اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس رکعت کو ہی سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔ ناظرین! اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ دونوں قاضی بزرگان میں سے کون غلطی پر ہے۔ ہم تو انہیں یہ کہیں گے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ... الخ۔

۳۔ قاضی صاحب کے دس بزرگوں کے ارشادات تو آپ پڑھ چکے جو سب کے سب اس بات کے قائل ہیں۔ کہ پیغمبر خدا ﷺ کا قیام رمضان گیارہ رکعت ہی تھا۔ تو اس سے جناب قاضی صاحب کے بیس رکعت پر ساری امت کے اجماع کی بھی قلعی کھل گئی۔ بیس رکعت کی سنت پر ساری امت تو کجا صرف امت حنفیہ بھی متفق نہیں۔ بلکہ ان دس بزرگوں کے علاوہ دیگر اہل رائے حضرات بھی ہمارے ہم نوا ہیں۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔

خلاصہ ایں چہار ابواب:

۱۔ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونا تین مرفوع اور قابل حجت احادیث سے ثابت ہے۔

۲۔ امام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین صحیح لذاتہ حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔“

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی فعلی مرفوع تصریحی اور باتفاق محدثین قابل حجت حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔“

۳۔ اقرء القراء امام تراویح حضرت ابی بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ کی تقریری مرفوع تصریحی اور قابل حجت حدیث کہ ”انہوں نے رمضان المبارک میں ایک دن پیغمبر خدا ﷺ سے بیان کیا کہ میں نے آج رات گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے سکوت فرمایا۔“

۳۔ پیغمبر خدا ﷺ کی رمضان المبارک میں تہجد اور تراویح الگ الگ نہ تھی۔ چنانچہ قاضی صاحب کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے فرمایا: وَلَمْ يَبْتَعْ فِي رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّوَارِيحَ أَوْ التَّهَجُّدَ عَلَى حَدِّقَةٍ مِنْ رَمَضَانَ. (العرف الشذی)

یعنی کسی ایک روایت سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔

۲۔ بیس رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ ”آنحضرت ﷺ بیس رکعت پڑھتے۔“ سخت ضعیف و منکر ہے۔ جس کا قاضی صاحب کو بھی اعتراف ہے۔

نوٹ: دنیا اہل رائے بالخصوص دیوبندی مقلدین میں سے کوئی مائی کال ل میں رکعت نماز تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے ثابت کر دے تو مبلغ پانچ ہزار روپیہ بطور انعام اس کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی صاحب اس مذاے سودمند پر لیک کہیں۔ تو انہیں مبلغ دس ہزار روپیہ دیا جائے گا۔

هَلْ مِنْ مُجِيبٍ يُجِيبُ فِهَذِهِ الْجَائِزَةُ يُصِيبُ

۴۔ میں رکعت نماز تراویح جس طرح پیغمبر خدا ﷺ کی سنت نہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی سنت نہیں۔ نہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ نہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نہ خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اور نہ خلیفہ رابع سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وارضاهم۔

۵۔ باتفاق محدثین صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح حضرت ابی بن کعب و تمیم داری کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

نوٹ: دُنیا اہل رائے بالخصوص دیوبندی مقلدین سے کوئی مائی کال ل میں رکعت نماز تراویح کا خلفاء راشدین سے پڑھنا یا پڑھانا یا کسی کو بیس پڑھنے یا پڑھانے کا حکم دینا کسی ایک صحیح روایت سے ثابت کر دے تو مذکورہ بالا انعام اس کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور قاضی صاحب کے لئے انعام کی حیثیت دگنی ہی رہے گی۔

۶۔ جناب قاضی صاحب کے ہی دس بزرگ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام محمد رحمہ اللہ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ، امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حنفی، حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی رحمہ اللہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی رحمہ اللہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب دیوبندی حنفی رحمہ اللہ اور

جناب قاضی صاحب کے محترم و مکرم چچا قاضی شمس الدین صاحب دیوبندی حنفی
 رحمہ اللہ وغیرہم بھی آٹھ رکعت کو پیغمبر خدا ﷺ کی خود ادا کردہ صلوٰۃ تراویح قرار
 دے چکے ہیں۔

۷۔ آٹھ رکعت کا مسئلہ آج سے ۹۶ برس پہلے شروع نہیں ہوا بلکہ آٹھ رکعت نماز تراویح
 پیغمبر خدا ﷺ کے عہد مبارک میں پڑھی اور پڑھائی گئی۔ پھر حضرت عمر فاروق
 نے بھی آٹھ رکعت اور بعد و تر گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ تو آٹھ رکعت
 نماز تراویح کو معرض وجود میں آئے ہوئے آج چودھویں صدی گزر رہی ہے۔

۸۔ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہونے کا فتویٰ دینے کی ابتدا حضرت مولانا
 حافظ محمد حسین صاحب بٹالوی رحمہ اللہ نے نہیں کی بلکہ ان سے پہلے امام ابن
 ہمام رحمہ اللہ اور اہل رائے کے دیگر بزرگ بھی آٹھ رکعت سنت نبویہ ہونے کے
 فتاویٰ دے چکے ہیں۔



(پہلا حصہ)

قاضی صاحب کے مغالطات

قاضی صاحب کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا ہے جو ”التنقیح لعدد صلوٰۃ التراويح“ کے نام سے موسوم ہے قاضی صاحب نے آٹھ رکعت نماز تراویح کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے پمفلٹ میں جو کردار ادا کیا ہے وہ انتہائی پر شکوہ ہے ایک طرف تو جناب ضعیف ضعیف روایات پر اعتماد کرتے رہے اور دوسری طرف عوام کو مغالطہ دہی ایسی سعی نامشکور بھی ان کی تحریر کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ اس فصل میں جناب قاضی صاحب کی ایسی حیلہ سازیوں کو ایک نظر دیکھئے۔ اور علماء حضرات کی تحریف کا اندازہ لگائیے۔

مغالطہ نمبر ۱:

قاضی صاحب امام شوکانی کی تصنیف لطیف نیل الاوطار سے مندرجہ ذیل عبارت نقل فرماتے ہیں:

”احادیث باب اور دیگر ان کی مشابہ احادیث صرف اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ رمضان میں قیام مشروع ہے۔ نماز باجماعت یا اکیلے دونوں درست ہیں۔ تو اب تراویح کی نماز کا عدد معین پر بند کرنا اور مخصوص قراۃ کے ساتھ اسے ادا کرنا سنت میں وارد نہیں ہوا۔“ (پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۰)

قاضی صاحب مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر عوام کو یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ امام شوکانی رحمہ اللہ بھی آٹھ رکعت نماز تراویح کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خود ادا کردہ تراویح نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

ہر حسن میں جس حسن کا پر تو ہے دکھا کر

ہم اس بُت کافر کو مسلمان کریں گے

چنانچہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے چند طور قبل جو فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:

وَأَمَّا الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْهُ ﷺ فِي صَلَاتِهِ فِي رَمَضَانَ فَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانٍ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ أَنَّهُ ﷺ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ ﷺ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ زَادَ سَلِيمُ الرَّازِيُّ فِي كِتَابِ التَّرْغِيبِ لَهُ وَيُوتَرُ بِثَلَاثٍ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ وَهُوَ ضَعِيفٌ. (نیل الاوطار ووضعیف)

اور لیکن جو عدد پیغمبر خدا ﷺ سے ان کی رمضان کی نماز میں ثابت ہے۔ تو امام بخاری اور دیگر محدثین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اُن کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر ادا کئے۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے سلیم رازی نے اپنی کتاب ترغیب میں یہ زیادہ کیا ہے ”اور تین وتر پڑھتے۔“ امام بیہقی فرماتے ہیں اس ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منفرد وکیلے ہیں اور وہ ضعیف ہے۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ امام شوکانی نے متعین طور پر گیارہ رکعت نماز تراویح کا پیغمبر خدا ﷺ کی سنت اور آپ کا معمول ہونا کتنے واضح اور ٹھوس انداز

میں بیان کیا ہے پہلے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے“ بیان کی۔ پھر حضرت جابر کی حدیث کہ ”پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔“ سے ثابت کیا کہ پیغمبر خدا ﷺ متعین پر طور آٹھ رکعت نماز تراویح ہی پڑھا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن عباس کی بیس رکعت والی روایت کا ضعف ثابت کر کے انہوں نے بیس رکعت سنت کے علمبردار اور اہل رائے حضرات کے دعاوی پر پانی پھیر دیا۔

ناظرین! آپ دھوکا میں نہ آئیں۔ اور امام شوکانی کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں یہ اندازہ لگائیں۔ کہ یہ لوگ اپنا اُلوسیدھا کرنے کے لئے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

مغالطہ نمبر ۲:

قاضی صاحب فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل عبارت نقل فرما کر فریب کا جال بٹنے کی سعی میں ہیں۔

”جو شخص خیال کرتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی متعین عدد آنحضرتؐ سے ثابت ہے جس میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی۔ تو وہ غلطی کرتا ہے۔“ (پمفٹ صفحہ نمبر ۴۰)

تو قاضی صاحب یہاں پر بھی بڑی فنکاری سے عوام کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ بھی متعین عدد تراویح کو آنحضرتؐ کا معمول نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے مطلب پرستی کی خاطر قاضی صاحب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس سے چند سطور قبل عبارت کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

بَلْ كَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ
عَلَى ثَلَاثِ عَشْرَةِ رَكْعَةً. (فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ نمبر ۴۰ جلد نمبر ۳۵)

بلکہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ تو متعین عدد نماز تراویح کو پیغمبر خدا ﷺ کا معمول سمجھتے ہیں۔ اور متعین عدد نماز تراویح ہی آپ کی سنت کہہ رہے ہیں۔ لیکن جناب قاضی نے بھی عوام کو مغالطہ دینے میں حضرت مولانا ابوزاہد صاحب کے اُسوہ کی پیروی کرنے سے سرمو بھی انحراف نہیں کیا۔ بہر حال قاضی صاحب نے جو انداز اختیار کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھیں۔ کہ اس قسم کے حربہ جات کا استعمال علم کا دعویٰ کرنے والوں کے شایان شان نہیں ہوا کرتا۔

اعتراض:

جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں مجتہد بزرگ متعین عدد صلوٰۃ تراویح کو پیغمبر خدا ﷺ کی سنت قرار دیتے ہیں۔ تو پھر انہوں نے جناب قاضی صاحب کے نقل کردہ بیانات میں کس بات کی نفی فرمائی۔

الجواب:

جناب انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ سے ثابت شدہ عدہ کے ماسوا جو صلوٰۃ تراویح کے اعداد متعین کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ۱۶، ۲۰ وغیرہ ان کی نفی فرمائی۔ اور فرمائیے جناب کیا حکم ہے۔

مغالطہ نمبر ۳:

قاضی صاحب لم يقع فی هذه الرواية الخ پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۷ تا صفحہ نمبر ۳۸ پر قارئین کو یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ حافظ ابن حجر نے بھی سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کو بوجہ اختلاف ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایت کی تائید فرمائی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تو سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کو ان کی بیس رکعت والی روایت پر یوں ترجیح دیتے ہیں:

وَالْعَدُّ الْأَوَّلُ مُوَافِقٌ لِّحَدِيثِ عَائِشَةَ الْمَذْكُورِ بَعْدَ هَذَا الْحَدِيثِ

فِي الْبَابِ. (فتح الباری صفحہ نمبر ۲۵۳ جلد نمبر ۴)

”(سائب بن یزید کی روایت میں وارد شدہ) پہلا عدد (گیارہ رکعت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے موافق ہے۔ جو اسی باب میں اس حدیث (زیر شرح) کے بعد ذکر ہوگی۔“

ناظرین آپ حضرت سائب بن یزید کی گیارہ رکعت والی روایت کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ کہ یہ باتفاق محدثین بالکل صحیح حدیث ہے۔
مغالطہ نمبر ۴:

جناب قاضی صاحب نے اپنے پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۴ پر تہذیب التہذیب کے حوالہ سے حضرت سوید بن غفلہ تابعی کے متعلق ایک قول نقل فرمایا ہے کہ ”بعض نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔“

اس مقام پر قاضی صاحب عوام کو یہ مغالطہ دے رہے ہیں۔ کہ دیکھو تہذیب التہذیب ایسی اسماء رجال کی معتبر و مستند کتاب میں بھی سوید بن غفلہ کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو بعض کے اس قول کو تہذیب التہذیب میں صرف اس غرض کے لئے نقل کیا ہے۔ کہ اس کی تعلیط و تردید کی جائے۔ قاضی صاحب کی فراست کی داد دینا چاہیے۔ کہ وہ کس ڈھنگ سے اپنے وفاع کی خاطر دلائل کرید رہے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ قِيلَ إِنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا يَصَحُّ وَقَدِمَ الْمَدِينَةَ حِينَ دَفِنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. وَهَذَا أَصَحُّ. (تہذیب التہذیب صفحہ نمبر ۲۷۸ جلد نمبر ۴)

”اور کہا جاتا ہے کہ اس سوید بن غفلہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔ لیکن یہ غلط ہے بلکہ اس وقت مدینہ طیبہ پہنچا جب کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے سے فارغ ہو چکے تھے اور یہ صحیح ہے۔“

قاضی صاحب یہاں پر خط کشیدہ الفاظ کو مولانا ابوزاہد کی پیروی میں شیر مادر سمجھ کر ہضم

فرما گئے۔ اور یہ تمام مغالطے صرف اس لئے دے رہے ہیں۔ کہ سوید بن غفلہ صحابی ہے۔ اور یہ بیس رکعت پڑھتا اور پڑھاتا رہا۔ لیکن نکلے وہ تابعی: فلم یلق غیر خفی حنین۔ تو جناب قاضی صاحب کو خاک کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

بھرے بازار میں جنس وفا بے آبرو ہوگی
اٹھے گا اعتبار کوئے جاناں ہم نہ کہتے تھے

دوسرا حصہ

قاضی صاحب کے متضاد بیانات

قاضی صاحب کی تحریر جہاں مغالطہ آمیز ہے وہاں وہ متضاد بیانات سے بھی لبریز ہے بطور نمونہ چند متضاد بیانات درج کئے جاتے ہیں۔ ارادہ تو نہ تھا لیکن یہ لوگ بڑے بلند بانگ دعاوی کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس لئے ان پر ان کی اپنی حیثیت واضح ہو جائے تو بہتر رہے گا۔ کہ کس طرح یہ لوگ اپنی کبی ہوئی بات میں تضاد بیانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

متضاد بیان نمبر ۱:

چنانچہ قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر فرماتے ہیں:

”امام ترمذی نے جامع ترمذی میں علامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری صفحہ نمبر ۳۴۵ میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری صفحہ نمبر ۱۸۰ اور ۱۸۱ میں اور علامہ بدر الدین العینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۷ پر مذاہب مختلفہ دربارہ عدد رکعات تراویح ذکر کئے ہیں۔“

لیکن جو نبی قاضی ص ۴۲ پر پہنچتے ہیں تو انہیں مندرجہ بالا بیان یاد نہیں رہتا پھر بیس رکعت

کے متعلق یوں فرماتے:

”کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہو گئی تھی“ نیز صفحہ نمبر ۴۶ پر بیس رکعت والی ضعیف روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔ ”پھر جب ساری امت اس کے مطابق عمل کر رہی ہے تو تلقی بالقبول سے اس کا ضعف منجمد ہو جائے گا۔“

ناظرین کرام! جناب قاضی صاحب سے دریافت فرمائیں۔ کہ آپ نے پہلے خود ہی بیان فرمایا کہ مندرجہ بالا چار کتب میں مذاہب مختلفہ و بار عدد رکعات تراویح ذکر کئے گئے ہیں۔ اور آپ خود ہی فرما رہے ہیں۔ کہ ”میں پر ساری امت کا اتفاق ہے۔“ تو ان دونوں باتوں سے کوئی بات غلط ہے۔

قاضی صاحب کا یہ کلام کہ ”کیا یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہو گئی تھی؟ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت نبویہ پر ساری امت کا اتفاق ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں کہ محققین حنفی علماء کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ آٹھ رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہے۔ بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ نہیں ہے بیس رکعت سنت نبویہ ہونے پر تو بے چاری امت حنفیہ کا بھی اتفاق نہیں۔ ساری امت کا بیس رکعت کی سنیت پر کیسے اتفاق ہو سکتا ہے۔

اچھا قاضی صاحب اگر بیس رکعت سنت نبویہ پر ساری امت کا اتفاق ہے اور آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ تو آئمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں سے صرف ایک ہی امام کا قول نقل فرمادیں۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہو۔ کہ ”بیس رکعت نماز تراویح سنت نبویہ ہے۔“ دیکھئے قاضی صاحب کب ارشاد فرماتے ہیں۔ فَانْتَظِرُوا إِلَيَّ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ۔

لطیفہ! آپ تیسرے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی بیس

رکعت والی روایت کے ضعف پر اتفاق ہے۔ تو حضرت ابن عباس کی روایت کے ضعف کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور جناب قاضی صاحب ہیں کہ تلقی بالقبول سے اس کا ضعف منجر کرنے کے درپے ہیں۔ یہ بھی کیسا طرفہ ہے۔

متضاد بیان نمبر ۲:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر فرماتے ہیں ”اب یہی صحیح ہے کہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کی جائے۔“ نیز صفحہ نمبر ۴۵ پر بیان کرتے ہیں ”اب پھر اتباع سنت تو یہی ہے کہ بیس کو ہی سنت سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔“ لیکن پمفلٹ صفحہ نمبر ۱۹ حاشیہ پر انہیں مندرجہ بالا باتوں سے نسیان ہو گیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔“ نیز صفحہ نمبر ۴۰ پر فرماتے ہیں۔ ”جو شخص خیال کرتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی متعین عدد آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ جس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ تو وہ غلطی کرتا ہے۔“ قارئین اندازہ فرمائیے کہ بیس رکعت سنت نبویہ کہنا بھی تو متعین عدد میں شامل ہے۔ یہ بھی کہیں غلط تو نہیں۔

نوٹ: قاضی صاحب کا فرمان کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح احادیث سے ثابت نہیں“ قطعاً غلط ہے۔ اس کے لئے آپ دوسرے باب کا ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ آٹھ رکعت نماز تراویح پیغمبر خدا ﷺ سے صحیح حدیث ثابت ہے۔ یہ بھی عجیب امتیاز ہے کہ اگر کوئی چیز قاضی صاحب کی طبع نازک پر گراں گزرے۔ تو وہ صحیح نہیں ہو سکتیں دوسرے لفظوں میں یہ حدیث صحیح سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ بیس رکعت تراویح کا سنت نبویہ ہونا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت نہیں۔

بس مصور ملے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز

آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

لطیفہ! عجیب بات یہ ہے کہ جناب قاضی صاحب نے آٹھ رکعت تراویح کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتو دیا۔ کہ ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔“ لیکن بے

چارے اس سے بیس رکعت کے سنت نبویہ ہونے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ رمی بسہم نفسہ۔
متضاد بیان نمبر ۳:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۱۳ پر ہذا محمول علی غیر الوتر۔ عبارت کا حوالہ دے رہے ہیں۔ فتح الباری جلد نمبر ۴۔ لیکن کیا کیا جائے۔ بیچارے قاضی صاحب کو سہو و نسیان سے از حد الفت ہے خواہ دیوالیہ ہی نکل جائے۔ قاضی صاحب نے بھی سہو و نسیان کو ایسا اپنایا ہے کہ وہ زندگی بھر ان کی شراکت نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس جگہ پر بھی اس عبارت کو قاضی صاحب نے اپنے عزیز ترین دوست سہو و نسیان کی نذر کیا ہے اور سہو و نسیان کی رفاقت سے اسی حوالہ نے صفحہ نمبر ۳ پر جلد اول کا روپ دھار لیا۔ لیکن جتنی مدت تک قاضی صاحب اپنے سہو کی معافی نہیں مانگیں گیں اتنی دیر تک اسے تضاد بیانی سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ آخر بشیر صاحب، ماسٹر نصر اللہ خاں اور ماسٹر عباس علی ایسے حواریوں کے لئے اصل کتابوں کے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو اتنے پر ہی جھوم جھوم کر سر ہلانا شروع کر دیتے ہیں۔

تیسرا حصہ

قاضی صاحب کی اغلاط

قاضی صاحب کی تحریر کو اگر مغالطات اور متضاد بیانات ایسے زیورات نے زینت بخشی ہے۔ تو اغلاط ایسے جواہر نے بھی اس کی رونق کو چار چاند لگانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں اٹھا رکھی۔ چند اغلاط بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔
غلطی نمبر ۱:

قاضی صاحب نے پمفلٹ صفحہ ۳۷ پر لَمْ يَقَعْ فِي هَذِهِ الرَّوَايَةِ عَدَدُ الرُّكْعَاتِ الَّتِي كَانَ يُصَلِّي بِهَا أَبِي كَعْبٍ تَا وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ

الْمُرُوَزِّي مِنْ طَرِيقِ عَطَاءٍ الخ. عبارت کا حوالہ یہ دیا ہے فتح الباری جلد نمبر اول صفحہ نمبر ۱۸۰۔

جناب والا! مندرجہ بالا عبارت فتح الباری جلد اول میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ نامعلوم قاضی صاحب نے یہ حوالہ کسی چھوٹی موٹی رسالی سے نقل فرما دیا۔ دراصل یہ تقلید کا ہی ثمرہ ہے اور ہے بھی بہت میٹھا اور اس کا مزا تو قاضی صاحب ہی جانتے ہوں گے۔
غلطی نمبر ۲:

قاضی صاحب صفحہ نمبر ۳۹ پر فرماتے ہیں، ”حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ کہ سارے سال میں چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں۔ یہ بالکل غلط ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مندرجہ بالا بات نہ حنفی مدلول ہے نہ واضح و ظاہر۔ اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عبارت صرف اس قدر ہے۔ یصلی اربعاً۔ آپ چار رکعت پڑھتے۔ نہ تو اس میں سارے سال کا ذکر ہے نہ آدھے کا۔ اور نہ ہی علیحدہ علیحدہ اور اکٹھی کا ذکر ہے۔ بلکہ بخاری و مسلم اور دیگر حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یسلم بین کل رکعتین۔ آنحضرت ﷺ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث ہے اہل رائے حضرات کی فقہ نہیں کہ اس کا انحصار بزرگوں کی من مانی پر ہو۔
غلطی نمبر ۳:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر ہی فرماتے ہیں۔ ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سارے سال میں دو تین رکعت ہی ادا ہوتے ہیں۔“

تو جناب یہ بھی غلط ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مندرجہ

بالاباات نہ خفی مدلول ہے نہ واضح و ظاہر۔ اور اس بارہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عبارت صرف اس قدر ہے ثم یصلی ثلاثا۔ پھر آپ تین رکعت پڑھتے۔ نہ تو اس میں سارے سال کا ذکر ہے نہ آدھے کا۔ اور نہ ہی اس میں تین وتر کا ایک سلام سے پڑھنے کا بیان ہے نہ ہی دو سلام سے بلکہ بخاری و مسلم دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے و یوتر بواحدة۔ آپ ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے۔ لیکن جناب قاضی صاحب نے بلا سوچے سمجھے مذہب کی بیچ میں آکر سارے سال کے لفظ حدیث مصطفیٰ ﷺ میں بڑھا دیئے۔ انا للہ وانا للہ راجعون۔ یہ اہل رائے حضرات ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی مبارک حدیث کے ساتھ بھی اس قسم کا ناروا سلوک کرنے سے باز نہیں آتے۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں چار رکعت اور تین وتر کے بارہ میں سارے سال کا ذکر نہیں تو پھر گیارہ رکعت پر اضافہ کی نفی کے بارہ میں سارے سال کا ذکر اس میں کہاں ہے؟

تو جناب اس جملہ میں ”مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى أَحَدٍ عَشْرَةَ رَكْعَةً“ پیغمبر خدا ﷺ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ اور رمضان و غیر رمضان سارے سال کو شامل ہے۔

دوسرا یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر تین وتر سارا سال نہ مانیں تو پھر آپ کی نماز بسا اوقات گیارہ رکعت سے کم ہو جائے گی۔

تو جناب! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گیارہ رکعت سے کم کی نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ گیارہ رکعت پر اضافہ کی نفی فرمائی ہے۔ فتدبر۔
غلطی نمبر ۴:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر ہی فرماتے ہیں ”اب غیر مقلدین کے نزدیک نمبر دوم (سارے سال میں چار چار رکعت اکٹھی ادا ہوتی تھیں) بھی متروک

ہے اور نمبر سوم (سارے سال میں وتر تین رکعت ہی ادا ہوتے تھے) بھی متروک ہے۔“
 تو جناب قاضی صاحب نمبر دوم و نمبر سوم کو حدیث یا حدیث کا مفہوم سمجھ رہے
 ہیں۔ اور یہ غلط ہے نمبر دوم و نمبر سوم نہ حدیث ہے نہ حدیث کا مفہوم بلکہ ہے یہ صرف
 قاضی صاحب کا ہی مزعوم۔ تو نمبر دوم و سوم جب نہ حدیث ہے اور نہ حدیث کا
 مفہوم۔ تو اس کا الہجدیث حضرات کے ہاں متروک ہونے میں کیا مضائقہ۔ البتہ قاضی
 صاحب کی جسارت عظمیٰ واضح ہو رہی ہے کہ انہوں نے اپنے موہوم نمبر دوم و نمبر سوم پر
 کس طرح حدیث کا لیل لگایا اعاذنا اللہ من ذالک۔
 غلطی نمبر ۵:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳۹ پر بہت سی گل افشائیاں کر رہے ہیں
 فرماتے ہیں: ”تو گویا (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی) حدیث ان کے (الہجدیث)
 نزدیک متروک العمل ہے۔“

جناب قاضی صاحب نمبر دوم و نمبر سوم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث
 یا حدیث کا مفہوم سمجھ کر مندرجہ بالا عبارت فرما رہے ہیں۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ کہ
 نمبر دوم و نمبر سوم نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے نہ ہی اس کا مفہوم۔ تو جو
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ بمعہ اپنے مفہوم الہجدیث کے ہاں زیر
 عمل ہے۔ اور قاضی صاحب کا موہوم نمبر دوم و سوم جو اہل حدیث کے ہاں متروک
 العمل ہے وہ کوئی حدیث نہیں نہ کسی حدیث کا مفہوم ہے تو غور فرمائیے اس میں ”میٹھا
 میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو“ والی کوئی بات ہے۔ پھر ”میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو“ میں
 کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ الذین یستمعون القول فیتبعون
 احسنہ۔ البتہ غور طلب مقام یہ ہے کہ اہل رائے حضرات جو کڑوا کڑوا تھو اور میٹھا میٹھا
 بھی تھو کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ آخر ان کا کیا حال ہوگا۔

تو اطلاعاً عرض ہے کہ الہجدیث کے ہاں نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی

حدیث متروک ہے۔ اور نہ کوئی اور مقبول حدیث۔ بلکہ وہ تو قرآن و حدیث سے سرمو انحراف کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ اور صحیح حدیث کے متعلق ”لایجب علینا قبولہ“ ہم پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں، ایسے نظریہ کو ہم کفر بواج گردانتے ہیں۔ فرمائیے جناب اور کیا حکم ہے؟
غلطی نمبر ۶:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر صحیح بخاری کے حوالہ سے مندرجہ ذیل جملہ نقل فرما رہے ہیں۔ ”فر من المجذوم“
جناب صحیح بخاری میں وارد شدہ لفظ المجذوم نہیں بلکہ المجذوم ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری صفحہ نمبر ۸۵۰ جلد نمبر ۲ میں ہے ”وَقَرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَقَرَّ مِنَ الْأَسَدِ“ افسوس ہے کہ ان لوگوں کو اپنی وسعت علم پر بھی ناز ہے لیکن غلطیاں وہ کر رہے ہیں جو معمولی درس نظامی کا طالب علم بھی نہ کرے اب نامعلوم لفظ المجذوم سے حرف ”میم“ نکالنے سے کون سی چیر لگانا کار فرما ہے شاید اس حرف میم نکالنے سے ”مقلدیت“ کے جامہ کو تقویت دینا مقصود ہوگا۔
غلطی نمبر ۷:

جناب قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۱ پر ہی فرماتے ہیں ”جامع ترمذی ارشاد الساری“ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں سے کسی ایک میں بھی آٹھ کا مذہب ذکر نہیں کیا گیا.... الخ۔“

جناب من! مندرجہ بالا چاروں کتب جامع ترمذی، ارشاد الساری، فتح الباری اور عمدۃ القاری میں پیغمبر خدا ﷺ کا مذہب آٹھ رکعت نماز تراویح مذکور ہے۔ کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں یہ بھی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کرام کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر فتح الباری اور عمدۃ القاری میں خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی آٹھ رکعت مذکور ہے۔ کہ انہوں نے امام تراویح ابی بن کعب اور تمیم داری کو مضان المبارک میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اب یہ کہنا کہ مندرجہ بالا کتب میں سے کسی ایک میں آٹھ کا مذہب نہیں ذکر کیا گیا۔ کہاں تک درست ہے اصل بات یہ ہے کہ اہل رائے حضرات پیغمبر خدا ﷺ کے مذہب کو مذہب نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک مذہب وہ ہے جو اماموں سے منقول ہے حالانکہ اصل مذہب وہی ہے جو پیغمبر خدا ﷺ کا مذہب ہو۔

قاضی صاحب نے نہ معلوم کہاں سے یہ حوالہ فرما دیا ہے کہ ”مندرجہ بالا چار کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی آٹھ کا مذہب ذکر نہیں کیا گیا“ اور یہ بالکل غلط ہے چنانچہ عمدۃ القاری الجزء الخامس اٹھائے صفحہ نمبر ۳۵۷ دیکھئے:

وقيل احدى عشرة وهو اختيار مالك لنفسه واختاره ابو بكر العربي.

”(منجملہ مذہب سے) ایک مذہب ہے (سمیت وتر) گیارہ رکعت نماز تراویح اور یہی مذہب امام مالک کا اپنا پسندیدہ ہے اور ابو بکر عربی نے بھی اس مذہب کو اختیار کیا ہے۔“

اب فرمائیے جناب یہ درست ہے کہ ”آٹھ کا مذہب مندرجہ بالا چار کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں۔ کہنے والے بھی بس اور سننے والے بھی سجان اللہ۔ میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا۔“

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فِتْلِكَ مُصِيبَةٌ
وَأَنْ كُنْتَ تَدْرِي فَأَلْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

قارئین کرام! اتنی بات یاد رکھئے کہ بیس رکعت تراویح سنت نبویہ کا مذہب مندرجہ بالا چار کتب جامع ترمذی، ارشاد الساری، عمدۃ القاری اور فتح الباری میں سے کسی ایک میں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر یہ کسی کا مذہب ہوتا تو ان میں سے ضرور کسی

ایک میں آتا۔ یہ جناب قاضی صاحب کا پیش کردہ کبریٰ ہے۔

لطیفہ! مندرجہ بالا چار کتب جامع ترمذی۔ ارشاد الساری، عمدۃ القاری اور فتح الباری میں دیوبندی مقلدین کا مذہب بیس رکعت سنت نبویہ مذکور نہیں اور شور یہ چایا جا رہا ہے۔ کہ آٹھ کا مذہب ان میں مذکور نہیں آخر یہ کیسی چالاکی ہے۔
غلطی نمبر ۸:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر اپنی طرف سے ایک سوال کرتے ہیں۔ ”تو کیا بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا بھی کسی کا مذہب ہے پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔“ ضرورت امت کی اکثریت کا صحابہ تابعین تبع تابعین۔ آئمہ مجتہدین میں سے اکثر کا مذہب یہ ہے۔“

قارئین کرام! قاضی صاحب کا جواب بالکل غلط ہے اکثریت تو کجا وہ صرف ایک صحابی اور ایک تابعی اور آئمہ مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں سے صرف ایک ہی امام کا اسم گرامی پیش کریں۔ جنہوں نے یہ فرمایا کہ بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح سنت نبویہ ہے ویسے نفس الامر کے خلاف دعاوی سے عوام کو دھوکہ دینا خود کو اہل علم کہلانے کے منافی ہے۔

غلطی نمبر ۹:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر ہی فرماتے ہیں۔ کہ ”بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا امت کی اکثریت کا مذہب ہے۔“ اور اس کا حوالہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”مندرجہ بالا کتب میں یہ مذکور ہے۔“

معزز ناظرین! وہ مندرجہ بالا کتب یہ ہیں۔ جامع ترمذی، ارشاد الساری، عمدۃ القاری اور فتح الباری۔ اور یہ حوالہ انتہائی غلط ہے مندرجہ بالا کتب میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا امت کی اکثریت کا مذہب

ہے۔“ شاید آپ نہ جانتے ہوں کہ آخر اس پر فریب دعویٰ کو جناب قاضی صاحب کی ذات گرامی سے کیا تناسب ہے؟ یہ مذہب کی سچ کانیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ مندرجہ بالا کتب میں یہ مذکور ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ نیز فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صحابہ کرام کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ آخر میں قاضی صاحب کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ انہوں نے حوالہ تو دیا ہے چاہے حسب معمول غلط ہی ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ بات ہوگی۔

آگیا داغ اس کے دل میں یہ غرور
مشکل ہے دنیا میں لامثنیٰ میری

غلطی نمبر ۱۰:

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر بیس رکعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق فرماتے ہیں۔ ”کیا یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ ساری امت خلاف سنت پر متفق ہوگئی تھی۔“

ناظرین کرام! ابیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کرنا شدید غلط اور واقع کے خلاف ہے آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ قاضی صاحب نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ عدد رکعات کے بارے میں مذاہب مختلفہ موجود ہیں۔ تو پھر بیس پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ نیز آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ بیس رکعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے پر ساری امت حنفیہ کا بھی اتفاق نہیں۔ پھر اس پر ساری امت کے اتفاق کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنی بھیڑوں کو قبضہ میں رکھنے کے لئے انہیں اس قسم کے واقع کے خلاف دعاوی کے ذریعہ چکھے دیئے جا رہے ہیں۔ ورنہ ان کی حقیقت ہباء منشور کے سوا کچھ بھی نہیں۔

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر ہی بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ”تو اب جو چیز تو اتر سے ثابت ہے اس پر دلیل لانا کوئی ضروری تو نہیں۔“

معزز قارئین! بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کے مسنون ہونے کو تو اتر سے ثابت کہنا بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔ بیس رکعت باجماعت صلوٰۃ تراویح کا مسنون ہونا تو اتر سے تو کجا یہ تو خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہے۔ باقی حضرت ابن عباس کی بیس رکعت والی غریب حدیث باتفاق محدثین، محققین، احناف ضعیف ہے قابل اثبات نہیں بلکہ ابن عدی نے تو اسے ابوشیبہ کی منکر روایات میں درج کیا ہے اندازہ لگائیے اہل رائے بے بنیاد مذہب کے عشق میں کس قدر ررشار ہیں۔ اس کو بچانے کی خاطر غلط بیانی ایسے حیلہ جات عمل میں لانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور شاید یہ سب تقلید کی ہی برکتیں ہیں۔

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۳ پر یزید بن رمان کی روایت پر ایک سوال کرتے ہیں۔ ”یہ روایت مرسل ہے۔“ پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں ”ہرگز نہیں“ یہاں تک قاضی صاحب پہنچے نہیں کس کی تقلید میں۔ جواب میں فرما رہے ہیں ”ہرگز نہیں“ ان کا یہ فرمانا انتہائی غلطی ہے کیونکہ یزید بن رمان کی روایت مرسل و منقطع ہے۔ قاضی صاحب کے ہی بزرگ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: ویزید لم يدرك عمر فيكون منقطعاً. (عمدة القاری صفحہ نمبر ۵۹۸ جلد نمبر ۳) یعنی یزید بن رمان کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں اس لئے ان کی یہ روایت منقطع ہے۔ نیز قاضی کے بزرگ مکرم و محترم چچا جناب قاضی شمس الدین صاحب دیوبندی حنفی فرماتے ہیں: ”ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔“ (القول الصحیح صفحہ نمبر ۳۳) تو یزید بن رمان

کی روایت مرسل و منقطع ہے۔

اگر جناب قاضی صاحب کو یہ وہم ہے کہ موطا امام مالک میں تو یہ روایت واقعی منقطع السند ہے لیکن حدیث کی دوسری کتاب میں اس کی سند متصل بیان کی گئی ہے تو وہ متصل سند تحریر فرمادیں۔ ہم ان کے ممنون ہوں گے۔
غلطی نمبر ۱۳:

جناب قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۴ پر یزید بن رومان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ”باتفاق محدثین صحیح ہے۔“

محترم قارئین! قاضی صاحب کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد اور غلط ہے۔ کیونکہ متصل السند ہونا محدثین کے ہاں صحیح روایت کی ماہیت میں داخل ہے چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں: وخبر الاحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ. (شرح نخبہ صفحہ نمبر ۲۵) صحیح روایت کے لئے پانچ امور کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اس کے راوی عادل ہوں۔

(۲) اس کے راوی ضابط ہوں۔

(۳) اس کی سند متصل ہو۔

(۴) وہ معلل نہ ہو۔

(۵) وہ شاذ بھی نہ ہو۔

اور یزید بن رومان کی روایت متصل السند نہیں تو اب اسے باتفاق محدثین صحیح کہنا اصول حدیث سے ناواقفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یا۔

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ
وَأِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

غلطی نمبر ۱۴

قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۳ پر حضرت سائب بن یزید کی حدیث کہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام تراویح ابی بن کعب اور تمیم داری کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا ”کے متعلق فرماتے ہیں۔“ (اس کا راوی) محمد بن یوسف واقعی ثقہ ہے لیکن بعض اوقات ثقات کو بھی وہم ہو جاتا ہے۔ اور بات پوری یا انہیں رہتی۔“

معزز ناظرین! قاضی صاحب کا محمد بن یوسف کے متعلق یہ بیان کہ انہیں گیارہ رکعت کہنے میں وہم ہو گیا تھا۔ بہتان صریح ہیں ورنہ وہ اس کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔ تعجب بالائے تعجب جب محدثین حدیث مَنْ كَانَ لَهُ اَمَامُ الْخ کے رفع کو ضعیف رواۃ کا وہم قرار دیتے ہیں تو جناب قاضی صاحب سیخ پا ہوتے ہیں اور جب خود آپ ثقات پر وہم کا الزام لگاتے ہیں۔ تو کان پر جون بھی نہیں رنگتی۔

ایں چہ ہوالعجبی است

غلطی نمبر ۱۵:

قاضی صاحب پمفلٹ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر پیغمبر خدا ﷺ کی تراویح کے عدد کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ”رکعات کا عدد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔“

جناب من! جناب قاضی صاحب کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت پر اضافہ نہیں فرمایا کرتے تھے تو آٹھ رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہیں جس کے لئے دوسرا باب ملاحظہ فرمائیں۔ البتہ میں رکعت نماز تراویح آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس کے لئے تیسرا باب پڑھیں۔

غلطی نمبر ۱۶:

قاضی صاحب سائب بن یزید کی روایت کا صفحہ نمبر ۱۴ پر حوالہ دے رہے ہیں و سنن کبریٰ بیہقی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۴۹۶، لیکن مجھے بھی افسوس ہے کہ قاضی صاحب کی معصومیت پر کہاں تک ترس کھایا جائے۔ کیونکہ ان کی حالت اس وقت واقعی قابل رحم ہے۔ افسوس کہ قاضی صاحب نے حافظہ سے کام لینے کی کوشش نہیں کی اور آباؤ اجداد

کے چھوٹے چھوٹے رسالہ جات سامنے رکھ کر پمفلٹ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے اپنی کہی ہوئی باتوں میں تضاد پیدا ہو گیا۔ اور آباؤ اجداد کی پیروی میں ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ اور ایسے مقام پر حافظ اور علم پر ناز ایسی صلاحیتیں بھی جواب دے جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب پمفلٹ صفحہ نمبر ۴۲ پر یہی حوالہ جلد ۲ ص ۲۹۶ نقل فرما رہے ہیں۔

سردست قاضی صاحب کی ۱۱۶ اغلاط بیان کرنے پر ہی کتفا چاہتا ہوں ورنہ ان کی تحریر میں اس قسم کا مواد بکثرت ملتا ہے۔ قاضی صاحب کا شائع کردہ پمفلٹ وقت نظر سے پڑھتے سے تمام اغلاط کا خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔



اک گزارش مؤدبانہ ہے

۱۔ بندہ نے جناب صاحب سے چند سوالات کئے تھے۔ جن کا تاہنوز انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اب وہ بھی ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں:

(۱) پیغمبر خدا ﷺ نے تراویح آٹھ رکعت ادا کیں یا بیس رکعت؟

(۲) حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی کونسی نماز کے متعلق سوال کیا تھا؟

(اس سوال کو قاضی صاحب نے جیسے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو اُن کو بھی مسلم ہے کہ سوال میں فی رمضان کے الفاظ موجود ہیں۔ اور وہ رات کی نفل نماز کے متعلق ہیں۔ یہی نفل نماز جو آں حضرت ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ادا کی۔ اور اسی کے متعلق حضرت ابوسلمہ نے پوچھا؟)

(۳) کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب صحیح تھا؟ (قاضی صاحب ابھی تک اس کا جواب صحیح یا غیر صحیح نہیں بتا سکے)۔

(۴) خلفائے راشدین میں سے کون سے خلیفہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے؟

(۵) کیا امام محمد ابن ہمام ملا علی قاری رحمہم الباری آئمہ احناف نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو نبی علیہ السلام کی صلوٰۃ تراویح کے گیارہ رکعت ہونے میں نص قرار دیا ہے آیا وہ درست ہے یا نہیں؟

(۶) سائب بن یزید کی حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا موطا امام مالک میں بسند صحیح موجود ہے کیا قاضی صاحب اپنی بیس رکعت والی حدیث بھی مع سند توثیق رجال درج کرنے کی

زحمت گوارا فرمائیں گے؟

۲۔ جناب قاضی صاحب کے پاس بیس رکعت کی سنیت کے دلائل تو تھے نہیں کہ وہ انہیں سپرد قلم فرماتے۔ اس لیے جب وہ میری طرف سے آٹھ رکعت کی سنیت پر پیش کردہ دلائل کا تحریراً جواب نہ دے سکے تو انہوں نے ہمارے گاؤں میں شور مچانے کے لئے اپنے رنگ میں رنگے ہوئے چند خواری بھیج دیئے۔ جن کی روداد آپ ہمارے پہلے پمفلٹ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ پھر جب وہ اس حربہ سے بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ اور میری تحریر پر تحریر بھی ان کے پاس پہنچ گئی۔ تو انہوں نے ہوش و حواس سنبھالے اور ایک مغالطہ آمیز تحریر میرے پاس بھیج دی لیکن ان کی اس تحریر کے موصول ہونے سے پہلے ہمارا پمفلٹ شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کی یہ تحریر پمفلٹ میں شائع نہ ہو سکی۔ ادھر انہوں نے اس بات کو رنگ دینا شروع کر دیا کہ غیر مقلدین نے میری اس تحریر کو پمفلٹ میں شائع نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جناب قاضی صاحب کی اس تحریر میں کیا تھا۔ نفس مسئلہ کے متعلق ان کے ڈھب تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہیں کہ بیس رکعت سنت کے دلائل سے تو وہ بالکل تہی دامن ہیں۔ تو ان کی یہ تحریر بھی ان کی پہلی تحریروں کی طرح بیس رکعت سنت کے دلائل سے تہی دامن کے مظاہرہ کا ہی آئینہ دار تھی۔ البتہ ایک بات انہوں نے اس میں نئی کہی جسے وہ اپنی کامیابی کا نرالا حربہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ وہ یہ کہ:

”دن کا تعین“ مسئلہ نزاع کا تعین اور گفتگو پر آمادگی تحریر کر کے بھیج دیں اور نور پور کے علاوہ کسی اور جگہ کا بھی تعین کر دیں۔ آپ کی خدمت لیے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا اور اگر آپ کے بزرگ یعنی استاد جن سے مشورہ کے لئے آپ کو جانا پڑا بقول آپ کے رقعہ رساں کے اگر وہ گفتگو کا شوق فرمائیں تو میں بذات خود گفتگو کر سکتا ہوں پھر نمائندگی کا سوال ختم ہو جائے گا۔“

قارئین کرام! میری طرف سے ان کی اس تحریر کا حرف بحرف جواب اسی وقت ان کے پمفلٹ کے چھپنے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی شکست کی پردہ پوشی کرنے کے لئے میرے اس جواب کو پمفلٹ میں شائع نہ کیا۔ ان کے ہاں تو یہ بھی سچائی ہوگی کہ اپنے دو ورق ایک ہفتہ بعد چار صفحات صفحہ نمبر ۳۲ و صفحہ نمبر ۳۳ و صفحہ نمبر ۳۴ تو چھو کر پمفلٹ کی عوام میں تقسیم شدہ کاپیاں لے کر بھی اس میں نتھی کر لیں اور میرے پمفلٹ چھپنے سے قبل پہنچے ہوئے جواب کے متعلق ارشاد ہو جی مولوی صاحب کا جواب پمفلٹ چھپنے کے بعد موصول ہوا تھا۔ دوسروں پر کذب بیانی، جھوٹ کے فتوے چسپاں کرنے والو اب اسے کن الفاظ سے تعبیر کرو گے؟

ہاں جناب تو قاضی صاحب کے مندرجہ بالا نام نہاد چیلنج کا جواب میں نے اپنی اس آخری تحریر میں ہی دے دیا تھا جس کے متعلق آپ نے مندرجہ بالا چند نگارشات پڑھیں۔ اب میں اس کو انہیں الفاظ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

آپ نے تمام تر زور و قلم صرف اس جملے پر صرف کر دیا کہ یہ لکھ دیا۔ ”تیری خدمت کے لئے وہاں ہی کوئی ہمارا شاگرد حاضر ہو جائے گا۔“ آپ کے نزدیک یہی انصاف کا معیار ہے کہ تحریری گفتگو مجھ سے ہے اور زبانی گفتگو کے لئے آپ بڑے بڑے عالموں کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں یہ اختیار آپ کو دیتا ہوں کہ مسئلہ نزاع کا تعین اور جگہ کا تعین کر لیں اور میں بذات خود آپ کی خاصی خدمت کروں گا۔ اور تحریری طور پر تو یہ خدمت سرانجام دے ہی رہا ہوں۔ آپ ذرا جرات کر کے تو دیکھئے۔ لیکن اگر اسی طرح آپ نے نالنے کی کوشش

۱۔ جناب قاضی صاحب کے ان چار صفحات سے خالی پمفلٹ کی کاپی اور ان چار صفحات پر مشتمل کاپی دونوں میرے پاس موجود ہیں۔ جس کو اعتماد نہ ہو وہ دیکھ سکتا ہے۔ منہ

کی۔ تو پھر یہی کہا جائے گا۔

دل کو تیرے انداز ہی محبوب رہے ہیں

لیکن جناب قاضی صاحب میرے اس جواب پر ٹس سے مس نہ ہوئے اور آج تک خاموشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ جناب قاضی صاحب نے تو فرمایا ہے۔ ”نور پور کے علاوہ کسی اور جگہ کا تعین بھی کر دیں۔“ لیکن میں ان سے یہ قطعاً نہیں کہوں گا۔ کہ قلعہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا تعین بھی کر دیں۔ میں تو صرف اتنی ہی گزارش کرتا ہوں۔

جناب قاضی صاحب مدظلہ العالی یا ان کے اساتذہ کرام جب شوق فرمائیں، جس مسئلہ پر چاہیں جہاں چاہیں تحریراً گفتگو فرما سکتے ہیں۔ یہ بندہ فقیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی خدمت کو ہمہ وقت تیار ہے۔

لطیفہ: جناب قاضی صاحب اس خادم سے تو گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہو رہے اور چیخ دے رہے ہیں میرے اساتذہ کو۔ یہ بھی کیا طرفہ ہے کہ آدمی ساحل سے تو نیٹ نہ سکے اور سمندر میں چھلانگیں لے۔

یشمر للبح عن ساقه ویغمره الموج فی الساحل

امید ہے کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی حسب عادت کچھ فرمائیں گے۔ اس کے لئے میں بھی ہاتھ میں قلم تھامے بیٹھا ہوں۔ پھر میرے بھی تیسرے ٹریکٹ کا انتظار کیجئے گا۔ جس میں مقلدین کی قرآن حدیث سے بیگانگی اور فقہ حنفیہ سے اپنائیت کی نقاب کشائی کی جائے گی۔ اور فقہ حنفیہ کے اوراق اُلٹنے کا تکلف کرنا پڑے گا۔ انشاء اللہ (وما علینا الا الباع)۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی

خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

عبد المنان بن عبد الحق نور پوری

مولانا غلام سرور گجراتی حنفی کے رسالہ
”بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت“

کا جواب

تعدادِ تراویح

از

حافظ عبد المنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فہرست

- 295 تقریب
- 296 فقہ اہل حدیث
- 297 فقہ اہل الرأی
- 299 فقہ اہل الرأی کے لیے دلائل کی تلاش
- 302 دلائل کی کمی پوری کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں
- 302 دورہ حدیث
- 303 حنفی مذہب کے اثبات کے لیے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا
- 304 کتب حدیث کی شروح و حواشی
- 305 کتب حدیث کی طباعت
- 307 اصول حدیث اور فن رجال کی بنیاد
- 310 قیام رمضان کی مسنون تعداد
- 312 تراویح عدد مسنون میں رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے
- 312 میں رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش
- 314 تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دینا
- 314 مؤطا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش
- 317 رسالہ ”میں رکعت تراویح کا شرعی ثبوت“ پر ایک نظر
- 317 رکعات تراویح کے عدد میں مرفوع احادیث
- رکعات تہجد کی تعداد والی احادیث صحیحہ مرفوعہ رکعات تراویح کی

- 318تعداد کے بھی دلائل ہیں کیونکہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے
- 322حدیث ما کان یزید فی رمضان الخ
- 329حدیث جابر صلی بنا رسول اللہ الخ
- 330حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت والا اثر
- 350عہد فاروقی سے متعلق دیگر آثار
- 357ایک لطیف اشارے کی حقیقت
- 364مدینہ منورہ کا تعامل
- 365کوفہ کا تعامل
- 369عہد علوی سے متعلق آثار
- 379کتاب ”سبل السلام“ کی غلطی
- 401اہل مکہ کا تعامل
- 438گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق
- 450ترجیح و تطبیق کی تحقیق
- 483حضرت المؤلف کی ایک تحریر
- 490تعارف و تبصرہ
- 492ضمیمہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقریب

(از عبدالسلام بھٹوی)

اللہ تعالیٰ نے ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ کہہ کر اپنے نازل کردہ ذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اسے نہایت معجزانہ طریقے سے پورا فرمایا۔ ذکر کا جو حصہ قرآن مجید کی صورت میں ہے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب کی محبت اور اس کے حفظ کا شوق دلوں میں رکھ دیا اور اپنی کتاب کو اتنا آسان فرمادیا کہ بچے جو ان بوڑھے سب اسے یاد کر سکتے ہیں اور عربی اور عجمی سب اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتے ہیں اور جو حصہ حدیث کی صورت میں ہے اس کی حفاظت کے لیے ہر دور میں ایسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرمایا جنہوں نے اس فریضہ کا حق ادا کر دیا۔

علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میلوں کے لیے سفر کئے۔ راویان حدیث کی عدالت و ضبط معلوم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات کو ضبط کیا۔ اتصال معلوم کرنے کے لیے ان کے سنین ولادت و وفات، مختلف شہروں کی طرف ان کی رحلت اور مختلف اساتذہ سے ان کی ملاقات کا پتہ چلایا اور اسے قلم بند کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں کذب جلی و خفی کے تمام رخنے بند کرنے کے لیے قرآن و سنت سے استنباط کر کے قواعد وضع کئے جو اصول حدیث کے نام سے موسوم ہیں۔ غرض علمائے امت نے یہ ایسا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا کہ غیر مسلموں کے اہل نظر بھی معترف ہیں کہ مسیحی اور یہودی حضرات اپنے اپنے پیغمبر کے ایک فرمان کی

حفاظت بھی اتنے مضبوط اور محکم طریقے سے نہیں کر سکے جس طریقے سے مسلمانوں نے اپنے رسول ﷺ کے ہزاروں فرامین و احوال کی حفاظت کی۔
فقہ اہل حدیث:

اس مبارک جماعت کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جہاں قرآن و حدیث کے دلائل جمع کئے وہاں زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے لیے ان دلائل سے احکام کا استنباط بھی کیا۔ انہوں نے اپنی محنت سے ثابت کر دیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں حدیث رسول ﷺ کی رہنمائی موجود ہے کی ہے تو جستجو کی۔ صحابہ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مختلف شہروں میں منتشر ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ ہر مسئلہ میں حدیث کی تلاش نہایت مشکل کام تھا مگر طلب حدیث کے لیے ہمارے تصور سے بھی زیادہ دشوار حالات میں ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اور اپنی زندگیاں اس مقدس مشن میں کھپا کر انہوں نے اس بظاہر ناممکن کو ممکن بنا دیا۔

چنانچہ ہر مسئلہ میں پہلے حدیث کی تلاش اور پھر فتویٰ ان حضرات کا منہجائے نظر رہا ہے۔ یہ جب مسئلہ بتاتے ہیں تو ساتھ دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ حدیث بیان ہی اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے نکلنے والے مسائل بھی معلوم ہو جائیں۔ حضرت امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، دارمی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، سعید بن منصور وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ غرض کس کس کا نام لیا جائے۔ کوئی آفتاب ہے تو کوئی ماہتاب ان کے فہم میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصل کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔ ان کا نام اہل حدیث اور ان کی فقہ فقہ الحدیث کہلاتی ہے۔ یہ نہ تو ایسے حدیث جمع کرنے والے ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں کہ حدیث سے مسئلہ کیا نکلتا ہے اور نہ ہی یہ ایسے مسئلہ بتانے والے ہیں جو مسئلہ تو بتاتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ ہم نے یہ کہاں سے نکالا ہے گویا یہ ایسے عطار (پنساری) ہیں جنہیں اپنے دواخانہ کی ایک ایک دوا کی افادیت کا بھی علم ہے

اور ایسے طبیب (حکیم) ہیں جو اپنے مریض کو اندھیرے میں رکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ اسے دوا دے کر اس کے اجزاء بھی بتا دیتے ہیں تاکہ وہ خود بھی غور کر سکے اور دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ لے سکے یہ نہیں کہ طبیب نے سپاہ اسفوف دے دیا جس کے اجزاء اگر وہ معلوم کرنا چاہے تو اسے لیبارٹری والوں کا محتاج ہونا پڑے جو محض ظن و تخمین (اندازے) کی بنا پر اس کے اجزاء کی تعیین کرتے پھر یں یقین سے دوا کا ایک جز بھی نہ بتا سکیں۔ مریض اس بات پر ہی خوش ہے کہ میرا طبیب بڑا لائق ہے خواہ طبیب نے غلطی سے اسے سم الفار کی پڑیہ ہی دے دی ہو۔ طبیب بے شک نیک نیت تھا مگر غلطی کا خمیازہ بہر حال مریض کو بھگتنا پڑے گا۔

آپ صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اٹھا کر دیکھیں یہاں حدیث بھی جمع ہے ہر حدیث کے ساتھ استنباط مسائل (فقہ) بھی ہے بلکہ استنباط کی مشق بھی ساتھ ساتھ کروائی جاتی ہے گویا یہ محدث بھی ہیں، مجتہد بھی اور مجتہد گر بھی جن کے مطالعہ سے بے شمار مجتہدین مثلاً داؤد بن علی، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن قدامہ، عزیز بن عبدالسلام، ابن حجر، شوکانی، نواب صدیق حسن خاں وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے اور اب بھی یہ کتابیں ہر مطالعہ کرنے والے کو فن حدیث سکھاتی ہیں اور اجتہاد کا سلیقہ بھی۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوتی کہ اس نے قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان سے مسائل کے استنباط کا دروازہ فلاں صدی کے بعد بند فرما دیا ہے۔

فقہ اہل الراۓ:

ایک طرف یہ محنت شاقہ ہو رہی تھی دوسری طرف بعض شہروں میں رہنے والے کچھ لوگوں نے اس محنت کی بجائے ایک دوسری راہ اختیار کی چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

وَذَلِكَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ وَالْآثَارِ مَا يَقْدِرُونَ بِهِ

عَلَى اسْتِنْبَاطِ الْفَقْهِ عَلَى الْأُصُولِ الَّتِي اخْتَارَهَا أَهْلُ الْحَدِيثِ وَلَمْ تَنْشَرْحْ صُدُّوهُمْ لِلنَّظَرِ فِي أَقْوَالِ عُلَمَاءِ الْبُلْدَانِ وَجَمْعِهَا وَالْبَحْثِ عَنْهَا وَاتَّهَمُوا أَنْفُسَهُمْ فِي ذَلِكَ وَكَانُوا اعْتَقَدُوا فِي أَسْمَتِهِمْ أَنَّهُمْ فِي الدَّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنَ التَّحْقِيقِ وَكَانَ قُلُوبُهُمْ أَمْثَلَ شَيْءٍ إِلَى أَصْحَابِهِمْ كَمَا قَالَ عَلْقَمَةُ: "هَلْ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَثَبْتُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ؟" وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: "إِبْرَاهِيمُ أَفْقَهُ مِنْ سَالِمٍ وَلَوْ لَا فَضْلُ الصُّحْبَةِ لَقُلْتُ عَلْقَمَةُ أَفْقَهُ مِنْ ابْنِ عُمَرَ". وَكَانَ عَنْدَهُمْ مِنَ الْفُطَانَةِ وَالْحَدْسِ وَسُرْعَةِ انْتِقَالِ الذَّهْنِ مِنْ شَيْءٍ إِلَى شَيْءٍ مَا يَقْدِرُونَ بِهِ عَلَى تَخْرِيجِ جَوَابِ الْمَسَائِلِ عَلَى أَقْوَالِ أَصْحَابِهِمْ.

(حجة الله البالغة ص ۱۵۲، ج ۱)

ترجمہ: ”وہ یہ کہ ان کے پاس اس قدر احادیث و آثار موجود نہ تھے جن سے وہ ان اصولوں کے مطابق فقہ کے استنباط پر قادر ہو سکیں جو اہل حدیث نے اختیار فرمائے تھے اور دوسرے شہروں کے علماء کے اقوال میں غور و فکر ان کی جستجو اور انہیں جمع کرنے کے لیے انہیں شرح صدر نہ تھا اور اس (کار دشوار) میں انہوں نے اپنے آپ کو متمہ سمجھا اور وہ اپنے علماء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ تحقیق کے درجہ علیاء پر فائز ہیں اور ان کے دل اپنے اصحاب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے جیسا کہ علقمہ نے فرمایا: ”کیا ان (صحابہ) میں عبد اللہ سے زیادہ بھی کوئی (علم میں) پختہ ہے اور ابو حنیفہ نے فرمایا: ”ابراہیم“ سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں۔“ اور ان لوگوں کے پاس فطانت، حدس اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کی سرعت انتقال ایسی صلاحیت تھی جس کے ساتھ وہ اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق

سوالات کے جوابات کی تخریج کی قدرت رکھتے تھے۔ اھ۔

ان لوگوں کے وہاں کمال یہ تھا کہ حقیقی پیش آمدہ واقعات ہوں یا فرضی مسائل سب کا جواب اپنی ذہانت و فطانت سے اپنے اساتذہ کے کلام سے تخریج کر کے دیں۔ پھر ان اقوال و جوابات کے مجموعے تیار ہو گئے جن کے ساتھ دلائل حدیثیہ ذکر نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کی لیاقت پر ہی اعتماد ہی اصل دلیل تھی پھر پھر قرون خیر کے دور ہونے کے ساتھ ساتھ سلاطین و خلفائے اپنی مصلحتوں کے لیے ان اقوال اور اصحاب اقوال کو بزور حکومت تمام اسلامی قلمرو پر مسلط کر دیا۔ یہ لوگ اہل الرأی اور ان کی فقہ فقہ اہل الرأی کہلاتی ہے۔

فقہ اہل الرأی کے لیے دلائل کی تلاش:

جب کچھ زمانہ گزرا تو بعد میں آنے والوں نے اپنے علماء کے اقوال کے دلائل کی تلاش شروع کی مگر اب تیرکمان سے نکل چکا تھا۔ دم بدم ”قِيلَ اَرْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا“ کی صدا آ رہی تھی۔ حریفوں نے اپنی بات دلیل سے بیان کی تھی اس کا وزن بہر حال مسلم تھا اور یہاں اپنوں کا ترتیب دادہ کوئی جامع مجموعہ حدیث ہی نہ تھا جس سے دلیل پیش کر سکیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حریف اتنے دیاندار تھے کہ انہوں نے وہ دلائل بھی (صحیح ہوں یا ضعیف) جمع کر دیئے جن سے اہل الرأی استدلال کرتے ہیں۔ اہل الرأی نے اہل حدیث کے مدون کردہ مجموعوں سے اپنے دلائل جمع کئے مگر ہر بات کی دلیل نہ مل سکی کیونکہ اس کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ اس میدان میں اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے سید انظر شاہ مسعودی اپنے والد محترم کی سوانح حیات ”نقش دوام“ میں لکھتے ہیں:

”یہ عجیب تاریخ کا راز ہے جس کی وجوہ علل کا دریافت تاریخ کا سب سے

بڑا انکشاف ہوگا کہ حدیث کے بیشتر وہ مجموعے جو آج ہمارے کتب خانوں

کی زینت ہیں غیر حنفی قلم سے ان کی جمع و ترتیب ہوئی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھر پور شرکت کیوں نہیں کر سکا۔ عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابو حنیفہ الامام حدیث سے نابلد و ناواقف تھے ان شبہات و شکوک میں اس سے بھی مدد لی جا رہی ہو کہ احناف تدوین حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ ہیں۔ اگرچہ متاخرین کی کاوشیں اس خلجان کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں پھر بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں ان کی تمام تر توجہ اور زور قلم فقہ کی تعمیر، استخراج مسائل، نت نئی جزئیات، حوادث و فتاویٰ کی ترتیب و تدوین پر ہی رہی۔“۔ اھ

(نقش دوام ص ۱۷۵، ۱۷۶)

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”عجیب بات یہ ہے کہ چار فقہی مکاتیب نظر وجود پذیر ہوئے تو حضرات شوافع کی علمی ہمتیں احادیث کی جمع و ترتیب میں مصروف رہیں چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درس گاہ ایسی نہیں جس میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں۔ مالک علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لیے آج اساسی کتاب ہے احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنابلہ کے لیے کافی و شافی ہے احناف ہی ایک ایسا فقہی اسکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی امام کی تیار تالیف نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اور امام طحاوی کی معانی الآثار ثانوی درجہ میں داخل کی گئیں اور خود احناف ان سے وہ استفادہ نہ کر سکے جس کی یہ دونوں کتابیں مستحق تھیں تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل و اسباب ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔“۔ (نقش دوام ص ۳۰۸)

ان دونوں کتابوں کو احناف کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ

ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی تصنیف ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی اور اس میں چند آثار و احادیث اپنے دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کر دیئے تفصیل کے لیے دیکھئے بستان المحدثین و دیگر کتب۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوئے اور اپنی طرف سے پوری کوشش اثبات حنفیت کی کی مگر محدث ہونے کی وجہ سے اس خود سپردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی سے کی جاتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنالینے کی وجہ سے محدثین (جو ہر تعصب سے آزاد ہو کر حدیث کے خادم تھے) کے ہاں بار پاسکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا۔ چنانچہ داخل درس ہونے کے باوجود حنفی اساتذہ و طلبہ کی دلچسپی اس کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

نقش دوام میں لکھا ہے:

”امام طحاوی کی اس معرکتہ الآراء تصنیف سے خود حنفیہ کے حلقہ میں جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اس پر علامہ مرحوم کی بے چینی اور تاسف واضح کر چکا ہوں۔ یہ تو بار بار فرماتے تھے کہ موالک نے طحاوی سے جس قدر فائدہ اٹھایا احناف اس سے محروم رہے اور خود غریب طحاوی حنفیت کی وکالت و دفاع میں ہدف ملامت بن کر رہ گئے پچھلے دنوں دارالعلوم کے مجلس شوری کے اجلاس میں حضرات مدرسین کی مقدار اسباق زیر بحث تھیں طحاوی کی مقدار بہت کم رہی تو اراکین شوری اس تاسف کا اظہار کر رہے تھے مولانا مفتی عتیق الرحمان جو طویل و تلخ بحثوں کو لطائف میں اڑانے کے مشاق تھے بولے کہ ”بھائی! ہمارے حضرت (مولانا انور) شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جعفر کے ابا کے ساتھ کسی نے انصاف نہیں کیا (ابو جعفر امام طحاوی کی کنیت ہے) اس ظلم کو بھی کہ طحاوی کی مقدار کم ہوئی ہے مظالم علی الطحاوی میں شمار کرو۔ بات آئی گئی ہو گئی۔“ (حاشیہ نقش دوام ص ۶۷۱)

دلائل کی کمی پوری کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں:

جمع و تدوین حدیث کا میدان مکمل طور پر اہل حدیث کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود متاخرین حنفیہ نے اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے حد سے زیادہ محنت کی مگر اس ساری تگ و دو میں خدمت حدیث کے جذبہ کی حیثیت ثانوی ہے اصل مقصد حنفی مذہب کو حدیث کے مطابق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرات احناف نے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں:

① دورہ حدیث:

اپنے مدارس میں آٹھ سال تک فقہ حنفی پڑھا پڑھا کر ذہنوں میں حنفیت پختہ کرنے کے بعد ایک سال میں حدیث کے چھ ضخیم مجموعوں سے طلباء کو گزارا جاتا ہے اور شیخ الحدیث کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ بتائے کہ یہ حدیثیں ہمارے مخالف ہیں اور ہم ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں اگر کوئی چاہے کہ اپنی آنکھوں کے ساتھ ان حلقہ ہائے درس میں شیوخ حدیث کی حنفیت کے اثبات کی جدوجہد کو دیکھے تو وہ ان کی تقاریر پڑھے جو ترمذی بخاری اور دوسری کتب حدیث کے دروس میں تلامذہ نے قلم بند کی ہیں مثلاً تقریر ترمذی الشیخ محمود الحسن فیض الباری وغیرہ۔ ”یادایام“ میں اوجز المسالک کے مصنف بذل المجہود کے معاون مصنف اور مشہور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نے اپنے والد صاحب کا (جن سے انہوں نے حدیث پڑھی) قانون تعلیم بیان فرماتے ہیں:

”قانون تعلیم یہ تھا کہ ہر حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف۔ اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب۔ یہ تمام گویا حدیث کا جز و لازم تھا جو میرے ذمہ تھا اپنی دلیل نہ بتانا تو یاد نہیں اس لیے کہ ہدایہ اور اس کی شروح و حواشی اور فقہ کی

دوسری کتابیں دیکھنے کی نوبت کثرت سے آتی رہتی تھی۔ البتہ حدیث کا جواب کبھی کبھی نہیں دے سکتا تھا تو وہ خود بتاتے تھے۔ (ص ۲۳، ”یادایام“)

تقریباً یہی قانون تمام مدارس احناف میں جاری و ساری ہے۔ جہاں ترتیب ہی یہ ہو کہ حنفیہ کی بات کسی صورت میں نہ ٹوٹنے پائے۔ حدیث پاک خلاف آتی ہے تو ہر طرح اس کا جواب ہونا چاہیے وہاں حدیث کی محبت و حمایت کا ذوق و جذبہ جس قدر باقی رہ سکتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے کسی لمبے چوڑے غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ حنفیہ کا مسئلہ حدیث پاک کے موافق ہے یا خلاف۔ نہ یہ کہنے میں کوئی باک محسوس ہوتا ہے کہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف؟ فالی اللہ المستکفی

② حنفی مذہب کے اثبات کے لیے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا:

سیدانظر شاہ نقش دوام میں لکھتے ہیں:

”بہر حال یہ ایک کمی و کوتاہی تھی جس کے تدارک کے لیے متاخرین احناف ہمیشہ متوجہ رہے۔ حضرت تھانوی نے اپنی زیرنگرانی ”اعلاء السنن“ کئی جلدوں میں تیار کرائی جس میں ان احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا گیا جس سے حنفی فقہ کی تائید و تصویب حاصل ہو۔ بہار کے مشہور عالم مولانا ظہیر الحسن شوق نیوی نے دو جلدوں میں آثار السنن کے نام سے ان احادیث کو یکجا کیا جو فقہ حنفی کی مؤید ہیں۔“ (ص ۳۰۹-۳۰۸)

ان کے علاوہ بھی مختلف مجموعے اس مقصد کے لیے مرتب کئے گئے۔

ان کتابوں میں مقصد چونکہ بہر حال حنفی مذہب کو ثابت کرنا ہے اس لیے اصول حدیث اور رجال کی بحث میں اپنے اور پرائے کے لیے الگ الگ پیمانے استعمال کئے گئے ہیں اگر کسی اصول سے حنفی مذہب کا اثبات ہوتا ہے تو وہ اجماعی قرار پاتا ہے اور اگر اسی اصول سے دوسرے مقام پر حنفیت کی تردید ہوتی ہے تو اس کو غلط

ثابت کرنے کے لیے پورا زور قلم صرف کیا جاتا ہے۔ ایک راوی کی حدیث اپنے حق میں ہو تو وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے اور اگر اسی کی حدیث اپنے خلاف ہو تو وہ کذاب اور دَجَّالٌ مِنَ الدَّجَاجِلَةِ ہے و التَّفْصِيلُ مَوْضِعُ آخِرِ اَرْكَرِ جَالِ اور اصول میں بصیرت رکھنے والا کوئی شخص یہ کتابیں پڑھے تو اس تلون پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا:۔

اپنا بنا لیا کبھی بیگانہ کر دیا
یہ دھوپ چھاؤں حسب ضرورت بھی خوب ہے

③ کتب حدیث کی شروح و حواشی:

کتب حدیث کے مصنفین اور شارحین کے اہل حدیث ہونے کی وجہ سے کتب حدیث پڑھاتے وقت طلبہ کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے لیے تقریباً تمام کتب حدیث کے حواشی حنفی نکتہ نظر سے لکھے گئے اور حنفی ناشرین نے بڑی محنت سے شائع کئے۔ اس سے صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ حدیث کا متن کچھ کہتا ہے اور حاشیہ کچھ اور ہی باور کرانے کی کوشش میں ہے۔ بظاہر حاشیہ حل کتاب کے لیے ہے مگر پڑھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ رد کتاب کے لیے ہے صحیح بخاری پر مولانا سہارنپوری کا حاشیہ اس کی بین مثال ہے اسی طرح موطا ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ پر حنفی علماء کے حواشی دراصل متون حدیث کی تردید کی کاوشیں ہیں۔

اسی طرح کتب حدیث کی ان شروح کی جگہ جو اہل حدیث نے لکھی تھیں حنفی نکتہ نظر سے شروح لکھی گئیں۔ عمدۃ القاری للعینی، فتح الملہم، بذل الحمود، اوجز المسالک، مرقاۃ اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔ مشکوٰۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف نے تو سب تصنیف میں لپیٹی رکھے بغیر صاف لکھا ہے:

”وَ اَيْضًا مِنَ الْبَوَاعِثِ اَنَّ غَالِبَ الشُّرَاحِ كَانُوا شَافِعِيَّةً فِي مَطْلَبِهِمْ
وَذَكَرُوا الْمَسَائِلَ الْمُتَعَلِّقَةَ بِالْكِتَابِ عَلَى مِنْهَاجِ مَذْهَبِهِمْ

وَاسْتَدَلُّوا بِظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَى مُقْتَضَى مَشْرَبِهِمْ وَسَمَوْا
الْحَنْفِيَّةَ الْأَصْحَابَ الرَّأْيِ عَلَى ظَنِّ أَنَّهُمْ مَا يَعْمَلُونَ بِالْحَدِيثِ بَلْ
وَلَا يَعْلَمُونَ الرِّوَايَةَ وَالتَّحْدِيثَ إِلَى قَوْلِهِ فَأَحْبَبْتُ
أَنْ أَذْكَرَ ادِّلَّتْهُمْ وَأُبَيِّنَ مَسَائِلَهُمْ وَأَدْفَعَ عَنْهُمْ مُحَالَفَتَهُمْ لِثَلَا يَتَوَهَّمُ
الْعَوَامُّ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ مَعْرِفَةٌ بِالْأَدِلَّةِ الْفَقْهِيَّةِ أَنَّ الْمَسَائِلَ الْحَنْفِيَّةَ
تُخَالِفُ الدَّلَائِلَ الْحَنْفِيَّةَ“ (مرقاۃ ص، ۳ ج ۱ طبع الامدادیہ)

”تصنیف کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ اکثر شارحین اپنے مطلب میں شافعی
تھے اور انہوں نے کتاب سے متعلق مسائل کو اپنے مذہب کے طریق پر ذکر
کیا اور احادیث کے ظواہر سے اپنے مسلک کے مفہوم پر استدلال کیا
اور حنفیہ کا نام اہل رائے رکھا اس گمان پر کہ یہ لوگ حدیث پر عمل نہیں کرتے
بلکہ روایت اور حدیث بیان کرنے کا انہیں علم ہی نہیں اسی قولہ تو
میں نے پسند کیا کہ میں ان کے دلائل ذکر کروں، ان کے مسائل واضح کروں
اور لوگوں کی مخالفت ان سے دور کروں تاکہ عوام جنہیں اولہ فقہیہ کی معرفت
نہیں اس وہم میں نہ پڑ جائیں کہ حنفیہ کے مسائل ملت حنفی کے دلائل کے
خلاف ہیں۔“

فرمائیے جب کتب حدیث کی شروح میں نیت ہی حنفی مسائل کی ہر طرح
وکالت اور ان کا دفاع ہو۔ وہاں حدیث کی جتنی لمبی چوڑی شروح بھی لکھی جائیں ان
کا مقصد خدمت حدیث ہوگا یا خدمت حنفیت؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ اپنے سوا سب
لوگوں کو یہ حضرات شوائع قرار دیتے ہیں خواہ وہ ائمہ اہل حدیث میں سے کسی سلسلہ
تلمذ سے تعلق رکھتے ہوں۔

④ کتب حدیث کی طباعت:

حدیث کی متداول اور عام ملنے والی کتابوں میں حنفیت کی تائید کا مواد

نہایت کم ہونے کی وجہ سے حدیث کے ان مجموعوں کی اشاعت و طباعت کی ضرورت محسوس کی گئی جن میں ان حضرات کے خیال کے مطابق حقیقت کی تائید کے لیے مواد موجود ہے چنانچہ مولانا نور شاہ کی سوانح عمری میں لکھا ہے:

”مسند عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کی احادیث حنفیہ کے لیے خاص

طور پر مفید ہیں۔ ہر دو کتب کی اشاعت کی خصوصی تمنا فرماتے۔ اب دونوں

کتا میں مجلس علمی کی کوششوں سے طبع ہو گئیں“۔ (نقش دوام ص ۱۷۸)

اللہ کی شان دیکھئے جس ابن ابی شیبہ نے اپنی ”مصنف“ میں ایک مستقل کتاب ”الرد علی ابی حنیفہ“ کے نام سے لکھی اور دلائل کے ساتھ ان کی رائے کا احادیث کے خلاف ہونا واضح فرمایا۔ ابو حنیفہ کے مقلدین اپنے امام کے لیے دلائل کی دریوزہ گری کے لیے اسی ابن ابی شیبہ کی کتاب کی طباعت کی تمنا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت حدیث کے اہتمام کی ایک عجیب صورت تھی کہ اس نے ایسے ہاتھوں سے یہ کام انجام دلایا جن کو اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں نظر نہ آتیں تو وہ ان مجموعوں کا وجود بھی بمشکل برداشت کرتے۔



تنبیہ



مصنف ابن ابی شیبہ مکمل طبع نہیں ہوئی تھی صرف چند اجزاء طبع ہوئے تھے چند اجزاء طبع کرنے کے بعد طباعت روک دینے کی وجہ بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد کے اجزاء میں کوئی خاص بات تھی جو چھاپنے والوں کو ظاہر کرنی گوارا نہ ہو سکی۔ اب ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے مولانا مختار احمد اور ان کے ساتھیوں کی محنت سے مکمل کتاب چھپ چکی ہے والحمد للہ۔

بعض کتب احادیث اس لیے طبع کی گئیں کہ ان کے ساتھ ان کا رد بھی شامل کر دیا جائے تاکہ حقیقت کو پہنچنے والا ضرر کم ہو سکے مثلاً سنن بیہقی کے ذیل میں الجوہر

النتی شائع کی گئی۔ اب اگر اشاعت حدیث ہی مقصد ہوتا تو صرف اصل کتاب قاری کے سامنے آنا قابل برداشت ہوتا مگر ساتھ رد شائع کرنے سے ظاہر ہے کہ مطلب سعدی اشاعت حدیث نہیں کچھ اور ہے۔

دائرة المعارف نے بے شک اشاعت کتب حدیث کی عظیم خدمت سرانجام دی مگر اصل غایت کے نہایت محدود ہونے نے اس عظیم الشان خدمت کو بھی داغدار کر دیا۔

بعض اداروں میں اشاعت کتب حدیث کے وقت مذہب کے مطابق بعض مقامات پر الفاظ میں تحریف و تبدیل کی گئی اور بعض مقامات پر خلاف مطلب الفاظ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آپ کو حضرت مولانا سلطان محمود صاحب حفظہ اللہ کی کتاب نعم الشہود اور مولانا محمد اشرف سندھو مرحوم کی کتاب نتائج التقليد میں ملے گی۔

۵ اصول حدیث اور فن رجال کی بیخ کنی:

علماء احناف کے ہاں اپنے اصحاب کے خلاف احادیث کو مؤول یا منسوخ قرار دینے کی روش عام ہے جیسا کہ کرنی نے اپنی ”اصول“ میں اس کی صراحت بھی کی ہے کہ ہمارے اصحاب کے خلاف جو آیت یا حدیث آئے وہ یا ماول ہے یا منسوخ! لیکن جب مقابلے میں ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو ائمہ حدیث اس کی صحت پر متفق ہوں، نسخ کی بنیاد ہی موجود نہ ہوتا ویل کو عقل سلیم قبول نہ کرتی ہو اور اپنی تائید میں ایسی ضعیف روایت کے علاوہ کچھ نہ ہو جو باتفاق محدثین غیر ثابت ہو وہاں اپنے اہل حلقہ کو تو نسخ یا تاویل کے گول مول دعویٰ سے خاموش کروایا جاسکتا ہے لیکن تمام دنیا بادشاہ کے خوف سے ننگے کوننگا نہ کہے یہ بات مشکل ہے۔

اس مقام پر حل مشکل کے لیے آخری دور کے احناف نے نہایت خطرناک اقدام کیا۔ چنانچہ انہوں نے متفقہ اصول حدیث کو بدلنے بلکہ اسے ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ ایسا کرنے سے وہ منکرین

حدیث کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل بھی رہیں گے یا نہیں۔ وہ فن رجال جس پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے جو احادیث کی حفاظت کے لیے امت محمدیہ ﷺ میں رسول کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور جس فن کی سطوت و ہیبت کے مقابلے میں غیر مسلم بھی اپنی تاریخ نویسی اور تحقیق کے معیار کو حقیر محسوس کرتے ہیں اس فن رجال کو ایسے بے رحم طریقے سے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس کی رو سے کوئی شخص نہ ضعیف کو ضعیف کہنے کی جرأت کر سکے نہ صحیح کو صحیح کہنے کی۔ اس کے لیے استحقاق و استہزاء سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا انور شاہ کے متعلق ان کے فرزند ارجمند ”نقش دوام“ میں لکھتے ہیں:

”اختلافی حدیثوں کے بارے میں شوافع کے یہاں ”أَصَحُّ مَا فِي الْبَابِ“ (یعنی اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے) کا جو ترجیحی طریقہ جاری ہے اس کا جب کبھی ذکر آتا تو فرماتے کہ لیجیے شوافع نے ”پٹھے ٹٹولنے“ کا کام شروع کر دیا۔ اس علمی لطیفہ کی دلچسپ تفصیل فاضل گیلانی سے سنئے، لکھتے ہیں کہ: ”اسماء الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر راوی پر جرح کر کے مخالف کی حدیث کو ناقابل لحاظ بنا دینا اور صرف رجالی رجسٹروں کی مدد سے کسی روایت کو ترجیح دینا اور آثار صحابہ قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین و اصول سے چشم پوشی حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو روایتوں کی ترجیح میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ جرح کے لیے امالی رجسٹروں میں راوی کی کمزوریوں کو ٹٹولنا اس کا نام انہوں نے پٹھا ٹٹولنا رکھ لیا تھا فرماتے کہ یہ تو قصابوں کا کام ہوا کہ جو جانور کمزور نظر آیا اسی کو بچ کر ذبح کر ڈالا۔“ (نقش دوام ص ۱۵۹)

پہلے تمام محدثین کو شوافع بنایا پھر محدثین کی بے نظیر کاوشوں کی تحقیر ”رجالی رجسٹروں“ کی پھبتی کس کر کی۔ ساتھ ہی انہیں قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے

کلی قوانین سے چشم پوشی کرنے کا مجرم ٹھہرایا۔ سارا مقصد یہ ہے کہ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کی بنا پر حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار نہ دیا جائے۔ صرف اپنے خیالی اقتضاء آیات اور خود ساختہ قوانین کلیہ کے ذریعے ثقہ راویوں کی احادیث کو رد کرنے اور ضعیف و کذاب راویوں کی احادیث کو ترجیح دینے کے حق کو تسلیم کیا جائے خواہ وہ اقتضاء آیات کوئی صاحب کچھ سمجھتے ہوں اور کوئی کچھ فرمائیے حدیث کا کوئی بڑے سے بڑا منکر بھی اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہے؟ وہ بھی تو قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین کے ذریعے ہی احادیث کو رد کرتے ہیں۔

اصول حدیث کے فن اور رجال کی کتابوں سے ان حضرات کو جو روحانی اذیت اور دلی بغض ہے وہ اس عبارت کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔

دور حاضر کے ایک مشہور بزرگ نے یہی روش اختیار کر کے حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے فیصلے میں اسناد کی اہمیت کو فقہاء کی فقہات کے مقابلے میں کمتر قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے بقول: ”مولانا یہاں قادیانی شاعری کا لبادہ زیب تن فرماتے ہیں“۔ فقیہ کا تعارف اس انداز سے کراتے ہیں کہ:

”اس کی روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کی نظیر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے“۔

(تقیہات: ص ۳۲۲)

پھر فرماتے ہیں:

”اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے۔“ الخ (ص ۳۲۲ منقول از حجت حدیث: ص ۹۲)

مولانا سلفی رحمہ اللہ نے ان بزرگوں کی ”مسلک اعتدال“ کے ذریعے استخفاف حدیث کی کوشش کا نہایت مدلل علمی طریقے سے تعاقب کیا ہے جو ان کے مضامین پر مشتمل کتاب ”حجیت حدیث“ میں شامل ہے۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسناد کی حیثیت کم کرنے یا ختم کرنے کا نتیجہ انکار حدیث ہے۔

قیام رمضان کی مسنون تعداد

اپنے مذہب کے خلاف بالاتفاق ثابت شدہ احادیث کو مختلف طریقوں سے ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور مذہب کے مطابق حد درجے کی ضعیف احادیث کو قوی قرار دینے کی یہی روش احناف نے قیام رمضان کی مسنون تعداد کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔ صحیح بخاری ص ۱۵۴ جلد اول میں حدیث موجود ہے کہ ابوسلمۃ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: ”كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ“ یعنی رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا:

”مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةً“

”آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ اس متفق علیہ حدیث کی بنا پر محدثین کے علاوہ ائمہ احناف بدرالدین عینی، ابن ہمام، ملا علی قاری، عبدالحق دہلوی اور قریب زمانے کے علماء انور شاہ کاشمیری اور قاضی شمس الدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعت ہے۔ اس کے مقابلے میں ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ
جَمَاعَةٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ“.

”یعنی آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر
پڑھتے تھے۔“

یہ روایت ”فی غیر جماعۃ“ (جماعت کے بغیر) کے الفاظ کی تصریح
کی وجہ سے ان لوگوں کی دلیل بن ہی نہیں سکتی جو رمضان کے باجماعت قیام کی تعداد
بیس رکعت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں محدثین کے نزدیک یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے خود مولانا
انور شاہ کشمیری نے تسلیم کیا ہے:

”أَمَّا عَشْرُونَ رَكْعَةً فَهُوَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ وَعَلَى
ضَعْفِهِ إِتِّفَاقٌ“ . (العرف الشدی ص ۳۰۹)

”یعنی آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت کی روایت ضعیف سند سے آئی ہے
اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔“

اس حدیث کے ضعف کے اسباب شروع حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔
مرفوع روایت غیر ثابت ہونے کی وجہ سے احناف کو اپنے مسلک میں رکعت تراویح
سنت موكده کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ انہوں نے یہ کہنا
شروع کر دیا بیس رکعت تراویح سنت رسول ﷺ نہیں خلفاء راشدین کی سنت ہے۔
حالانکہ بات یہ بھی غلط ہے کیونکہ موطا مالک میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ سائب
بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں
کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس کے مقابلے میں ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں
جس میں یہ موجود ہو کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری یا کسی دوسرے صحابی کو
بیس رکعت کا حکم دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی روایت ہے تو یہ کہ لوگ حضرت عمرؓ

کے زمانہ میں بیس رکعت قیام کرتے تھے مگر اس روایت سے بیس رکعت کو سنت عمر رضی اللہ عنہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جب حضرت عمرؓ نے خود بعض لوگوں کے اس عمل کے خلاف گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو سنت عمر رضی اللہ عنہ گیارہ رکعت ہی ہوگی بیس ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی صحیح روایت بیس رکعت کی موجود نہیں۔

تراویح میں عدد مسنون بیس رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے

یہ طریقہ ان احناف کا تھا جن کا تذکرہ اوپر گزرا۔ موجودہ دور کے علمائے احناف نے اسے سنت خلفائے راشدین قرار دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے متقدمین علماء کے خلاف کئی ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جو امام احمد بن حنبل کے ارشاد کے مطابق جرأت (سینہ زوری) کے علاوہ کچھ نہیں۔

① بیس رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش:

ان کوششوں میں سے پہلی کوشش بیس رکعت والی بالاتفاق ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش ہے چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مشکوٰۃ کی شرح ”التعلیق الصحیح“ میں لکھا ہے:

”اعْلَمَنَّ أَنَّ الْحَدِيثَ الَّذِي رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي عِشْرَيْنِ رَكْعَةً اللَّذِي ضَعَفَهُ اِمَّةُ الْحَدِيثِ هُوَ صَحِيحٌ عِنْدَ هَذَا الْعَبْدِ الضَّعِيفِ عَفَا اللَّهُ عَنْهُ . (ص ۱۰۵ جلد ثانی طبع دمشق)

”جان لو کہ ابن عباس کی روایت کردہ بیس رکعت والی جسے تمام ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے وہ اس بندہ ضعیف کے نزدیک صحیح ہے۔“

پھر اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

”فَإِذَا كَانَ الْحَدِيثُ يُصَحِّحُ بِلَقَى الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِينَ فَكَيْفَ لَا يُصَحِّحُ بِلَقَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَجُمْهُورِ الْأَئِمَّةِ وَالْمُجْتَهِدِينَ“ (حوالہ مذکورہ)

یعنی ”جب حدیث علماء صالحین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے صحیح ہو سکتی ہے تو خلفاء راشدین، تمام صحابہ و تابعین اور جمہور ائمہ اور مجتہدین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے کیوں صحیح نہیں ہو سکتی؟“۔

چاہیے تو یہ تھا کہ حدیث پر ائمہ حدیث کا جو اصل اعتراض ہے کہ اس کا راوی ابو شیبہ کذاب ہے اسے دور کر کے حدیث صحیح ثابت کرتے مگر رجالی رجسٹروں کی رو سے تصحیح و تضعیف جب شیخ کے نزدیک پٹھانوں نے والی بات تھی تو تلمیذ اس چکر میں کیوں پڑتا۔ اس نے پہلے خلفائے راشدین، تمام صحابہ و تابعین، جمہور ائمہ و مجتہدین کے ذمہ گھڑ کر ایک بات لگائی پھر اس حوالہ سے رسول کریم ﷺ پر بہتان کو صحیح قرار دے کر اپنے تمام پیشرو ائمہ حدیث کے فیصلے کو غلط قرار دیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ تقلید کا دعویٰ کرنے اور اس پر فخر کرنے والے حضرات کس دیدہ دلیری سے اتنے بڑے مجتہد بن جاتے ہیں کہ اپنے سے پہلے تمام ائمہ حدیث کی متفق علیہ بات کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں حالانکہ جس طرح بیس رکعت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اسی طرح خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہیں اور اسے تمام صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ و مجتہدین کا مذہب ہونے کا دعویٰ تو صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو خود بھی فریب نفس میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی اندھا دیکھنے کا خواہش مند ہو۔

آپ عینی کی عمدۃ القاری اور ترمذی کی الجامع اٹھا کر دیکھیں صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ و مجتہدین میں گیارہ مسنون رکعتوں پر اکتفاء کرنے والے بھی موجود ہیں اور اپنی سہولت کے لیے قیام میں تخفیف کر کے رکعتوں کی تعداد بیس، چھتیس اور چالیس تک پہنچانے والے بھی۔ ہمارے کئی بھائی تو اپنی تصنیفات اور تقریروں میں امام ابوحنیفہ

سے روزانہ ہزار رکعات پڑھنا بھی بیان فرماتے ہیں اور مولانا کاندھلوی ہیں کہ تمام صحابہ، تابعین اور جمیع ائمہ و مجتہدین کو بیس رکعت پڑھنے والے بنا کر اس کے ذریعے بیس رکعت سنت رسول اللہ ﷺ کی دلیل مہیا فرما رہے ہیں آپ غور فرمائیں کہ جب بنیاد اتنی کمزور ہو تو اس پر اٹھائی جانے والی عمارت کا حال کیا ہوگا؟

② تراویح اور تہجد کو الگ الگ قرار دینا:

دوسری کوشش جس کی طرف پہلے کسی حنفی کا خیال بھی نہیں گیا تھا یہ باور کروانا ہے کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ گیارہ رکعتوں والی روایات اگرچہ صحیح ہیں مگر یہ تہجد سے متعلق ہیں۔ تراویح سے ان کا تعلق نہیں۔ اس جدید اختراع پر بعض حضرات کو اتنا ناز ہے کہ ان کے خیال کے مطابق اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ ضلع گوجرانوالہ کے مشہور حنفی عالم قاضی عصمت اللہ صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ کی اسی بنیاد پر ہمارے فاضل بھائی مولانا حافظ عبدالمنان صاحب سے تحریری گفتگو ہوئی۔ ساتھ ہی دوسرے آثار و احادیث کا ذکر بھی ہوتا رہا مگر قاضی صاحب چوتھے پانچویں رقعے پر ہی قلم چھوڑ بیٹھے۔ یہ مراسلت تحقیق التراویح کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ نہایت دلچسپ اور قابل مطالعہ چیز ہے اور اللہ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لیے باعث ہدایت و اطمینان ہوئی ہے۔

③ موطا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش:

تیسری کوشش موطا کی صحیح روایت کو کہ ”حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا“ مضطرب ثابت کر کے ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور اس کے مقابلے میں ان ضعیف آثار کو صحیح قرار دینے کی کوشش ہے جن میں حضرت عمرؓ عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت پڑھنے یا حکم دینے کا ذکر ہے۔

یہ کوشش دوسرے کئی حضرات کے علاوہ ضلع گجرات کے ایک حنفی عالم مولوی غلام سرور صاحب نے بھی کی اور ”بیس رکعت تراویح کی شرعی حیثیت“ نامی رسالہ میں

بزعم خود دلائل سے ثابت کیا کہ بیس رکعت واقعی خلفائے راشدین کی سنت ہے اور گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا۔ رسالہ پر مولانا محمد چراغ صاحب بانی جامعہ عربیہ گوجرانوالہ تلمیذ علامہ انور شاہ کی تصدیق و تقریظ بھی ہے۔ مصنف کو اپنے دلائل اور طرز تحریر کی پختگی پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے خود یہ رسالہ ایک طالب علم کی وساطت سے ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالمنان صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس پر تبصرہ فرمائیں۔ حافظ صاحب نے اس رسالہ کا جائزہ نہایت سنجیدہ اور مدلل طریقے سے لیا اور واضح کیا کہ اضطراب کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ اور ابن تیمیہ شوکانی، ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم تراویح میں مسنون عدد کیا سمجھتے ہیں اور خلفائے راشدین کی سنت بیس رکعت ہونے کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

مصنف نے اپنے تین دعوؤں کے لیے تین دلیلیں سبل السلام میں بیہتی سے نقل کی گئی ایک عبارت سے پیش کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے سبل السلام اور بیہتی دونوں کی عبارتوں کو بالمقابل لکھ کر ثابت کر دیا کہ سبل السلام میں یہ تینوں باتیں غلط نقل ہوئی ہیں اور مصنف نے اپنے دلائل کی بنیاد اصل کتاب پر رکھنے کی بجائے دوسری کتاب میں نسخ کی غلطیوں پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ بحث کے ضمن میں کئی نادر نکات و تحقیقات ایسی ذکر کی ہیں جو کسی دوسری جگہ یکجا نہیں مل سکتیں بلکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس سے پہلے شاید کسی قلم سے نہ نکلی ہوں کیونکہ مصنف نے بزعم خود جدید دلائل پیش کئے تھے اس لیے ان کا جواب بھی جدید ہی دینے کی ضرورت تھی اور یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب موصوف سے لی ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تقریباً چالیس صفحات لکھ کر صاحب رسالہ کے پاس بھیجے جس پر انہوں نے صرف دو تین باتیں لکھ بھیجیں اور اعتراف کیا کہ آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے اور مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں

اصلاح کی جائے گی۔ پھر رسالہ مکمل ہونے پر حافظ صاحب نے ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے کوئی تصدیقی یا تردیدی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا غلام سرور صاحب کے نزدیک حافظ صاحب کے تعقیبات واقعی لا جواب ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جب مولانا صاحب پر حق واضح ہو چکا ہے تو وہ اس کے اعتراف میں اور اس پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے کیونکہ قیامت کے دن حق پر عمل کام آئے گا نہ کہ کسی دھڑے سے وابستگی۔ ”فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ“۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے علم میں مزید برکت فرمائے اور ہمیں ان کے فوائد سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ تحریر رسالہ کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہے۔ حافظ صاحب کا خطاب چونکہ ایک عالم سے تھا اس لیے انہوں نے عربی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ اکثر مقامات پر اقوال کہہ کر عربی عبارت پر تبصرہ بھی عربی میں کیا تھا۔ دوستوں کی خواہش پر جب رسالہ طبع کروانے کا ارادہ ہوا تو حافظ صاحب نے مجھے حکم دیا کہ تم ان عربی عبارات کا اردو ترجمہ کر دو۔ چنانچہ میں نے ان تمام عبارات کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو علماء اور عوام کے لیے نافع بنائے۔ ”وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَبِيدِهِ الْقَبُولُ“۔

عبدالسلام بھٹوی

جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رسالہ ”بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت“ پر ایک نظر

حضرت مولانا غلام سرور صاحب گجراتی ”اَطَالَ اللَّهُ بَقَاءَهُ“ مصنف رسالہ ”بیس رکعت تراویح شرعی ثبوت“ نے جامعہ عربیہ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ کے ایک متعلم کی وساطت سے بندہ کو اپنے رسالہ مذکورہ پر کچھ لکھنے کو فرمایا چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے چند امور تحریر کئے ہیں جو پیش خدمت ہیں ان سے اپیل ہے کہ اگر میری تحریر میں انہیں کوئی خطا نظر آئے تو وہ مجھے مطلع فرمائیں ان شاء اللہ العزیز خطا ثابت ہونے پر اس کی اصلاح کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

① رکعات تراویح کے عدد میں مرفوع احادیث:

مؤلف رسالہ لکھتے ہیں: ”یاد رہے کہ صلاۃ تراویح کے سلسلہ میں جملہ روایات مرفوعہ کالب لباب یہ ہے کہ ایک ماہ رمضان کی صرف تین راتوں میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز تراویح پڑھائی یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے مگر کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد رکعت مذکور نہیں“۔ (ابھی بلفظ ص ۴)

① اولاً تو ان جملہ روایات مرفوعہ جن کالب لباب صاحب حضرت المؤلف نے بیان فرمایا میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ جو نماز تراویح رسول اللہ ﷺ نے ایک رمضان کی صرف تین راتوں میں پڑھائی وہ نماز تراویح تھی نماز تہجد نہیں تھی اس لیے کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں درحقیقت وہ نماز جو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ

کرام رحمہ اللہ کو رمضان المبارک میں تین رات پڑھائی نماز تہجد ہی تو تھی چنانچہ ان مرفوع روایات ہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نماز رسول خدا ﷺ اور صحابہ ان تین راتوں سے پہلے پڑھا کرتے تھے اور ان تین راتوں کے بعد تو رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رحمہ اللہ سے فرمایا یہ نماز گھروں میں پڑھو کیونکہ نقلی نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ صاحب فیض الباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ: إِنَّ التَّارَوِيحَ وَصَلَاةَ اللَّيْلِ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانِ وَالْمُخْتَارُ عِنْدِي أَنَّهُمَا وَاحِدٌ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ صِفَتَاهُمَا كَعَدَمِ الْمُوَاطَّئَةِ عَلَى التَّارَوِيحِ وَأَدَاءِهَا بِالْجَمَاعَةِ وَأَدَاءِهَا فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ تَارَةً وَإِصَالِهَا إِلَى السَّحْرِ أُخْرَى بِخِلَافِ التَّهَجُّدِ فَإِنَّهُ كَانَ فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ الْجَمَاعَةُ وَجَعَلَ اخْتِلَافُ الصِّفَاتِ دَلِيلًا عَلَى اخْتِلَافِ نَوْعَيْهِمَا لَيْسَ بِجَدٍ عِنْدِي بَلْ كَانَتْ تِلْكَ صَلَاةً وَاحِدَةً إِذَا تَقَدَّمَ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّارَوِيحِ وَإِذَا تَأَخَّرَتْ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّهَجُّدِ وَلَا بَدْعُ فِي تَسْمِيَّتِهَا بِاسْمَيْنِ عِنْدَ تَغَايُرِ الْوُصْفَيْنِ فَإِنَّهُ لَا حَاجَ فِي التَّغَايُرِ الْأِسْمِيِّ إِذَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ، وَإِنَّمَا يُثَبِّتُ تَغَايُرَ النَّوْعَيْنِ إِذَا ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى التَّهَجُّدَ مَعَ إِقَامَتِهِ بِالتَّارَوِيحِ ثُمَّ إِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ نَصْرٍ وَضَعَ عِدَّةَ تَرَاجِمٍ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ وَكَتَبَ أَنَّ بَعْضَ السَّلَفِ ذَهَبُوا إِلَى مَنْعِ التَّهَجُّدِ لِمَنْ صَلَّى التَّارَوِيحَ، وَبَعْضُهُمْ قَالُوا بِإِبَاحَةِ النَّفْلِ الْمُطْلَقِ، فَدَلَّ اخْتِلَافُهُمْ هَذَا عَلَى اتِّحَادِ الصَّالِحِينَ عِنْدَهُمْ، وَيُؤَيِّدُهُ فِعْلُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي التَّارَوِيحَ فِي بَيْتِهِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ مَعَ أَنَّهُ كَانَ أَمَرَهُمْ أَنْ يُؤَدُّوَهَا بِالْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ فِيهَا، وَذَلِكَ لِأَنَّهُ كَانَ يَعْلَمُ

أَنَّ عَمَلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بِأَدَاءِهَا فِي آخِرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ نَبَهُهُمْ عَلَيْهِ قَالَ: إِنَّ الصَّلَاةَ الَّتِي تَقُومُونَ بِهَا فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ مَفْضُولَةٌ مِنْهَا لَوْ كُنْتُمْ تَقِيمُونَهَا فِي آخِرِ اللَّيْلِ. فَجَعَلَ الصَّلَاةَ وَاحِدَةً وَفَضَّلَ قِيَامَهَا فِي آخِرِ اللَّيْلِ عَلَى الْقِيَامِ بِهَا فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ. وَعَامَّتْهُمْ لَمَّا لَمْ يُدْرِكُوا مُرَادَهُ جَعَلُوا دَلِيلًا عَلَى تَغْيِيرِ الصَّلَاتَيْنِ وَزَعَمُوا أَنَّهُمَا كَانَتَا صَلَاتَيْنِ. ثُمَّ إِنَّ التَّرَاوِيحَ لَمْ يَثْبُتْ مَرْفُوعًا أَزِيدُ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً إِلَّا بِطَرِيقٍ ضَعِيفٍ لَا أَقُولُ: إِنَّهَا لَمْ تَكُنْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ بَلْ إِنَّمَا أَنْكَرُ النُّقْلَ عَنْهُ بِطَرِيقٍ صَحِيحٍ، فَبَقِيَ الْحَالُ مُسْتَوْرًا فِيمَا زَادَ فَجَازَ أَنْ يَكُونَ صَلَاحًا بِالْعَدَدِ الْمَشْهُورِ وَجَازَ أَنْ يَكُونَ اقْتِصَارَ عَلَى هَذَا الْقَدْرِ فَقَطْ إِلَّا أَنَّ الثَّابِتَ عَنْهُ هُوَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ. اهـ

(ج ۲ ص ۲۲۰)

ترجمہ: ”عام علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور صلاۃ اللیل (تہجد) دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں جیسا کہ تراویح پر ہمیشگی نہ ہونا اور اسے جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور کبھی اسے رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اسے سحری تک پہنچا دینا اس کے خلاف تہجد رات کے آخری حصے میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی۔ لیکن ان صفات کے اختلاف کو اس بات کی دلیل بنا لینا کہ یہ دونوں مختلف قسم کی نمازیں ہیں میرے نزدیک اچھی بات نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ایک ہی نماز تھی جب اسے پہلے پڑھا گیا تو اس کا نام تراویح رکھ لیا گیا اور جب پچھلے حصہ میں پڑھا گیا تو اس کا نام تہجد رکھ لیا گیا اور اس ایک نماز کی صفات جدا جدا ہونے کی بنا پر اس کے دو نام رکھ لینا کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ الگ الگ نام رکھ لینے میں کوئی پابندی نہیں

جب کہ امت اس پر مجتمع ہو اور ان دونوں نمازوں کا الگ الگ قسم کی نماز ہونا صرف اس صورت میں ثابت ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے تراویح پڑھنے کے ساتھ تہجد بھی ادا فرمائی ہو۔ پھر محمد بن نصر نے قیام اللیل میں کئی عنوان مقرر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض سلف کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کے لیے تہجد منع ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نفل پڑھنے مطلقاً جائز ہیں تو ان بزرگوں کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں نمازیں ان کے نزدیک ایک ہی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ تراویح رات کے آخری حصے میں اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے حالانکہ انہوں نے خود لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں لیکن اس کے باوجود وہ خود اس میں شریک نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا عمل یہ نماز رات کے آخری حصے میں ادا کرنے کا تھا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس بات سے یہ کہہ کر آگاہ فرمایا کہ یہ نماز جسے تم رات کے شروع حصے میں پڑھتے ہو اگر رات کے آخری حصے میں پڑھو تو اس کا ثواب زیادہ ہے تو حضرت عمرؓ نے نماز کو ایک ہی قرار دیا اور اسے رات کے آخری حصے میں پڑھنا شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ فضیلت کا باعث قرار دیا۔ عام علماء نے آپ کا اصل مطلب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے الگ الگ دو نمازیں ہونے کی دلیل بنا لیا اور سمجھ لیا کہ یہ دو الگ الگ نمازیں تھیں۔ پھر تراویح آنحضرت ﷺ سے تیرہ رکعات سے زیادہ ثابت نہیں مگر ضعیف سند سے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نفس الامر میں تیرہ سے زیادہ رکعتیں نہیں تھیں بلکہ میں تو صرف صحیح سند کے ساتھ تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ثبوت کا انکار کر رہا ہوں۔ اب اس سے زیادہ کا حال ہم سے پوشیدہ ہے ہو سکتا ہے کہ آپ نے

مشہور تعداد کے مطابق پڑھی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسی تعداد پر اکتفا فرمایا ہو البتہ آپ سے ثابت صرف تیرہ رکعتیں ہی ہیں۔“ (اتحی ص ۴۲۰ ج ۲) نیز صاحب عرف شذی فرماتے ہیں:

لَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيمٍ أَنَّ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَتْ ثَمَانِي رَكَعَاتٍ وَلَمْ يُبْثْ فِي رِوَايَةِ مَنْ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّهَجُّدَ وَالتَّرَاوِيحَ عَلَى حِدَةٍ فِي رَمَضَانَ .

”یہ بات تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تراویح آٹھ رکعت تھیں اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھیں۔“

تو جب تہجد اور تراویح دراصل ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو پھر ثبوت عدد رکعات تراویح از نبی کریم ﷺ کی نفی کرنا درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ نبی کریم ﷺ سے عدد رکعات تہجد بھی ثابت نہ ہو۔ ”وَاللَّازِمُ كَمَا تَسَوَّى“ تو عدد رکعات تہجد میں وارد شدہ تمام احادیث مرفوعہ صحیحہ عدد رکعات تراویح کے دلائل ہیں کیونکہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔

② وثانیاً: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ اپنی کتاب مؤطا میں باب منعقد فرماتے ہیں:

”بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَا فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ“ اور اس باب میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں جس میں تین راتوں کا واقعہ مذکور ہے اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع اور صحیح حدیث ذکر فرماتے ہیں جس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن کے سوال: ”كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ“ (رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی) کا جواب دیا ہے:

”رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ حدیث کے آخر تک۔“

مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی رحمہ اللہ تعلق المجد میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً . رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ بْنُ
حُمَيْدٍ وَالْبَغَوِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ
كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رُكْعَةً وَالْوُتْرَ فِي رَمَضَانَ . وَفِي سَنَدِهِ إِبْرَاهِيمُ
بْنُ عُثْمَانَ أَبُو شَيْبَةَ جَدُّ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ صَاحِبِ الْمُصَنَّفِ وَهُوَ
مَقْدُوحٌ فِيهِ وَقَدْ ذَكَرْتُ كَلَامَ الْأَيْمَةِ عَلَيْهِ فِي تَحْفَةِ الْأَخْيَارِ وَقَالَ
جَمَاعَةُ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ الزَّيْلَعِيُّ وَابْنُ الْهَمَّامِ وَالسِّيُوطِيُّ وَالزَّرْقَانِيُّ :
إِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ مَعَ ضَعْفِهِ مُعَارِضٌ بِحَدِيثِ عَائِشَةَ الصَّحِيحِ فِي
عَدَمِ الزِّيَادَةِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً فَيُقْبَلُ الصَّحِيحُ وَيُطْرَحُ
غَيْرُهُ . وَفِيهِ نَظَرٌ إِذْ لَا شَكَّ فِي صِحَّةِ حَدِيثِ عَائِشَةَ وَضَعْفِ
حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَكِنِ الْأَخْذُ بِالرَّاجِحِ وَتَرَكْتُ الْمَرْجُوحَ إِنَّمَا
يَتَعَيَّنُ إِذَا تَعَارَضَا تَعَارُضًا لَا يُمَكِّنُ الْجَمْعُ وَهَهُنَا الْجَمْعُ مُمَكِّنٌ
بِأَنَّهُ يُحْمَلُ حَدِيثُ عَائِشَةَ عَلَى أَنَّهُ إِخْبَارٌ عَنْ حَالِهِ الْغَالِبِ كَمَا
صَرَّحَ بِهِ الْبَاجِي فِي شَرْحِ الْمُوطَأِ وَغَيْرِهِ وَيُحْمَلُ حَدِيثُ ابْنِ
عَبَّاسٍ عَلَى أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ أَحْيَانًا . اهـ

”راوی کا قول: ”علیٰ احدى عشرة رکعة“ یعنی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، بغوی، بیہقی اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور

وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کی سند میں المصنف والے ابن ابی شیبہ کا دادا ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ہے اور اس میں محدثین نے طعن کیا ہے اور میں نے اس پر ائمہ کا کلام تحفۃ الاخبار میں ذکر کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے جن میں زیلعی، ابن ہمام، سیوطی اور زرقانی شامل ہیں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ حضرت عائشہ کی گیارہ سے زیادہ نہ پڑھنے والی حدیث سے ٹکراتی بھی ہے اس لیے صحیح کو قبول کیا جائے گا اور اس کے غیر کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس میں نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے صحیح ہونے اور ابن عباس کی حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن راجح کو لے لینا اور مرجوح کو چھوڑ دینا صرف اس جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے اس طرح کہ حضرت عائشہ کی حدیث کو آنحضرت ﷺ کے اکثر اوقات پر محمول کیا جائے جیسا کہ باجی نے موطا کی شرح میں اس کی صراحت کی ہے اور ان کے علاوہ کئی علماء نے بھی یہ بیان کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہ بعض اوقات میں تھا۔ مولانا عبدالحی کا کلام ختم ہوا۔

أَقُولُ: وَفِيهِ نَظَرٌ أَمَّا أَوَّلًا فَلِأَنَّ مَا قَالَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَابْنُ الْهَمَّامِ وَالسُّيُوطِيُّ وَالزُّرْقَانِيُّ وَغَيْرُهُمْ إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَابِ الْأَخْذِ بِالصَّحِيحِ وَطَرَحِ الضَّعِيفِ وَلَيْسَ مِنْ بَابِ الْأَخْذِ بِالرَّاجِحِ وَتَرْكُ الْمَرْجُوحِ إِصْطِلَاحًا وَبَيْنَهُمَا فَرْقٌ. وَأَمَّا ثَانِيًا فَلِأَنَّ الْجَمْعَ إِنَّمَا يُؤْخَذُ بِهِ إِذَا كَانَ الْمُتَعَارِضَانِ مَقْبُولَيْنِ وَالْأَمْرُ هَهُنَا لَيْسَ كَذَلِكَ إِذَا أَحْذَا الْمُتَعَارِضَيْنِ صَحِيحٌ مُجْمَعٌ عَلَى صِحَّتِهِ وَالثَّانِي ضَعِيفٌ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ بَلْ أَبُو شَيْبَةَ قَدْ كَذَّبَهُ شُعْبَةُ كَمَا فِي الْعُمْدَةِ. وَالْحَقُّ أَنَّهُ لَا مُعَارَضَةَ هَهُنَا أَصْلًا إِذْ لَا

مَعَارِضَةً بَيْنَ الصَّحِيحِ وَالضَّعِيفِ وَأَمَّا ثَالِثًا فَلِأَنَّ تَصْرِيحَ
الْبَاجِي فِي شَرْحِ الْمُوطَا وَتَصْرِيحِ غَيْرِهِ بِحُمَلِ حَدِيثِ عَائِشَةَ
مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً
عَلَى حَالِهِ الْغَالِبِ إِنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى حَدِيثِهَا وَحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ
بِالَّذِي فِيهِ ذِكْرُ ثَلَاثِ عَشْرَةَ رَكْعَةً لَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى حَدِيثِ ابْنِ
عَبَّاسٍ بِالَّذِي فِيهِ ذِكْرُ عِشْرِينَ رَكْعَةً فَتَأَمَّلْ .

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں اس کلام میں کئی طرح سے نظر ہے۔ اولاً: اس لیے کہ
زیلعی، ابن ہمام، سیوطی اور زرقانی وغیرہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح کو لے
لینے اور ضعیف کو ترک کرنے کے قبیل سے ہے نہ کہ اس قبیل سے جسے
اصطلاح میں رائج کا اخذ اور مرجوح کا ترک کہا جاتا ہے اور ان دونوں
میں فرق ہے۔ ثانیاً: اس لیے کہ تطبیق وہاں کی جاتی ہے جہاں دونوں ٹکرانے
والی روایتیں مقبول ہوں اور یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں متعارض
روایتوں میں سے ایک صحیح ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اور دوسری
ضعیف ہے جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے بلکہ ابوشیبہ کو شعبہ نے جھوٹا
قرار دیا ہے جیسا کہ عمدہ میں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں دونوں
روایتوں میں بالکل ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ٹکراؤ نہیں
ہوتا۔ ثالثاً: اس لیے کہ باجی نے شرح موطا میں جو تصریح کی ہے اور د
وسرے علماء نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث
”کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے
تھے“ آپ کے اکثر اوقات پر محمول ہے تو ان علماء کا یہ ارشاد حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے بارے
میں ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے اس حدیث

کے بارے میں نہیں جس میں میں رکعتوں کا ذکر ہے۔ اس لیے خوب غور کیجیے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْهَمَّامِ: قَدَّمْنَا فِي بَابِ النَّوَافِلِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةِ الْحَدِيثِ وَأَمَّا مَا رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ فَضَعِيفٌ بِأَبِي شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ جَدِ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِلصَّحِيحِ نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُونَ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ فِي الْمَوْطَأِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَعَشْرِينَ رَكْعَةً وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ قَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخُلَاصَةِ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَفِي الْمَوْطَأِ رِوَايَةٌ بِإِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِأَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ فَحُصِّلَ مِنْ هَذَا كُلِّهِ أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ بِالْوُتْرِ فِي جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ تَرَكَهُ لِعُذْرِ أَفَادَ أَنَّهُ لَوْلَا خَشْيَةُ ذَلِكَ لَوَاطَبْتُ بِكُمْ وَلَا شَكَّ فِي تَحْقِيقِ الْأَمْرِ مِنْ ذَلِكَ لَوْ فَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَيَكُونُ سُنَّةً وَكَوْنُهَا عَشْرِينَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ نُدَبُ إِلَى سُنَّتِهِمْ وَلَا يَسْتَلْزِمُ كَوْنُ

ذَٰلِكَ سُنَّتُهُ إِذْ سُنَّتُهُ بِمَوَاطِنِهِ بِنَفْسِهِ أَوْ لَا لِعُذْرٍ وَبِتَقْدِيرِ عَدَمِ
ذَٰلِكَ الْعُذْرِ إِنَّمَا اسْتَفَدْنَا أَنَّهُ كَانَ يُوَاطِنُ عَلَى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَهُوَ مَا
ذَكَّرْنَا (أَيِ أَحَدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً) فَيَكُونُ الْعِشْرُونَ مُسْتَحَبًّا
وَذَٰلِكَ الْقَدْرُ (أَيِ أَحَدَى عَشْرَةَ) مِنْهَا هُوَ السُّنَّةُ كَالْأَرْبَعِ بَعْدَ
الْعِشَاءِ مُسْتَحَبَّةٌ وَرَكْعَتَانِ مِنْهَا هِيَ السُّنَّةُ. (ج ۳ ص ۱۹۲)

”ابن ہمام نے فرمایا: ہم نے اس سے پہلے باب النوافل میں ابوسلمہ بن عبد الرحمن کی روایت ذکر کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز رمضان میں کس طرح تھی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ الحدیث۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے تو وہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے علاوہ ازیں وہ صحیح کے بھی خلاف ہے ہاں بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ثابت ہیں۔ چنانچہ مؤطا میں یزید بن رومان سے ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیس رکعت قیام کرتے تھے اور بیہقی نے المعرفة میں سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور مؤطا میں ایک روایت گیارہ رکعت پڑھنے کی ہے اور دونوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے پھر بیس پڑھنے کا دستور ہو گیا کیونکہ بعد میں آنے والوں کو یہی تعداد دراثہ ملی ہے اس ساری بحث سے حاصل یہ ہوا کہ قیام رمضان وتر سمیت گیارہ رکعت باجماعت سنت ہے آنحضرت

ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ پھر اسے یہ عذر بیان فرما کر ترک کر دیا کہ اگر وجوب کا خوف نہ ہوتا تو میں ہمیشہ تمہیں پڑھاتا اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے یہ خطرہ تو بلا شک و شبہ ختم ہو گیا اس لیے اب یہ سنت ہے۔ البتہ اس کی رکعات کا بیس ہونا خلفاء راشدین کی سنت ہے اور آپ کا فرمان کہ ”میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو“ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہے لیکن اس سے بیت رکعت کا آنحضرت ﷺ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آپ کی سنت تو یا آپ کی ہمیشگی سے ثابت ہوتی ہے یا کسی عذر کی بنا پر ہمیشگی نہ کر سکنے سے (کہ یہ فرض کر سکیں کہ اگر فلاں عذر نہ ہوتا تو آپ اس پر ہمیشگی کرتے) اب یہاں اگر ہم یہ فرض کریں کہ آپ کو وجوب کے خطرے کا عذر نہیں تھا تو حاصل یہی ہوتا ہے کہ آپ اسی تعداد پر ہمیشگی فرماتے تھے جو آپ سے ثابت ہے اور وہی ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی گیارہ رکعت) پس بیس مستحب ہوں گی اور ان بیس میں سے یہ گیارہ سنت ہوں گی جیسا کہ عشاء کے بعد چار مستحب ہیں جن میں سے دو سنت ہیں۔“ مرقاۃ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ج ۳ ص ۱۹۲)

أَقُولُ: كَمَا أَنَّ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَاطَبَ هُوَ عَلَيْهِ بِنَفْسِهِ كَذَلِكَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مَا وَاطَبَوْهُمْ عَلَيْهِ بِأَنْفُسِهِمْ وَلَمْ يَثْبُتْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ الْقِيَامُ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَلَا الْأَمْرُ بِهِ كَمَا سَتَعْرِفُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

”میں کہتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت وہ ہے جس پر آپ نے خود ہمیشگی فرمائی ہو اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت بھی وہ ہے جس پر انہوں نے خود ہمیشگی فرمائی ہو۔ حالانکہ ان میں سے کسی سے بھی بیس رکعت کا نہ خود قیام ثابت ہے نہ کسی کو اس کا حکم دینا جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔“

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری کتاب صلاۃ التراويح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ”ما کان یزید فی رمضان الخ“ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ إِلَى آخِرِهِ فَإِنْ قُلْتُ: رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. قُلْتُ: هَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ أَيْضًا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ فِي مُعْجَمِ الصَّحَابَةِ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مَرْزَاحٍ حَدَّثَنَا أَبُو شَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُقْسِمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِيثُ وَأَبُو شَيْبَةَ هُوَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبْسِيُّ الْكُوفِيُّ قَاضِي وَاسِطَ جَدُّ أَبِي بَكْرٍ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ كَذَبَهُ شُعْبَةُ وَضَعْفَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَعِينٍ وَالْبُخَارِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَأُورِدَ لَهُ ابْنُ عَدِيٍّ هَذَا الْحَدِيثُ فِي الْكَامِلِ فِي مَنْ كَبُرَ . (ج ۵ ص ۳۵۸، ۳۵۹)

”قوله: ما كان يزيد الخ اگر تم کہو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے تو میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں بیان کی ہے کہ ہمیں منصور بن ابی مراح نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں ابوشیبہ نے حکم سے بیان کیا اس نے مقسم سے اس نے ابن عباس سے بیان کیا۔ ساری حدیث۔ اور یہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عسی کوئی واسط کا قاضی ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے اور احمد ابن معین بخاری اور نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا اور ابن عدی نے الکامل میں یہ حدیث اس کی منکر روایات میں ذکر کی ہے۔ عبارت ختم ہوئی۔

(جلد ۵ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹)

تو نقول بالا سے معلوم ہوا کہ امام محمد بن حسن شیبانی، حافظ زبیلی، علامہ سیوطی، علامہ زرقانی، علامہ ابن ہمام، علامہ عینی، ملا علی قاری، مولانا عبدالحی لکھنوی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ اور دیگر علمائے کرام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ”ما کان یزید الخ“ سے نبی کریم ﷺ کی رکعات تراویح کے عدد کو ثابت کیا ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ قطعی الصحیح ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد انور صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث قطعی الصحیح ہیں تو صحیح السند مرفوع بلکہ قطعی الصحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے۔

نیز امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں باب منعقد فرمایا ہے:

بَابُ مَا رَوَى فِي عَدَدِ رَكْعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ .

”یہ باب ان حدیثوں کے بیان میں ہے جن میں ماہ رمضان کے قیام کی رکعات کی تعداد بیان کی گئی ہے۔“

پھر انہوں نے اس میں پہلے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ”ما کان یزید الخ“ کو درج کیا اور ایسے ہی علامہ شوق صاحب نیوی حنفی نے آثار السنن میں باب منعقد فرمایا:

بَابُ التَّرَاوِیْحِ بِشَمَانِ رَكْعَاتٍ .

”آٹھ رکعت تراویح کا بیان۔“

اور نیچے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ”ما کان یزید الخ“ کو ذکر کیا اور دو مرفوع حدیثیں اور بیان فرمائیں تو آثار السنن سے استفادہ کرنے والا منصف مزاج یہ فیصلہ کبھی نہیں دے سکتا کہ صحیح مرفوع حدیث میں رسول کریم ﷺ کی تراویح کی تعداد مذکور نہیں۔

③ واما: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ”صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ وَأَوْتَرَ“ (رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں نماز پڑھائی اور وتر

پڑھا) کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم حضرات کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے چنانچہ حافظ ذہبی میزان میں معدلین و جارحین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں اس حدیث کی سند وسط ہے نیوی صاحب نے فرمایا: ”اسنادہ دون وسط“ (اس کی اسناد (درمیانی) سے کم ہے) جس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے کلام کیا ہے تفصیل کے لیے مآخذ کی طرف رجوع فرمائیں۔

یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں مدار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ”ما کان یزید الخ“ اور ”صلاة اللیل“ میں وارد شدہ دیگر احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں ویسے آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی دوسری حدیث: ”جاء ابی بن کعب الخ“ بھی آثار السنن وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

④ رابعاً: پہلے تو ہم ذکر کر رہے تھے کہ صحیح مرفوع احادیث میں پیغمبر خدا ﷺ کی رکعات تراویح کی تعداد مذکور ہے جب کہ اثبات کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ اثبات کے لیے حسن حدیث بھی کافی ہوتی ہے: ”کمالاً یخفی علی اهل العلم“ اس لیے صاحب رسالہ کے بیان میں سند کو صحیح سے مقید کرنا درست نہیں الا یہ کہ صحیح سے صحیح مصطلح مراد نہ ہو صحیح بمعنی قابل احتجاج ہو پھر بھی سند کا لفظ نہ بولنا چاہیے تھا کہ کیونکہ سند صحیح یا حسن ہونے کو حدیث یا اثر کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں والتفصیل فی موضعه۔

② حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر:

① اولاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُحَمَّدٍ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ
عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ عَلَى أَبِي بَنٍ كَعْبٍ وَتَمِيمٍ نِ الدَّارِيِّ
عَلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَكْعَةً رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَمُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ.

اھ (ص ۵)

”داؤد بن قیس سے روایت ہے وہ محمد بن یوسف سے بیان کرتے ہیں وہ
سائب بن یزید سے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور
تمیم داری پر اکیس رکعت پر جمع فرمایا اس روایت کو عبدالرزاق اور محمد بن نصر
نے بیان کیا۔“ اھ (ص ۵)

مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے:

ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرَانُ بْنُ مُوسَى أَنَّ يَزِيدَ بْنَ خُصَيْفَةَ
أَخْبَرَهُمْ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي
بَنٍ كَعْبٍ وَتَمِيمٍ نِ الدَّارِيِّ فَكَانَ أَبِي يُؤْتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ.

(ج ۴ ص ۲۶۰ ج ۷: ۷۷۲۷)

”ابن جریج نے کہا کہ مجھے عمران بن موسیٰ نے خبر دی کہ انیس یزید بن
خسف نے سائب بن یزید سے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب
اور تمیم داری پر جمع کیا چنانچہ ابی تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔“

(ج ۴ صفحہ ۲۶۰ حدیث: ۷۷۲۷)

اس اثر سے پتہ چلا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر پڑھایا کرتے تھے تو
اب اکیس رکعات سے تین وتر نکال لئے جائیں تو باقی اٹھارہ رکعات رہ جاتی ہیں نہ
کہ بیس رکعات۔ نیز داؤد بن قیس عن محمد بن یوسف کا یہ بیان حضرت یزید بن خسف
کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس رکعات اور وتر بیان کرتے ہیں ہاں اگر وتر ایک
رکعت سمجھا جائے تو پھر اکیس کے عدد میں تو دونوں بیان آپس میں موافق ہوں گے اور

تراویح کی تعداد بھی دونوں کے بیان کے مطابق بیس بنے گی مگر اس میں دو چیزیں ہیں:

1: حنفی ایک رکعت وتر کے قائل نہیں۔

2: ”فکان ابی یوتر بثلاث“ کی مخالفت۔

پھر داؤد بن قیس عن محمد بن یوسف کا بیان اکیس رکعات حضرت سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد حارث بن عبدالرحمان کے بیان تئیس رکعات سے بھی متعارض ہے۔ یاد رہے کہ اثر ”فکان ابی یوتر بثلاث“ کی سند میں عمران بن موسیٰ راوی متکلم فیہ ہے مگر صاحب رسالہ کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین وتر ہی پڑھایا کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

تو خلاصہ کلام ہذا یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید کے دو شاگردوں محمد بن یوسف اور حارث بن عبدالرحمان کے بیان اکیس اور تئیس ایک دوسرے کے خلاف ہیں رہے سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد یزید بن حصیفہ تو ان کا بیان ہے بیس رکعات اور وتر جس میں اکیس اور تئیس دونوں کا احتمال ہے اس لیے کہ وتر سے مراد ایک رکعت ہو تو اکیس رکعات اور وتر سے مراد تین رکعات ہوں تو تئیس رکعات ان کا بیان بنے گا قائل۔

نیز یہ تینوں بیان اکیس رکعات، تئیس رکعات اور بیس رکعات اور وتر امام مالک اور عبدالعزیز بن محمد عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف عن السائب کے بیان تیرہ رکعات کے خلاف ہیں مزید بریں یہ کہ بیس اکیس اور تئیس کا عدد اس رکعات تراویح کے بھی خلاف ہے جو عدد رکعات تراویح رسول کریم ﷺ سے قطعی الصحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہے کما تقدم۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں ”حضرت سائب بن یزید کے اس اثر کو پانچ ثقہ راویوں انخ (ص ۸) داؤد بن قیس، محمد بن جعفر، امام مالک، ابن ابی ذئب حارث بن

عبدالرحمان (حاشیہ ص ۸) اگر پانچ سے مراد حضرت سائب کے شاگرد ہوں تو نفس الامر میں ایسا نہیں کیونکہ مؤلف صاحب نے پہلے حضرت سائب کے صرف تین شاگرد ذکر کئے ہیں محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن اور اگر پانچ ثقہ راویوں سے حضرت سائب سے نیچے راوی مراد ہوں عام اس سے کہ وہ حضرت سائب کے شاگرد ہوں جیسے حارث بن عبدالرحمان یا وہ ان کے شاگرد نہ ہوں جیسے داؤد بن قیس وغیرہ تو پھر حضرت سائب کے شاگردوں محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ اور دیگر رواۃ کو شمار فرما کر تعداد پانچ سے زیادہ بتانا چاہیے تھی جیسا کہ آگے انہوں نے حضرت سائب کے علاوہ کوئی بارہ رواۃ کا تعارف پیش فرمایا ہے۔

② وثانیاً: مصنف رسالہ تحریر فرماتے ہیں:

”عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ ثِقَّةٌ حَافِظٌ مُصَنِّفٌ شَهِيرٌ“

تقریب النہی (ص: ۹)

”عبدالرزاق بن ہمام ثقہ حافظ مشہور مصنف ہیں“۔ تقریب اھ (ص ۹)

مگر تقریب ہی میں ”شہیر“ کے بعد یہ بھی لکھا ہے ”عَمِي فِي اخْبَرِ عُمُرِهِ فَتَغْيِرَ وَكَانَ يَتَشَبَّعُ“ (اپنی آخر عمر میں نایاب ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں تغیر آ گیا اور وہ تشیع رکھتے تھے) لہذا مؤلف صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مذکورہ بالا عبارت بھی نقل کرتے اور ثابت فرماتے کہ عبدالرزاق کی جو روایات رسالہ میں درج کی گئی ہیں وہ ان کے تغیر و اختلاط سے قبل کی بیان کردہ ہیں کیونکہ متغیر و مختلط راوی کی حال تغیر و اختلاط میں بیان کردہ روایات ضعیف ہوتی ہیں اور ایسے ہی وہ روایات جن کا اختلاط سے قبل بیان ہونا نامعلوم ہو۔ ”كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ مِمَّا رَسَتْ بِأُصُولِ الْحَدِيثِ“ پھر اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا بھی تو ہر ذی علم پر لازم ہے نا۔

③ وثالثاً: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

”مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثِقَةً“ - تقریب بحوالہ آثار السنن (ص ۹) مؤلف صاحب نے محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں کا تعارف پیش نہیں فرمایا جن میں ابو عثمان بصری بھی ہیں اور ان سے متعلق صاحب آثار السنن ہی تعلیق میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا أَبُو عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ فَهُوَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَصْرِيُّ رَوَى عَنْهُ أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهَ وَأَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ الْمُؤَلِّلِ وَغَيْرُهُمَا وَلَمْ أَقِفْ عَلَى مَنْ تَرَجَّمْ لَهُ. (ص ۲۰۵)

” (رہا ابو عثمان بصری تو وہ عمرو بن عبد اللہ بصری ہے اس سے ابوطاہر فقیہ اور ابو محمد بن حسن بن علی بن مؤمل وغیرہ نے روایت کی ہے اور مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہو سکا جس نے اس کے حالات بیان کئے ہوں) تو انصاف کا تقاضا تھا کہ جیسے محمد بن جعفر کی توثیق بحوالہ آثار السنن کا قول نقل کیا جاتا۔ نیز محمد بن جعفر سے نیچے والے راویوں میں ابوطاہر فقیہ بھی ہیں۔“

صاحب تحفۃ الاحوزی لکھتے ہیں:

وَأُسْتَدِلُّ لَهُمْ أَيْضًا بِمَا رَوَى الْبُيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ وَصَحَّحَ إِسْنَادَهُ السُّبْكِيُّ فِي شَرْحِ الْمِنْهَاجِ وَعَلِيُّ بْنُ الْقَارِي فِي شَرْحِ الْمُوطَأِ قُلْتُ: فِي سَنَدِهِ أَبُو عُثْمَانَ بْنُ الْبَصْرِيِّ وَاسْمُهُ عَمْرُو ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ النَّيْمِيُّ فِي تَعْلِيقِ آثَارِ السُّنَنِ لَمْ أَقِفْ عَلَى مَنْ تَرَجَّمْ لَهُ. اِنْتَهَى قُلْتُ لَمْ أَقِفْ أَنَا أَيْضًا عَلَى تَرَجْمَتِهِ مَعَ التَّفْحِصِ الْكَثِيرِ وَأَيْضًا فِي سَنَدِهِ أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهَ شَيْخُ الْبُيْهَقِيِّ وَلَمْ أَقِفْ عَلَى مَنْ وَثَّقَهُ فَمَنْ ادَّعَى صِحَّةَ هَذَا الْأَثَرِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَثْبُتَ كَوْنُ كُلِّ مَنِهَا ثِقَةً قَابِلًا لِلَاخْتِجَاجِ فَإِنْ قُلْتُ: قَالَ النَّاجِ السُّبْكِيُّ فِي الطَّبَقَاتِ الْكُبْرَى فِي تَرَجْمَةِ أَبِي بَكْرٍ الْفَقِيهَ: كَانَ إِمَامَ الْمُحَدِّثِينَ

وَالْفُقَهَاءُ فِي زَمَانِهِ وَكَانَ شَيْخًا أَدِيبًا عَارِفًا بِالْعَرَبِيَّةِ لَهُ يَدٌ طَوَّلَى فِي
مَعْرِفَةِ الشُّرُوطِ وَصَنَّفَ فِيهِ كِتَابًا. اِنْتَهَى، فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى كَوْنِهِ ثِقَةً.
قُلْتُ: دَلَالَةٌ فِي هَذَا عَلَى كَوْنِهِ ثِقَةً قَابِلًا لِلِاخْتِجَاجِ نَعَمْ فِيهِ دَلَالَةٌ
عَلَى كَوْنِهِ جَلِيلَ الْقَدْرِ فِي الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ وَالْعَرَبِيَّةِ وَمَعْرِفَةِ
الشُّرُوطِ وَلَكِنْ لَا يَلْزَمُ مِنْ هَذَا كَوْنُهُ ثِقَةً فَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي صِحَّةِ
هَذَا الْأَثَرِ نَظْرًا وَكَلَامًا وَمَعَ هَذَا فَهُوَ مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ
مَنْصُورٍ فِي سُنَنِهِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ
ابْنُ يُونُسَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ
بْنِ الْخَطَّابِ بِإِخْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ قَالَ الْحَافِظُ جَلَالُ الدِّينِ
السِّيُوطِيُّ فِي رِسَالَتِهِ الْمَصَابِيحِ فِي صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ بَعْدَ ذِكْرِ هَذَا
الْأَثَرِ: إِسْنَادُهُ فِي غَايَةِ الصَّحَّةِ. اِنْتَهَى، وَآيضًا هُوَ مُعَارِضٌ بِمَا
رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ مِنْ طَرِيقِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ
حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا
نُصَلِّي فِي زَمَنِ عُمَرَ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةِ رَكْعَةٍ وَهُوَ آيضًا
مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمَوْطَأِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ عَنْ
السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبِيَّ بْنَ كَعْبٍ
وَتَمِيمَانَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِخْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ. فَاتُّرُ
السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ الَّذِي رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ لَا يَصْلُحُ لِلِاخْتِجَاجِ فَإِنْ
قُلْتُ: رَوَى الْبَيْهَقِيُّ هَذَا الْأَثَرَ بِسَنَدٍ آخَرَ بَلْفِظٍ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعِثَرِينَ رَكْعَةً
وَصَحَّحَ إِسْنَادَهُ النَّوَوِيُّ وَغَيْرُهُ قُلْتُ: فِي إِسْنَادِهِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ
فُنَجْوَيْهِ الدِّيَنُورِيُّ وَلَمْ أَقِفْ عَلَى تَرْجَمَتِهِ فَمَنْ يَدَّعِي صِحَّةَ هَذَا

الْأَثَرِ فَعَلَيْهِ أَنْ يُثَبِّتَ كَوْنَهُ ثِقَةً قَابِلًا لِلِاخْتِجَاجِ وَأَمَّا قَوْلُ النِّسَمَوِيِّ:
هُوَ مِنْ كِبَارِ الْمُحَدِّثِينَ فِي زَمَانِهِ لَا يُسْتَلُّ عَنْ مِثْلِهِ . فِيمَا لَا يُلْتَفَتُ
إِلَيْهِ فَإِنَّ مُجَرَّدَ كَوْنِهِ مِنْ كِبَارِ الْمُحَدِّثِينَ لَا يُسْتَلْزَمُ كَوْنُهُ ثِقَةً .

۱۵۷ (ج ۲ ص ۷۵)

”اور ان کے لیے اس روایت کے ساتھ بھی استدلال کیا گیا ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے اور اس کی اسناد کو سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے موطا کی شرح میں صحیح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی سند میں ابو عثمان بصری ہے جس کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے نیوی نے آثار السنن کی تعلیق میں کہا ہے کہ ”مجھے اس شخص کا علم نہیں ہوا جس نے اس کا ترجمہ (احوال) ذکر کیا ہو“۔ نیوی کی بات ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے بہت زیادہ جستجو کے باوجود اس کے حالات نہیں مل سکے اور اس کی سند میں ابوطاہر فقیہ بھی ہے جو بیہقی کا شیخ ہے اور مجھے کسی کا علم نہیں ہو سکا جس نے اسے ثقہ قرار دیا ہو تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ یہ ثابت کرے کہ یہ دونوں راوی ثقہ تھے اور اس قابل تھے کہ ان سے دلیل پکڑی جاسکے۔ اگر تم کہو کہ تاج سبکی نے طبقات کبریٰ میں ابوبکر فقیہ کے ترجمہ میں کہا ہے کہ ”وہ اپنے زمانہ میں محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ ادیب اور عربیت کے ماہر شیخ تھے۔ انہیں شروط کی معرفت میں بڑی مہارت حاصل تھی اور انہوں نے اس کے بارے میں کتاب بھی لکھی۔ سبکی کا کلام ختم ہوا تو یہ کلام دلیل ہے کہ وہ ثقہ تھے تو میں کہوں گا۔ اس عبارت میں ان کے ثقہ اور قابل حجت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث فقہ عربیت اور معرفت

شرط میں مرتبہ جلیلہ رکھتے تھے لیکن اس سے ان کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا حاصل یہ ہے کہ اس اثر کے صحیح ہونے میں نظر اور کلام ہے۔ علاوہ ازیں یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے بیان کیا اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعت قیام کرتے تھے۔ حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ ”المصابیح فی صلاة التراويح“ میں یہ اثر ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”اس کی اسناد انتہائی درجہ کی صحیح ہے“ اور یہ اثر اس روایت کے بھی خلاف ہے جو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کی سند سے ذکر کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور اس روایت کے بھی خلاف ہے جو مالکؒ نے مؤطا میں محمد بن یوسف سے بیان کی ہے کہ انہوں نے سائب بن یزید سے روایت بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ ابن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لیے گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس لیے سائب بن یزید کا وہ اثر جو بیہقی نے روایت کا ہے حجت پکڑنے کے لائق نہیں ہے اگر تم کہو کہ بیہقی نے یہ اثر ایک دوسری سند کے ساتھ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے کہ لوگ عمر بن خطاب کے عہد میں ماہ رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور اس کی سند کو نووی وغیرہ نے صحیح کہا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی سند میں ابو عبد اللہ بن نفجیہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے اس لیے جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ رہ گیا نبوی کا

یہ قول کہ ”کہ وہ اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے ہے اس کے ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں“۔ تحفۃ الاحوذی کی عبارت ختم ہوئی۔ (ج ۲ صفحہ ۷۵)

- ① أَقُولُ أَوَّلًا: إِنَّ كَلَامَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ هَذَا يُرْشِدُكَ إِلَى أَنَّ كَوْنَ رَجُلٍ حَافِظًا أَوْ مُحَدِّثًا لَا يَسْتَدْعِي كَوْنَهُ ثِقَةً فَضْلًا عَنْ أَنْ يَكُونَ عَيْنَ كَوْنِهِ ثِقَةً وَمُرَادُ قَالِهِ وَسَيَأْتِي لِهَذَا مَزِيدٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ الْمَجِيدُ.
- ② وَثَانِيًا: إِنَّ قَوْلَهُ: بِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ الْخ فِيهِ إِنَّ السَّنَدَ الَّذِي فِيهِ أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهُ وَأَبُو عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ لَيْسَ فِي نُسْخَةِ السُّنَنِ الْكُبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ الَّتِي بِيَدِي وَقَدْ قَالَ صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ فِي التَّعْلِيقِ: وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ بِوَجْهِ آخَرَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ نِ الْفَقِيهُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو عُثْمَانَ الْبَصْرِيُّ الْخ.
- ③ وَثَالِثًا: إِنَّ قَوْلَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ فِي أَبِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ فُجُوءِهِ الدِّينَوْرِيِّ فِيهِ أَنَّ صَاحِبَ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ قَالَ: وَكَانَ ثِقَةً. لَكِنْ لَيْسَ كِتَابُ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ عِنْدِي حَتَّى أَنْظُرَ فِيهِ نَعْمَ ظَاهِرُ الْعِبَارَةِ الَّتِي نَقَلَهَا صَاحِبُ الرِّسَالَةِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ صَاحِبَ شَذَرَاتِ الذَّهَبِ وَثَقَهُ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهِ وَلَمْ يَنْقُلْ تَوْثِيقَهُ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَيْمَةِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ. وَقَدْ رَأَيْتُ أَنَّ صَاحِبَ التُّحْفَةِ لَمْ يَعْتَمِدْ عَلَى تَصْحِيحِ أَمْثَالِ النَّوَوِيِّ وَالسُّبْكِيِّ وَعَلِيِّ بْنِ الْقَارِيٍّ مَعَ عِلْمِهِ بِأَنَّ التَّصْحِيحَ يَعْضَمُ التَّوْثِيقَ. وَإِنَّمَا قُلْتُ: ظَاهِرُ الْعِبَارَةِ الْخ لِأَنَّ الْمُصَنِّفِينَ قَدْ أَكْثَرُوا وَالنَّقْلَ عَنْهُمْ تَقَدَّمَهُمْ وَكَوْنُ الْعِبَارَةِ الَّتِي نَقَلَهَا صَاحِبُ الرِّسَالَةِ مَنْقُولَةً فِي الشُّذَرَاتِ عَنْهُمْ تَقَدَّمَ مُصَنِّفُهُ لَيْسَ بِبَعِيدٍ فَتَدَبَّرْ.

- ④ وَرَابِعًا: إِنَّ أَثَرَ السَّائِبِ مِنْ طَرِيقِ الدِّينُورِيِّ مُعَارِضٌ بِمَا رَوَاهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَمَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ عَنْ السَّائِبِ وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي كَلَامِ صَاحِبِ التُّحْفَةِ التَّخْرِيجُ وَالْأَلْفَاظُ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ بَعْدَ ذِكْرِ أَثَرِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي زَمَنَ عُمَرَ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً: قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَهَذَا أَثَبْتُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِحَدِيثِ عَائِشَةَ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ. اهـ
- ⑤ خَامِسًا: إِنَّهُ نَقَلَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ فِي ابْنِ إِسْحَاقَ: كَذَّابٌ دَجَالٌ. لَكِنْ قَالَ صَاحِبُ السَّعَايَةِ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْحَقُّ فِي ابْنِ إِسْحَاقَ التَّوَثُّيقُ وَقَالَ ابْنُ الْهَمَّامِ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ وَهُوَ (أَيُّ تَوَثُّيقُ ابْنِ إِسْحَاقَ) الْحَقُّ الْأَبْلُجُ وَمَا نَقَلَ عَنْ مَالِكٍ لَا يَثْبُتُ وَلَوْ صَحَّ لَمْ يَقْبَلْهُ أَهْلُ الْعِلْمِ. إِلَى أَنْ قَالَ. وَإِنَّ مَالِكًا رَجَعَ عَنِ الْكَلَامِ فِي ابْنِ إِسْحَاقَ وَاصْطَلَحَ مَعَهُ وَبَعَثَ إِلَيْهِ هَدِيَّةً (تَحْفَةً الْاِحْوَذِيِّ ج ١ ص ٢١) وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ صُدُوقٌ يُدَلِّسُ وَرُمِيَ بِالتَّشْيِيعِ وَالْقَدْرِ. اهـ قُلْتُ: إِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ قَدْ صَرَّحَ بِالتَّحْدِيثِ فِي هَذَا الْأَثَرِ فَلَا يَضُرُّ تَذْلِيلُهُ هَهُنَا.
- ⑥ وَسَادِسًا: إِنَّ قَوْلَ صَاحِبِ التُّحْفَةِ: فِي تَرْجَمَةِ أَبِي بَكْرٍ الْفَقِيهِ. فِيهِ إِنَّهُ لَعَلَّ الصَّحِيحَ وَالصَّوَابَ فِي تَرْجَمَةِ أَبِي طَاهِرٍ الْفَقِيهِ.
- ”میں کہتا ہوں کہ:

- ① اولاً: صاحب تحفہ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے حافظ یا محدث ہونے کا یہ تقاضا بھی نہیں کہ وہ ثقہ ہے کجا کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بالکل ثقہ

ہے یا یہ لفظ ثقہ کے ہم معنی ہیں اس کی مزید تحقیق آئے گی انشاء اللہ۔

② ثانیاً: یہ قول کہ ”بما روی البیہقی فی سننہ الخ“ اس میں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس سند میں ابوطاہر الفقیہ اور ابو عثمان بصری ہیں وہ سنن کبریٰ بیہقی کے اس نسخہ میں موجود نہیں جو اس وقت میرے پاس ہے اور آثار السنن کے مصنف نے تعلیق میں کہا ہے کہ ”اس روایت کو بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں ایک دوسری سند کے ساتھ یزید بن حصیفہ عن السائب بن یزید کے حوالہ سے ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوطاہر الفقیہ نے خبر دی اس نے کہا ہمیں ابو عثمان بصری نے خبر دی الخ۔“

③ ثالثاً: یہ کہ صاحب تحفہ نے ابو عبد اللہ بن فنجو یہ دینوری کے متعلق جو فرمایا ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا لیکن میرے پاس کتاب شذرات الذہب نہیں ہے کہ میں یہ عبارت دیکھ سکوں ہاں رسالہ ”بیس رکعت تراویح الخ“ کے مصنف نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ صاحب شذرات الذہب نے اسے اپنی طرف سے ثقہ کہا ہے اور جرح و تعدیل کے ائمہ میں سے کسی امام سے ان کی توثیق نقل نہیں کی حالانکہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ صاحب تحفہ نے نووی، سبکی اور علی قاری جیسے بزرگوں کے صحیح کہنے پر بھی اعتماد نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آ جاتی ہے اور میں نے جو یہ کہا کہ عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفین نے اپنے سے پہلے لوگوں سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں اس لیے صاحب رسالہ نے جس عبارت کا شذرات سے حوالہ دیا ہے ہو سکتا ہے مصنف نے کسی پہلے شخص سے نقل کی ہو۔ فتدبر۔

④ رابعاً: دینوری کے طریق سے سائب کا یہ اثر اس روایت سے معارض ہے

جو عبد العزیز بن محمد، محمد بن اسحاق اور مالک نے محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب سے بیان کی ہے صاحب تحفۃ الاحوذی کے کلام میں اس کی تخریج اور الفاظ گزر چکے ہیں اور حافظ ابن حجر نے محمد بن اسحاق سے ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حافظ نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد ذکر فرمایا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں میں نے جتنی روایات سنی ہیں یہ ان سب سے زیادہ پختہ ہے اور یہ حضرت عائشہ کی رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل کی روایت کے بھی مطابق ہے۔ انتہی۔

⑤ خاصاً: امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کے متعلق کہا وہ کذاب و جال ہے لیکن حنفیہ میں سے صاحب سعاہیہ نے کہا ہے کہ ابن اسحاق کے متعلق حق یہی ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہی (ابن اسحاق کا ثقہ ہونا) بات نمایاں طور پر حق ہے اور امام مالک سے جو بات نقل کی گئی ہے وہ ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو تو بھی اہل علم نے اسے قبول نہیں کیا۔ ابن ہمام نے سلسلہ کلام کے آخر میں فرمایا کہ: مالک نے ابن اسحاق کے متعلق کلام سے رجوع کر لیا، ان کے ساتھ صلح کر لی اور ان کی طرف ہدیہ بھی بجا (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۱) اور حافظ نے تقریب میں کہا صدوق (سچا) ہے تدلیس کرتا ہے اور اس پر تشیع اور قدر کا الزام لگایا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس اثر میں محمد بن اسحاق نے حدیث کی تصریح کی ہے اس لیے اس مقام پر ان کے مدلس ہونے کا کوئی نقصان نہیں۔

⑥ سادساً: صاحب تحفۃ کے قول: ”ابو بکر فقیہ کے ترجمہ میں“ کے متعلق یہ ہے کہ شاید صحیح لفظ دراصل ابوطاہر فقیہ ہے۔“

④ و رابعاً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں ”امام مالک دنیائے اسلام کی شہرہ آفاق ہستی ہیں جو محتاج تعارف نہیں (ص ۹) یہ درست مگر امام مالک رحمہ اللہ سے نیچے کے راوی تو محتاج تعارف ہیں جو رسالہ میں سرے سے درج ہی نہیں کئے گئے چنانچہ صاحب رسالہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں: ”یزید خصیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے:

”مَالِكٌ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ. (ص ۶)

”مالک کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن خصیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔“ اسے بیہقی نے المعرفة میں بیان کیا (ص ۶)۔

امام بیہقی کی کتاب معرفۃ الآثار والسنن بندہ کے پاس نہیں کہ امام مالک سے نیچے کی سند اس سے دیکھی جاسکے سر دست اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ روایت حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی بذات خود بیان کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے خلاف ہے نیز محمد بن اسحاق کی بیان کردہ تیرہ رکعت والی روایت سے متعارض ہے اور عبدالعزیز بن محمد اور یحییٰ بن سعید کی ذکر کردہ گیارہ رکعت والی روایت کے منافی ہے۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالک سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔

⑤ وخامساً: رہے حارث بن عبدالرحمان تو ان کی روایت کو حافظ عبدالرزاق نے مصنف میں بیان کیا ہے بایں طور:

عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي ذِبابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نُنْصِرِفُ مِنَ الْقِيَامِ عَلَى عَهْدِ

عُمَرَ وَقَدْ دَنَا فَرُوْعُ الْفَجْرِ وَكَانَ الْقِيَامُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثَةَ
وَعَشْرِينَ رَكْعَةً . (ج ۳ ص ۲۶۱-۲۷۳)

”عبدالرزاق نے اسلمی سے روایت کی انہوں نے حارث بن عبدالرحمان
بن ابی ذباب سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم
حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام سے اس وقت فارغ ہو کر لوٹتے تھے جب فجر کا
آغاز قریب ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ کے عہد میں قیام تیس رکعت تھا۔

(جلد ۳ صفحہ ۲۶۱ حدیث: ۷۷۳۳)

عبدالرزاق سے متعلق کلام تو گزر چکا مزید تفصیل کے لیے میزان ملاحظہ
فرمائیں اس روایت کے دوسرے راوی اسلمی کی بابت تقریب میں ہے صدوق سیح اور
میزان میں ہے:

قَالَ أَبُو حَاتِمٍ مَاتَ أَبُو حَاتِمٍ مَاتَ أَبُو حَاتِمٍ مَاتَ أَبُو حَاتِمٍ مَاتَ
سَنَةَ سَبْعٍ وَتِسْعِينَ وَمِائَةٍ وَوَقَّعَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ أَوْثَقُ مِنْ أَبِيهِ وَقَالَ
مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ لَيْسَ
بِقَوِيٍّ لَا يُعْجِبُنِي حَدِيثُهُ وَرَوَى أَحْمَدُ بْنُ أَبِي خَيْثَمَةَ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ
ثِقَةً قَدْ كَتَبْتُ عَنْهُ .

۱۔ یہ اقوال تو عبدالرزاق کے استاذ محمد بن فلیح بن سلیمان اسلمی یا خزاعی سے متعلق تھے۔
عبدالرزاق کے اساتذہ میں ایک اسلمی اور بھی ہیں جن کا نام ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ان کے
بارے میں حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: ”مُتْرُوكٌ مِنَ السَّابِغَةِ“ اور حافظ ذہبی میزان
میں لکھتے ہیں: ”أَحَدُ الْعُلَمَاءِ الضُّعَفَاءِ“ نیز نقل فرماتے ہیں: ”يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ يَقُولُ:
سَأَلْتُ مَالِكًا عَنْهُ أَكَانَ ثِقَةً فِي الْحَدِيثِ“ فَقَالَ: لَا وَلَا فِي دِينِهِ . يَحْيَى الْقَطَّانُ
يَقُولُ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي يَحْيَى كَذَّابٌ . أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ: تَرَكُوا حَدِيثَهُ قَدَرِي مُعْتَزِلِي ۴۱

”ابو حاتم نے کہا کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور وہ ویسا قوی نہیں اور بخاری نے کہا کہ وہ ایک سو ستانوے ہجری میں فوت ہوا اور بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اور وہ اپنے باپ سے زیادہ قوی ہے اور معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں مجھے اس کی حدیث پسند نہیں اور احمد بن ابی خثیمہ نے ابن معین سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے میں نے اس سے حدیثیں لکھی ہیں۔“

اور اس روایت کے تیسرے راوی حارث بن عبدالرحمان سے متعلق تقریب میں لکھا ہے: ”صُدُوقٌ بِهِمْ“ (صدوق ہے اسے وہم ہو جاتا ہے) اور میزان میں ہے: ”عَنِ الْمَقْبُرِيِّ ثِقَّةٌ وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ رَوَى عَنْهُ الدَّرَاوَزْدِيُّ مَنَاكِيرٌ وَقَالَ ابْنُ حَزْمٍ ضَعِيفٌ وَقَالَ أَبُو زُرْعَةَ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ“ (مقبری سے ہے کہ وہ ثقہ ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں اس سے دراوردی نے کئی منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور ابن حزم نے کہا ضعیف ہے اور ابو زرعة نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں) پھر یہ روایت حضرت سائب بن یزید کی گیارہ تیرہ اور اکیس رکعات والی روایات کے خلاف بھی ہے۔

⑥ وسادساً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں ”محدثین کی اصطلاح میں محدث حافظ اور ثقہ ہم معنی الفاظ ہیں دراصل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں جیسا کہ امہ

« يَرَوِي أَحَادِيثَ لَيْسَ لَهَا أَصْلٌ. وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: تَرَكَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَالنَّاسُ. وَعَنِ ابْنِ مَعِينٍ: كَذَّابٌ رَافِضِيٌّ. عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ يَقُولُ: كَذَّابٌ. وَقَالَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ وَالذَّارِقُطْنِيُّ وَغَيْرُهُمَا: مَتْرُوكٌ. إِنْتَهَى مُلْتَقَطًا وَأَمَّا تَوْثِيقُ الْبَعْضِ إِيَّاهُ فَقَدْ رَدَّهُ الذَّهَبِيُّ بِقَوْلِهِ: أَلْجَرُحُ مُقَدَّمٌ.

حدیث کے اقوال بالا سے صاف صاف ظاہر ہے۔“ (حاشیہ ص ۱۰)

الفاظ ثلاث محدث، حافظ اور ثقہ نہ تو لغت میں ہم معنی ہیں اور نہ ہی محدثین کی اصطلاح میں۔ لغت میں ان الفاظ کا ہم معنی نہ ہونا تو واضح امر ہے یہ بات کہ یہ تینوں الفاظ اصطلاح محدثین میں بھی ہم معنی نہیں تو یہ معلوم کرنے کے لیے آپ تذکرۃ الحفاظ پڑھیں اس میں آپ کو رجال کی ایک جماعت ملے گی جو سب کے سب ہیں تو حافظ اور محدث مگر ثقہ نہیں بلکہ ضعیف ہیں سر دست بطور نمونہ آپ صرف واقدی، شاذکونی، علی بن زید بن جدعان اور ابن لہیعہ کے تراجم ہی پڑھ ڈالئے۔ پہلے ان چاروں حافظوں اور محدثوں کے تراجم تذکرۃ الحفاظ سے ملاحظہ فرمائیں۔

اگر اس سے بندہ کی بات پر یقین نہ آئے تو پھر تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر ان چاروں حافظوں اور محدثوں کے حالات میزان الاعتدال سے مطالعہ فرمائیں تو انشاء اللہ العزیز آپ کو یقین ہو جائیگا کہ کسی راوی کا حافظ اور محدث ہونا اس کے ثقہ ہونے کے ہم معنی نہیں۔ نہ تو اصطلاح محدثین میں اور نہ ہی لغت میں۔

رہا صاحب رسالہ کا قول ”جیسا کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے صاف ظاہر ہے۔“ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ ائمہ حدیث کے اقوال بالا سے جو چیز صاف صاف ظاہر ہے وہ تو صرف اس قدر ہے کہ ایک راوی کو ایک امام حدیث نے حافظ کہا دوسرے نے اسے محدث قرار دیا اور تیسرے نے اسے ثقہ بنایا تو اتنی بات سے حافظ، محدث اور ثقہ کے اصطلاح محدثین میں ہم معنی ہونے کا صاف صاف ظاہر ہونا تو کجا؟ اس سے تو ان تینوں الفاظ کے اصطلاح محدثین میں ہم معنی ہونے کی طرف خفی سا اشارہ بھی نہیں ہوتا فتنہ بر۔

⑦ وسابعاً: صاحب رسالہ رقمطراز ہیں:

”عبارات بالا سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب قابل اعتماد ہیں اور ان پر کسی محدث نے ادنیٰ

کلام نہیں کیا۔“ (ص ۱۱)

پہلے اس اثر کے بعض رواۃ پر کلام کرنے والے محدثین کے نام اور ان کے کلام گزر چکے ہیں اور اگر کوئی صاحب متکلم فیہ رجال کو سرے سے ذکر ہی نہ فرمائیں یا ذکر تو فرمائیں مگر ان پر ائمہ حدیث کے کلام کو نقل نہ کریں تو اس صنیع سے یہ بات ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ جن راویوں پر اس اثر کا مدار ہے وہ سب کے سب الخ نیز آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی اثر کے رواۃ ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اثر بھی صحیح ہو کیونکہ صحت اثر و حدیث کے لیے علت و شد و ذکا انشاء بھی شرط ہے۔ ”کما لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ بَصَرٌ بِالْأُصُولِ وَبَصِيرَةٌ فِي الْقَوَاعِدِ“ (جیسا کہ اس شخص سے پوشیدہ نہیں جو اصول پر نگاہ رکھتا ہے اور جسے قواعد کے بارہ میں بصیرت حاصل ہے)

⑧ صاحب رسالہ تحریر فرماتے ہیں:

”دیکھئے امام نووی علامہ سبکی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبد البر اور علامہ سیوطی جیسے جلیل القدر وسیع العلم حضرات اس اثر کو واشگاف الفاظ میں صحیح قرار دیتے ہیں۔“ (ص ۱۲)

① اولاً: جب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے اجل القدر وسیع العلم مجتہد حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی گنجائش ہے تو صاحب رسالہ کے قول میں مذکور پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے اختلاف کی تو بطریق اولیٰ گنجائش ہے بشرطیکہ اختلاف برائے اختلاف نہ ہو دلائل پر مبنی ہو اور حنفی بزرگوں کو ان پانچ جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق سے کئی ایک مسائل میں فی الواقع اختلاف ہے بھی۔ اسی مسئلہ کو لے لیجیے حافظ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں تصریح فرمائی ہے کہ رسول اکرم ﷺ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اسی طرح دیگر بزرگ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں ”صلاة اللیل“ کی تعداد رکعات ثابت ہے جیسا کہ ان کی تحریرات سے واضح ہے مگر صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

”کسی صحابی کی صحیح السند روایت میں تعداد مذکور نہیں۔“ (ص ۴)

درست کہ ان کا یہ قول رمضان میں تین رات والی مرفوع روایات سے متعلق ہے مگر ضروری نہیں کہ ان روایات میں تعداد مذکور ہو تو ثابت ورنہ غیر ثابت کیونکہ دوسری مستند صحیح روایات میں مذکور تعداد بھی تو آخر ثابت ہی سمجھی جائے گی پھر ان تین رات والی مرفوع روایات میں سے ایک میں تعداد رکعات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کو کئی ایک محدثین نے صحیح بھی کہا ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

② وثانیاً: ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات سے امام نووی اور علامہ سبکی کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کئے ہیں ان میں حضرت سائب بن یزید کے بیس رکعات والے اثر کی بابت یہ نہیں کہا ”هذا الاثر صحیح“ کہ یہ اثر صحیح ہے بلکہ ان کے تو الفاظ ہیں ”بالاسناد الصحیح“ اور اصول حدیث میں درک رکھنے والے جانتے ہیں کہ کسی روایت کی سند صحیح ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ روایت بھی صحیح ہو ہاں روایت و اثر کے صحیح ہونے سے اس کی سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے پھر اس اثر کی سند پر کلام پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

③ وثالثاً: حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبد البر کے جو قول صاحب رسالہ نے اوپر نقل کئے ہیں ان میں یہ نہیں کہ حضرت سائب بن یزید کا بیس رکعات والا اثر صحیح ہے یا اس کی سند صحیح ہے بلکہ ان کے اقوال کا ماحصل تو صرف اتنا ہے کہ بیس رکعات حضرت ابی بن کعب سے ثابت اور صحیح ہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سائب کا اثر ان کے نزدیک صحیح ہو کیونکہ حضرت ابی بن کعب کے عمل کو کئی ایک رواۃ نے بیان کیا ہے لہذا صاحب رسالہ کو حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبد البر کے وہ اقوال نقل کرنے چاہئیں جن میں حضرت سائب کے بیس رکعات

والے اثر کو واشکاف یا غیر واشکاف الفاظ میں صحیح کہا گیا ہو۔

④ رابعاً: لطف یہ ہے صاحب رسالہ نے امام سیوطی کا پہلے کوئی قول تصحیح سرے سے نقل ہی نہیں کیا مگر انہوں نے ان کو اس اثر کو واشکاف الفاظ میں صحیح قرار دینے والوں (بزعم خویش) کی فہرست میں شامل کر لیا البتہ حاشیہ میں ہے ”المصباح للسیوطی“ (ص ۴۱) جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے علامہ سبکی کا قول: ”بالاستناد الصحيح الخ“ امام سیوطی کے رسالہ مصابیح سے نقل کیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیوطی کو سبکی کے قول سے اختلاف ہے یا اتفاق۔ پھر اتفاق کی صورت میں بھی سند کے صحیح ہونے سے اثر کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا اس لیے صاحب رسالہ کو چاہیے تھا کہ پہلے امام سیوطی کا وہ قول نقل فرماتے جس میں حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کی تصحیح ہوتی پھر وہ ان کو صحیح قرار دینے والوں کی فہرست میں شامل فرماتے تو پتہ چلا کہ مؤلف رسالہ نے جو اقوال اوپر نقل فرمائے ہیں ان میں حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبد البر، امام نووی، علامہ سبکی اور علامہ سیوطی میں سے کسی ایک نے بھی حضرت سائب کے بیس رکعات والے اثر کو واشکاف یا غیر واشکاف الفاظ میں صحیح قرار نہیں دیا۔ لہذا صاحب رسالہ ان بزرگوں کے وہ اقوال نقل فرمائیں جن میں انہوں نے اس اثر کو واشکاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے پھر وہ یہ دعویٰ کریں کہ ان بزرگوں نے اس اثر کو واشکاف الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے فَتَفْكَرُ ہاں علامہ سیوطی حضرت سائب کے گیارہ رکعات والے اثر سے متعلق فرماتے ہیں: ”إِسْنَادُهُ فِي غَايَةِ الصَّحَّةِ“ حوالہ گزر چکا ہے۔

⑤ وخامساً: اگر جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی تحقیق پر ہی اعتماد کرنا ہے تو پھر امام محمد، حافظ زبیلی، علامہ سیوطی، علامہ زرقانی، علامہ ابن ہمام، علامہ عینی، ملا علی قاری،

علامہ عبدالحی لکھنوی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شوق نیوی صاحب آثار السنن اور علامہ بیہقی رحمہم اللہ بھی تو آخر جلیل القدر وسیع العلم حضرات ہی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع قطعی الصحیح حدیث ”ما کان یزید الخ“ سے رسول اللہ ﷺ کی رکعات تراویح کا عدد ثابت کرتے ہیں تو ان جلیل القدر وسیع العلم حضرات کی اس مبنی برحق تحقیق پر بھی اعتماد کرنا چاہیے اور صاف صاف واشکاف الفاظ میں اعلان فرمانا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ سے رکعات تراویح کی تعداد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے نیز نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ ”خَيْرَ الْهَدْيِ هَذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (سب طریقوں سے بہتر محمد ﷺ کا طریقہ ہے) پھر ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“ (تم میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو) میں علیکم سنتی بھی ہے اور خود خلفاء راشدین بھی سنت نبویہ کے تتبع میں رہتے تھے۔ ”كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ طَالَعَ سِيرَتَهُمْ“ (جیسا کہ اس شخص سے مخفی نہیں جو ان کی سیرت کا مطالعہ کرے)

④ وسادسا: حضرت المؤلف نے شروع رسالہ میں جمہور امت کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس مقام پر بھی حافظ ابن عبد البر کا قول: ”وهو قول جمهور العلماء“ نقل فرماتے ہیں تو اس سلسلہ میں صرف اتنی گزارش ہے کہ کئی ایک مسائل میں حنفی بزرگوں نے جمہور امت اور جمہور علماء کی مخالفت کی ہے اہل علم کو وہ مسائل معلوم ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں پھر جمہوریت شرعی دلائل سے کوئی دلیل بھی نہیں کہ اس پر زور دیا جائے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز جب رسول کریم ﷺ سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کسی صحابی، تابعی، امام، ولی، جمہور امت اور جمہور علماء کے اس پر عمل یا اس کے مطابق فتویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا عمل اس سے افضل ہے۔

③ عہد فاروقی سے متعلق دیگر آثار:

① اولاً: یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن کعب قرظی اور عبدالعزیز بن رفیع کے چاروں آثار مرسل و منقطع ہیں چنانچہ صاحب آثار السنن نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور صاحب رسالہ کو بھی اس کا اعتراف ہے جیسا کہ حاشیہ ص ۱۳ سے ظاہر ہے مگر ان کا خیال ہے کہ مرسل و منقطع حجت ہوتا ہے احناف کے ہاں تو مطلقاً اور شوافع کے ہاں مقیداً۔ لیکن انہیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ مرسل کی حجت میں یہ اختلاف تب ہے جب ارسال کرنے والا راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کا التزام کرے اور اگر ارسال کرنے والا راوی ثقات و غیر ثقات ہمہ قسم کے رواۃ سے ارسال کرتا ہوں تو پھر اس کا مرسل بالاتفاق حجت نہیں چنانچہ اصول حدیث کی داخل نصاب متداول و مشہور کتاب شرح نخبہ میں ہے:

عُرِفَ مِنْ عَادَةِ التَّابِعِيِّ أَنَّهُ لَا يُرْسَلُ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ فَذَهَبَ جُمْهُورُ الْمُحَدِّثِينَ إِلَى التَّوَقُّفِ لِبَقَاءِ الْإِحْتِمَالِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ أَحْمَدَ وَثَانِيَهُمَا وَهُوَ قَوْلُ الْمَالِكِيِّينَ وَالْكُوفِيِّينَ يَقْبَلُ مُطْلَقًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَقْبَلُ إِنْ اغْتَضَدَ بِمَجِئِهِ مِنْ وَجْهِ آخَرٍ يُبَيِّنُ الطَّرِيقَ الْأُولَى مُسْنَدًا كَانَ أَوْ مُرْسَلًا لِيَتَرَجَّحَ إِحْتِمَالُ كَوْنِ الْمُحَدِّثِ ثِقَةً فِي نَفْسِ الْأَمْرِ وَنَقَلَ أَبُو بَكْرٍ الرَّازِيُّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَأَبُو الْوَلِيدِ الْبَاجِيُّ مِنَ الْمَالِكِيَّةِ أَنَّ الرَّاَوِي إِذَا كَانَ يُرْسَلُ عَنِ الثَّقَاتِ وَغَيْرِهِمْ لَا يَقْبَلُ مُرْسَلُهُ اتِّفَاقًا. اه (ص ۵۵)

”اگر تابعی کی عادت مشہور ہو کہ وہ صرف ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے تو جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اسے قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا کیونکہ احتمال باقی ہے اور احمد کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام احمد کا دوسرا

قول جو مالکیوں اور کوفیوں کا قول بھی ہے یہ ہے کہ اسے مطلقاً قبول کیا جائے گا اور شافعی نے فرمایا کہ اسے اس صورت میں قبول کیا جائے گا جب اسے کسی دوسری سند کے ساتھ جو پہلی سند سے بالکل جدا ہو آنے کی وجہ سے قوت حاصل ہو جائے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل تاکہ یہ احتمال رائج ہو جائے کہ جو شخص حذف کیا گیا ہے حقیقت میں ثقہ تھا اور حنفیہ میں سے ابو بکر رازی نے اور مالکیہ میں سے ابوالولید باجی نے نقل فرمایا ہے کہ راوی اگر ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتا ہو تو اس کی مرسل بالاتفاق قبول نہیں ہوگی۔“ (ص ۵۵)

اس لیے اصول حدیث کے لحاظ سے صاحب رسالہ کا فرض ہے کہ پہلے وہ یہ ثابت فرمائیں کہ مذکورہ بالا چاروں راوی صرف ثقات سے ارسال کرنے کے عادی تھے پھر ان کے آثار سے استدلال فرمائیں کیونکہ ”اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ یاد رہے کہ اگر بالفرض صاحب رسالہ ثابت کر دیں کہ واقعی یہ چاروں رواۃ صرف ثقات سے ارسال کے عادی تھے تو پھر بھی ان کی مرسل جمہور محدثین کے مذہب کے مطابق حجت نہیں البتہ مالکی اور کوفی مطلقاً اور شافعی اعتصام کی صورت میں اس کی حجیت کے قائل ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی عبارت سے صاف صاف ظاہر ہے۔

② وثانیا: صاحب رسالہ لکھتے ہیں:

”یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید اور محمد بن کعب قرظی تینوں بزرگ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں جس قدر مدنی لوگ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف تھے اس قدر دوسرے لوگ واقف نہیں محمد بن کعب کی ولادت ۴۰ھ میں ہوئی ان کو کثیر التعداد صحابہ کی ملاقات کا شرف نصیب ہوا انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا اور سالہا سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں تراویح ادا کرنے کا موقع ملا۔“ (ص ۱۴)

صاحب رسالہ کے اس بیان سے پتہ چلا کہ عبدالعزیز بن رفیع چونکہ مدینہ منورہ کے رہنے والے نہیں تھے اس لیے وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست اتنے واقف نہ تھے جتنے کہ یزید بن رومان، یحییٰ بن سعید انصاری اور محمد بن کعب قرظی واقف تھے۔ پھر عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور سرے سے پایا ہی نہیں تو عہد فاروقی کی بابت ان کا بیان کیسے حجت ہو سکتا ہے جب تک وہ عہد فاروقی کے کسی بزرگ کا حوالہ نہ دیں جب کہ عبدالعزیز بن رفیع کے اثر میں حضرت عمر فاروق اور ان کے دور کا ذکر تک نہیں ان کا بیان صرف اس قدر ہے: ”كَانَ أَبِي بَنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرِينَ رَكْعَةً“ (ابی بن کعب رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھاتے تھے) ادھر صاحب آثار السنن فرماتے ہیں:

”عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رُفَيْعٍ لَمْ يَذْكُرْ أَبِي بَنُ كَعْبٍ“ (تعلیق ص ۲۰۶)
 ”عبدالعزیز بن رفیع نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔“

رہے مدنی لوگ تو وہ واقعی عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہیں بشرطیکہ وہ عہد فاروقی میں ہوش سنبھالنے کے بعد زندگی گزار چکے ہوں جیسے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جو بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور ان ہی کا بیان ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیارہ اور ایک روایت میں ہے تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیس والے اثر پر کلام گزر چکا ہے لیکن وہ مدنی لوگ جن کی ولادت ہی عہد فاروقی کے ختم ہو جانے کے بعد ہوئی ان کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست خوب واقف ہونا تو درکنار وہ تو سرے سے عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہی نہیں محمد بن کعب قرظی مدنی کو ہی لے لیجیے جن کا سنہ ولادت حضرت المصنف نے بذات خود چالیس ہجری بتایا ہے جب کہ عہد فاروقی تیس ہجری کے آخری ماہ ذوالحجہ میں ختم ہو چکا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْقُرَشِيُّ الْعَدَوِيُّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ مَشْهُورٌ جَمُّ
الْمَنَاقِبِ أُسْتُشْهِدَ فِي ذِي الْحِجَّةِ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَوَلِيَ
الْخَلَافَةَ عَشَرَ سِنِينَ وَنُصَفًا“۔ اھ (تقریب)

”عمر بن خطاب قرشی عدوی امیر المؤمنین مشہور ہیں بہت زیادہ مناقب
رکھنے والے ہیں ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید کئے گئے اور ساڑھے دس سال
خلافت پائی۔“

تو آپ غور فرمائیں حضرت محمد بن کعب قرظی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت
سے تقریباً سترہ سال بعد پیدا ہوئے تو وہ عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست کیسے
واقف ہو سکتے ہیں قرظی صاحب کا عہد فاروقی کے حالات سے براہ راست واقف ہونا
تو دور کی بات ہے وہ تو عہد عثمانی اور عہد علوی کے حالات سے بھی براہ راست واقف
نہیں۔ محمد بن کعب قرظی کی طرح یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید انصاری بھی عہد
فاروقی کے حالات سے براہ راست آگاہ نہیں کیونکہ یہ سب کے سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے شہید ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی
شہادت کے بعد پیدا ہونا تو گزر چکا اور دوسرے دونوں بزرگوں کے بارے میں
صاحب آثار السنن تعلیق میں فرماتے ہیں:

”يَزِيدُ بْنُ رُوْمَانَ لَمْ يُدْرِكْ عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ“۔

”یزید بن رومان نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا۔“

اس کے بعد تعلیق کی عبارت موقع محل کے مناسب نہیں و للتفصیل موضع

آخر۔ نیز فرماتے ہیں:

”رَجَالُهُ ثَقَاتٌ لَكِنْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ لَمْ يُدْرِكْ عَمْرُ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“۔ (ص ۲۰۵ ص ۲۰۶)

”اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یحییٰ بن سعید انصاری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔“

یہ درست ہے کہ حضرت قرظی کو کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا مگر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے تو ملاقات کا شرف نصیب نہیں ہوا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سنہ تیس ہجری اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سنہ شہادت پینتیس ہجری ہے جب حضرت قرظی کا سنہ ولادت چالیس ہجری ہے اور یہ چالیس ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سنہ شہادت ہے چنانچہ تقریب ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

”مَا تِ فِي رَمَضَانَ سَنَةِ اَرْبَعِينَ“

تو اگر حضرت قرظی رمضان کے بعد تولد ہوئے تو پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی شرف ملاقات نصیب نہ ہو اور اگر ان کی ولادت محرم میں تصور کی جائے تو پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کوئی نو ماہ کے بچے تھے تو اس تقریر سے حضرت قرظی عہد علوی کے حالات سے براہ راست واقف ہونے اور نہ ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے قدرے۔

صاحب رسالہ کا قول ”جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا“ میں یہ چیز ہے کہ ان کے اس واقعہ کو دیکھنے اور اس واقعہ کے اثبات کی بنیاد اس سے قبل رسالہ میں مذکور آثار پر ہی رکھی گئی ہے جن کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے پھر مصنف صاحب کا قول ”اور سالہا سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملا“ بھی محل نظر ہے کیونکہ سالہا سال صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز تراویح ادا کرنے کا موقع ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے فی الواقع اس کیفیت سے نماز تراویح ادا بھی کی ہو اور اگر حضرت المؤلف اپنے اس قول کا مطلب یہ سمجھتے ہوں کہ فی الواقع حضرت القرظی نے مذکورہ کیفیت سے نماز تراویح ادا کی تو اس کی دلیل درکار ہے جو رسالہ میں پیش نہیں کی گئی رہا حضرت القرظی کا عہد صحابہ میں مدینہ منورہ کے اندر رہنا تو وہ مدعا مذکور کی دلیل نہیں کیونکہ اسلاف کے اندر ایسے لوگ

رہے ہیں جو نماز تراویح کو مسجد کے بجائے گھر میں باجماعت کے بجائے اکیلے اور اول اللیل کے بجائے آخر اللیل پڑھنے کو افضل جانتے تھے تحقیق کے لیے قیام اللیل للمروزی شرح معانی الآثار للطحاوی اور سنن کبریٰ للبیہقی ملاحظہ فرمائیں لہذا محمد بن کعب قرظی کے مسجد نبوی میں باجماعت نماز تراویح پڑھنے کی کوئی دلیل پیش کی جائے۔

③ صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

”عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ أَنْ يُصَلَّى بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ إِلَى قَوْلِهِ: فَصَلَّى بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً“.

”ابی بن کعب سے روایت ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے انہیں حکم دیا کہ رمضان میں رات کو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بیس رکعات پڑھائیں۔“ (حاشیہ ص ۱۴ میں ہے کنز العمال بحوالہ آثار السنن)

مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نیچے کی سند بیان نہیں کی گئی نہ ہی زیر تبصرہ رسالہ میں اور نہ ہی آثار السنن میں اصل کتاب بندہ کے پاس نہیں لہذا حضرت المؤلف کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس اثر کی سند بیان فرمائیں۔

④ و رابعا: مصنف صاحب لکھتے ہیں:

”عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً“.

”حضرت عمرؓ سے ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا چنانچہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔“

(حاشیہ میں ہے مؤطا، مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی بحوالہ تلخیص الحبر ص ۱۱۹)

(المصالح للسيوطی ص)

اس اثر کو مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور سنن کبریٰ للبیہقی میں تلاش کیا گیا مگر ان سہ کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ مؤطا کے نسخے

سولہ ہیں متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی البتہ اس میں اتنی بات ہے کہ جب موطا کا حوالہ بلا قید نسخہ دیا جائے تو اس سے موطا امام مالک کا متداول نسخہ ہی مراد ہوتا ہے۔ باقی مصنف ابن ابی شیبہ بندہ کے پاس نہیں اس لیے مؤلف صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی بھی سند بیان فرمادیں۔

⑤ وخامسا: صاحب رسالہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول مَا نَصُّهُ وَسَاقِ رَوَايَاتِ أَنْ عُمَرَ أَمْرَأَتِيَا وَتَمِيمَانَ الدَّارِيَّ يَقُومَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً“ (ص ۱۵)

”سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول کے لفظ یہ ہیں: اور کئی روایات ذکر کیں کہ عمرؓ نے ابی اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ بیس رکعت قیام کریں۔“

ان روایات سے کچھ تو حضرت المؤلف بحوالہ بیہقی پہلے بیان فرما چکے ہیں اور کچھ آئندہ بیان فرمائیں گے اور اگر ان کے علاوہ کوئی روایت ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں نیز سبل السلام کی اس عبارت پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق صاحب رسالہ نے جتنے آثار اس سے قبل بیان فرمائے ان کا تو حال بیان کر دیا گیا ہے۔

⑥ وسادسا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت وہ عمل ہوگا جس پر انہوں نے مواظبت فرمائی ہو یا کم از کم اس کے کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو بیس رکعات نماز تراویح پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مواظبت تو درکنار ان سے تو ساری زندگی میں ایک دفعہ بھی بیس تراویح پڑھنا ثابت نہیں اور نہ ہی بیس کا حکم دینا ان سے ثابت ہے صاحب رسالہ نے جس قدر آثار ذکر کئے ہیں ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر ایسے آثار کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس

پڑھنے سے بشرط ثبوت بیس رکعات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا ہاں ایک اثر میں یہ لفظ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعات پر جمع کیا اور ایک دوسرے اثر میں یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا مگر ان دونوں میں کلام ہے جو پہلے گزر چکا ہے البتہ اکیس رکعات والے اثر پر آئندہ بھی کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ تو بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینا نادرست ہے کیونکہ نہ تو بیس پر انہوں نے مواظبت فرمائی بلکہ ایک دفعہ بھی بیس پڑھنا ان سے ثابت نہیں اور نہ ہی بیس پڑھنے کا انہوں نے کسی کو حکم دیا البتہ گیارہ رکعات ان کی سنت ہے کیونکہ گیارہ پڑھانے کا انہوں نے حکم دیا تھا نیز گیارہ اور تیرہ نبی کریم ﷺ کی بھی سنت ہے: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“ پھر عہد فاروقی میں لوگ گیارہ اور تیرہ پڑھتے بھی رہے۔

⑦ وسابعا: صاحب رسالہ کا بیان ہے:

”زیر غور آثار کے چند طریقے صحیح لذاتہ ہیں پھر کثرت طرق کی تائید نے ان کی صحت میں کئی گناہ اضافہ کر دیا ہے۔“ الخ (ص ۱۵)

ان آثار کے جوئے طریقے صحیح لذاتہ ہیں ان کی نشاندہی فرمادی جائے تاکہ دیکھا جاسکے آیا وہ صحیح بھی ہیں یا غیر صحیح رہے طرق کثیرہ تو ان کا حال پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔
④ ایک لطیف اشارے کی حقیقت:

صاحب رسالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام کی اقتدا پر جمع کرنے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ“ (یہ اچھی بدعت (نئی چیز ہے) بھی موجود ہے بعدہ لکھتے ہیں:
واضح رہے کہ محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے:
①: ایک قاری کی اقتدا میں اجتماع۔

②: عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی

③: بیس رکعت کی پابندی۔

اب یہ استدلال ہر ذی فہم پر واضح ہے کہ مذکورہ بالا روایات نے محدثین کو ایسا یقین بخشا کہ ان کو لفظ بدعت کے مفہوم میں بیس کے عدد کو بھی شامل کرنا پڑا محدثین کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ ہوں:

”لَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ لَهَا الْإِجْتِمَاعَ وَلَا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا كُلَّ لَيْلَةٍ وَلَا هَذَا الْعَدَدُ“ (قسطلانی)

”وَزَادَتْ الصَّحَابَةُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ الْإِجْتِمَاعَ لَهُ فِي مَسَاجِدِهِمْ وَأَدَاءَهُ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ مَعَ الْقَوْلِ بِأَنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَعَدَدُهُ عِشْرُونَ رَكْعَةً“۔ (حجة الله البالغة) ص ۱۶

”کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس نماز کے لیے نہ اکٹھے ہو کر پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا نہ رات کے شروع میں پڑھنے کا نہ ہر رات پڑھنے کا اور نہ ہی اس تعداد میں پڑھنے کا (قسطلانی) صحابہؓ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ فرمایا اس کے لیے اپنی مساجد میں جمع ہونا اور یہ کہنے کے باوجود کہ ”پچھلی رات کی نماز حضوری ہوتی ہے“۔ رات کی ابتداء میں نماز ادا کرنا

اور اس کی تعداد بیس رکعت ادا کرنا“۔ (حجة البالغة ص ۱۶)

① اولاً: تو جس قدر وہ روایات ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ”نِعْمَ الْبِدْعَةُ

هَذِهِ يَا نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ“ ذکر کیا گیا ہے ان میں عدد رکعات کا سرے سے ذکر ہی نہیں جب کہ صحیح اثر سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور صحیح اثر سے یہ بھی ثابت ہے کہ لوگ زمانہ عمرؓ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے تیرہ والے اثر سے متعلق علامہ شوق صاحب نیوی فرماتے ہیں کہ ان میں عشاء کے بعد والی دو رکعت شامل ہیں تو جب

صورت حال یہ ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ: ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ“ کے مفہوم میں بیس رکعات کو شامل کرنا درست نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس اثر کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِي أَنَّهُ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلُ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِيهِمْ قَالَ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ. اهـ (صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث)

”عبدالرحمان بن عبد قاری کہتے ہیں کہ ایک رات میں عمر بن خطاب کے ساتھ رمضان میں مسجد کی طرف نکلا تو لوگ گروہوں کی شکل میں جدا جدا نماز پڑھ رہے تھے کوئی اکیلا پڑھ رہا تھا کسی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے ایک جماعت شریک ہو کر پڑھ رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے پھر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرما دیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نئی چیز اچھی ہے اور رات کے جس حصے میں یہ سوئے رہتے ہیں وہ اس حصے سے بہتر ہے جس میں قیام کرتے ہیں مراد پچھلی رات تھی اور لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے۔“

(صحیح بخاری و دیگر کتب احادیث)

یہ الفاظ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ“ سے تعبیر فرمایا جس کو انہوں نے پہلی آمد میں نہیں اور دوسری آمد میں دیکھا اور وہ چیز یہی تھی کہ لوگوں کا ایک قاری کی اقتدا میں قیام رمضان ادا کرنا اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً قیام رمضان کا مسجد میں ہونا، اسے عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں ادا کرنا اور رکعات قیام رمضان کی تعداد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلی آمد میں ہی ملاحظہ فرما چکے تھے مگر انہوں نے پہلی آمد میں ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ“ جملہ نہیں بولا بلکہ دوسری آمد میں یہ جملہ بولا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسری آمد میں کوئی نئی چیز نظر آئی جس کا انہوں نے پہلی آمد میں مشاہدہ نہیں فرمایا تھا اور اس نئی چیز کو دیکھنے پر ہی آپ نے ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ“ جملہ بولا لہذا نماز تراویح کی تعداد نماز تراویح کے مسجد میں ادا کرنے، نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنے اور نماز تراویح کو رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ: ”نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ“ کے مفہوم میں شامل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اس کے مفہوم میں تو صرف وہی چیز شامل ہے جس کو اس جملہ کے متکلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بذات خود اپنے ان الفاظ میں واضح فرما رہے ہیں: ”إِنِّي أَرَى لَوْ جُمِعَتْ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ لَكَانَ امْتَلًا“ (میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پہلی آمد کے موقع پر ہیں آپ کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمان قاری فرماتے ہیں: ”ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةَ أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِيهِمْ“ (پھر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا اور انہیں ابی بن کعب پر جمع فرما دیا پھر ایک اور رات میں آپ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نعم البدعة هذه“ (یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ دوسری آمد کے موقع پر ہے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک ہی قاری کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھ

رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم شدہ جماعت کے ساتھ نماز تراویح نہ پڑھتے تھے اور اس سے کسی شخص کے مدینہ منورہ میں رہنے سے اس کے مسجد نبوی میں باجماعت نماز تراویح ادا کرنے پر استدلال کرنے پر بھی روشنی پڑھتی ہے پھر سبل السلام کی عبارت (جو ہم آئندہ نقل کریں گے ان شاء اللہ) سے ”نعم البدعة هذه“ کا مفہوم سمجھنے میں کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے لہذا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ کئی آثار میں بیس رکعات کا بھی تو آخرد ذکر ہے نا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان آثار کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں سر دست اتنی بات یاد رکھیں کہ ان آثار سے جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ تو بالکل ہی ناقابل اعتبار ہے۔ ”کما تقدم“ اور جس ایک اثر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکیس پر جمع کرنے کا تذکرہ ہے اس میں داؤد بن قیس اکیس کہنے میں محمد بن یوسف کے شاگردوں امام مالک، یحییٰ بن سعید القطان، محمد بن اسحاق اور عبد العزیز بن محمد کی مخالفت کرتے ہیں اور باقی آثار کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات پڑھتے تھے پھر ان آثار میں یہ نہیں بتایا گیا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قاری پر جمع کرنے سے پہلے بیس پڑھتے یا بعد میں تو ظاہر ہے کہ ان حالات میں بیس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ ”نعم البدعة هذه“ کے مفہوم میں شامل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی آمد میں یہ مقولہ نہیں بولا اور معلوم ہے کہ پہلی آمد کے موقع پر بھی لوگوں کی نماز تراویح عدد رکعات پر مشتمل تھی۔

یہ تو ظاہر ہو گیا کہ بیس رکعات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ مذکورہ کے مفہوم میں شامل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اب یہ بھی یاد رکھئے کہ بیس رکعات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دینے کی بھی کوئی دلیل نہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بخلاف امر فاروقی بیس رکعات پڑھتے تھے تو اتنی بات سے بیس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا لما تقدم ورنہ لازم آئے گا کہ عہد فاروقی

میں جس قدر جائز کام معرض وجود میں آئے خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کام خود نہ بھی کئے ہوں اور نہ ہی ان کے کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ ان کے خلاف کا حکم ہی کیوں نہ دیا ہو ان سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت قرار دیا جائے۔

وَاللَّازِمُ كَمَا تَرَى وَقَسَّ عَلَى هَذَا عَهْدِي عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِذَا الْقِيَامُ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْأَمْرُ بِهِ لَمْ يَنْبُتَا عَنْهُمَا أَيْضًا .

”اور یہ لازم ایسا ہے جیسا تم دیکھ رہے ہو (یعنی بے بنیاد ہے) اور اسی پر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ کا قیاس کر لیجیے کیونکہ میں رکعت قیام یا اس کا حکم دونوں چیزیں ان دو بزرگوں سے بھی ثابت نہیں۔“

نیز عہد فاروقی میں رات کے ابتدائی حصہ میں قیام رمضان کی ادائیگی کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تحقیق ملاحظہ فرماتے جائیے۔ چنانچہ وہ شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

”وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ ثُمَّ جَعَلَهُ عُمَرُ فِي آخِرِ اللَّيْلِ“ الخ (ج ۱ ص ۲۳۸)

”لوگ رات کے شروع میں قیام کرتے تھے پھر عمرؓ نے اسے رات کے آخر میں بدل دیا۔“

علامہ زرقانی کی اس بات کو صاحب التعلیق المحجد حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے نقل فرما کر سکوت اختیار کیا ہے تو اب قابل غور چیز یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کو اول اللیل سے بدلا کر آخر اللیل میں کر دیا تو پھر اسے (عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو) ان کے مقولہ ”نعم البدعة هذه“ کے مفہوم میں کیسے داخل کیا جاسکتا ہے؟ نیز جملہ ”نعم البدعة هذه“ کے بارہ میں علامہ زرقانی کی تشریح سنئے وہ فرماتے ہیں:

”وَهَذَا (أَيُّ قَوْلِهِ نَعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ) تَصْرِيحٌ مِنْهُ بِأَنَّهُ (أَيُّ تَصْرِيحٍ مِنْ عُمَرَ بِأَنَّهُ) أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ النَّاسَ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ عَلَى إِمَامٍ وَاحِدٍ لِأَنَّ الْبِدْعَةَ مَا ابْتَدَأَ بِفِعْلِهَا الْمُتَّبِدِعُ وَلَمْ يَتَقَدِّمُهُ غَيْرُهُ فَابْتَدَعَهُ عُمَرُ إِلَى قَوْلِهِ فَسَمَّاها بِدْعَةً لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسَنَّ

الْاجْتِمَاعَ لَهَا وَلَا كَانَتْ فِي زَمَانِ الصِّدِّيقِ“

”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ یہ اچھی بدعت (نئی چیز) ہے آپ کی طرف سے اس بات کی تصریح ہے کہ آپ (عمرؓ) پہلے آدمی ہیں جنہوں نے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام پر جمع کر دیا کیونکہ بدعت (نئی چیز) وہ ہے جسے اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو اور مبتدع اس کا آغاز کرے۔ چنانچہ عمر نے اس کی ابتداء کی۔ الی قولہ۔ پس اس کا نام بدعت رکھا کیونکہ نہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے اجتماع کا طریقہ مقرر فرمایا اور نہ ہی صدیقؓ کے زمانہ میں تھی۔“

(حوالہ مذکور ہو چکا ہے) دیکھئے علامہ زرقانی نے نہ تو بیس رکعات کو بدعت کے مفہوم میں شامل کیا ہے اور نہ ہی عشاء کے بعد رات کے اول حصہ میں اس نماز کی ادائیگی کو۔

② وثانیا: حجة اللہ کی جو عبارت صاحب رسالہ نے نقل فرمائی ہے اس میں نہ تو ذکر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کا نہ ان کے ایام کا نہ ان کے ایام کے کام کا اور نہ ہی ان کے کلام ”نعم البدعة هذه“ کا اس عبارت میں تو صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ صحابہ نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا الخ رہی یہ بات کہ قیام رمضان میں ان تین چیزوں کا اضافہ کرنے والے کون کون سے صحابہ تھے یہ اضافہ انہوں نے کس دور میں کیا خلفاء اربعہ کے زمانے ختم ہونے کے بعد یا ان میں سے کسی ایک کے زمانہ میں پھر انہوں نے ان تین چیزوں کا اضافہ یکمشت کیا یا یکے بعد دیگرے حجة اللہ کی منقولہ بالا عبارت میں ان تینوں باتوں سے کسی ایک بات کا بھی بیان نہیں ہوا تو پھر اس عبارت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا بات ”نعم البدعة هذه“ کے مفہوم میں بیس رکعات وغیرہ کے داخل ہونے کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ جب کہ حجة اللہ کی محولہ بالا عبارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منقولہ ”نعم البدعة هذه“ کا

مفہوم بیان کرنے کے سیاق میں وارد ہی نہیں۔

”کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى أَهْلِ الْعِلْمِ“

”جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔“

③ ' و ثالثاً: صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

”نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنے رسالہ المصانح میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ

کرتے ہیں۔“ (ص ۱۶)

حضرت المؤلف کی خدمت میں درخواست ہے کہ علامہ سیوطی کی وہ عبارت پیش فرمائیں جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ ”نعم البدعة هذه“ کے مفہوم میں بیس رکعات اور اس نماز کی رات کے ابتدائی حصہ میں ادائیگی کے شامل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

④ و رابعاً: صرف علامہ قسطلانی کی عبارت (جو واقع کے بھی خلاف ہے) دیکھ کر اس میں بیان کردہ چیز کو محدثین کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

اس لیے مصنف صاحب کا فرض ہے کہ وہ محدثین کے وہ اقوال پیش فرمائیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقولہ میں لفظ بدعت کے تین باتوں پر مشتمل ہونے پر دلالت بھی کرتے ہوں ورنہ اپنے دعویٰ ”محدثین کے نزدیک یہ بدعت کا لفظ تین باتوں پر مشتمل ہے“ پر نظر ثانی فرمائیں۔

⑤ مدینہ منورہ کا تعامل:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”مدینہ منورہ کا تعامل تو گزشتہ روایات نے صاف بیان کر دیا الخ“۔ (ص ۱۶)

سابقہ روایات میں جو کچھ بیان ہوا اس پر نیز خود ان روایات پر کلام گزر چکا ہے جس کا ما حاصل یہ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح کو خلفاء راشدین اربعہ میں سے کسی خلیفہ راشد کی سنت قرار دینا کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں اور نہ ہی بیس رکعات

نماز تراویح نبی کریم ﷺ کی سنت ہے البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا اور لوگ بھی ان کے دور میں گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھتے تھے تو گیارہ اور تیرہ رکعات نماز تراویح اہل مدینہ منورہ کے بیس اکتالیس وغیرہ تعالموں سے افضل اور اقدم تعامل ہے کیونکہ اسے سنت نبویہ ہونے کا شرف حاصل ہے نیز گیارہ رکعات پر امر فاروقی اور عمل در عہد نبوی و عہد فاروقی کی مہر ثبت ہے۔

⑥ کوفہ کا تعامل:

حضرت المؤلف شہر کوفہ کی تاریخی حیثیت اجاگر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس تاریخی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا طرز عمل پہلے پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرز عمل بھی بیان کیا جائے گا۔

مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّيُ بِنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ الْأَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيُ عِشْرِينَ رَكْعَةً“ (ص ۱۷)

” (محمد بن نصر نے روایت کیا کہ ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی کہ ہمیں حفص بن غیاث نے اعمش سے خبر دی انہوں نے زید بن وہب سے روایت کیا کہ ہمیں عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ (عبداللہ) بیس رکعت پڑھاتے تھے)۔“

① اولاً: تو اس اثر کی سند میں حفص بن غیاث اور اعمش دو راوی ہیں۔ حفص بن غیاث سے متعلق تقریب میں ہے: ”ثِقَّةٌ فَقِيهٌ تَغْيَرُ حِفْظُهُ فَلَيْلًا فِي الْآخِرِ“ (ثقة فقیہ ہے۔ آخر میں اس کا حافظہ تھوڑا سا متغیر ہو گیا تھا) اور اعمش کی بابت تقریب ہی میں تحریر ہے: ”ثِقَّةٌ حَافِظٌ عَارِفٌ بِالْقِرَاءَةِ وَرِعٌ لَكِنَّهُ يُدَلِّسُ“ (ثقة حافظ ہے قراءت کا عالم ہے پر ہیز آدمی ہے مگر تدلیس کرتا ہے) مدلس راوی

کے بارے میں اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب وہ لفظ عن یا کسی ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جو سماع میں نص نہ ہو تو پھر اس کی روایت حجت نہیں ہوتی اور اس مقام پر حضرت اعمش اس اثر کو لفظ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں تو اصول حدیث ”جس کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ کی رو سے یہ اثر قابل احتجاج و استدلال نہیں۔

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رَكْعَةً“ (وہ بیس رکعات پڑھتے تھے) اعمش کا بیان ہے جن کا سنہ ولادت اکٹھ ہجری ہے صاحب تقریب فرماتے ہیں:

”وَكَانَ مَوْلِدُهُ أَوَّلَ إِحْدَى وَسِتِّينَ سَنَةً“ (اس کی پیدائش ۶۱ھ اکٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی) اور بعض مؤرخین نے ان کا سنہ ولادت اکٹھ ہجری بتایا ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سنہ وفات بتیس یا تھتیس ہجری ہے حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

”وَمَاتَ سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَثَلَاثِينَ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا بِالْمَدِينَةِ“.

”(آپ ۳۲ھ میں یا اس سے آئندہ سال مدینہ میں فوت ہوئے)۔“

تو حضرت اعمش حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات سے کوئی ستائیس اٹھائیس بعد برس پیدا ہوئے تو ان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعلق قول ”کان یصلی عشرين رکعة“ کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟ جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت اعمش ملس بھی ہیں رہا مرسل کا حجت ہونا تو اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں تو صاحب رسالہ کے ذکر کردہ اس اثر سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ اثر اصول حدیث کے اعتبار سے قابل احتجاج ہی نہیں اور ”اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ تو صاحب رسالہ کا بیان ”اس اثر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اسی تعامل پر کاربند

تھے جو انہوں نے مدینہ منورہ میں رائج پایا تھا۔ محل نظر ہے کیونکہ اس اثر سے نہ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیس رکعات پڑھانا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا بیس رکعات کو مدینہ منورہ میں رائج پانا۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

”اعمش (راوی اثر) کے بیان کی پر زور تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب خاص خصوصاً شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ لوگوں کو (کوفہ میں) بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے جن کا ذکر آ رہا ہے۔“ (ص ۱۸)

① اولاً: تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے اہل کوفہ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ کے آثار تو ان پر کلام اس مقام پر ہوگا جس مقام پر حضرت المؤلف ان کو بیان فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② وثانیاً: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص کے بیس رکعات تراویح پڑھنے پڑھانے سے لازم نہیں آتا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس پڑھتے ہوں یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص کو بیس پڑھنے پڑھانے کی تلقین کی اور ترغیب دی ہو کیونکہ واقع شاہد صدق ہے کہ شیخ اور شیخ کے اصحاب خاص کے عقائد اعمال اور اقوال میں بیشتر اوقات اختلاف پایا جاتا ہے دور نہ جائے صرف حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خاص امام ابو یوسف امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کے عقائد اعمال اور اقوال کا مطالعہ فرما لیجیے جا بجا آپ کو حضرت الامام اور آپ کے اصحاب خاص کے مابین اختلاف ملے گا تو اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیس پڑھنے پڑھانے سے حضرت اعمش کے بیان و اثر کی توری تائید بھی نہیں ہوتی پر زور تائید تو بعد کی بات ہے۔

صاحب رسالہ فرماتے ہیں:

”یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ عہد نبوی میں مسلمان ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ان کے تعامل سے سابقہ روایات کی مزید تائید ہوتی ہے اس لیے کہ وہ عہد فاروقی سے بھی خوب واقف تھے جس کے آغاز سے یہ سنت جاری ہوئی تھی“۔ (ص ۱۸)

① اولاً: ان دونوں بزرگوں کے تعامل (بشرط ثبوتہ و سیاتی مافیہ ان شاء اللہ تعالیٰ) سے سابقہ روایات کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ ایک یا دو بزرگ جس قدر نفلی عبادت کرتے ہوں ضروری نہیں کہ ان کے دور زمانہ کے سب یا اکثر لوگ اتنی ہی نفلی عبادت کرتے ہوں بلکہ دوسروں کا ان سے کم و بیش عبادت کرنا بھی وقوع پذیر ہے پھر ان کے عہد فاروقی سے خوب واقف ہونے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جتنے بھی نوافل پڑھیں اتنے نوافل عہد فاروقی میں بھی پڑھے پڑھائے جاتے ہوں تو ان دو بزرگوں کے تعامل میں رکعات (بشرط ثبوتہ) سے سابقہ روایات کی تائید بالکل نہیں ہوتی مزید تحقیق کے لیے کسی عالم کے کسی روایت و اثر کے موافق یا مخالف عمل کرنے یا فتویٰ دینے پر ماہرین اصول کی تحریر کردہ مباحث کا مطالعہ فرمائیں۔ ہاں اگر ان دو بزرگوں میں سے کسی بزرگ کا کوئی ایک بیان بھی ہے کہ:

”عہد فاروقی میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات پڑھیں یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات پڑھتے یا انہوں نے اپنے اصحاب خاص یا اصحاب عام میں سے کسی کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا“۔ تو وہ بیان نقل فرمائیں۔

② وثانیاً: صاحب رسالہ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں بیس رکعات کو سنت قرار دیا

ہے حالانکہ بیس رکعات نماز تراویح سنت نہیں نہ تو نبی کریم ﷺ کی اور نہ ہی خلفا راشدین اربعہ میں سے کسی خلیفہ راشد کی تفصیل گزر چکی ہے۔

⑦ عہد علوی سے متعلق آثار:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ عَشْرِينَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ عَلِيٌّ يُؤْتِرُ بِهِمْ“۔ (ص ۱۸)

”(ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات نماز پڑھائے سلمی نے کہا کہ حضرت علیؑ انہیں وتر پڑھایا کرتے تھے“۔ (ص ۱۸) صاحب رسالہ نے آثار السنن اور اس کی تعلیق کے جا بجا حوائے دیئے ہیں اور آثار السنن کی تعلیق میں لکھا ہے:

”وَمِنْهَا مَا أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِبَغْدَادَ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عِيسَى بْنِ عَبْدِ كَبِ الرَّازِيِّ ثَنَا أَبُو عَامِرٍ عُمَرُ بْنُ تَمِيمٍ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ الْخ قُلْتُ: حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ ضَعِيفٌ قَالَ الدَّهْبِيُّ فِي الْمِيزَانِ ضَعْفُهُ ابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ وَقَالَ يَحْيَى مَرَّةً: لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: فِيهِ نَظَرٌ. وَقَالَ النَّسَائِيُّ: ضَعِيفٌ. وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: أَكْثَرُ حَدِيثِهِ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ. اهـ (ص ۲۰۷)

”اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابوالحسین بن القطان نے بغداد میں بیان کیا کہ ہمیں محمد بن احمد بن

عیسیٰ بن عبدک رازی نے خبر دی کہ ہمیں ابو عامر عمر بن تمیم نے بیان کیا کہ ہمیں احمد بن عبد اللہ بن یونس نے بیان کیا کہ ہمیں حماد بن شعیب نے عطاء بن سائب سے بیان کیا کہ انہوں نے ابی عبد الرحمن سلمیٰ سے روایت کیا الخ میں کہتا ہوں حماد ابن شعیب ضعیف ہے۔ ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ اسے ابن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ایک مرتبہ یحییٰ نے کہا کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا کہ اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی اکثر حدیثیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کی متابعت نہیں کرتا۔ (ص ۲۰۷) (آثار السنن کی تعلیق ختم ہوئی)

① أَقُولُ أَوَّلًا: إِنَّ قَوْلَهُ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ الْخ فِيهِ إِنَّ فِي السَّنَنِ الْكُبْرَى أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ . الْخ.

② وَثَانِيًا: إِنَّ قَوْلَهُ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْخ فِيهِ إِنَّ فِي الْأَصْلِ أَبَا مُحَمَّدَ بْنَ أَحْمَدَ الْخ.

③ وَثَالِثًا: إِنَّ قَوْلَهُ: ثَنَا أَبُو عَامِرٍ عُمَرُ بْنُ تَمِيمٍ الْخ فِيهِ إِنَّ فِي كِتَابِ الْبَيْهَقِيِّ ثَنَا أَبُو عَامِرٍ عُمَرُ بْنُ تَمِيمٍ الْخ وَظَنَى الْغَالِبُ أَنَّ كُلَّ هَذِهِ مِنَ النَّاسِخِ لَا مِنْ صَاحِبِ التَّعْلِيقِ نَفْسِهِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى .

④ وَرَابِعًا: إِنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ مِنْ كَلَامِ صَاحِبِ التَّعْلِيقِ أَنَّ حَمَادَ ابْنَ شُعَيْبٍ قَدْ قَالَ فِيهِ الْبُخَارِيُّ: فِيهِ نَظَرٌ. وَقَالَ صَاحِبُ تَحْفَةِ الْأُخُوذِيِّ: قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ الْهَمَامِ فِي التَّحْرِيرِ: إِذَا قَالَ الْبُخَارِيُّ لِلرَّجُلِ: فِيهِ نَظَرٌ. فَحَدِيثُهُ لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهِ وَلَا يَصْلُحُ لِلِإِعْتِبَارِ. اهْ فَقَدْ تَبَيَّنَ لَكَ أَنَّ أَثَرِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيِّ الْمَذْكُورِ لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَلَا يُسْتَشْهَدُ بِهِ وَلَا يَصْلُحُ هُوَ لِلِإِعْتِبَارِ لَآنَ فِي سَنَدِهِ حَمَادُ بْنُ شُعَيْبٍ وَقَدْ قَالَ فِيهِ الْبُخَارِيُّ: فِيهِ نَظَرٌ. وَإِذَا

قَالَ الْبُخَارِيُّ فِي رَجُلٍ: فِيهِ نَظَرٌ. فَحَدِيثُهُ لَا يُحْتَجُّ بِهِ الْخ.

① ”میں کہتا ہوں اولاً: اس کے قول اخبرنا ابوالحسن میں قابل غور یہ بات ہے کہ سنن کبریٰ میں ہے ”اخبرنا ابوالحسن“۔

② ثانیاً: اس کے قول ”انا محمد بن احمد“ میں یہ نظر ہے کہ اصل کتاب میں ہے ”انباء محمد بن احمد“۔

③ ثالثاً: اس کے قول ”ثنا ابو عامر عمر بن تمیم“ میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیہقی کی کتاب میں ”ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم“ میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ سب ناخ کا کام ہے خود صاحب تعلیق کا نہیں۔

④ رابعاً: صاحب تعلیق کے کلام سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ حماد بن شعیب کے متعلق بخاری نے فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے صاحب تحفۃ الاحوذی نے نقل فرمایا ہے کہ شیخ ابن ہمام نے التحریر میں فرمایا ہے کہ ”بخاری جب کسی شخص کے متعلق فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا نہ اس سے استشہاد ہو سکتا ہے نہ ہی وہ اعتبار کے لائق ہوتی ہے۔“ چنانچہ واضح ہو گیا کہ ابو عبد الرحمن سلمیٰ کے مذکور اثر سے نہ احتجاج ہو سکتا ہے نہ استشہاد اور نہ ہی وہ اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے اور بخاری نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے اور جب بخاری کسی کے بارے میں فرمائیں کہ اس میں نظر ہے تو اس کی حدیث سے احتجاج نہیں ہو سکتا الخ۔“

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

”عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ عَشْرِينَ رُكْعَةً.“ (ص ۱۸)

”(ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں

بیس رکعات نماز پڑھائے۔“

سنن کبریٰ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رُكْعَةً وَفِي هَذَا الْإِسْنَادِ ضَعْفٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ. ۱ھ (ج ۲ ص ۳۹۷)

” (ابو الحسناء سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات بیس رکعات پڑھائے اور اس سند میں ضعف ہے واللہ اعلم۔“ (ج ۲ ص ۳۹۷)

تو امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ اس اسناد میں ضعف ہے۔ صاحب آثار السنن اس اثر کو باسند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قَالَ الْعَلَامَةُ ابْنُ التَّرْكَمَانِيِّ فِي الْجَوْهَرِ النَّقِيِّ: الْأَظْهَرُ أَنَّ ضَعْفَهُ مِنْ جِهَةِ أَبِي سَعْدٍ سَعِيدِ بْنِ الْمُرْزَبَانِ الْبَقَالِ فَإِنَّهُ مُتَكَلِّمٌ فِيهِ فَإِنْ كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ تَابَعَهُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ قَالَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمُصَنَّفِ: ثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رُكْعَةً وَعَمْرِو بْنُ قَيْسٍ أَظْنَهُ الْمَلَائِيَّ وَثَقَّهُ أَحْمَدُ وَيَحْيَى وَأَبُو حَاتِمٍ وَأَبُو زُرْعَةَ وَغَيْرُهُمْ وَأَخْرَجَ لَهُ مُسْلِمٌ انْتَهَى كَلَامُهُ قُلْتُ: مَدَارُ هَذَا الْأَثَرِ عَلَى أَبِي الْحُسَيْنِ وَهُوَ لَا يُعْرَفُ“ ۱ھ (ص ۳۹۷)

”علامہ ابن الترمکانی نے الجوہر النقی میں فرمایا کہ ”زیادہ تر یہی ظاہر ہے کہ اس کا ضعف ابوسعید سعید بن مرزبان بقال کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں کلام کیا گیا ہے اگر یہی وجہ ہے تو اس حدیث میں اس کی دوسروں نے متابعت کی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں فرمایا کہ ہمیں وکیع نے حسن

بن صالح سے بیان کیا انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے کہ حضرت علیؑ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ انہیں رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھائے۔ عمرو بن قیس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ الملائئ ہے اسے احمد یحییٰ ابوحاتم اور ابوزرعہ وغیرہ نے ثقہ قرار دیا اور مسلم نے اس کی حدیث روایت کی ہے ابن ترکمانی کا کلام ختم ہو گیا۔ میں کہتا ہوں اس اثر کا مدار ابوالحسناء پر ہے اور وہ معروف نہیں (مجہول ہے) صاحب تعلیق کا کلام ختم ہوا۔“ (ص ۲۰۷)

ابوالحسناء سے متعلق صاحب تقریب فرماتے ہیں:

”قِيلَ اسْمُهُ الْحَسَنُ وَقِيلَ الْحُسَيْنُ مَجْهُولٌ مِنَ السَّابِغَةِ“.

”بعض نے کہا کہ اس کا نام حسن ہے بعض نے حسین۔ مجہول ہے ساتویں طبقہ سے ہے۔“

اور حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

”حَدَّثَ عَنْهُ شَرِيكَ لَا يُعْرَفُ لَهُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُثَيْبَةَ“.

”شریک نے اس سے حدیث بیان کی حکم بن عتبہ سے اس کی روایت معروف نہیں ہے۔“

تو حافظ ذہبی حافظ ابن حجر اور صاحب آثار السنن علامہ نیوی نے ابوالحسناء کو ”لا یعرف“ اور مجہول قرار دیا ہے مگر حضرت ائمہ مؤلف فرماتے ہیں:

”بعض اہل علم نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دے کر اس روایت کو درجہ

مقبولیت سے گرا دیا ہے لیکن یہ درست نہیں اس لیے کہ دو شخصوں کی روایت

کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا لہذا جب ابوالحسناء سے ابوسعید بقال اور

عمرو بن قیس دو شخص (اور شریک سمیت تین شخص) روایت کرتے ہیں تو وہ

مجہول کہاں ہوا اس کو مستور کہئے اور مستور کی روایت ایک جماعت کے

نزدیک بغیر کسی قید کے مقبول ہے اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے اور اس کا مؤید ابو عبد الرحمن سلمیٰ موجود ہے جن کی روایت پہلے گزر چکی اور تیسری روایت جو درج ذیل ہے وہ بھی مؤید ہے بہر حال یہ تینوں روایات مجموعی حیثیت سے ایسی قوی دلیل ہے جس میں کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔“ (ص ۱۸، ص ۱۹)

① اولاً: تو اصول حدیث کی داخل نصاب مشہور کتاب شرح نخبہ میں لکھا ہے:

”فَإِنْ سُمِّيَ الرَّاَوِي وَانْفَرَدَ رَاوٍ وَاحِدٌ بِالرَّوَايَةِ عَنْهُ فَهُوَ مَجْهُولُ الْعَيْنِ كَالْمُبْهَمِ إِلَّا أَنْ يُوثَّقَ غَيْرُ مَنْ انْفَرَدَ عَنْهُ عَلَى الْأَصَحِّ وَكَذَا مَنْ انْفَرَدَ عَنْهُ إِذَا كَانَ مُتَاهِلًا لِذَلِكَ وَإِنْ رَوَى عَنْهُ ائْتِثَانٌ فَصَاعِدًا وَلَمْ يُوثَّقِ فَهُوَ مَجْهُولُ الْحَالِ وَهُوَ الْمُسْتَوْرٌ وَقَدْ قَبِلَ رَوَايَتَهُ جَمَاعَةٌ بِغَيْرِ قَيْدٍ وَرَدَّهَا الْجُمْهُورُ وَالتَّحْقِيقُ أَنَّ رَوَايَةَ الْمُسْتَوْرِ وَنَحْوِهِ مِمَّا فِيهِ الْإِحْتِمَالُ لَا يُطْلَقُ الْقَوْلُ بِرَدِّهَا وَلَا بِقَبُولِهَا بَلْ هِيَ مَوْقُوفَةٌ إِلَى اسْتِبَانَةِ حَالِهِ كَمَا جَزَمَ بِهِ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ وَنَحْوُهُ قَوْلُ ابْنِ الصَّلَاحِ فِيمَنْ جُرِّحَ بِجُرْحٍ غَيْرِ مُفْسِّرٍ“ ۱ھ (ص ۷۶)

”پھر اگر راوی کا نام لیا جائے اور اس سے روایت میں ایک راوی اکیلا ہو تو وہ مجہول العین ہے جس طرح مبہم الایہ کہ اس اکیلے راوی کے علاوہ کوئی اور اسے ثقہ قرار دے۔ زیادہ صحیح مذہب یہی ہے اسی طرح اگر وہ اکیلا راوی جو اس سے روایت کر رہا ہے اسے ثقہ قرار دے جب وہ اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اگر اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور کسی نے اسے ثقہ قرار نہ دیا ہو تو وہ مجہول الحال ہے اور یہی مستور ہے اور اس کی روایت ایک جماعت نے بلا قید قبول کی ہے اور جمہور اسے رد کرتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ مستور اور اس جیسے شخص کی روایت میں احتمال ہوتا ہے نہ اسے مطلقاً قبول

کرنے کی بات کہی جاسکتی ہے نہ رد کرنے کی بلکہ وہ اس کا اصل حال ظاہر ہونے تک موقوف رہے گی جیسا کہ امام الحرمین نے جزم سے فرمایا ہے اور ابن صلاح کا قول بھی ایسے راوی کے متعلق یہی ہے جس پر جرح غیر مفسر کی گئی ہو۔“ ۱ھ (ص ۷۶)

اور امام نووی لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمَجْهُولُ أَقْسَامُ مَجْهُولُ الْعَدَالَةِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَمَجْهُولُهَا بَاطِنًا مَعَ وُجُودِهَا ظَاهِرًا وَهُوَ الْمُسْتَوْرُ وَالْمَجْهُولُ الْعَيْنِ فَأَمَّا الْأَوَّلُ فَالْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّهُ لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَأَمَّا الْآخِرَانِ فَاحْتَجَّ بِهِمَا كَثِيرُونَ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ“ ۱ھ (مقدمہ امام النووی علی شرحہ لمسلم ص ۱۷)

”پھر مجہول کی کئی اقسام ہیں: (۱) جو ظاہر أو باطناً مجہول العدالۃ ہو۔ (۲) جو باطناً مجہول العدالۃ ہو لیکن ظاہر اس کی عدالت موجود ہو اور یہی مستور ہے۔ (۳) مجہول العین۔ پہلی قسم کے متعلق جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا رہ گئیں آخری دو قسمیں تو ان کے ساتھ بہت سے محققین نے دلیل پکڑی ہے۔ ۱ھ

اور حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں:

”الثَّامِنَةُ فِي رِوَايَةِ الْمَجْهُولِ وَهُوَ غَرَضُنَا هَهُنَا أَقْسَامُ أَحَدُهَا الْمَجْهُولُ الْعَدَالَةِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ جَمِيعًا وَرِوَايَتُهُ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ عِنْدَ الْجَمَاهِيرِ عَلَى مَا نَبَّهْنَا عَلَيْهِ أَوَّلًا: الثَّانِي الْمَجْهُولُ الَّذِي جَهِلَتْ عَدَالَتُهُ الْبَاطِنَةُ وَهُوَ عَدْلٌ فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ الْمُسْتَوْرُ فَهَذَا الْمَجْهُولُ يُحْتَجُّ بِرِوَايَتِهِ بَعْضُ مَنْ رَدَّ رِوَايَةَ الْأَوَّلِ. الثَّالِثُ الْمَجْهُولُ الْعَيْنِ وَقَدْ يَقْبَلُ رِوَايَةَ الْمَجْهُولِ الْعَدَالَةِ مَنْ لَا يَقْبَلُ رِوَايَةَ الْمَجْهُولِ الْعَيْنِ وَمَنْ رَوَى عَنْهُ عَدْلَانِ وَعَيْنَاهُ فَقَدْ ارْتَفَعَتْ

عَنْهُ هَذِهِ الْجَهَالَةُ“۔ ۱۱۔ بحذف منه (علوم الحدیث ص ۱۰۱)
 ”فَطَهَّرَ مِنْ أَقْوَالِ هَؤُلَاءِ الْأُصُولِيِّينَ أَنَّ الْمُسْتَوْرَ أَخْصُ مُطْلَقًا مِنَ
 الْمَجْهُولِ فَكُلُّ مُسْتَوْرٍ مَجْهُولٌ وَلَا عَكْسَ أَيْ بَعْضُ الْمَجْهُولِ
 مُسْتَوْرٌ وَبَعْضُهُ لَيْسَ بِمُسْتَوْرٍ“

”آٹھویں مجہول کی روایت کے بارے میں ہے۔ اس مقام پر ہمارے مقصود کے لحاظ سے اس کی چند اقسام ہیں ایک وہ جو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے مجہول العدالتہ ہے اس کی روایت جہور کے نزدیک غیر مقبول ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے آگاہ کر چکے ہیں۔ دوسرا وہ مجہول جس کی عدالت باطنہ معلوم نہیں اور ظاہر میں وہ عدل ہے اسی کا نام مستور بھی ہے۔ اس مجہول کی روایت کے ساتھ پہلی قسم کے مجہول کی روایت رد کرنے والوں میں سے بعض لوگ احتجاج کرتے ہیں۔ تیسرا وہ جو مجہول العین ہو۔ مجہول العدالتہ کی روایت بعض وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو مجہول العین کی روایت قبول نہیں کرتے جس شخص سے دو عادل راوی روایت کریں اور اسے متعین کر دیں اس سے یہ جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ ابن صلاح کا کام (تھوڑے سے حذف کے ساتھ) ختم ہوا۔“ (علوم الحدیث ص ۱۰۱)

”ان علماء اصول حدیث کے اقوال سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مستور مجہول سے اخص مطلق ہے چنانچہ ہر مستور مجہول ہے جب کہ اس کا الٹ نہیں یعنی بعض مجہول مستور ہیں اور بعض مستور نہیں۔“

تو اصول و قواعد کی رو سے حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ شوق صاحب نیوی کا اس اثر کے مرکزی راوی ابوالحسناء کو مجہول اور لایعرف قرار دینا درست ہے کیونکہ ابوالحسناء کے مستور ہونے کا مصنف صاحب کو بھی اعتراف ہے اور مستور مجہول کی ایک قسم ہے جیسا کہ عبارات بالا سے صاف صاف ظاہر ہے اور قسم پر مقسم کا اطلاق

صحیح ہے اور ہے بھی حقیقت مجاز نہیں بشرطیکہ تقسیم تقسیم الکی الی الجزیات کے باب سے ہو جیسا کہ اس مقام پر ہے کیونکہ مستور مجہول العین اور مجہول العدالۃ فی الظاہر والباطن تینوں مجہول کی جزیات ہیں تو صیح کے لیے یوں سمجھئے کہ کسی شخص نے یا کسی طفل مکتب نے لفظ مستور کو کلمہ کہہ دیا تو آیا صاحب رسالہ اس پر قدغن لگائیں گے کہ صاحب یہ درست نہیں اس لیے کہ لفظ مستور تو اسم ہے پھر کیا وہ بھی نقد فرمائیں گے کہ لفظ مستور کو اسم کہنا بھی درست نہیں کیونکہ وہ تو اسم مفعول ہے۔

② وثانیاً: کسی راوی سے دو شخصوں کے روایت کرنے سے جو مجہولیت ختم ہوتی ہے وہ مجہولیت عین ہے نہ کہ مجہولیت حال اور نہ ہی مطلق مجہولیت جیسا کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن صلاح کی مذکورہ بالا عبارات سے صاف صاف ظاہر ہے تو صاحب رسالہ نے اپنے قول ”دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا الخ“ نیز اپنے قول ”تو وہ مجہول کہاں ہوا؟“ میں جو ابوالحسناء کے مجہول ہونے کی نفی فرمائی اس نفی سے اگر وہ ان کے مجہول الحال یا مطلق مجہول ہونے کی نفی مراد لیتے ہیں تو پھر وہ ابوالحسناء کو مستور کہنے کے بھی مجاز نہیں کیونکہ مجہول الحال کی نفی تو مستور ہی کی نفی ہے اور مطلق مجہول کی نفی مستور کی نفی کو مستلزم ہے لہذا مصنف صاحب کے قول: (۱): ”دو شخصوں کی روایت کے بعد کوئی راوی مجہول نہیں رہ سکتا“۔ (۲): ”تو وہ مجہول کہاں ہوا“ محل نظر ہیں کیونکہ وہ خود تسلیم فرما رہے ہیں کہ اس کو مستور کہئے اور یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ہر مستور مجہول ہوتا ہے کیونکہ مستور مجہول کی قسم ہے تو اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ابوالحسناء کی جس مجہولیت کی صاحب رسالہ نے نفی فرمائی ہے حافظ ذہبی ابن حجر اور دیگر علماء نے اس مجہولیت کا اثبات نہیں فرمایا اور ابوالحسناء کی جس مجہولیت کا ان بزرگوں نے اثبات فرمایا ہے صاحب رسالہ اس مجہولیت کی نفی نہیں فرما سکتے بلکہ اقرار مستوریت سے اس مجہولیت کا اعتراف فرما رہے ہیں۔ ”کَمَا وَلِمَا

تَقَدَّمَ“ (اس طرح پر اور ان وجوہات کی بنا پر جو گزر چکیں)

③ وثالثاً: شرح نخبہ کی عبارت اس بات پر دال ہے کہ مستور کی روایت ایک جماعت کے ہاں بغیر کسی قید کے مقبول اور جمہور کے نزدیک (بغیر کسی قید کے) مردود ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں قول: (۱) مطلقاً مقبول اور (۲) مطلقاً مردود صحیح نہیں درست یہ ہے کہ جب تک مستور کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک توقف کیا جائے نیز حافظ ابن صلاح اور امام نووی نے مستور کی روایت کے مردود و مقبول ہونے میں جو مذاہب ذکر فرمائے ہیں ان میں مؤید و غیر مؤید والی بات کسی میں بھی بیان نہیں فرمائی تو صاحب رسالہ اپنے بیان ”اور جمہور کے نزدیک اس کا کوئی مؤید ہو تو مقبول ہے“ پر اصول حدیث سے کوئی حوالہ بیان فرمائیں۔

④ ورابعاً: ابو عبد الرحمن سلمیٰ کی روایت ابوالحسناء کی روایت کی مؤید تب ہو سکتی ہے جب کہ وہ خود صحیح یا حسن یا کم از کم شواہد و متابعات میں پیش کرنے کے قابل بھی تو ہو اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ابو عبد الرحمن سلمیٰ کی روایت نہ تو صحیح ہے نہ ہی حسن اور نہ ہی شواہد و متابعات میں پیش ہونے کے قابل کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس سے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں: ”وفیه نظر“ اور جس راوی کے متعلق امام بخاری یہ فیصلہ دیں اس کی روایت نہ تو قابل احتجاج نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار۔ یاد رہے کہ ضعاف کا باہم دیگر مل کر حسن لغیرہ بننے والا قاعدہ کلیہ نہیں جزئیہ ہے جو اس مقام پر جاری نہیں ہوتا۔

⑤ وخامساً: تیسری روایت جو آگے آ رہی ہے وہ بھی مؤید بننے کے قابل نہیں کیونکہ وہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ تو پتہ چلا کہ مصنف صاحب کا فرمان ”بہر حال یہ تینوں روایات الخ“ نقد و نظر سے خالی نہیں۔

⑦ کتاب ”سبل السلام“ کی غلطی:

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْتُهُمْ بِعِشْرَيْنِ رُكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ قَالَ (الْبَيْهَقِيُّ) وَفِيهِ قُوَّةٌ“ سبل السلام. ۱ھ (ص ۱۹)
 ”اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے فرمایا (بیہقی نے) اور اس میں قوۃ ہے۔“ (سبل السلام)

حضرت المؤلف سبل السلام کا ایک دفعہ پہلے بھی حوالہ دے چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”نیز امام بیہقی نے اس سلسلہ میں متعدد روایات پیش کیں کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھایا کریں۔“ (ص ۱۵) سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول

”مَا نَصَّهُ وَسَاقِ رَوَايَاتٍ أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أَبِيًّا وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ يَقُومَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرَيْنِ رُكْعَةً“ (حاشیہ ص ۱۵)

”سبل السلام ص ۳۳۷ جلد اول کے صریح لفظ یہ ہیں ”اور کئی روایات (بیہقی نے) ذکر کیں کہ عمرؓ نے ابیؓ اور تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں۔“

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سبل السلام کی اس مقام سے متعلقہ عبارت با ترتیب نقل کر دی جائے تاکہ بات سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے چنانچہ سبل السلام کی وہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: ”وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ“

① رَوَايَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ طَرِيقِ أَبِي شَيْبَةَ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ ضَعِيفٌ وَسَاقِ

رَوَايَاتِ

② اَنَّ عُمَرَ اَمَرَ اُبَيًّا وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ يَقُوْمَانِ بِالنَّاسِ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَفِي رَوَايَةٍ .

③ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَفِي رَوَايَةٍ .

④ اِنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَوْمُهُمْ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ قَالَ وَفِيهِ قُوَّةٌ . اه

① ترجمہ: اور بیہقی نے ابن ابی شیبہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان فرمائی پھر فرمایا کہ یہ ضعیف ہے۔

② اور کئی روایات ذکر فرمائیں کہ عمرؓ نے ابی اور تمیمؓ داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں۔

③ اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت قیام کرتے تھے۔

④ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت کے ساتھ امامت فرماتے تھے اور تین وتر پڑھاتے تھے (بیہقی نے) کہا اور اس میں قوت ہے۔ اه

فہم میں سہولت کی خاطر نمبر دیئے گئے ہیں اب سنن کبریٰ للبیہقی کی روایات ملاحظہ فرمائیں اور ان میں بھی نمبر ہم نے اپنی طرف سے دیئے ہیں تاکہ بات کو آسانی سمجھا جاسکے نیز اسانید کو ہم نے ذکر نہیں کیا کیونکہ ان سے اکثر پر تو کلام گزر چکا اور باقی ایک آدھ پر کلام آ رہا ہے اس مقام پر تو صرف سبل السلام کی غلطی واضح کرنا مقصود ہے بیہقی کی وہ روایات یہ ہیں:

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ . تَفَرَّدَ بِهِ اَبُوْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَبْسِيُّ الْكُوفِيُّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ .

② عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَبَى ابْنِ كَعْبٍ وَتَمِيمَانَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِي الْخ.

③ عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانُوا الْخ.

④ أَنبَأَ أَبُو الْخُصَيْبِ قَالَ كَانَ يَوْمُنَا سُيُودُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَرُؤَيْنَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَوْمُهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتَرُ بِثَلَاثٍ وَفِي ذَلِكَ قُوَّةٌ. اهـ

① ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عیسیٰ کو فی اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

② سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ابی بن کعب اور تميم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں الخ۔

③ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگ عمر بن خطاب کے دور میں بیس رکعت قیام کرتے تھے الخ۔

④ ابوالخضیب نے خبر دی اس نے کہا کہ ہمیں سوید بن غفلہ بن غفلہ میں امامت کرواتے تھے پس پانچ ترویحات بیس رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور اس میں قوت ہے۔ اهـ

سبل السلام اور سنن کبریٰ للبیہقی کی عبارات آپ کے سامنے ہیں نمبر واران کا ایک دوسری سے موازنہ فرمائیے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ سنن کبریٰ کی نمبر دو میں مذکور عبارت ”اَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِاِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ“ (کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں) کو سبل السلام کی نمبر دو مذکور عبارت ”يَقُومَانِ لِلنَّاسِ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةٍ“ (کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت قیام کروائیں) سے بدل دیا گیا اور ایسے ہی سنن کبریٰ کی نمبر چار میں مذکور عبارت: ”اَنَّهُ كَانَ يَوْمُهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ“ (کہ وہ ماہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے اور تین وتر پڑھتے) میں انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا کر سبل السلام نمبر چار میں وہی عبارت یوں ذکر کی گئی ہے: ”اِنَّ عَلِيًّا كَانَ يَوْمُهُمْ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ“ حالانکہ ”انہ“ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ شتیر بن شغل ہیں جیسا کہ سنن کبریٰ کی نمبر چار میں ذکر کردہ عبارت سے ظاہر ہے نیز صاحب آثار السنن کی تعلیق میں مذکور عبارت اسی پر دلالت کناں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”وَمِنْهَا مَا أَخْرَجَهُ أَبُو بَكْرٍ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ. اِنْتَهَى قُلْتُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ لَا يُدْرِي مَنْ هُوَ تَفَرَّدَ عَنْهُ أَبُو إِسْحَاقَ اِنْتَهَى قُلْتُ وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ وَرَوَيْنَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَوْمُهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ اِنْتَهَى قُلْتُ الْبَيْهَقِيُّ لَمْ يَذْكُرْ إِسْنَادَهُ وَلَعَلَّهُ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ الْمَذْكُورِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ“ (ص ۲۰۷ ص ۲۰۸)

”اور ان روایات سے ایک وہ ہے جو ابو بکر بن ابی شیبہ نے ذکر فرمائی ہے کہ ہمیں وکیع نے سفیان سے بیان کیا انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے

عبداللہ بن قیس سے انہوں نے شتیر بن شکل سے کہ وہ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھاتے تھے ابن ابی شیبہ کی عبارت ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن قیس کے متعلق علم نہیں کہ وہ کون ہے ابواسحاق اس روایت میں اکیلا ہے، انتہی میں کہتا ہوں اور بیہقی نے اپنی سنن میں فرمایا اور ہمیں شتیر بن شکل کے متعلق روایت کی گئی ہے اور وہ حضرت علی کے ساتھیوں سے تھے کہ وہ انہیں ماہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ امامت کراتے اور تین وتر پڑھتے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اس کی سند ذکر نہیں کی شاید یہ بھی عبداللہ بن قیس مذکور کے طریق سے ہی ہے واللہ اعلم۔ اھ

صاحب آثار السنن کی یہ عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ ”انہ کان یؤمہم الخ“ میں حضرت شتیر بن شکل کی امامت کا تذکرہ ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا لہذا ”انہ“ کی ضمیر کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنانا غلط ہے۔

پھر نمبر چار ہی میں مذکور امام بیہقی کے الفاظ ”وفی ذالک قوۃ“ سبل السلام میں ”وفیہ قوۃ“ سے بدل دیئے گئے ہیں جس سے معنی بھی بدل گیا ہے کیونکہ ”وفی ذالک قوۃ“ سے تو حضرت سید بن غفلہ کے اثر پر حکم لگانا مقصود ہے جیسا کہ اسم اشارہ ذالک سے ظاہر ہے اور ”وفیہ قوۃ“ سے شتیر بن شکل کے اثر (جس کی امام بیہقی نے سند بھی ذکر نہیں فرمائی) یا سبل السلام کے غلط بیان کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر حکم لگے گا پھر امام بیہقی کی عبارت ”وفی ذالک قوۃ“ اگر شتیر بن شکل کے اثر سے متعلق ہوتی تو صاحب آثار السنن کبریٰ سے شتیر بن شکل کا اثر نقل کرنے کے بعد اس عبارت کو ضرور نقل فرماتے تو صاحب رسالہ کی تقریر ”اس اثر کے متعلق امام بیہقی نے خود ہی فیصلہ فرمادیا کہ یہ اثر قوی ہے اب ان کے فیصلہ کے بعد اس روایت کی توثیق محتاج بیان نہیں۔“ سبل السلام کے غلط بیان والفاظ پر ہی مبنی ہے۔ ”فَہُوَ مِنْ بَابِ بِنَاءِ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِدِ“ (پس یہ فاسد کی بنیاد فاسد پر“ کے قبیل سے ہے)

نیز آپ صاحب آثار السنن کی مذکورہ بالا عبارت بغور پڑھیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا آیا اس روایت کی توثیق محتاج بیان ہے یا نہیں یا وہ سرے سے ثابت ہی نہیں پھر جب صاحب رسالہ حضرت شتیر بن شکل کا اثر ذکر فرمائیں گے تو اس روایت پر مزید کلام ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ روایت اصل میں شتیر بن شکل والا اثر ہی تو ہے جو غلطی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلق عبارت میں تین اغلاط ہیں اور حضرت المؤلف نے ان تینوں اغلاط کو اپنے موقف کی تائید میں پیش فرمایا ہے ادھر انہوں نے اپنے رسالہ میں سنن کبریٰ للبیہقی کے حوالے بقید صفحات دیئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ سنن کبریٰ غالباً ان کے مطالعہ میں ہے پھر چونکہ وہ تحقیق کے درپے ہیں اس لیے انہوں نے سبل السلام میں دی گئی سنن کبریٰ کی روایات کو اصل کتاب سے بھی ضرور دیکھا ہوگا تو اگر انہیں سبل السلام کی مذکورہ عبارت کی ان تین اغلاط کا دوران مطالعہ علم ہو گیا تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ سبل السلام کی یہ عبارات اپنے رسالہ میں درج نہ فرماتے یا پھر ان کی اغلاط واضح فرماتے امید ہے کہ اگر ان کا اس رسالہ کو دوبارہ طبع کرانے کا پروگرام ہوا تو وہ ان اور ان جیسے دیگر محل نظر مقامات کی اصلاح فرمادیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر ہو سکے تو اس قسم کے اہم مقامات کی فوراً اصلاح کر دی جائے قاتل۔

اتنی بات تو واضح ہو چکی کہ سبل السلام کی اس مقام سے متعلق عبارت میں تین اغلاط ہیں رہی یہ بات کہ یہ تین اغلاط صاحب سبل السلام سے خطا و سہو انسرزد ہوئیں یا بعض نسخہ ساز نے اپنے کسی مفاد کی خاطر عمد سبل السلام کی اس عبارت میں رد و بدل کیا تو اس کی ضرور تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مگر کسی دوسری فرصت میں۔

⑨ صاحب سبل السلام کی تحقیق در مسئلہ تراویح:

اب چونکہ بات سبل السلام کی چل نکلی ہے اور صاحب رسالہ نے اس کتاب کے حوالے بھی دیئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا میں زیر بحث

موضوع پر کی گئی تحقیق کو بھی سپرد قلم کر دیا جائے چنانچہ صاحب سبل السلام نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان میں نوافل پڑھانے سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَاعْلَمُ أَنَّ مَنْ أَثْبَتَ صَلَاةَ التَّرَاوِيحِ وَجَعَلَهَا سُنَّةً فِي قِيَامِ رَمَضَانَ اسْتَدَلَّ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَلَى ذَلِكَ وَلَيْسَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى كَيْفِيَّةِ مَا يَفْعَلُونَهُ وَلَا كَمِّيَّتِهِ فَإِنَّهُمْ يُصَلُّونَهَا جَمَاعَةً عِشْرِينَ رَكْعَةً يَتَرَوُّوْنَ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ . فَأَمَّا الْجَمَاعَةُ فَإِنَّ عُمَرَ أَوَّلَ مَنْ جَمَعَهُمْ عَلَى إِمَامٍ مُعَيَّنٍ وَقَالَ: إِنَّهَا بِدْعَةٌ . كَمَا أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ وَأَخْرَجَهُ غَيْرُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرْغِبُهُمْ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ فَيَقُولُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ . قَالَ وَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ وَفِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ . زَادَ فِي رِوَايَةِ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ قَالَ غُرُوبُ: فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْقَارِيُّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ لَيْلَةَ فَطَافَ فِي رَمَضَانَ فِي الْمَسْجِدِ وَأَهْلُ الْمَسْجِدِ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَا ظُنُّ لَوْ جَمَعْنَاهُمْ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ فَأَمَرَ أَبِي بَنَ كَعْبٍ أَنْ يَقُومَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ فَخَرَجَ عُمَرُ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ الْبِدْعَةُ هَذِهِ . وَسَاقَ الْبَيْهَقِيُّ فِي السَّنَنِ عِدَّةَ رَوَايَاتٍ فِي هَذَا الْمَعْنَى .

وَاعْلَمُ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ حُمْلُ قَوْلِهِ: بِدْعَةٌ . عَلَى جَمْعِهِ لَهُمْ عَلَى مُعَيَّنٍ وَالزَّامِيَهُمْ بِذَلِكَ لَا إِنَّهُ أَرَادَ أَنَّ الْجَمَاعَةَ بِدْعَةٌ فَإِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَمَعَ بِهِمْ كَمَا عَرَفْتُ. إِذَا عَرَفْتَ هَذَا عَرَفْتَ أَنَّ
عُمَرُ هُوَ الَّذِي جَعَلَهَا جَمَاعَةً عَلَى مُعَيَّنٍ وَسَمَّاها بِدْعَةٍ وَأَمَّا قَوْلُهُ:
نِعَمَ الْبِدْعَةُ. فَلَيْسَ فِي الْبِدْعَةِ مَا يُمَدَّحُ بَلْ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.
وَأَمَّا الْكَمِيَّةُ وَهِيَ جَعْلُهَا عَشْرِينَ رَكْعَةً فَلَيْسَ فِيهِ حَدِيثٌ مَرْفُوعٌ
إِلَّا مَا رَوَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالتَّطَبُّرِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمَ
بْنِ عُثْمَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً
وَالْوُتْرَ. قَالَ فِي سَبِيلِ الرَّشَادِ: أَبُو شَيْبَةَ ضَعَفَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَعِينٍ
وَالْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَكَذَّبَهُ
شُعْبَةُ وَقَالَ ابْنُ مَعِينٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَعَدَّ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ مُنْكَرَاتِهِ.
وَقَالَ الْأَذْرَعِيُّ فِي الْمُتَوَسِّطِ: وَأَمَّا نُقْلُ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى فِي اللَّيْلَتَيْنِ اللَّتَيْنِ خَرَجَ فِيهِمَا عَشْرِينَ رَكْعَةً فَهُوَ مُنْكَرٌ.
وَقَالَ الزُّرَّكَشِيُّ فِي الْخَادِمِ: دَعَا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى بِهِمْ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَشْرِينَ رَكْعَةً لَمْ تَصَحَّ، بَلِ الثَّابِتُ فِي
الصَّحِيحِ الصَّلَاةُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ بِالْعَدَدِ وَمَا فِي رِوَايَةِ جَابِرٍ أَنَّهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَالْوُتْرُ ثَمَّ انْتَبَرُوهُ فِي
الْقَابِلَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ فِي
صَحِيحِهِمَا. انْتَهَى وَقَوْلُهُ: وَآخِرُجَ الْبَيْهَقِيُّ رِوَايَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى
قَوْلِهِ: قَالَ وَفِيهِ قُوَّةٌ. قَدْ نُقِلَ مِنْ قَبْلِ فَلَمْ يُذَكَّرْ هُنَا. إِذَا عَرَفْتَ
هَذَا عَلِمْتَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْعَشْرِينَ رِوَايَةً مَرْفُوعَةً، بَلْ يَأْتِي حَدِيثُ
عَائِشَةَ الْمُتَّفَقُ عَلَيْهِ قَرِيبًا أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَكُونُ يَزِيدُ
فِي رَمَضَانَ وَلَا غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ. فَعَرَفْتَ مِنْ هَذَا

كَلِمَةٍ أَنَّ صَلَاةَ التَّرَاوِيحِ عَلَى هَذَا الْأَسْلُوبِ الَّذِي اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ
بِدْعَةٍ. نَعَمْ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ بِلَا خِلَافٍ وَالْجَمَاعَةُ فِي نَافِلَتِهِ لَا
تُنْكَرُ وَقَدْ ائْتَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَغَيْرُهُ بِهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ لَكِنْ جَعَلَ هَذِهِ الْكَيْفِيَّةَ وَالْكَمِّيَّةَ سُنَّةً
وَالْمُحَافَظَةَ عَلَيْهَا هُوَ الَّذِي نَقُولُ: إِنَّهُ بِدْعَةٌ. وَهَذَا عُمَرُ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ خَرَجَ أَوَّلًا وَالنَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ مِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّي مُنْفَرِدًا
وَمِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّي جَمَاعَةً عَلَى مَا كَانُوا (عَلَيْهِ) فِي عَصْرِهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَيْرُ الْأُمُورِ مَا كَانَ عَلَى عَهْدِهِ.

وَأَمَّا تَسْمِيَّتُهَا بِالتَّرَاوِيحِ فَكَانَ وَجْهُهُ مَا أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيثِ
عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي أَرْبَعَ
رَكَعَاتٍ فِي اللَّيْلِ ثُمَّ يَتَرَوُّحُ فَاطَالَ حَتَّى رَحِمَتْهُ الْحَدِيثُ قَالَ
الْبَيْهَقِيُّ: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ وَلَيْسَ بِالْقَوِي فَإِنْ ثَبَتَ فَهُوَ
أَصْلٌ فِي تَرَوُّحِ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ. انْتَهَى وَأَمَّا حَدِيثُ:
عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا
وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ
وَالْتِّرَمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَمِثْلُهُ
حَدِيثُ: اقْتَدُوا بِاللَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ. أَخْرَجَهُ
الْتِّرَمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ جَبَانَ وَلَهُ
طُرُقٌ فِيهَا مَقَالٌ إِلَّا أَنَّهُ يَقْوَى بَعْضُهَا بَعْضًا فَإِنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ بِسُنَّةِ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ إِلَّا طَرِيقَتُهُمُ الْمُوَافَقَةُ لِطَرِيقَتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنْ جِهَادِ الْأَعْدَاءِ وَتَقْوِيَةِ شَعَائِرِ الدِّينِ وَنَحْوِهَا، فَإِنَّ
الْحَدِيثَ عَامٌّ لِكُلِّ خَلِيفَةٍ رَاشِدٍ لَا يَخْصُ الشَّيْخَيْنِ، وَمَعْلُومٌ مِّنْ

قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ أَنْ لَيْسَ لِخَلِيفَةِ رَاشِدٍ أَنْ يَشْرَعَ طَرِيقَةً غَيْرَ مَا
كَانَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ عَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
نَفْسُهُ الْخَلِيفَةُ الرَّاشِدُ سَمَى مَا رَأَاهُ مِنْ تَجْمِيعِ صَلَاتِهِ لِيَالِي رَمَضَانَ
بِدْعَةً وَلَمْ يَقُلْ إِنَّهَا سُنَّةٌ فَتَمَلَّ. عَلَى أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
خَالَفُوا الشَّيْخِينَ فِي مَوَاضِعَ وَمَسَائِلَ، فَذَلَّ أَنْهُمْ لَمْ يَحْمِلُوا
الْحَدِيثَ عَلَى أَنَّ مَا قَالُوهُ وَفَعَلُوهُ حُجَّةٌ وَقَدْ حَقَّقَ الْبَرُّ مَا وَى الْكَلَامَ
فِي شَرْحِ الْفِيَةِ فِي أُصُولِ الْفِقْهِ مَعَ أَنَّهُ قَالَ: الْحَدِيثُ الْأَوَّلُ يَدُلُّ أَنَّهُ
إِذَا اتَّفَقَ الْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ عَلَى قَوْلٍ كَانَ حُجَّةً لَا إِذَا انْفَرَدَ وَاحِدٌ
مِنْهُمْ، وَالْتَحَقِيقُ أَنَّ الْإِقْتِدَاءَ لَيْسَ هُوَ التَّقْلِيدُ بَلْ هُوَ غَيْرُهُ كَمَا
حَقَّقْنَاهُ فِي شَرْحِ نَظْمِ الْكَافِلِ فِي بَحْثِ الْإِجْمَاعِ. اهـ (ج ۲ ص ۱۰۱، ۱۱۰)

”اور جان لے کہ جو لوگ صلاۃ تراویح کو ثابت سمجھتے ہیں اور اسے قیام
رمضان میں سنت سمجھتے ہیں وہ اس مقصد کے لیے اس حدیث سے استدلال
کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں نہ اس فعل کی جو وہ کرتے ہیں کیفیت کی
دلیل موجود ہے نہ کمیت کی۔ کیونکہ وہ اس نماز کو باجماعت بیس رکعت پڑھتے
ہیں اور ہر دو رکعت کے درمیان کچھ آرام کرتے ہیں۔ یہی جماعت تو
حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک معین امام پر جمع فرمایا اور
فرمایا کہ بدعت (نئی چیز) ہے جیسا کہ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا
ہے اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے اسے ابو ہریرہ کی روایت سے
بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے
تھے مگر فرض کی طرح انہیں حکم نہیں دیتے تھے چنانچہ فرماتے کہ جو شخص ایمان
کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے اس کے گزشتہ گناہ
معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو معاملہ

اسی طرح تھا اور ابو بکر کی خلافت میں اور عمر کی خلافت کے شروع میں بھی اسی طرح تھا۔ بیہقی کے ہاں ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں کہ عروہ نے کہا ”تو مجھے عبدالرحمان قاری نے خبر دی کہ عمرؓ بن خطاب ایک رات نکلے ماہ رمضان میں مسجد میں چکر لگایا اور مسجد میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں جدا جدا تقسیم ہو چکے تھے۔ کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا کسی کی نماز کے ساتھ (اقتداء میں) ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم انہیں ایک قاری پر جمع کر دیں (تو بہتر ہے) تو ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ انہیں قیام کروائیں پھر ایک دفعہ حضرت عمرؓ نکلے جب کہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ بدعت اچھی ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس مفہوم کی کئی احادیث ذکر فرمائیں۔

اور جان کہ آپ کے اس قول کو یہ بدعت ہے صرف اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد لوگوں کو ایک امام پر جمع کرنا اور ان پر یہ چیز لازم کرنا ہے آپ کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت بدعت ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں جماعت کروائی جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے جب تم یہ جان چکے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے ہی اسے ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا اور آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور رہی کمیت (تعداد) اور اسے بیس رکعت قرار دینا تو اس کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے سوائے اس کے جو عبد بن حمید اور طبرانی نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ حکم سے روایت کرتے ہیں وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں

بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سبیل الرشاد میں فرمایا کہ ابوشیبہ کو احمد ابن معین، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ شعبہ نے اسے جھوٹا کہا اور ابن معین نے کہا ثقہ نہیں اور یہ حدیث اس کی منکر حدیثوں میں شمار کی۔ اور اذریٰ نے متوسط میں فرمایا کہ جو نقل کیا گیا ہے ”کہ آنحضرت ﷺ جن دو راتوں میں نکلے تھے ان میں آپ نے بیس رکعتیں پڑھیں“ وہ منکر ہے اور زرکشی نے خادم میں کہا کہ یہ دعویٰ کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس رات بیس رکعتیں پڑھائیں درست نہیں بلکہ صحیح میں صرف آپ کی نماز عدد کے ذکر کے بغیر ثابت ہے اور جابر کی جو روایت ہے کہ آپ نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے پھر لوگوں نے آئندہ رات آپ کا انتظار کیا تو آپ نہیں نکلے یہ روایت ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے انتہی اور اس کا قول کہ یہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی الی قولہ کہا اور اس میں قوت ہے یہ حصہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جب تم نے یہ جان لیا تو معلوم ہو گیا کہ بیس کے متعلق کوئی مرفوع روایت نہیں بلکہ عن قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث آرہی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے تو اس ساری بحث سے معلوم ہو گیا کہ صلاۃ تراویح اس انداز پر جس پر اکثر لوگ متفق ہو چکے ہیں بدعت ہے۔ ہاں قیام رمضان بلا خلاف سنت ہے اور ان نوافل میں جماعت کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا اور ابن عباسؓ وغیرہ نے صلاۃ اللیل میں آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی لیکن اس کیفیت اور کمیت کو اور اس کی باقاعدگی سے ادائیگی کو سنت قرار دے دینے کو ہم کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور دیکھئے خود حضرت عمرؓ پہلے جب نکلے ہیں تو لوگ ٹولیوں کی

شکل میں تھے کچھ اکیلے پڑھ رہے تھے اور کچھ جماعت کے ساتھ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کا معمول تھا اور سب سے بہتر وہ کام ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا۔

رہ گیا اس کا نام تراویح رکھنا تو اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو بیہقی نے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو چار رکعت پڑھتے پھر کچھ آرام فرماتے تو آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ مجھے آپ پر رحم آنے لگا۔ الحدیث۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کو بیان کرنے میں مغیرہ بن زیاد منفرد (اکیلا) ہے اور وہ قوی نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے تو تراویح کے وقفے میں امام کے آرام کے بارے میں یہ حدیث اصلی دلیل ہوگی۔ انتہی۔ باقی رہی یہ حدیث کہ تم میرے بعد میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اسے مضبوطی سے تھامو اور اسے ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑو۔ اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور فرمایا کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے اور اس کی ہم مثل یہ حدیث ہے کہ ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن ہے اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اس کو نکالا اور اس کی کئی سندیں ہیں جن پر ائمہ کو کچھ کلام ہے مگر وہ ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں تو خلفاء راشدین کی سنت سے مراد صرف ان کا وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ دشمنوں سے جہاد شعائر دین کو قوت دینا اور اس جیسے دوسرے کام۔ کیونکہ حدیث ہر نیک خلیفہ کے لیے عام ہے صرف شیخین کے لیے نہیں اور شریعت کے قواعد سے معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا طریقہ مقرر کرے جو اس طریقے کے خلاف ہو جس پر آنحضرت ﷺ تھے۔ پھر خود حضرت عمرؓ نے جو

خليفة راشد تھے رمضان کی راتوں میں اس نماز کو باقاعدہ باجماعت مقرر کرنے کو بدعت کا نام دیا اور یہ نہیں کہا کہ یہ سنت ہے پس اس میں غور کرو علاوہ ازیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئی مقامات اور کئی مسائل میں شیخین کی مخالفت کی اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے اور برماوی نے اصول فقہ میں اپنی کتاب الفیہ کی شرح میں اس کلام کی خوب تحقیق کی ہے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا ہے کہ پہلی حدیث تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلفاء اربعہ جب کسی قول پر متفق ہوں تو وہ حجت ہے یہ نہیں کہ ان میں سے کوئی منفرد ہو تو وہ بھی حجت ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اقتداء بعینہ تقلید نہیں بلکہ اس سے الگ چیز ہے جیسا کہ ہم نے نظم الکافل کی شرح میں بحث اجماع میں اس کی تحقیق کی ہے۔“ (جلد ۲ ص ۱۱۰)

أَقُولُ: إِنَّ قَوْلَ الْبَيْهَقِيِّ: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ الْخ قَدْ وَقَعَ فِي سُبُلِ السَّلَامِ هَكَذَا: تَفَرَّدَ بِهِ الْمُغِيرَةُ بْنُ دِيَابٍ الْخ وَإِنَّمَا صَحَّحْنَاهُ نَحْنُ مِنْ كِتَابِ الْبَيْهَقِيِّ وَاعْلَمْ أَنَّ صَاحِبَ الْجَوْهَرِ النَّقِيِّ قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ حَدِيثًا فِي سَنَدِهِ الْمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ فَقَالَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ قُلْتُ: ضَعَّفَهُ فِي بَابِ تَرْكِ الْقَصْرِ وَقَالَ فِي بَابِ خَلِّ الْخَمْرِ: صَاحِبُ مَسَاكِيرٍ. وَقَدْ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِينٍ وَجَمَاعَةٌ فَلَمْ يَذْكُرِ الْبَيْهَقِيُّ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ. اهـ - وَفِيهِ أَنَّهُ لَا اغْتِرَاضَ عَلَى الْبَيْهَقِيِّ فِي عَدَمِ ذِكْرِهِ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَمْ يَلْتَزِمْ فِي هَذَا الْكِتَابِ اسْتِيعَابَ أَقْوَالِ جَمِيعِ الْمُعَدِّلِينَ وَالْجَارِحِينَ الْوَارِدَةِ فِي رَأْوٍ وَمَا ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِيُّ هُنَا فِي الْمُغِيرَةَ بْنِ زِيَادٍ إِنَّمَا هُوَ رَأْيُهُ فِيهِ فَلَوْ كَانَ ابْنُ التَّرْكَمَانِيِّ قَالًا إِنَّ الْبَيْهَقِيَّ قَدْ خَالَفَ رَأْيَهُ هَذَا فَوُثِّقَ الْمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ فِي بَابِ

كَذًا وَبَابِ كَذًا مِنْ هَذَا الْكِتَابِ أَوْ فِي كِتَابٍ وَتَصْنِيفٍ كَذًا مِنْ كُتُبِهِ
وَمُصَنَّفَاتِهِ لَكَانَ قَوْلُهُ مُتَّبِعًا فَتَدَبَّرْ ثُمَّ أَعْلَمُ أَنِّي لَا أَوْافِقُ صَاحِبَ سُبُلِ
السَّلَامِ فِي كُلِّ مَا قَالَهُ وَذَهَبَ إِلَيْهِ فِي بَابِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ .

”میں کہتا ہوں کہ بیہقی کا قول کہ اس میں مغیرہ بن زیاد متفرد ہے سب السلام
میں اس طرح آیا ہے کہ مغیرہ بن دیاب اس کے ساتھ متفرد ہے الخ یہ تصحیح
بیہقی کی کتاب سے ہم نے کی ہے اور جان لے کہ صاحب الجوہر النقی نے
کہا کہ پھر ایک حدیث ذکر کی ہے جس کی سند میں مغیرہ بن زیاد ہے اور کہا
ہے کہ وہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے اسے باب ترک القصر میں
ضعیف کہا ہے اور باب خل الخمر میں کہا کہ وہ منکر روایتوں والا ہے۔ حالانکہ
ابن معین اور ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا تو بیہقی نے اس بارے میں
کوئی بات ذکر نہیں کی۔ ابن ترکمانی کا کلام ختم ہوا۔ میں کہتا ہوں اس کلام
میں محل نظر یہ بات ہے کہ اگر بیہقی نے توثیق کا کوئی لفظ نقل نہیں کیا تو اس
میں ان پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں کسی
راوی کے بارے میں تمام معدلین اور جارحین کے اقوال ذکر کرنے کی
پابندی نہیں رکھی۔ بیہقی نے اس مقام پر مغیرہ بن زیاد کے متعلق جو ذکر کیا
ہے وہ اس کے بارے میں ان کی اپنی رائے ہے تو اگر ابن ترکمانی یہ کہتے
کہ بیہقی نے اپنی رائے کی خود مخالفت کی ہے چنانچہ مغیرہ بن زیاد کو اس
کتاب کے فلاں فلاں باب میں ثقہ قرار دیا ہے اور فلاں میں ضعیف یا اپنی
فلاں کتاب یا تصنیف میں اسے ثقہ کہا ہے اور فلاں میں ضعیف تو ابن ترکمانی
کی بات بن سکتی ہے اس لیے خوب غور کرو۔ آخر میں یاد رکھو کہ صاحب سبُلِ
السلام نے جو کچھ کہا ہے اور نماز تراویح کے متعلق جو راہیں اختیار فرمائی ہیں
میں ان میں سے ہر ایک میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہوں۔“

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۲ میں حضرت علیؑ کے اثر (بروایت ابی عبد الرحمن) سے اس بات پر استدلال کیا کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کی ہوئی جماعت تراویح کو توڑا نہیں بلکہ برقرار رکھا لہذا ابن تیمیہ کے نزدیک بھی یہ اثر صحیح ہے نیز حافظ ذہبی نے اپنے مختصر میں ابن تیمیہ کے اس استدلال پر ادنیٰ کلام نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ابن تیمیہ کا یہ استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں۔“ (ص ۱۹)

مصنف صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر بروایت ابی عبد الرحمن سلمیٰ کو قولاً صحیح قرار نہیں دیا ورنہ صاحب رسالہ ان کا قول تصحیح نقل فرماتے اور مذکورہ بالا طریق اختیار نہ کرتے پھر اگر حافظ ابن تیمیہ کے خیال میں اگر وہ اثر صحیح بھی ہو تو ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ اس کی سند میں حماد بن شعیب ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی ہی میزان میں لکھتے ہیں:

حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ نَحْوُ الْحَمَّانِ الْكُوفِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ وَغَيْرِهِ ضَعْفُهُ ابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ وَقَالَ يَحْيَى مَرَّةً لَا يَكْتُبُ حَدِيثَهُ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيهِ نَظَرٌ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيفٌ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ أَكْثَرُ حَدِيثِهِ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَمِنْ مَنَّا كِبَرِهِ مَا رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْهُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَاءَ إِلَّا بِمُسْزَرٍ قَالَ الْعُقَيْلِيُّ لَا يُتَابَعُهُ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ هُوَ دُونَهُ أَوْ مِثْلُهُ وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ لَيْسَ بِالْقَوِيٍّ. اهـ

”حماد بن شعیب حمانی کوفی، ابوالزبیر وغیرہ سے روایت کرتا ہے ابن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور یحییٰ نے ایک مرتبہ فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور بخاری نے کہا اس میں نظر ہے اور نسائی نے کہا

ضعیف ہے ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث ایسی ہیں کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی اور اس کی منکر روایات میں سے ایک وہ ہے جو ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے کہ وہ ابو الزبیر سے اور وہ جابر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص پانی میں تہ بند کے بغیر داخل ہو عقیلی نے کہا کہ اس روایت میں اس کی متابعت ایسے راوی کے علاوہ کوئی نہیں کرتا جو اس سے کمتر ہے یا اس جیسا ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں۔“ اھ

دیکھئے حافظ ذہبی نے میزان میں حماد بن شعیب کے ترجمہ میں جس قدر اقوال نقل فرمائے ہیں ان سب میں حماد بن شعیب کو ضعیف ہی قرار دیا گیا ہے اور انہوں نے اس راوی کے متعلق کسی محدث کا ایک جملہ بھی ایسا نقل نہیں فرمایا جس میں حماد بن شعیب کی توثیق ہو حالانکہ ان کی اس کتاب میں عادت یہ ہے کہ وہ راوی کے متعلق توثیق و تصحیف ہمہ قسم کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ حافظ ذہبی (جنہوں نے حماد بن شعیب کو میزان میں ضعیف قرار دیا) وہ حماد بن شعیب کی روایت کو صحیح یا حسن کیسے خیال کر اور کہہ سکتے ہیں تو منتنقی میں حماد بن شعیب کی روایت پر حافظ ذہبی کا سکوت اس کی روایت کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ وہ اسے میزان میں ضعیف قرار دے چکے ہیں اور ضعیف بھی وہ جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ”فیہ نظر“ اور بقول ابن ہمام رحمہ اللہ جس راوی کے متعلق امام بخاری فیہ نظر سے اظہار خیال فرمائیں اس راوی کی روایت نہ تو قابل احتجاج و استدلال نہ ہی قابل استشہاد اور نہ ہی قابل اعتبار ہوتی ہے۔

تو ظاہر ہوا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اگر حماد بن شعیب کی روایت سے احتجاج و استدلال فرمایا ہے تو ان کا یہ احتجاج و استدلال سرے سے درست ہی نہیں لما تقدم پھر استدلال تو حسن روایت سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ بعض کے نزدیک بعض مواضع میں

ضعیف روایت سے بھی استدلال درست ہے لہذا کسی عالم کے کسی روایت سے استدلال سے اس روایت کے اس عالم کے ہاں صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ثابت کیا جائے کہ وہ عالم صحیح کے سوا کسی اور روایت سے استدلال نہیں کرتا نہ حسن سے اور نہ ہی ضعیف سے تو صاحب رسالہ کو چاہیے کہ وہ ثابت فرمائیں کہ حافظ ابن تیمیہ جس روایت سے استدلال فرمائیں وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہی ہوتی ہے نہ حسن اور نہ ضعیف پھر وہ ان کے حماد بن شعیب کی روایت سے استدلال کرنے سے اس کی روایت کو ان کے نزدیک صحیح قرار دینے میں حق بجانب تصور کئے جائیں گے تاہم ان کی اس ساری کاوش سے جو بات ثابت ہوگی وہ صرف یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں جس سے مسئلہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وہ روایت واقع میں قابل احتجاج نہیں اور نہ ہی شواہد ومتابعات میں پیش ہونے کے قابل۔ حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

”علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح ہونے کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد اور ان کے مستقر خلافت کوفہ میں رہتے تھے آپ کے بعد وہ بھی بیس رکعتیں پڑھتے تھے چنانچہ شتیر بن شکل سوید بن غفلہ، عبدالرحمان بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن اور علی بن ربیعہ جیسے جلیل القدر تابعین بھی اسی تعامل کی پابندی کرتے رہے۔“ (ص ۱۹، ۲۰)

① اولاً: شتیر بن شکل کے اثر پر کچھ کلام تو گزر چکا اسے ملاحظہ فرمائیں مزید برآں یہ کہ اس کی سند میں عبداللہ بن قیس راوی مجہول ہے چنانچہ میزان میں لکھا ہے:

”عَبْدُ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يُدْرِي مَنْ هُوَ تَفَرَّدَ عَنْهُ أَبُو اسْحَاقَ“۔ اھ

”عبداللہ بن قیس، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ

کون ہیں ان سے روایت میں ابواسحاق متفرد (اکیلے) ہیں۔“ اھ
اور تقریب میں ہے:

”عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ مَجْهُولٌ مِنَ الثَّالِثَةِ“
”عبداللہ بن قیس ابن عباس سے ان کا قول روایت کرتے ہیں مجہول میں
تیسرے طبقے سے۔“ اھ

نیز اس کی سند میں ابواسحاق ہے اور ان کی بابت تقریب میں ہے:
”عَمُرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْهَمْدَانِيُّ أَبُو إِسْحَاقَ السَّبْعِيُّ بِفَتْحِ الْمُهِمْلَةِ
وَكُسْرِ الْمُوَحَّدَةِ مُكْثَرٌ ثَقَّةٌ عَابِدٌ مِنَ الثَّالِثَةِ اخْتَلَطَ بِآخِرِهِ“ اھ
”عمرو بن عبداللہ ہمدانی ابواسحاق سبعی سین کی فتح اور باء کے کسرہ کے
ساتھ بہت احادیث بیان کرنے والے ثقہ عابد ہیں تیسرے طبقے سے ہیں
آخر عمر میں غلط ہو گئے۔“ اھ

اور میزان میں ہے:

أَبُو إِسْحَاقَ السَّبْعِيُّ مِنْ أَيْمَةِ التَّابِعِينَ بِالْكُوفَةِ وَأَبْنَاؤُهُمْ إِلَّا أَنَّهُ
شَاخٌ وَنَسِيَ وَلَمْ يَخْتَلِطْ وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَقَدْ تَغَيَّرَ
قَلِيلًا وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ ثَقَّةٌ يُشَبِّهُ الزُّهْرِيَّ فِي الْكُثْرَةِ وَقَالَ فَضِيلُ بْنُ
غَزْوَانَ: كَانَ أَبُو إِسْحَاقَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ ثَلَاثٍ وَقَالَ غَيْرُهُ:
كَانَ أَبُو إِسْحَاقَ صَوَامًا قَوَامًا. قُلْتُ: وَلَدٌ فِي أَيَّامِ عُثْمَانَ وَرَأَى
عَلِيًّا وَأَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَفَرَضَ لَهُ مُعَاوِيَةُ الْعَطَاءَ ثَلَاثِمِائَةٍ فِي الشَّهْرِ
وَرَوَى جَرِيرٌ عَنْ مُعِيرَةَ قَالَ: مَا أَفْسَدَ حَدِيثُ أَهْلِ الْكُوفَةِ غَيْرَ أَبِي
إِسْحَاقَ وَالْأَعْمَشِ. وَقَالَ الْفَسَوِيُّ: قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا
أَبُو إِسْحَاقَ فِي الْمَسْجِدِ لَيْسَ مَعَنَا ثَالِثٌ وَقَالَ الْفَسَوِيُّ: فَقَالَ
بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: كَانَ قَدْ اخْتَلَطَ وَإِنَّمَا تَرَكُوهُ مَعَ ابْنِ عُيَيْنَةَ

لاختلاطه . اه و قَالَ صَاحِبُ تُحْفَةِ الْأَحْوَذِيِّ بَعْدَ نَقْلِ عِبَارَةِ
التَّقْرِيبِ الْمَاضِيَةِ: وَقَالَ فِي الْخُلَاصَةِ: أَحَدُ أَعْلَامِ التَّابِعِينَ قَالَ
أَبُو حَاتِمٍ: ثَقَّةٌ يُشَبِّهُ الزُّهْرِيَّ فِي الْكَثْرَةِ: وَقَالَ حُمَيْدُ الرَّوَاسِي
سَمِعَ مِنْهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ بَعْدَ مَا اخْتَلَطَ: انْتَهَى قُلْتُ: هُوَ مُدْلِسٌ صَرَحَ
بِهِ الْحَافِظُ فِي طَبَقَاتِ الْمُدْلِسِينَ . اه

ابو اسحاق سمعی کوفہ کے ائمہ تابعین اور پختہ راویوں سے ہیں مگر وہ بوڑھے
ہو گئے تھے اور انہیں نسیان (بھول) ہو گیا تھا اور مختلط نہیں ہوئے اور سفیان
ابن عیینہ نے ان سے اس حال میں سنا کہ ان میں کچھ تغیر آچکا تھا اور ابو حاتم
نے کہا کہ وہ ثقہ ہے کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور فضیل بن
غزو ان نے کہا کہ ابو اسحاق قرآن مجید ہر تین دن میں پڑھ لیتے تھے اور اس
کے غیر نے کہا کہ ابو اسحاق بہت روزے رکھنے والے اور بہت قیام کرنے
والے تھے۔ میں کہتا ہوں حضرت عثمانؓ کے دور میں پیدا ہوئے اور حضرت
علی اور اسامہ ابن زیدؓ کو دیکھا اور حضرت معاویہؓ نے ان کا ماہانہ وظیفہ
تین سو مقرر فرمایا اور جریر نے مغیرہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل
کوفہ کی حدیث ابو اسحاق اور اعمش کے علاوہ کس قدر خراب ہے اور فسوی
نے کہا کہ ابن عیینہ نے کہا کہ ہمیں ابو اسحاق نے مسجد میں حدیث بیان کی
ہمارے پاس کوئی تیسرا شخص نہ تھا اور فسوی نے کہا تو بعض اہل علم نے کہا کہ
وہ مختلط ہو گیا تھا اور محدثین نے اسے ابن عیینہ کے ساتھ ہونے کی صورت
میں اس کے اختلاط کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اه۔ اور صاحب تحفۃ الاحوذی
نے تقریب کی گزشتہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ خلاصہ میں کہا ہے
کہ وہ جلیل القدر تابعین میں سے ایک ہے ابو حاتم نے کہا کہ وہ ثقہ ہے جو
کثرت روایت میں زہری کے مشابہ ہے اور حمید رواسی نے کہا ہے کہ ابن

عینہ نے اس سے اس کے اختلاط کے بعد سنا ہے۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ وہ مدلس ہے حافظ نے اس کی تصریح طبقات المدلسین میں کی ہے۔ اھ
تو اس اثر کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن قیس تو مجہول ہے اور ایک اور راوی ابواسحاق مغلط اور مدلس ہے جو اس اثر کو بصیغہ عن روایت کر رہا ہے مغلط اور مدلس کی روایت کا حکم از روئے اصول حدیث پہلے بیان ہو چکا ہے۔

② وثانیاً: حضرت سدید بن غفلہ کا اثر نقل کرنے کے بعد صاحب آثار السنن لکھتے ہیں:

”رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ“ (اسے بیہقی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے) اور امام بیہقی خود فرماتے ہیں: ”وَفِي ذَلِكَ قُوَّةٌ“ (اور اس میں قوت ہے) مگر اس اثر کے راوی ابوالخصیب سے متعلق میزان میں ہے: ”زِيَادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَبُو الْخَصِيبِ تَابِعِيٌّ بَصْرِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَا يُعْرَفُ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ“ (زیاد بن عبد الرحمان ابوالخصیب تابعی بصری ابن عمر سے روایت کرتا ہے۔ معروف نہیں اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے) اور اس کے بعد صاحب میزان ہی کئی کے حصہ میں لکھتے ہیں:

”أَبُو الْخَصِيبِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ يُقَالُ اسْمُهُ زِيَادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَبْسِيُّ تَفَرَّدَ عَنْهُ عَقِيلُ بْنُ طَلْحَةَ حَدِيثُهُ فِي النَّهْيِ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ مَكَانَ مَنْ يَقُومُ لَهُ. اھ

قُلْتُ: قَدْ رَوَى عَنْ أَبِي الْخَصِيبِ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَيْضًا فَلَمْ يَتَفَرَّدْ عَنْهُ عَقِيلُ بْنُ طَلْحَةَ، وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ أَبُو الْخَصِيبِ الْبَصْرِيُّ مَقْبُولٌ مِنَ الرَّابِعَةِ“. اھ

”ابوالخصیب‘ ابن عمر سے روایت کرتا ہے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زیاد بن عبد الرحمان العبسی ہے عقیل بن طلحہ ان سے وہ روایت کرنے میں منفرد ہیں جس میں منع کیا گیا ہے کہ آدمی اس شخص کی جگہ

بیٹھے جو اس کی خاطر اٹھے۔“ اھ

میں کہتا ہوں کہ ابوالخصیب سے جعفر بن عون نے بھی روایت کی ہے تو عقیل بن طلحہ روایت میں ان سے متفرد نہ رہے اور حافظ نے تقریب میں فرمایا کہ ابوالخصیب بصری مقبول ہے چوتھے طبقہ سے ہے۔“ اھ

③ وثالثاً: حضرت علی بن ربیعہ کے اثر کی سند کو صاحب آثار السنن نے صحیح قرار دیا ہے۔ رہے عبدالرحمان بن ابی بکرہ اور سعید بن ابی الحسن کے دو اثر تو حضرت المؤلف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان دونوں اثروں کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں کیونکہ وہ ساری کتابیں پاس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی سندیں نہیں دیکھ سکا۔

④ واربعا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند ایک صحبت یافتہ بزرگوں کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی بیس پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی صاحب خاص یا عام کو بیس پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان بزرگوں کے مذکورہ آثار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح کیا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں چہ جائیکہ وہ اس کے صحیح ہونے کا زبردست قرینہ ہوں بلکہ وہ تو ان بزرگوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے صحیح یا حسن ہونے کا بھی قرینہ نہیں ایسے قرینوں کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب خاص اور ان کے تبعین کا بیس رکعت کے اختیار کرنے پر یہ اتفاق اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔“ (ص ۲۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص اور تبعین صرف پانچ ہی نہیں بہت زیادہ ہیں لہذا صرف ان پانچ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب خاص اور تمام تبعین کے بیس رکعات اختیار کرنے پر اتفاق پر دلالت نہیں کرتا

جب کہ ان پانچ میں سے کچھ بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا ثابت ہی نہیں۔ پھر ان چند بزرگوں کا بیس رکعات اختیار کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کو یا کسی اور کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دینے کی بھی دلیل نہیں یقینی اور ناقابل تردید دلیل ہونا تو دور کی بات ہے پھر مصنف صاحب کے اس طرز استدلال کو لے کر کوئی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب خاص کا بیس رکعات کو اختیار کرنا ناقابل تردید دلیل ہے اس بات کی کہ انہوں نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو آخر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خاص سے تھے تو ان کا بیس رکعات پڑھنے کا حکم دینا کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ نے یقیناً بیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خاص سے تھے اور گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ان سے ثابت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم آخر کیوں ناقابل تردید دلیل نہیں اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ نے یقیناً گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا؟

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ کا حکم دینا ثابت ہے جب کہ حضرت علیؑ سے بیس کا حکم دینا ثابت ہی نہیں کما ولما تقدم حضرت المؤلف نے اس قسم کے دلائل، قرآن اور مؤیدات کافی بیان فرمائے ہیں مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اس قسم کے دلائل، قرآن اور مؤیدات کا علمی دنیا میں ذرہ بھی وزن نہیں بلکہ یہ تو اس قابل ہی نہیں کہ انہیں دلائل، قرآن اور مؤیدات ایسے ناموں سے موسوم کیا جائے قدر۔

⑩ اہل مکہ کا تعال:

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

”رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ بْنِ طَرِيقٍ عَطَاءٌ قَالَ أَدْرَكْتُهُمْ فِي رَمَضَانَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَثَلَاثَ رَكْعَاتٍ الْوُتْرَ“.

”(محمد بن نصر نے عطاء کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں

نے لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت نماز اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا۔“

عطاء بن ابی رباح مکہ معظمہ کے رہنے والے جلیل القدر تابعی ہیں وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۷ھ میں ہوئی اور ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ (ص ۲۱)

حضرت المؤلف نے عطاء بن ابی رباح کا جو سنہ ولادت ذکر فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عطاء نے نہ تو عہد صدیقی پایا، نہ ہی عہد فاروقی اور عہد عثمانی کے اختتام کے وقت وہ کوئی اٹھ سال کے بچے تھے اور عہد علوی کے انصرام کے وقت وہ کوئی تیرہ سال کے بچے تھے پھر حضرت عطاء کے اس اثر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جن لوگوں کو انہوں نے بیس رکعات پڑھتے پایا وہ صحابہ تھے یا تابعین پھر اس میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ باجماعت پڑھتے تھے یا اکیلے اکیلے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

”عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ بَعْضَ أَمْرَاءِ هُمْ مُعَاوِيَةَ أَوْ غَيْرَهُ أَرَادَ جَمْعَ أَهْلِ مَكَّةَ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ فَقَالَ مَكْرَهُ كَرْنِسٍ لَا تَفْعَلْ دَعِ النَّاسَ مَنْ شَاءَ طَافَ وَمَنْ شَاءَ صَلَّى بِصَلَاةِ الْقَارِيِّ“

(ج ۲ ص ۲۶۲-۲۶۳ ح ۷۷۳۷)

ابن جریج سے روایت ہے وہ عطاء سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے بعض امراء حضرت معاویہ یا کسی اور نے ارادہ کیا کہ اہل مکہ کو ایک قاری پر جمع کر دیں تو مکہ کرنس نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں لوگوں کو رہنے دیں جو چاہے طواف کرے اور جو چاہے قاری کے ساتھ نماز پڑھے تو اس امیر نے ایسا ہی کیا۔“

(ج ۲ ص ۲۶۲-۲۶۳ حدیث ۷۷۳۷)

اس اثر سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عطاء کے زمانہ اور امیر معاویہ کے دور تک اہل مکہ کو سرکاری طور پر ایک قاری کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کرنے کا پابند نہیں

کیا گیا تھا۔ تو حضرت عطاء کے مذکور بالا اثر سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگ ان کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے البتہ ان کے اس اثر سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا اور نہ ہی اس دور کے تمام لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا اس سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف لکھتے ہیں:

”رَوَى أَبُو بَكْرٍ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً (آثار السنن)۔“

”ابو بکر بن شیبہ نے وکیع سے روایت کی انہوں نے نافع بن عمر سے کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے۔“

ابن ابی ملیکہ جلیل القدر تابعی مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں ان کی ملاقات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اب ظاہر ہے کہ خلافت راشدہ کے حالات سے یہ پورے آگاہ تھے عبد اللہ بن الزبیر کے دو میں ان کی تقرری عہدہ قضاء پر ہوئی شرح صحیح مسلم نووی ص ۱۰۱ ان کے عمل سے اہل مکہ کے طرز عمل پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ ابن ابی ملیکہ کی وفات ۷۱ھ میں ہوئی نیز یہ دونوں بزرگ عہد عثمانی کے آخری دور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے دور سے واقف ہیں لہذا عطاء بن ابی رباح کی روایت سے صحابہ کے تعامل پر روشنی پڑتی ہے۔“ (ص ۲۰، ص ۲۱)

① اولاً: نافع بن عمر صحابی نہیں اور نہ ہی ابن ابی ملیکہ صحابی ہیں تو حضرت نافع ابن

عمر کے بیان ”ابن ابی ملیکہ رمضان میں ہمیں بیس رکعات پڑھاتے تھے“ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام اس دور میں بیس رکعات پڑھتے یا پڑھاتے تھے۔

② وثانیاً: ابن ابی ملیکہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات درست اور مسلم لیکن اس

ملاقات سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات پڑھتے تھے یا انہوں نے کسی کو بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کا حکم دیا تھا جب کہ اسلاف کی

نفل عبادت میں تفاوت وقوع پذیر ہے بلکہ واقع ہے کہ مقدم و سیاتی ہاں صاحب رسالہ نے ملاقات پر لے لگا کر حاشیہ میں لکھا ہے ”انہیں حضرت عثمان بن عفان کی رویت کا شرف نصیب ہوا“ (لہوداؤد) اگر حضرت المولف نے اس رویت سے اس ملاقات کا اثبات فرمایا ہے تو پھر ان کا یہ اثبات محل نظر ہے۔

③ وثالثاً: یہ بھی مسلم کہ تقریباً نصف خلافت راشدہ (عہد عثمانی کے آخری دور اور عہد علوی کے پورے دور) کے حالات سے وہ آگاہ اور واقف تھے مگر ان کا بیس رکعات نوافل پڑھنا حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور ان کے دور کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا پڑھنے پڑھانے کا حکم دینے کی دلیل نہیں۔

④ ورابعاً: بیس رکعات پڑھنے پڑھانے والے حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں عہدہ قضاء پر تقرری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے یا بیس رکعات کا حکم دینے کے لیے ثبت نہیں۔

⑤ وخامساً: حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ کے مذکورہ بالا دو اثر صحابہ کے بیس رکعات پڑھنے پڑھانے کی دلیل نہیں اور نہ ہی خلفاء راشدین کے بیس پڑھنے پڑھانے یا بیس کا حکم دینے کی دلیل ہیں اور اگر ان دو بزرگوں کی خلافت راشدہ کے تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہی و واقفیت ان کے عمل (بیس رکعات خلفاء راشدین کی سنت ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت اسود بن یزید کے عمل چالیس رکعات کو بھی خلفاء راشدین کی سنت قرار دینا ہوگا کیونکہ حضرت عطاء اور حضرت ابن ابی ملیکہ تو خلافت راشدہ کے آخری تقریباً نصف دور کے حالات سے آگاہ و واقف تھے لیکن چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر بلکہ اجل القدر مخضرم تابعی حضرت اسود ابن یزید تو خلافت راشدہ کے پورے دور کے حالات سے صرف آگاہ و واقف ہی نہ تھے بلکہ انہوں

نے خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل کی پھر خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے حدیث سننے پھر روایت کرنے کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا تو بانداز مؤلف ان کا یہ عمل چالیس رکعات اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین نے یقیناً حضرت اسود بن یزید کو چالیس رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

پھر چالیس رکعات پڑھنے والے جلیل القدر تابعی حضرت اسود بن یزید نے عہد نبوی کے آخری ایام پائے مگر ان کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ انہیں کثیر التعداد صحابہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے والے اثر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

نیز انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے پورے دور پائے اور وہ ان دونوں کے دوروں کے حالات سے پوری طرح آگاہ بھی تھے لہذا ان کے اس طرز عمل سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، امیر معاویہؓ اور ان کے دور کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے پھر امام مالک کا بیان ”یوم حرہ“ سے قبل سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں اڑتیس رکعات اور وتر پر عمل ہو رہا ہے“ سے بھی مذکورہ بالا دلیل کی کچھ نہ کچھ تائید ہوتی ہے۔

پھر حضرت اسود بن یزید کی وفات کوفہ میں ۴۷ھ یا ۵۷ھ میں ہوئی تو ان کے اثر سے اہل کوفہ تعامل سمجھنے میں بھی کچھ نہ کچھ مدد ملتی ہے نیز یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب خاص میں سے تھے جو صاحب فتویٰ تھے تو ان کے چالیس رکعات پڑھنے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تعامل کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

نیز ان کا یہ تعامل حضرت ابی بن کعب کے اکتالیس والے اثر (جس کی طرف جامع ترمذی میں ”علی ما روی عن ابی بن کعب“ کے الفاظ سے اشارہ کیا

گیا ہے) کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت ہے۔ یاد رہے حضرت اسود بن یزید کے چالیس رکعات والے اثر پر یہ ساری تقریر مصنف صاحب کے انداز پر ہے اور وہ اسے ناقابل تردید اور قوی دلائل سے شمار کرتے ہیں جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے ورنہ ہمارے نزدیک علمی دنیا میں ایسے دلائل کا کوئی وزن نہیں اور حضرت اسود بن یزید کا چالیس رکعات والا اثر عمدۃ القاری میں موجود ہے چنانچہ آگے آ رہا ہے۔

⑥ وسادسا: یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کسی ایک بھی خلیفہ راشد کا بیس رکعات پڑھنا پڑھانا یا بیس کا کسی کو حکم دینا ثابت نہیں تو اگر بعض صحابہ بیس رکعات پڑھتے بھی ہوں تو ان کے بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا سنت نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے بیس پڑھنے سے بیس کا خلفاء راشدین کی سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں: ”محولہ بالا آثار کے صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی نے (سنن ترمذی کے مصنف) ترمذی میں فرمایا ہے کہ: ”أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رُكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُبَارَكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَهَكَذَا أَذْرَكْتُ بِلَدْنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رُكْعَةً“

”اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے جو حضرت علی اور عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے یعنی بیس رکعت اور یہی قول سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں پایا کہ لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے“۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحت و سقم کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ترمذی جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ

حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں؟

سَتُبْدِي لَكَ الْيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا

وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ (ص ۲۱)

”غزیرب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دے گا جس سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے لوگ آ کر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زادراہ دے کر نہیں بھیجا“

① اولاً: اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فن حدیث کے مسلم الامامہ جلیل القدر امام ہیں مگر ان کا قول ”واکثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما الخ“ محولاً بالا آثار کے صحیح ہونے کی شہادت ہے نہ حسن ہونے کی صحیح ہونے کی پر زور شہادت ہونا تو دور کی بات ہے کیونکہ اصول حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی امام حدیث کا کسی حدیث یا اثر کو روایت کرنا اس حدیث یا اثر کے صحیح یا حسن ہونے کی شہادت نہیں الا یہ کہ وہ امام حدیث فرمادیں کہ جس حدیث یا اثر کو وہ روایت کریں وہ حدیث یا اثر ان کے نزدیک صحیح ہوتا ہے یا حسن اور ظاہر ہے کہ امام ترمذی نے جامع ترمذی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے محولہ بالا آثار کو انہوں نے اپنی کتاب جامع میں روایت بھی نہیں کیا صرف اتنے لفظ بولے ہیں۔ ”ما روى عن علي وعمر وغيرهما الخ“ اگر انہوں نے حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کے محولہ آثار کو جامع ترمذی میں روایت کیا ہوتا تو پھر حضرت المؤلف صاحب آثار السنن اور دیگر علماء کرام کو ان محولہ بالا آثار کا حوالہ دینے کے سلسلہ میں فن حدیث کے مسلم الثبوت امام کی تالیف کردہ صحاح ستہ کی معتبر و مستند کتاب جامع ترمذی چھوڑ کر سنن کبریٰ کتاب المعرفة للبیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور قیام اللیل للمروزی ایسی کتابوں کے نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

② وثانیاً: امام ترمذی اپنی کتاب میں فی الباب کہہ کر ایک مضمون کی کئی احادیث کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں مثلاً باب رفع الیدین عند الركوع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

”وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي أُسَيْدٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَجَابِرِ بْنِ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيِّ“

”اور اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، وائل بن حجرؓ، مالک بن حویرثؓ، انسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو حمیدؓ، ابواسیدؓ، سہل بن سعدؓ، محمد بن مسلمہؓ، ابو قتادہؓ، ابوموسیٰؓ، اشعریؓ، جابر اور عمیر لیشیؓ کی احادیث موجود ہیں۔“

تو اب عالم تو عالم کوئی طفل مکتب فن حدیث بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ان چودہ صحابہ کی احادیث در باب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں فرمایا ہے:

”وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ الْخ“ البتہ جو حضرات گرامی امام ترمذی کے قول ”ما روٰی عن علی وعمر وغیرہما الخ“ کو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے محولہ بالا آثار در باب تراویح کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت قرار دیتے ہوں ان کو چاہیے کہ وہ امام ترمذی ہی کے قول ”وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ الْخ“ کو بھی ان چودہ صحابہ کی احادیث در باب رفع الیدین کے صحیح ہونے کی پرزور شہادت قرار دیں۔ کیونکہ امام صاحب اس مقام پر بھی تو یہی فرما رہے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث ان چودہ صحابہ سے بھی مروی ہیں جیسے کہ باب قیام رمضان میں انہوں نے فرمایا کہ بیس رکعات کے آثار حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان کے ایک قول کو صحت کی پرزور شہادت قرار دینا اور دوسرے قول کو صحت کی پرزور

شہادت قرار نہ دینا انصاف نہیں۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ باب قیام رمضان میں تو امام صاحب نے اکثر اہل علم کا قول بھی نقل فرمایا ہے تو ان صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر اہل علم یا اقل اہل علم کا قول و مذہب کسی حدیث و اثر کے صحیح یا ضعیف ہونے کی شہادت نہیں کیا سیتی پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہل علم کا قول و مذہب تو بیان فرمایا مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کا اپنا قول و مذہب کیا تھا؟ آیا وہ خود اکثر اہل علم کے قول و مذہب پر تھے یا اسحاق بن راہویہ اور اہل مدینہ منورہ کے قول و مذہب اکتالیس رکعات پر تھے؟

③ وثالثاً: امام ترمذی ہی فرماتے ہیں:

”وَ اٰخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ اَنْ يُصَلِّيَ اِحْدَى وَاَرْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الْوُتْرِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰی هَذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ“

”اہل علم نے قیام رمضان کے متعلق اختلاف فرمایا ہے بعض کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعت پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے ہاں اسی پر عمل ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

”وَقَالَ اسْحَاقُ: بَلْ نَخْتَارُ اِحْدَى وَاَرْبَعِينَ عَلٰی مَا رَوٰى عَنْ اَبِيْ بِنِ كَعْبٍ“

”اور اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس رکعت کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب سے روایت کی گئی ہے۔“

اور علامہ عینی امام ترمذی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ذَكَرَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْاُسْتِذْكَارِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ كَانَ يُصَلِّيُ اَرْبَعِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِسَبْعٍ هَكَذَا ذَكَرَهُ وَلَمْ يَقُلْ اِنَّ الْوُتْرَ مِنْ

الْأَرْبَعِينَ وَقِيلَ ثَمَانٍ وَثَلَاثُونَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ
 أَيْمَنَ عَنْ مَالِكٍ قَالَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُومَ النَّاسُ فِي رَمَضَانَ بِثَمَانٍ
 وَثَلَاثِينَ رَكْعَةً ثُمَّ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ يُؤْتِرُ بِهِمْ بِوَاحِدَةٍ قَالَ
 وَهَذَا الْعَمَلُ بِالْمَدِينَةِ قَبْلَ الْحَرَّةِ مِنْذُ بَضْعِ وَمِائَةِ سَنَةٍ إِلَى الْيَوْمِ.
 هَكَذَا رَوَى ابْنُ أَيْمَنَ عَنْ مَالِكٍ وَكَانَهُ جَمَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوُتْرِ مَعَ
 قِيَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهُمَا مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَالْأَوَّلُ الْمَشْهُورُ عَنْ مَالِكٍ
 سِتٌّ وَثَلَاثُونَ وَالْوُتْرُ بِثَلَاثٍ وَالْعَدَدُ وَاحِدٌ.

(عمدة القاری ج ۵ ص ۳۵۶-۳۵۷)

”ابن عبد البر نے استدکار میں ذکر کیا ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعت
 پڑھتے تھے اور سات وتر پڑھتے تھے انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ
 نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔ بعض نے کہا کہ اڑتیس رکعات
 پڑھے اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا
 کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعات
 قیام کریں پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں۔ پھر امام انہیں ایک رکعت وتر
 پڑھائے اور یہ عمل مدینہ میں حرہ سے پہلے سے لے کر آج تک ایک سو کئی
 برس سے آرہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے یہ روایت اسی طرح بیان کی
 ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر میں سے دو رکعتیں قیام رمضان کے
 ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان کا نام قیام رمضان رکھ دیا ہے ورنہ امام مالک
 کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ چھتیس رکعتیں اور تین وتر پڑھے جائیں۔ دونوں
 صورتوں میں کل تعداد ایک ہی ہے۔“ (عمدة القاری ص ۳۵۶-۳۵۷ جلد ۵)

تو اب اگر حضرت المولف کا طریقہ اپنایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ستائیس
 اکتائیس اور انتائیس رکعات والے آثار صحیح ہونے کی ایک پرزور شہادت یہ بھی ہے

کہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی، حافظ ابن عبد البر اور محمد ابن نصر مروزی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”وَقَالَ إِسْحَاقُ: بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَارْبَعَيْنِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ“ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعِينَ رَكْعَةً الْخ“ عَنْ مَالِكٍ قَالَ الْخ“.

”اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکتالیس کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب سے روایت کی گئی ہے۔ اسود بن یزید سے ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے الخ مالک سے ہے کہ انہوں نے کہا الخ“۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح و سقیم ہونے کا علم یا ان کے نقد کا سلیقہ امام مالک، امام ترمذی، محمد بن نصر مروزی اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل کتب ہیں:

سَتُبْدِي لَكَ الْآيَامَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا

وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدْ

”عنقریب زمانہ تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دے گا جس سے تو واقف نہ تھا اور ایسے ایسے لوگ آ کر تجھے خبریں بتائیں گے جنہیں تو نے زور راہ دے کر نہیں بھیجا“

④ واربعا: امام ترمذی کا بیان یہ نہیں کہ بیس رکعات کا سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین ہونا سفیان ثوری عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا قول و مذہب ہے اور نزاع تو بیس رکعات کے سنت نبویہ اور سنت خلفاء راشدین ہونے میں ہے نہ کہ اقل یا اکثر اہل علم کے بیس یا بیس سے کم و بیش رکعات پڑھنے پڑھانے میں ہاں اگر سفیان بن سعید ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام ترمذی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے بیس

رکعات کو سنت نبویہ یا سنت خلفاء راشدین سمجھنے کی کوئی دلیل ہو تو صاحب رسالہ وہ دلیل بیان فرمائیں۔

⑤ وخامسا: سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل عمل کا قول ”میں رکعات نماز تراویح“ اس بات کی شہادت و دلیل نہیں کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں کیونکہ حافظ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں:

إِذَا رَوَى الْعَدْلُ عَنْ رَجُلٍ وَسَمَاهُ لَمْ يُجْعَلْ رِوَايَتُهُ عَنْهُ تَعْدِيلًا مِنْهُ لَهُ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَبَعْضُ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ يُجْعَلُ ذَلِكَ تَعْدِيلًا مِنْهُ لَهُ لِأَنَّ ذَلِكَ يَتَضَمَّنُ التَّعْدِيلَ وَالصَّحِيحُ هُوَ الْأَوَّلُ لِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَرَوِيَ عَنْ غَيْرِ عَدْلٍ فَلَمْ يَتَضَمَّنْ رِوَايَتُهُ عَنْهُ تَعْدِيلَهُ وَهَكَذَا نَقُولُ: إِنَّ عَمَلَ الْعَالِمِ أَوْفِيَّاهُ عَلَى وَفْقِ حَدِيثٍ لَيْسَ حُكْمًا مِنْهُ بِصَحَّةِ ذَلِكَ الْحَدِيثِ وَكَذَلِكَ مُخَالَفَتُهُ لِلْحَدِيثِ لَيْسَتْ قَدْحًا مِنْهُ فِي صَحَّتِهِ وَلَا فِي رَاوِيهِ “ (علوم الحديث لابن الصلاح) أَقُولُ وَالْمُرَادُ بِالصَّحَّةِ فِي كَلَامِهِ هَذَا مَا يُقَابِلُ الضُّعْفَ وَهُوَ يَشْمَلُ الصَّحَّةَ وَالْحَسْنَ فَتَأَمَّلْ .

”جب عدل راوی کسی شخص سے روایت بیان کرے اور اس کا نام بھی ذکر کرے تو اکثر علماء اہل حدیث اور دوسرے علماء کے نزدیک عادل راوی کا اس شخص سے روایت کرنا اس عادل کی طرف سے اس شخص کی توثیق نہیں سمجھا جائے گا اور شافعی کے بعض اصحاب اس عادل کے روایت کرنے کو اس کی توثیق قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے ضمن میں اس کی تعدیل بھی آ جاتی ہے اور صحیح بات پہلی ہے کیونکہ غیر عدل سے اس کا روایت کرنا جائز ہے اس لیے اس کے روایت کرنے سے اسے عادل قرار دینا لازم نہیں آتا اور اسی

طرح ہم کہتے ہیں کہ عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل کرنا یا فتویٰ دینا اس عالم کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا نہیں ہے اور اسی طرح کسی امام کا کسی حدیث کے مخالف عمل کرنا اس امام کی طرف سے اس حدیث پر یا اس کے راوی پر عیب نہیں سمجھا جائے (علوم الحدیث) میں کہتا ہوں ابن صلاح کے کلام میں صحت سے مراد وہ ہے جو ضعف کے مقابلہ میں ہے اس لیے اس میں صحیح اور حسن ہونا دونوں شامل ہیں پس غور کیجیے۔

”اور اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ لہذا مذکورہ بالا بزرگوں اور اکثر اہل علم کے قول ”بیس رکعات“ سے ثابت کرنا کہ محولہ بالا آثار ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں درست نہیں اسی سلسلہ میں مزید تفصیل سے سنئے تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے:

”وَعَمَلُ الْعَالِمِ وَفُتْيَاهُ عَلَى وَفْقِ حَدِيثٍ رَوَاهُ لَيْسَ حُكْمًا، مِنْهُ (بِصَحَّتِهِ) وَلَا بِتَعْدِيلِ رَوَاتِهِ لِامْكَانِ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مِنْهُ اِحتِطَاً أَوَّلِدَلِيلٍ آخَرَ وَافَقَ ذَلِكَ الْخَبَرَ وَصَحَّحَ الْأَمْدِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْأُصُولِيِّينَ أَنَّهُ حَكَمَ بِذَلِكَ وَقَالَ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَسَالِكِ الْاِحتِطَاِ وَفَرَّقَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ بَيْنَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ وَغَيْرِهِ (وَلَا مُخَالَفَتُهُ) لَهُ (قَدْحٌ) مِنْهُ (فِي صَحَّتِهِ وَلَا فِي رَوَاتِهِ) لِامْكَانِ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ لِمَنْعٍ مِنْ مُعَارِضٍ أَوْ غَيْرِهِ وَقَدْ رَوَى مَا لَكَ حَدِيثُ الْخِيَارِ وَلَمْ يَعْمَلَ بِهِ لِعَمَلِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بِخِلَافِهِ وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ قَدْحًا فِي نَافِعِ رَاوِيهِ. وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ نَظَرًا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْبَابِ غَيْرُ ذَلِكَ الْحَدِيثِ وَتَعَرَّضَ لِلْاِحتِجَاجِ بِهِ فِي فُتْيَاهُ أَوْ حَكْمِهِ أَوْ اسْتَشْهَدَ بِهِ عِنْدَ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَاهُ قَالَ الْعِرَاقِيُّ: وَالْجَوَابُ أَنَّهُ لَا يُلْزَمُ مِنْ كَوْنِ ذَلِكَ

الْبَابِ لَيْسَ فِيهِ غَيْرُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنْ لَا يَكُونَ ثُمَّ دَلِيلٌ آخَرُ مِنْ قِيَاسٍ أَوْ إِجْمَاعٍ وَلَا يُلْزَمُ الْمُفْتَى أَوْ الْحَاكِمُ أَنْ يَذْكُرَ جَمِيعَ أدْلَتِهِ بَلْ وَلَا بَعْضَهَا وَلَعَلَّ لَهُ دَلِيلًا آخَرَ وَاسْتَأْنَسَ بِالْحَدِيثِ الْوَارِدِ فِي الْبَابِ وَرُبَّمَا كَانَ يَرَى الْعَمَلَ بِالضَّعِيفِ وَتَقْدِيرَهُ عَلَى الْقِيَاسِ كَمَا تَقَدَّمَ (تنبيه) مِمَّا لَا يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ الْحَدِيثِ أَيْضًا كَمَا ذَكَرَهُ أَهْلُ الْأُصُولِ مُوَافَقَةً لِإِجْمَاعٍ لَهُ عَلَى الْأَصَحِّ لِحُجُوزِ أَنْ يَكُونَ الْمُسْتَنَدُ غَيْرَهُ وَقِيلَ يَدُلُّ وَكَذَلِكَ بَقَاءُ خَبَرِ تَوَقُّرِ الدَّوَاعِي عَلَى إِبْطَالِهِ وَقَالَ الزَّيْدِيُّ يَدُلُّ وَافْتِرَاقُ الْعُلَمَاءِ بَيْنَ مُتَاوَلٍ لِلْحَدِيثِ وَمُخْتَجٍ بِهِ وَقَالَ ابْنُ السَّمْعَانِيِّ وَقَوْمٌ يَدُلُّ لَتَضَمُّنِهِ تَلْقِيَهُمْ لَهُ بِالْقَبُولِ وَاجِبٌ بِاحْتِمَالِ أَنَّهُ تَاوَلَهُ عَلَى تَقْدِيرِ صِحَّتِهِ فَرَضًا لَا عَلَى ثُبُوتِهَا عِنْدَهُ. اهـ أَقُولُ إِنَّ لَفْظَةَ لَا فِي قَوْلِهِ: وَالْجَوَابُ أَنَّهُ لَا يُلْزَمُ كَوْنُ الْخَلْعِ لَيْسَتْ فِي نُسْخَةِ التَّنْذِيرِ الَّتِي بِيَدِي وَإِنَّمَا صَحَّحْنَا ذَلِكَ نَحْنُ نَظَرًا إِلَى السِّيَاقِ وَالسَّبَاقِ وَاللَّحَاقِ وَهَذَا كَمَا صَحَّحْنَا قَوْلَ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ: وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ لَمْ تَزُودْ بِإِذْخَالِ لَفْظَةِ مَنْ بَيْنَ بِالْأَخْبَارِ وَبَيْنَ لَمْ تَزُودْ، فَتَدَبَّرْ.

”عالم کا کسی حدیث کے مطابق عمل یا فتویٰ اس عالم کی طرف سے اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم نہیں ہے نہ ہی اس کے راویوں کے عادل ہونے کا حکم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے احتیاط کی وجہ سے یا کسی دوسری دلیل کی وجہ سے ایسا کیا ہو جو اس حدیث کے مطابق ہے اور آدمی اور کچھ دوسرے اصولی علماء نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ اس عالم کا حکم ہوگا اور امام الحرمین نے کہا اس شرط کے ساتھ کہ احتیاط کی صورتوں سے نہ ہو اور ابن تیمیہ نے مواقع ترغیب اور دوسرے مواقع میں عمل کے درمیان فرق کیا ہے

اور نہ ہی اس امام کے حدیث کے مخالف عمل یا فتویٰ کو اس حدیث کی صحت یا اس کے راویوں کی ثقاہت میں عیب سمجھا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ کسی معارض یا دوسرے مانع کی بنا پر ہو۔ امام مالک نے حدیث خیار روایت کی ہے اور اہل مدینہ کے مخالف عمل کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا اور مالک کا یہ عمل حدیث کے راوی نافع پر عیب نہیں ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ پہلی قسم اس صورت میں محل نظر ہے جب اس مسئلے میں اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو اور عالم نے اپنے فتویٰ یا فیصلے میں بطور حجت وہ حدیث پیش کی ہو یا اس کے مفہوم پر عمل کے وقت اس حدیث سے استشہاد کیا ہو۔ عراقی نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کسی دوسری حدیث کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اجماع یا قیاس کی بھی کوئی دوسری دلیل نہیں اور مفتی یا حاکم کے لیے ضروری نہیں کہ اپنی تمام دلیلیں بیان کرے بلکہ بعض دلیلیں بیان کرنا بھی ضروری نہیں۔ شاید اس کے پاس کوئی اور دلیل ہو اور اس کا میلان اس حدیث کی طرف ہو گیا ہو جو زیر بحث مسئلہ میں موجود ہے اور ممکن ہے کہ اس عالم کا خیال یہ ہو کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث مقدم سمجھی جائے گی اور اس پر عمل ہوگا جیسا کہ گزر چکا۔ تنبیہ۔ جو چیزیں اہل اصول کے بیان کے مطابق حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتیں ان میں ایک چیز اجماع کا اس حدیث کے مطابق ہونا ہے زیادہ صحیح مذہب کے مطابق کیونکہ ہو سکتا ہے اجماع کی اصل بنیاد کوئی اور ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دلیل بن سکتی ہے۔ اسی طرح خبر کے ابطال کے تقاضوں کے باوجود اس کا باقی رہنا بھی دلیل نہیں زید نے کہا دلیل ہے اسی طرح بعض علماء کا اس حدیث کی تاویل اور بعض کا اس سے دلیل پکڑنا بھی صحت کی دلیل نہیں اور ابن سمعانی اور ایک قوم نے کہا دلیل ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

انہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے (تبھی تو دلیل پکڑی ہے یا تاویل کی ہے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس کی تاویل اس لیے کی ہو کہ اگر اس کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ بات نہیں کہ وہ حدیث فی الواقع اس کے نزدیک ثابت ہے۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت ”والجواب انه لم يلزم من كون الخ“ میں ”لا“ کا لفظ تدریب کے اس نسخہ میں نہیں ہے جو میرے پاس ہے تصحیح ہم نے سیاق و سباق و لحاظ کو دیکھ کر کی ہے۔ جس طرح ہم نے صاحب رسالہ کے قول: ”ویاتیک بالاجاب لم تزود“ کی تصحیح بالاخبار اور لم تزود کے درمیان ”من“ کا لفظ لکھ کر کی ہے۔ فدیبر۔“

تو جب پوری امت کے تمام مجتہدین کا کسی حدیث و اثر کے موافق اجماع اس حدیث و اثر کے صحیح یا حسن ہونے پر دلالت نہیں کرتا تو پھر تین چار ائمہ یا جمہور امت کا کسی حدیث و اثر کے موافق قول و عمل اس حدیث و اثر کے ان کے ہاں صحیح یا حسن ہونے پر کیونکر دلالت کر سکتا ہے۔

⑥ وسادسا: یہ بات درست اور مسلم کہ روایات کے صحیح و سقیم ہونے کا علم اور نقد روایات کا سلیقہ سفیان ثوری عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ترمذی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کو زیادہ اور خوب حاصل تھا نیز بندہ صاحب رسالہ اور عصر حاضر کے علماء ان کی نسبت طفل مکتب ہیں مگر یہ بات درست و مسلم ہونے سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ محولہ بالا آثار ان جلیل القدر وسیع العلم ائمہ حدیث حضرات کے نزدیک صحیح یا حسن ہیں۔ کما ولم تقدم۔

⑦ وسابعا: صاحب رسالہ نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں شعر ستبدی لک الايام الخ کو عصر حاضر کے بعض علماء پر چسپاں فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ ہمارے اس تبصرہ کو شروع سے لے کر آخر تک خصوصاً

محدث حافظ اور ثقہ کے ہم معنی ہونے نہ ہونے، مستور کے مجہول ہونے نہ ہونے اور سبل السلام کے تین مقامات مذکورہ غلط ہونے نہ ہونے کی مباحث بغور پڑھیں پھر اس کے بعد اپنا ذکر کیا ہوا شعر ستبدی لک الايام الخ بھی ایک مرتبہ پڑھ لیں۔ رہا بندہ تو اسے ستبدی لک الايام کا مصداق ہونے کا اعتراف ہے جیسے اسے حضرت سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر وسیع ائمہ حدیث کی نسبت طفل مکتب ہونے کا اقرار ہے۔

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

”یز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل کو اگر کوئی شخص اہمیت نہ دے تو اس کی ناواقفیت ہے ورنہ حقیقت میں تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے۔“ (ص ۲۱)

① اولاً: عہد فاروقی کے تعامل میں رکعات کی بنیاد تو مذکورہ بالا آثار ہی ہیں جن کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

② وثانیاً: صحابہ کرام کا تعامل میں رکعات صاحب رسالہ نے جس دلیل سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کے کچھ خاص صحبت یافتہ اور چند شاگرد ہیں پڑھتے تھے یا پھر عہد صحابہ کے فلاں بزرگ ہیں پڑھتے پڑھاتے تھے لہذا صحابہ کرام بھی ہیں پڑھتے پڑھاتے اور پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور اس دلیل کی اصلیت کو بھی پچھلے صفحات میں روشن کیا جا چکا ہے اور جن آثار میں خاص خاص صحابہ کے ہیں پڑھنے پڑھانے اور میں کا حکم دینے کا ذکر ہے وہ سرے سے ثابت ہی نہیں مثلاً حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار تحقیق پہلے گزر چکی اسے ملاحظہ فرمائیں۔

③ وثالثاً: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے نیز عہد فاروقی میں لوگوں (جن میں صحابہ و تابعین بھی تھے) کا گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھنا ثابت ہے لہذا صاحب رسالہ کا بیان ”نیز عہد فاروقی سے لے کر الخ“ محل نظر ہے۔

④ ورابعاً: عہد فاروقی میں اہل مدینہ کا تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات تھا اور عہد نبوی میں بھی اہل مدینہ کا تعامل یہی تھا پھر امام مالک رحمہ اللہ کے بیان ”قبل یوم حرہ سے لے کر آج تک کوئی سو برس سے زائد عرصہ سے مدینہ منورہ میں انتالیس پر عمل ہو رہا ہے“ سے پتہ چلتا ہے کہ خلفاء راشدین اربعہ کے دور کے بعد اہل مدینہ کا تعامل انتالیس رکعات ہو گیا تھا اور امام مالک کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی اور یوم حرہ ۶۳ھ میں معرض وجود میں آیا تو ظاہر ہے کہ یوم حرم سے قبل اور بعد صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے کیونکہ صحابہ کا زمانہ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) تک ہے اور تابعین تو اس دور میں بے شمار تھے تو قبل یوم حرہ سے لے کر امام مالک کے زمانہ تک اہل مدینہ انتالیس رکعات پڑھتے رہے پھر فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو یسیٰ ترمذی کی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

”فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ أَحَدِي وَارْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الْوُتْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِينَةِ“

”تو بعض کا خیال یہ ہے کہ اکتالیس رکعات وتر سمیت پڑھے اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مدینہ میں ان کے ہاں اسی پر عمل ہے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تو ان کی اس شہادت سے پتہ چلا کہ امام ترمذی کے زمانہ تک اہل مدینہ کا تعامل اکتالیس رکعات تھا تو اب صاحب رسالہ خود غور فرمائیں کہ آیا بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر اہل مدینہ کا مسلسل تعامل ہے یا نہیں؟ اور اہل مکہ کا تعامل بیس رکعات جن تابعین کے واسطے سے مصنف

صاحب نے نقل فرمایا ان تابعین نے عہد فاروقی سرے سے پایا ہی نہیں بلکہ وہ تو شہادت حضرت عمر فاروق کے بعد پیدا ہوئے تو پھر بیس رکعات کو عہد فاروقی سے لے کر اہل مکہ کا مسلسل تعامل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے رہے اہل کوفہ تو ان کے تعامل بیس رکعات کے عہد فاروقی میں معرض وجود میں آنے کی صاحب رسالہ نے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ ادھر کوفہ کے رہنے والے حضرت اسود بن یزید جن کی وفات بھی ۵۷ھ میں کوفہ کے اندر ہی ہوئی چالیس رکعات پڑھتے تھے اور انہوں نے خلفاء راشدین اربعہ کا دور بھی پایا ہے کیونکہ وہ مخضرم تابعی ہیں اور ۵۷ھ میں وفات پا رہے ہیں تو حضرت اسود بن یزید کے تعامل سے اہل کوفہ کے تعامل پر بھی روشنی پڑتی ہے تو صاحب رسالہ اگر ان قرآن و شواہد کی روشنی میں اپنے دعویٰ ”عہد فاروقی سے لے کر الخ پر غور فرمائیں گے تو واقفیت و ناواقفیت اور اہمیت و نااہمیت والا راز ان کو معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ نیز فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی کا بیان ”وَقَالَ إِسْحَاقُ بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ عَلَى مَا رَوَى عَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ“ اور اسحاق نے کہا بلکہ ہم اکثالیس کو مختار سمجھتے ہیں اس کی بنا پر جوابی بن کعب سے روایت کیا گیا ہے۔ ان کے دعویٰ مذکورہ کو روشن کرتا ہے۔

⑤ وخامسا: چونکہ علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی تقریر سے بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس مقام پر وہ تقریر بتامہ (مکمل) نقل کر دی جائے تاکہ حضرت المؤلف کے مذکورہ بالا دعویٰ کی حقیقت کو پہچانا جاسکے چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

”وَقَدْ اُخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْعَدَدِ الْمُسْتَحَبِّ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ عَلَى

أَقْوَالٍ كَثِيرَةٍ:

① فَقِيلَ إِحْدَى وَأَرْبَعُونَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: رَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ

إِحْدَى وَارْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الْوُتْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِينَةِ . قَالَ شَيْخُنَا رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى : وَهُوَ أَكْثَرُ مَا قِيلَ فِيهِ . قُلْتُ : ذَكَرَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْإِسْتِذْكَارِ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِسَبْعٍ هَكَذَا ذَكَرَهُ وَلَمْ يَقُلْ إِنَّ الْوُتْرَ مِنَ الْأَرْبَعِينَ .

② وَقِيلَ ثَمَانٌ وَثَلَاثُونَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ بْنِ طَرِيقِ ابْنِ أَيْمَنَ عَنْ مَالِكٍ قَالَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُومَ النَّاسُ فِي رَمَضَانَ بِثَمَانٍ وَثَلَاثِينَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ يُوتِرُ بِهِمْ بِوَاحِدَةٍ قَالَ وَهَذَا الْعَمَلُ بِالْمَدِينَةِ قَبْلَ الْحَرَّةِ مِنْذُ بَضْعِ وَمِائَةِ سَنَةٍ إِلَى الْيَوْمِ . هَكَذَا رَوَى ابْنُ أَيْمَنَ عَنْ مَالِكٍ وَكَانَهُ جَمَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوُتْرِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهَا مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَالْأَفَلَمْشُهُورُ عَنْ مَالِكٍ سِتٌّ وَثَلَاثُونَ وَالْوُتْرُ بِثَلَاثٍ وَالْعَدَدُ وَاحِدٌ .

③ وَقِيلَ سِتٌّ وَثَلَاثُونَ وَهُوَ الَّذِي عَلَيْهِ عَمَلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَرَوَى ابْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمْ أَذْكُرْ النَّاسَ إِلَّا وَهُوَ يُصَلُّونَ تِسْعًا وَثَلَاثِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُونَ مِنْهَا بِثَلَاثٍ .

④ وَقِيلَ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ عَلَى مَا حَكَى عَنْ زُرَّارَةَ بْنِ أَوْفَى أَنَّهُ كَذَلِكَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ .

⑤ وَقِيلَ ثَمَانٌ وَعِشْرُونَ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ زُرَّارَةَ بْنِ أَوْفَى فِي الْعَشَرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ مِنَ الشَّهْرِ وَكَانَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَقَعْلُهُ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ .

⑥ وَقِيلَ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ وَهُوَ مَرْوِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ .

⑦ وَقِيلَ عِشْرُونَ وَحَكَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ فَإِنَّهُ رَوَى عَنْ

عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَغَيْرُهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَهُوَ قَوْلُ الْحَفِيفَةِ أَمَّا أَثَرُ عُمَرَ
 رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَرَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوطَأَ بِإِسْنَادٍ مُنْقَطِعٍ فَإِنْ
 قُلْتُ: رَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي الْمُصَنَّفِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ وَغَيْرِهِ عَنْ
 مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ
 اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ وَعَلَى
 تَمِيمِ بْنِ الدَّارِيِّ عَلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَكْعَةً يَقُومُونَ بِالْمَنِينِ
 وَيَنْصَرِفُونَ فِي بُزُوعِ الْفَجْرِ. قُلْتُ: قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ هُوَ مَحْمُولٌ
 عَلَى أَنَّ الْوَاحِدَةَ لِلْوَتْرِ. وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: وَرَوَى الْحَارِثُ بْنُ
 عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَبِي ذُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ الْقِيَامُ عَلَى
 عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً. قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: هَذَا مَحْمُولٌ
 عَلَى أَنَّ الثَّلَاثَ لِلْوَتْرِ. وَقَالَ شَيْخُنَا: وَمَا حَمَلَهُ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيثَيْنِ
 صَحِيحٌ بِدَلِيلٍ مَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ مِنْ رِوَايَةِ يَزِيدَ بْنِ خُصِيفَةَ
 عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ فِي رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ
 رَكْعَةً فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ. وَأَمَّا أَثَرُ
 عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَذَكَرَهُ وَكِيعٌ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ
 عُمَرَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ
 أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِهَمْ رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَأَمَّا غَيْرُهُمَا مِنَ
 الصَّحَابَةِ فَرَوَى ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ
 نَصْرِ بْنِ الْمَرْوَزِيِّ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ
 غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ
 يُصَلِّي لَنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيَنْصَرِفْ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْأَعْمَشُ
 كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ. وَأَمَّا الْقَائِلُونَ بِهِ مِنْ

التَّابِعِينَ فَشْتِيرُ بْنُ شَكْلٍ وَابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَالْحَارِثُ الُّهُمْدَانِيُّ وَعَبَّأُ بْنُ أَبِي رِيَّاحٍ وَأَبُو الْبُخْتَرِيِّ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ الْبَصْرِيُّ أَخُو الْحَسَنِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَعِمْرَانُ الْعَبْدِيُّ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ بِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثُرَ الْفُقَهَاءُ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ .

⑧ وَقِيلَ سِتُّ عَشْرَةَ فَهُوَ مَرْوِيُّ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ أَرْبَعَ تَرَوِيحَاتٍ وَيَقْرَأُ بِهِمْ سَبْعَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ بْنِ رِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ جُدَيْرٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ .

⑨ وَقِيلَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاخْتَارَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ ابْنُ أُخْتِ نَمِرٍ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَكِنْ وَاللَّهِ مَا كُنَّا نَخْرُجُ إِلَّا فِي وَجْهِ الصُّبْحِ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِخَمْسِينَ آيَةً وَسِتِّينَ آيَةً قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَمَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ حَدِيثًا هُوَ أَثْبَتُ عِنْدِي وَلَا أُخْرَى بِأَن يَكُونُ مِنْ حَدِيثِ السَّائِبِ وَذَلِكَ أَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً . وَقَالَ شَيْخُنَا: لَعَلَّ هَذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ أَوَّلًا ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلَى ثَلَاثٍ وَعَشْرِينَ .

⑩ وَقِيلَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَهُوَ اخْتِيارُ مَالِكٍ لِنَفْسِهِ وَاخْتَارَهُ أَبُو بَكْرٍ (بْنُ) الْعَرَبِيِّ . اهـ (عمدة القاري ج ٥ ص ٣٥٦-٣٥٧)

① تَرْجَمَہ: قیام رمضان میں مستحب عدد کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا اکتالیس ترمذی نے فرمایا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور وہاں ان کا اسی پر عمل ہے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قیام رمضان میں تمام اقوال میں سے یہ زیادہ تعداد ہے میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے استدکار میں اسود بن یزید کے متعلق ذکر فرمایا کہ وہ چالیس رکعت اور سات وتر پڑھتے راوی نے اسی طرح ذکر کیا یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔

② بعض کہتے ہیں اڑتیس اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ رمضان میں لوگوں کو اڑتیس رکعت پڑھائے پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں پھر انہیں ایک وتر پڑھائے مالک نے فرمایا کہ مدینہ میں یہ عمل واقعہ حرہ سے قبل آج تک ایک سو سے زائد برس سے چلا آ رہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے اسی طرح روایت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر کی دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور انہیں قیام رمضان کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالک سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے۔

③ بعض کہتے ہیں چھتیس۔ اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے اور ابن وہب نے روایت کی کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا وہ نافع سے بیان فرماتے تھے کہ انہوں نے فرمایا میں نے لوگوں کو اسی حال میں پایا کہ وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے جن میں سے تین وتر ہوتے تھے۔

④ بعض کہتے ہیں چونتیس جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخری عشرہ میں لوگوں کو اسی طرح پڑھایا کرتے تھے۔

⑤ بعض کہتے ہیں اٹھائیس۔ اور یہ عدد زرارہ بن اونی سے ماہ رمضان کے پہلے دو عشروں میں بیان کیا گیا ہے اور سعید بن جبیر آخری عشرے میں اتنی رکعات پڑھتے تھے۔

⑥ بعض کہتے ہیں چوبیس اور یہی سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

⑦ بعض کہتے ہیں بیس۔ ترمذی نے یہ قول اکثر اہل عمل سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمر اور علی اور دوسرے صحابہ سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ہمارے حنفی ساتھیوں کا قول ہے۔ حضرت عمر کا اثر جو ہے وہ مالک نے موطا میں منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے اگر تم کہو کہ عبدالرزاق نے مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ عمر بن خطاب نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر ایکس رکعت پر جمع کیا وہ سو سو آیتوں والی سورتوں کے ساتھ قیام کرتے تھے اور فجر کے طلوع کے قریب بٹتے تھے۔ میں کہتا ہوں ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ ایک رکعت وتر کے لیے ہوتی تھی اور ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تیس رکعت قیام تھا۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ تین وتر تھے۔ اور ہمارے شیخ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کو جس مطلب پر ابن عبدالبر نے محمول کیا ہے وہ صحیح ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن نصر نے یزید بن خثیفہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ وہ عمرؓ بن خطاب کے دور میں رمضان میں بیس رکعت قیام کرتے تھے اور جو حضرت علیؓ کا اثر ہے وہ وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے انہوں نے حضرت علیؓ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا

کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت پڑھائے اور جوان کے علاوہ دوسرے صحابہ ہیں تو عبد اللہ بن مسعود سے یہ تعداد بیان کی گئی ہے اسے محمد بن نصر مروزی نے روایت کیا کہ ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی انہوں نے زید بن وہب سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن مسعود ہمیں ماہ رمضان میں نماز پڑھاتے تھے تو وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا اعمش نے کہا کہ ابن مسعود بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے اور تابعین میں سے اس عدد کے قائل شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطاء بن ابی رباح، ابوالہتیری حسن کے بھائی سعید بن ابی الحسن بصری، عبدالرحمان بن ابی بکر اور عمران بن عبدی ہیں۔ ابن عبد البر نے فرمایا کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور اہل کوفہ شافعی اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور ابی بن کعب سے بھی یہی ثابت ہے اور صحابہ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

⑧ بعض کہتے ہیں سولہ۔ یہ ابوجلز سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو چار وتر پڑھاتے اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ پڑھتے۔ اسے محمد بن نصر نے عمران بن جدیر کی روایت سے ابوجلز سے بیان کیا ہے۔

⑨ بعض کہتے ہیں تیرہ۔ اسے محمد بن اسحاق نے پسند فرمایا ہے محمد بن نصر نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے اس نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے لیکن اللہ کی قسم ہم صبح کے بالکل قریب جا کر ہی فارغ ہوتے تھے۔ قاری ہر رکعت میں پچاس ساٹھ آیتیں پڑھتا تھا ابن اسحاق نے کہا میں نے اس مسئلہ میں جتنی حدیثیں سنی ہیں ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ ثابت اور سائب کی اصل حدیث ہونے میں سب سے زیادہ لائق یہی حدیث ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی نماز رات

کے وقت تیرہ رکعت تھی اور ہمارے شیخ نے فرمایا شاید حضرت عمر کا یہ فعل پہلے کا ہو بعد میں آپ نے انہیں تیس کی طرف منتقل کر دیا۔

⑩ بعض کہتے ہیں گیارہ اور مالک نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا اور ابو بکر بن العربی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ (عمدة القاری جلد ۵ ص ۳۵۶-۳۵۷)

① أَقُولُ أَوَّلًا: إِنَّ كَلَامَ صَاحِبِ الْعُمْدَةِ هَذَا صَرِيحٌ فِي اخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ هَذَا عَلَى زُهَاءِ عَشْرَةِ أَقْوَالٍ إِنَّمَا هُوَ فِي الْعَدَدِ الْمُسْتَحَبِّ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ لَا فِي الْعَدَدِ الْمَسْنُونِ فِيهِ وَهُوَ صَرِيحٌ أَيْضًا فِي أَنَّ الْعُلَمَاءَ وَالْفُقَهَاءَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ لَيُسَوُّوا بِمُجْمَعِينَ عَلَى أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ عِشْرُونَ رَكْعَةً وَهُوَ يَدُلُّ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْقِيَامَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً لَيْسَ عَمَلًا لِلْمُسْلِمِينَ نَسْلًا بَعْدَ نَسْلِ مُسْلَسَلًا مِنْ عَهْدِ عُمَرَ إِلَى يَوْمِنَا هَذَا فَتَأَمَّلْ .

② وَثَانِيًا: أَنَّ الْأَثَارَ الْمَرْوِيَّةَ فِي عِشْرِينَ رَكْعَةً عَنْ عُمَرَ وَعَلِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَدْ تَقَدَّمَ مَا فِيهَا مِنَ الْمَقَالِ وَكَذَلِكَ الْأَثَارُ الْوَارِدَةُ فِي عَدَدِ الْقِيَامِ فِي عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ سَبَقَ تَحْقِيقُ مَا هُوَ الصَّحِيحُ مِنْهَا فَارْجِعْ إِلَيْهِ .

③ وَثَالِثًا: أَنَّ قَوْلَ شَيْخِ صَاحِبِ الْعُمْدَةِ: وَمَا حَمَلَهُ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ بِدَلِيلٍ مَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ الْحَمْدِ فِيهِ أَنَّ لَفْظَ يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عِشْرِينَ رَكْعَةً لَيْسَ دَلِيلًا لِكُونَ الْوُتْرِ فِي لَفْظِ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَكْعَةً وَاحِدَةً لِإِحْتِمَالِ جَمْعِ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوُتْرِ الثَّلَاثِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَالْيَ مِثْلُ هَذَا ذَهَبَ الْعَيْنِيُّ قَبْلُ فِي قَوْلِهِ: وَكَانَهُ جَمْعُ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوُتْرِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ الْخ وَلَا دَلِيلًا لِكُونَ الْوُتْرِ فِي لَفْظِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ثَلَاثَ وَعِشْرِينَ ثَلَاثَ

رُكْعَاتٍ لِإِحْتِمَالِ خَذْفِهِ الْكُسْرَ مِنَ الْعَدَدِ وَكَوْنِ الْوُتْرِ رُكْعَةً .
 ④ وَرَابِعًا: أَنَّ قَوْلَ شَيْخِهِ: وَلَعَلَّ هَذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ أَوْ لَا الْخ
 يُشْعِرُ بَأَنَّ شَيْخَ الْعَيْنِيِّ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ دَلِيلٌ لِقَوْلِهِ هَذَا وَلَا لَمْ
 يُضَدِّرْهُ بِلَعَلَّ وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إِلَى هَذَا التَّطْبِيقِ لَمْ يَأْتِ
 بِدَلِيلٍ يَثْبُتُ أَنَّ عُمَرَ جَمَعَهُمْ أَوْ لَا عَلَى ثَلَاثٍ أَوْ إِحْدَى عَشْرَةَ
 رُكْعَةً ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلَى إِحْدَى أَوْ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رُكْعَةً كَمَا سَنَبَّيْنَاهُ إِنْ
 شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

⑤ وَخَامِسًا: أَنَّ الدَّعْوَى: وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي الْخ فِيهَا أَنَّهُ لَمْ يَصَحَّ
 عَنْ أَبِي وَعَلَى تَقْدِيرِ صِحَّتِهِ عَنْهُ قَدْ خَالَفَهُ الصَّحَابَةُ بَلْ أَمَرَهُ عُمَرُ
 بِإِحْدَى عَشْرَةَ رُكْعَةً وَيُظْهِرُ لَكَ كُلُّ ذَلِكَ بِمُطَالَعَةِ مَا حَرَّرْنَا
 قَبْلُ وَبَعْدُ .

⑥ وَسَادِسًا: أَنَّ قَوْلَ الْعَيْنِيِّ: وَلَمْ يَقُلْ إِنَّ الْوُتْرَ مِنَ الْأَرْبَعِينَ فِيهِ نَظَرٌ
 ظَاهِرٌ إِذِ الْوُتْرُ يَكُونُ فَرْدًا فَكَيْفَ يَتَصَوَّرُ كَوْنُهُ مِنَ الْأَرْبَعِينَ وَهُوَ
 عَدَدٌ زَوْجٌ فَتَدَبَّرْ .

① تَرْجَمَةٌ: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف کے اس مسئلہ میں کلام سے
 واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد
 کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں اس سے یہ
 بات صاف معلوم ہو رہی ہے کہ صحابہ اور تابعین کے علماء اور فقہاء اس بات
 پر متفق نہیں کہ قیام رمضان بیس رکعت ہی ہے اور یہ کلام اس بات کی بھی
 دلیل ہے کہ بیس رکعت قیام حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر آج تک
 مسلمانوں کا سلا بعد نسل مسلسل عمل نہیں ہے قائل۔

② حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے جو آثار بیس رکعت کے

منقول ہیں ان پر گفتگو گزر چکی ہے اسی طرح حضرت عمرؓ کے دور میں قیام کی تعداد کے بارے میں آثار میں سے جو صحیح ہیں ان کی تحقیق گزر چکی ہے وہاں دیکھئے۔

③ عمدہ کے مصنف کے شیخ نے جو کہا ہے کہ دونوں حدیثوں میں وتر کو جو ایک اور تین پر محمول کیا ہے یہ صحیح ہے الخ اس پر اعتراض ہے کہ یزید بن خصیفہ کا بیس رکعت کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ محمد بن یوسف کے لفظ اکیس رکعات میں وتر ایک ہو کیونکہ احتمال ہے کہ تین وتر میں سے دو کو قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دیا ہو اور قبل ازیں یعنی نے اڑتیس والے قول میں یہی صورت اختیار کی ہے اور نہ ہی یزید کا قول اس بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ حارث بن عبدالرحمان کے قول تیس رکعات میں وتر تین رکعات تھے کیونکہ احتمال ہے کہ عدد میں سے کسر کو حذف کر دیا گیا ہوں اور وتر ایک ہی رکعت ہو۔

④ عینی کے شیخ کا کہنا کہ شاید یہ پہلے حضرت عمرؓ کا فعل ہو الخ بتا رہا ہے کہ عینی کے شیخ کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل موجود نہیں ورنہ اس قول کا آغاز شاید کے لفظ کے ساتھ نہ کرتے۔ اسی طرح جتنے لوگوں نے یہ تطبیق دی ہے کسی نے یہ دلیل پیش نہیں کی کہ حضرت عمرؓ نے پہلے تیرہ یا گیارہ کا حکم دیا تھا پھر ان کو اکیس یا تیس کا حکم دے دیا جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔

⑤ یہ دعویٰ کہ حضرت ابی سے یہی (بیس رکعت) صحیح ہے۔ حضرت ابی کے متعلق درست نہیں بالفرض اگر مان لیں کہ یہ ان سے ثابت ہے تو صحابہ نے ان کی مخالفت کی ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے انہیں گیارہ رکعت کا حکم دیا ہے یہ سب باتیں آپ کو اس تحریر سے معلوم ہو جائیں گی جو گزر چکی ہے اور کچھ اس سے

جو آ رہی ہے۔

⑥ عینی کے اس قول میں کہ ”یہ نہیں کہا کہ وتر چالیس میں شامل تھے“۔ ظاہر نظر ہے کیونکہ وتر طاق ہوتا ہے تو وتر کا چالیس میں شامل ہونا کس طرح تصور میں آ سکتا ہے جب کہ چالیس کا عدد جفت ہے۔ فقدر۔

وسادسا: بیس رکعات کے عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہونے نہ ہونے پر تو کلام ہو چکا رہی بیس رکعات کو اہمیت دینے نہ دینے والی بات تو اس سلسلہ میں صاحب رسالہ سے سوال ہے کہ کم و بیش قیام کرنے والے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین مثلاً حضرت ابی بن کعب، حضرت تمیم داری، حضرت سائب بن یزید، حضرت زرارہ بن اونف، حضرت اسود بن یزید، حضرت ابو جہل، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن اسحاق صاحب مغازی، حضرت اسحاق بن راہویہ شیخ بخاری، حضرت امام مالک، شیخ شافعی اور اہل مدینہ بھی ان کے مزموم مسلسل تعامل سے واقف تھے یا نہیں؟ پھر واقف ہونے کی صورت میں انہوں نے اس کو اہمیت دی یا نہ دی؟ نیز تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد ہونے کا ان کو علم تھا یا نہیں؟

پھر صاحب رسالہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ لگے ہاتھوں وہ یہ بھی بتاتے جائیں آیا رسول اکرم ﷺ کے اپنے تعامل، عہد نبوی و عہد فاروقی کے تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ اور جو حضرات گرامی اس تعامل کو اہمیت نہ دیں تو یہ ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت۔

⑦ وسابعا: فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی جامع ترمذی میں لکھتے ہیں:

”وَقَالَ أَحْمَدُ: رُوِيَ فِي هَذَا الْوَأْنِ لَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ“

”امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کے متعلق مختلف قسم کے اقوال روایت کئے گئے چنانچہ امام احمد نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔“

امام احمد بن حنبل شیخ البخاری والی داؤد رحمۃ اللہ جو امام المحدثین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں نے عدد رکعات قیام رمضان میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر بیس رکعات عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کا وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل ہوتا تو ضرور بالضرور امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اس کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے اور یونہی ”روی فی هذا الوان“ کہہ کر اس مقام سے نہ گزر جاتے جب کہ تعامل سلف کا صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونا نہ ہونا بھی آخر ان کے علم میں تھا تو اب صاحب رسالہ ہی فرمائیں گے کہ ان کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا ان کی واقفیت ہے یا ناواقفیت؟ نیز امام احمد رحمۃ اللہ کا کوئی فیصلہ نہ فرمانا حضرت المؤلف کے مزعوم مسلسل تعامل کو اہمیت دینا یا نہ دینا؟

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام تابعین عظام اور نسلا بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل اور اس کی اہمیت کا علم امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام المحدثین کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں۔ ”ستبدی لک الايام الخ“

⑧ وثامنا: صاحب رسالہ کا بیان ”عہد فاروقی سے لے کر الخ اور ان کے دیگر بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی بیس رکعات تراویح کا عہد نبوی وعہد صدیقی میں ہونا ثابت نہیں ورنہ وہ فرماتے ”عہد نبوی یا عہد صدیقی سے لے کر“ الخ البتہ گیارہ اور تیرہ رکعات آنحضرت ﷺ عہد نبوی اور عہد فاروقی سے ثابت ہیں کما تقدم۔

⑨ وتاسعا: رہا صاحب رسالہ کا تعامل سلف کو صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل قرار دینا تو وہ درست نہیں کیونکہ اصول فقہ سے تھوڑی بہت سوچ بوجھ

رکھنے والا طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ شرعی دلائل چار ہیں بایں ترتیب:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو

(۳) اجماع امت - (۴) قیاس بشرطیکہ صحیح ہو۔

تو اگر تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہوتا تو اہل اصول تعامل سلف کو کتاب اللہ کے بعد اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پہلے دوسرے نمبر پر ضرور بالضرور بیان فرماتے اور کتب اصول میں لکھتے کہ اصول شرع پانچ ہیں۔ بایں ترتیب:

(۱) کتاب اللہ (۲) تعامل سلف (۳) سنت رسول اللہ ﷺ

(۴) اجماع امت (۵) قیاس

اہل علم کو معلوم ہے کہ صحیح تو صحیح، حسن حدیث کے ہوتے ہوئے بھی اجماع و قیاس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ اجماع اور قیاس محققین اہل اصول کے ہاں کتاب و سنت کے ناحی نہیں تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ تعامل سلف کے صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہونے کا علم توضیح، صاحب تلوتح، صاحب تحریر، صاحب تقریر، صاحب حسامی، صاحب نامی، صاحب منار، صاحب نور الانوار، صاحب مسلم الثبوت، صاحب فواتح الرحموت، صاحب اصول شاشی، صاحب محصول، صاحب ورقات، صاحب کشف بزدوی، صاحب ارشاد الفحول اور دیگر اہل اصول کو زیادہ حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستبدی لک الايام الخ ہاں تعامل سلف یا اہل مدینہ کا عمل اگر بسند مقبول نبی کریم ﷺ یا عہد نبوی تک پہنچتا ہو تو وہ سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل ہے جیسے گیارہ اور تیرہ رکعات نماز تراویح۔

⑩ وعاشراً: صاحب رسالہ کے اس بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعامل سلف بیس رکعات کے مقابلہ میں کوئی صحیح السند روایت موجود ہے جس سے تعامل سلف کو

کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل بنایا جا رہا ہے جب کہ عالم یہ ہے کہ گیارہ اور تیرہ رکعات بھی تعامل سلف ہیں بلکہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو گیارہ پڑھانے کا حکم بھی دیا تھا اور اس تعامل کے مقابلہ میں نہ تو کوئی صحیح السند مرفوع روایت ہے اور نہ ہی کوئی حسن السند مرفوع روایت بلکہ قطعی الصحیح مرفوع روایت اس تعامل کی تائید کر رہی ہے لہذا صاحب رسالہ کے قاعدہ کی رو سے تو تعامل گیارہ اور تیرہ رکعات بطریق اولیٰ تعامل سلف ہیں رکعات سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے۔

حضرت المولف لکھتے ہیں:

”دیکھئے حضرت عبداللہ بن مبارک جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور متفق علیہ ہے فرماتے ہیں:

اجْمَاعُ النَّاسِ عَلَى شَيْءٍ اَوْثَقُ فِي نَفْسِي مِنْ سُفْيَانٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ “ الخ (ص ۲۲)

”لوگوں کا کسی چیز پر اجماع ہو تو میرے دل میں اس کا اعتماد اس سند سے بھی زیادہ ہے کہ سفیان نے منصور سے بیان کیا انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا“۔ (ص ۲۲)

① اولاً: حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا فرمان درست مگر وہ تب ملحوظ ہوگا جب اجماع اور کسی اصح الاسانید سند سے مروی حدیث میں بظاہر تعارض ہو اور واضح بات ہے کہ اجماع کا درجہ سنت و حدیث خواہ وہ حسن ہی کیوں نہ ہو سے متاخر ہے تو پھر اصح الاسانید سند سے مروی حدیث اور اجماع کے مابین تعارض کیونکر متصور ہو سکتا ہے پھر جتنے اجماعات ہیں ان سے کوئی ایک اجماع بھی مقبول حدیث کے خلاف نہیں کسی اجماع کا اصح الاسانید سے مروی صحیح حدیث کے

خلاف ہونا تو دور کی بات ہے اور اگر صاحب رسالہ کے علم میں کوئی ایسا اجماع ہو جو اصح الاسانید سند سے مروی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے بیان فرمائیں بندہ ان کا ممنون ہوگا۔

② وثانیا: بیس رکعات نماز تراویح پر اجماع نہیں چنانچہ فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی کے بیان ”واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأى بعضهم الخ“ امام المحدثین امام احمد بن حنبل (جن کی امامت اور علمی جلالت مسلم اور اتفاقی ہے) کے بیان ”روی فی هذا الوان“ نیز امام احمد کے عدد قیام رمضان کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہ فرمانے، حافظ ابن عبد البر مالکی جیسے جلیل القدر وسیع العلم امام کے قول ”وهو قول جمهور العلماء“ اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کی مذکور تقریر ”وقد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال كثيرة الخ“ سے ظاہر ہے پھر صاحب رسالہ نے بھی متعدد مقامات پر بیس رکعات کو جمہور کا قول و عمل قرار دیا ہے انہوں نے اجماع کا دعویٰ نہیں فرمایا چنانچہ وہ اپنے رسالہ کے ص ۳ پر فرماتے ہیں:

”نماز تراویح کے بارے میں عہد فاروقی سے لے کر آج تک جمہور امت کا عمل بیس رکعت پر چلا آ رہا ہے۔“

ص ۱۲ پر لکھتے ہیں: ”جمہور امت کے اس دعویٰ کی بنیاد الخ“۔ ص ۲۱ پر تحریر کرتے ہیں: ”نیز عہد فاروقی سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین اور سلا بعد سلا عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ پر تعامل الخ“۔

اور اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر رقم فرماتے ہیں:

”اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔“

تو صاحب رسالہ کے مذکورہ بالا چار بیانات سے واضح ہے کہ انہیں بھی اعتراف و اقرار

ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں ورنہ وہ اجماع کا دعویٰ کرتے جب کہ اجماع شرعی دلائل سے ایک دلیل ہے اور اکثریت و جمہوریت شرعی دلائل سے کوئی سی دلیل بھی نہیں تو جب صاحب رسالہ کو بھی تسلیم ہے کہ بیس رکعات پر اجماع نہیں تو پھر ان کا اس مقام پر حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے قول: ”اجماع الناس علی شیء الخ“ کو پیش فرمانا بے محل ہے ہاں اگر حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ”اجْتِمَاعُ جُمْهُورِ النَّاسِ وَ أَكْثَرِهِمْ عَلَى شَيْءٍ الخ“ تو پھر ان کا فرمان صاحب رسالہ کے لیے مفید ہو سکتا تھا مگر انہوں نے یہ تو فرمایا ہی نہیں تو اب اگر صاحب رسالہ کو حضرت عبداللہ بن مبارک کے مذکور در رسالہ بیان سے بیس رکعات کو تقویت پہنچانے کا شوق ہو تو پہلے وہ بیس رکعات پر امت کا اجماع ثابت فرمائیں ورنہ خطر القتاد اور اس کے بعد ان کا بیان ”اجماع الناس علی شیء الخ“ پیش فرمائیں۔

حضرت المولف فرماتے ہیں:

”اسی طرح امام احمد بن حنبل (جو امام المحدثین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں) کا فرمان منقول ہے: ”قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قِيلَ لِأَحْمَدَ وَأَنَا نَسْمَعُ: يُؤَخَّرُ الْقِيَامُ يَعْنِي التَّرَاوِيحَ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ؟ قَالَ: لَا! سُنَّةُ الْمُسْلِمِينَ أَحَبُّ إِلَيَّ“۔ (ص ۲۲)

”ابوداؤد فرماتے ہیں امام احمد سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ کیا تراویح کو رات کے آخری حصے تک مؤخر کر دیا جائے فرمایا نہیں عام مسلمانوں کا طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے۔“

① اولاً: نعم البدعة ہذہ والے اثر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان: ”وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ“ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ۔ منقول ہے نیز علامہ زرقانی کی زبانی اس کی شرح پہلے لکھی جا چکی ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

② وثانیاً: امام المحدثین امام احمد ضہیل رحمہ اللہ نے رات کے ابتدائی حصہ میں تراویح ادا کرنے سے متعلق فرمایا: ”سنة المسلمين احب الي“ انہوں نے یہ نہیں فرمایا: ”سنة المسلمين احب الي من الحديث الصحيح“ لہذا امام احمد بن ضہیل کے اس قول سے صاحب رسالہ کے مدعا ”تعامل سلف صحیح السند روایت سے کہیں بڑھ کر قابل اعتماد دلیل ہے“ کی تائید نہیں ہوتی۔

③ وثالثاً: امام المحدثین امام احمد کا عدد رکعات تراویح کے بارہ میں بیان ”روی فی هذا الوان“ گزر چکا آپ نے پڑھا کہ امام المحدثین امام احمد نے عدد رکعات تراویح کے بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو اگر وہ بیس رکعات کو بھی سنة المسلمين سمجھتے ہوتے تو تراویح کے رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنے کے بارہ میں دیئے ہوئے فیصلہ ”سنة المسلمين احب الي“ کو وہ بیس رکعات کے بارے میں بھی صادر فرمادیتے تو ان کے بیس رکعات کے بارہ میں یہ فیصلہ صادر نہ فرمانے بلکہ عدد رکعات تراویح سے متعلق کوئی فیصلہ نہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد بن ضہیل رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعات وغیرہ کوئی ایک عدد معین در قیام رمضان سنة المسلمين نہیں ورنہ وہ اس کے حق میں فرماتے: ”سنة المسلمين احب الي“۔

④ ورابعاً: یہ بھی یاد رکھیں امام المحدثین امام احمد کا فرمان ہے: ”سنة المسلمين احب الي“ ان کا فرمان یہ نہیں کہ ”سنة جمهور المسلمين واكثرهم احب الي“۔

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح امام ترمذی عملی تواثر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں دیکھو ترمذی جلد ۱ ص ۲۶ ”باب ما جاء في الجمع بين

الصلتين“ (ص ۲۲)

صاحب رسالہ کے حکم کے مطابق بندہ نے ترمذی کا مذکور باب دیکھا مگر اس

میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو حضرت صاحب کے مدعا ”امام ترمذی عملی تواثر کی بنیاد پر ضعیف روایت کو صحیح روایت سے مقدم سمجھتے ہیں“ پر دلالت کرتا ہو چنانچہ ہم اس مقام پر وہ باب ہتمامہ نقل کئے دیتے ہیں تاکہ آپ بذات خود بھی غور فرما سکیں تو فن حدیث کے مسلم الثبوت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ حَدَّثَنَا هَذَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ
الْأَعْمَشِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ
عَبَّاسٍ قَالَ: جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ
وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ.
قَالَ فَقِيلَ لَابْنِ عَبَّاسٍ مَا أَرَادَ بِذَلِكَ؟ قَالَ: أَرَادَ أَنْ لَا تَخْرُجَ أُمَّتُهُ.
وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ قَدْ رَوَى
عَنْهُ مِنْ غَيْرٍ وَجْهٌ رَوَاهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ
شَقِيقٍ وَالْعُقَيْلِيُّ وَقَدْ رَوَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ غَيْرُ هَذَا حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلْفٍ الْبَصْرِيُّ نَا الْمُعْتَمِرُ
بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَنْشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ
أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكِبَايِرِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا هُوَ أَبُو عَلِيٍّ الرَّحْبِيُّ
وَهُوَ حَنْشُ بْنُ قَيْسٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ
وَعَبْرُهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ إِلَّا
فِي السَّفَرِ أَوْ بَعْرَةً وَرَخَصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ فِي الْجَمْعِ
بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ لِلْمَرِيضِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَاسْحَاقُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ
الْعِلْمِ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْمَطَرِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ
وَاسْحَاقُ وَلَمْ يَرِ الشَّافِعِيُّ لِلْمَرِيضِ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ. اهـ

”یہ باب ان احادیث میں ہے جو دو نمازوں کو جمع کرنے کے متعلق آئی ہیں۔ ہمیں ہناد نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے بیان کیا انہوں نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ظہر عصر اور مغرب عشاء کو بغیر خوف اور بارش کے جمع فرمایا۔ تو ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا اس سے مقصد کیا تھا؟ فرمایا مقصد یہ تھا کہ تنگی نہ ہو اور اس مسئلہ میں ابو ہریرہ کی حدیث بھی ہے۔ ابوعیسیٰ (ترمذی) نے کہا ابن عباس کی حدیث ان سے کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے اسے جابر بن زید، سعید بن جبیر اور عبد اللہ بن شقیق عقیلی نے روایت کیا ہے اور ابن عباس سے اس کے علاوہ بھی روایت کی گئی ہے ہمیں ابوسلمہ یحییٰ بن خلف بصری نے بیان کیا کہ ہمیں معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے بیان کیا انہوں نے حنش سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بغیر عذر کے دو نمازیں جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں سے ایک دروازے میں آیا۔ ابوعیسیٰ نے کہا اور یہ حنش ابوعلی الرجبی ہے یہی حنش بن قیس ہے اور وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے اسے احمد وغیرہ نے ضعیف کہا اور اہل علم کے نزدیک عمل اسی پر ہے کہ دو نمازیں سفر اور عرفہ کے علاوہ جمع کرے اور تابعین کے بعض اہل علم نے مریض کو دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی قول احمد اور اسحاق کا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بارش میں دو نمازیں جمع کر سکتا ہے یہ قول شافعی احمد اور اسحاق کا ہے اور شافعی نے مریض کے لیے دو نمازیں جمع کرنا جائز نہیں سمجھا۔“

تو امام ترمذی نے پہلے حنش بن قیس کی روایت باسند بیان کی بعدہ حنش بن

قیس کی بابت لکھا ”وہو ضعیف عند اہل الحدیث الخ“ پھر فرمایا: ”والعمل

علیٰ هذا عند اهل العلم ان لا الخ، تو اس عبارت میں بلکہ پورے باب میں امام صاحب نے نہ تو کسی عمل کو متواتر کہا، نہ ہی کسی عملی تواتر کو کسی چیز کی بنیاد بنایا اور نہ ہی کسی ضعیف روایت کو کسی صحیح روایت سے مقدم سمجھا نہ مطلقاً اور نہ کسی عملی تواتر کی بنیاد پر ہاں ان کی اس عبارت سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک اہل علم کے عمل کے کسی حدیث کے موافق ہونے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ حدیث کے راوی حش بن قیس کو ضعیف بھی بتا رہے ہیں اور اس کی روایت کے موافق اہل علم کا عمل بھی بیان فرما رہے ہیں تو اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روایات کے صحیح و سقیم ہونے کا علم یا نقد روایات کا سلیقہ فن حدیث کے مسلم الثبوت جلیل القدر اور وسیع العلم امام ابو عیسیٰ ترمذی کو زیادہ اور خوب حاصل ہے یا عصر حاضر کے ان حضرات کو جو ان کی نسبت طفل مکتب ہیں ستیدی لک الا یام الخ۔

① گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق:

حضرت المولف فرماتے ہیں:

”اب رہی وہ روایت جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں (موطا امام مالک باب قیام رمضان) سو یاد رہے کہ اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں جیسا درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ



محمد بن یوسف

① (امام مالک): حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ بحوالہ موطا امام مالک رضی اللہ عنہ۔

② (یحییٰ بن سعید): حضرت عمر نے ابی ابن کعب اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں) بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

③ (عبد العزیز بن محمد): ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماء رمضان گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی بن کعب و تمیم داری کا) بحوالہ سنن سعید بن منصور۔

④ (ابن اسحاق): ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماء رمضان تیرہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں بھی حکم اور ابی بن کعب و تمیم کا ذکر نہیں اور گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے) بحوالہ قیام اللیل۔

⑤ (داؤد بن قیس وغیرہ): حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے) بحوالہ مصنف عبد الرزاق۔

پس اصول کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔
(ص ۲۲، ۲۳)

① اولاً: صرف اور صرف محمد بن یوسف کے اثر کا ناقل ہونا کوئی وجہ ضعف نہیں دیکھئے بخاری شریف کی حدیث: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الْخ" کے ناقل صرف اور صرف حضرت علقمہ ہیں حالانکہ حدیث انما الاعمال بالنیات باتفاق جمیع محدثین صحیح ہے پھر محمد بن یوسف سے متعلق صاحب رسالہ ہی لکھتے ہیں "محمد ابن یوسف ثقہ" ثبت، تقریب ص ۲۳۸، (ص ۹) لہذا صاحب رسالہ کا قول "اس اثر کے ناقل

② صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں، حقیقت حال کا بیان ہے تضعیف اثر نہیں۔
 وثنایا: یحییٰ بن سعید قطان کا بیان ”حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔“ امام مالک کے بیان ”حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں“ کے خلاف و منافی نہیں بلکہ یحییٰ بن سعید کا بیان بتا رہا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل گیارہ رکعات تھا اور امام مالک کا بیان واضح کر رہا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان میں موافقت ہے مخالفت اور منافات نہیں یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں مگر ان کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے۔

نیز عبدالعزیز بن محمد کا بیان ”ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماء رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے“ امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے مذکورہ بالا بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ اس میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات کا حکم دینے کی نفی ہے اور نہ یہ حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کی نفی ہے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونے سے حضرت عمر کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے اور حضرت ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھانے کی نفی نہیں ہوتی ہاں اس میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بماء رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے ادھر امام مالک کے بیان کے مطابق حضرت عمر کا حکم بھی گیارہ رکعات ہی تھا اور یحییٰ بن سعید کے بیان کے موافق حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل بھی گیارہ رکعات ہی تھا۔

پھر محمد بن اسحاق کا بیان ”ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماء رمضان تیرہ رکعات پڑھتے تھے“ بھی امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کے بیانات مذکورہ کے خلاف و منافی نہیں بشرطیکہ صاحب آثار السنن کی توجیہ ”تیرہ رکعات میں

بعد از عشاء والی دو رکعات شامل ہیں، کو تسلیم کر لیا جائے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونا ان کے بیانات سے مخالفت و منافات نہیں کما تقدم ہاں اگر صاحب آثار السنن کی توجیہ اور اس قسم کی کسی اور توجیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر محمد بن اسحاق کا بیان عبد العزیز بن محمد کے بیان کے منافی ہوگا کیونکہ اس میں ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں ہے کہ تیرہ رکعات پڑھتے تھے البتہ محمد بن اسحاق کا بیان اس صورت میں بھی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ امام مالک کے بیان میں گیارہ کے حکم اور یحییٰ بن سعید کے بیان میں ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور محمد بن اسحاق کے بیان میں ان دونوں چیزوں (حضرت عمر کے گیارہ کا حکم دینے اور ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ پڑھنے) کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ عدم ذکر کو نفی نہیں کہا جاسکتا۔

رہا داود بن قیس کا بیان ”حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعات پر جمع کیا“ تو واقعی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی ہے بشرطیکہ وہ مقبول ہو البتہ وہ عبد العزیز ابن محمد اور محمد بن اسحاق کے بیانات کے خلاف و منافی نہیں تو پتہ چلا کہ صاحب رسالہ کا فرمان ”اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں“ محل نظر ہے قدر۔

② وَثَانِيَا: قَالَ الْعَلَامَةُ الزُّرْقَانِيُّ فِي شَرْحِ الْمُوطَأِ: وَقَوْلُهُ: إِنَّ مَالِكًا أَنْفَرَدَ بِهِ. لَيْسَ كَمَا قَالَ فَقَدْ رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ فَقَالَ: إِحْدَى عَشْرَةَ. كَمَا قَالَ مَالِكٌ. اه (ج ۱ ص ۲۳۹) وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ: لَمْ يَقَعْ فِي هَذِهِ الرَّوَايَةِ عَدَدُ الرُّكْعَاتِ الَّتِي كَانَ يُصَلِّي بِهَا أَبِي بْنُ كَعْبٍ وَقَدْ اخْتَلَفَ فِي ذَلِكَ فِيهِ الْمُوطَأُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهَا إِحْدَى عَشْرَةَ وَرَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ مِنْ وَجْهِ آخَرَ الخ (ج ۲ ص ۲۵۳)

وَقَالَ صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ: مَا قَالَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ مِنْ وَهْمٍ مَالِكٍ
فَعَلَطَ جِدًّا لِأَنَّ مَالِكًا قَدْ تَابَعَهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ
مَنْصُورٍ فِي سُنَنِهِ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عِنْدَ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي
شَيْبَةَ فِي مُصَنَّفِهِ كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ وَقَالَ إِحْدَى عَشْرَةَ
كَيْمَا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ، وَأَخْرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ
الْمَرْوَزِيُّ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ مِنْ طَرِيقِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي
مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نَصَلِّي فِي
رَمَنْ عُمَرَ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً. انْتَهَى قُلْتُ: هَذَا قَرِيبٌ
مِمَّا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ أَيْ مَعَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ
الْعِشَاءِ اهـ (التعليق الحسن ص ۲۰۳)

② ترجمہ: ثانیاً: علامہ زرقاتی نے موطا کی شرح میں فرمایا: اس کا قول کہ
مالک اس روایت میں اکیلے ہیں صحیح نہیں کیونکہ سعید بن منصور نے ایک
دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے بیان کیا اور فرمایا ”گیارہ رکعتیں“
جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ۱ ص ۲۳۹) اور حافظ نے فتح میں فرمایا اس
روایت میں ان رکعات کی تعداد مذکور نہیں جو ابی بن کعب پڑھاتے تھے اور
اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ موطا میں محمد بن یوسف نے سائب بن
یزید سے بیان کیا ہے کہ وہ گیارہ رکعتیں تھیں اور سعید بن منصور نے اسے
ایک سند کے ساتھ بیان کیا اھ۔ (ج ۲ ص ۲۵۳) اور صاحب آثار السنن
نے فرمایا: ابن عبد البر نے جو مالک کا وہم بتایا ہے بہت ہی غلط ہے کیونکہ
مالک کی متابعت سنن سعید بن منصور میں عبد العزیز بن محمد نے کی ہے اور
مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن قطان نے کی ہے دونوں نے محمد بن یوسف
سے بیان کیا ہے اور گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں جس طرح مالک نے محمد بن

یوسف سے بیان کیا اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمر کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے انتہی میں کہتا ہوں یہ اس روایت کے قریب ہے جو مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کی یعنی عشاء کے بعد دو رکعتیں ملا کر۔ (العلیق الحسن ص ۳۰۲)

تو منقولہ بالا عبارت دلالت کر رہی ہیں کہ یحییٰ بن سعید اور عبد العزیز بن محمد نے امام مالک کی متابعت کی ہے اور متابعت موافقت کا نام ہے نہ کہ مخالفت کا چنانچہ شرح نجہ میں لکھا ہے:

وَمَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ مِنَ الْفَرْدِ النَّسْبِيِّ إِنْ وَجَدَ بَعْدَ ظَنِّ كَوْنِهِ فَرْدًا قَدْ وَافَقَهُ غَيْرُهُ فَهُوَ الْمُتَابِعُ. (ص ۴۴)

”اور جس فرد نسبى کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسے فرد سمجھنے کے بعد اگر کوئی دوسرا راوی مل جائے جس نے اس کی موافقت کی ہو تو وہ متابع ہے۔“

نیز ایک توجیہ کے مطابق محمد بن اسحاق بھی امام مالک رحمہ اللہ کی متابعت کرتا ہے جیسا کہ صاحب آثار السنن کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے۔

③ وَثَالِثًا: قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ الصَّلَاحِ: الْمُضْطَرِبُّ مِنَ الْحَدِيثِ هُوَ الَّذِي تَخْتَلِفُ الرِّوَايَةُ فِيهِ فَيُرْوَى بِغَضْهِمْ عَلَى وَجْهِ وَبَعْضُهُمْ عَلَى وَجْهِ آخَرٍ مُخَالِفٍ لَهُ، وَإِنَّمَا نَسَمِيهِ مُضْطَرِبًا إِذَا تَسَاوَتْ الرِّوَايَتَانِ أَمَّا إِذَا تَرَجَّحَتْ أَحَدَاهُمَا بِحَيْثُ لَا تُقَاوِمُهُمَا الْآخَرَى بَأَن يَكُونَ رَاوِيهَا أَحْفَظَ أَوْ أَكْثَرَ ضُجْبَةً لِلْمُرْوِيِّ عَنْهُ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ جُودِهِ التَّرْجِيحَاتِ الْمُعْتَمَدَةِ فَالْحُكْمُ لِلرَّاجِحَةِ وَلَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ جُنُبٌ وَصَفُ الْمُضْطَرِبِ وَلَا لَهُ حُكْمُهُ. (علوم الحديث ص ۸۴)

وَفِي التَّدْرِيبِ شَرْحُ التَّقْرِيبِ: (النُّوعُ التَّاسِعُ عَشَرَ الْمُضْطَرَبُ هُوَ الَّذِي يُرَوَّى عَلَى أَوْجِهٍ مُخْتَلِفَةٍ مِنْ رَأَوْ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ أَوْ مِنْ رَاوِيَيْنِ أَوْ رُوَاةٍ (مُتَقَارِبَةٍ) وَعِبَارَةٌ ابْنُ الصَّلَاحِ مُتَسَاوِيَةٌ وَعِبَارَةٌ ابْنُ جَمَاعَةٍ مُتَقَاوِمَةٌ بِالْوَاوِ وَالْمِيمِ أَيْ وَلَا مُرْجَحَ (فَإِنْ رَجَحْتَ إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ) أَوْ الرِّوَايَاتِ (بِحِفْظِ رَاوِيَيْهَا) مَثَلًا (أَوْ كَثْرَةِ صُحْبَتِهِ الْمُرَوِّى عَنْهُ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ) مِنْ وَجُوهِ التَّرْجِيحَاتِ (فَالْحُكْمُ لِلرَّاجِحَةِ وَلَا يَكُونُ) الْحَدِيثُ (مُضْطَرَبًا) لَا الرِّوَايَةُ الرَّاجِحَةُ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ وَلَا الْمَرْجُوحَةُ بَلْ هِيَ شَاذَةٌ أَوْ مُنْكَرَةٌ كَمَا تَقَدَّمَ. اهـ (ص ۱۶۹) وَفِي شَرْحِ النُّخْبَةِ: أَوَّانَ كَانَتْ الْمُخَالَفَةُ بِإِدْبَالِهِ أَيْ الرَّاَوِي وَلَا مُرْجَحَ لِإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَلَى الْآخَرَى فَهَذَا هُوَ الْمُضْطَرَبُ وَهُوَ يَقَعُ فِي الْإِسْنَادِ غَالِبًا وَقَدْ يَقَعُ فِي الْمَتْنِ لَكِنْ قُلَّ أَنْ يَحْكُمَ الْمُحَدِّثُ عَلَى الْحَدِيثِ بِالْإِضْطِرَابِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى اخْتِلَافٍ فِي الْمَتْنِ دُونَ الْإِسْنَادِ. اهـ وَفِي حَاشِيَتِهِ: قَوْلُهُ: وَلَا مُرْجَحَ الْخَ فَإِنْ تَرَجَّحْتَ بِأَنْ يَكُونَ رَاوِيَهَا أَحْفَظُ أَوْ أَكْثَرُ صُحْبَةً لِلْمُرَوِّى عَنْهُ سِيمَا إِذَا كَانَ وَلَدَهُ أَوْ قَرِيبَهُ أَوْ مَوْلَاهُ أَوْ بَلَدِيَّةً أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ مِنْ وَجُوهِ التَّرْجِيحِ الْمُعْتَمَدَةِ كَكُونِهِ حِينَ التَّحْمَلِ بِالْغَا أَوْ سَمَاعِهِ مِنْ لَفْظِ شَيْخِهِ فَالْحُكْمُ لِلرَّاجِحِ وَلَا يَكُونُ الْحَدِيثُ حِينَئِذٍ مُضْطَرَبًا وَكَذَا إِنْ أَمَكَّنَ الْجَمْعُ بِحَيْثُ يُمَكِّنُ أَنْ يَكُونَ الْمُتَكَلِّمُ مُعَبِّرًا بِاللَّفْظَيْنِ فَأَكْثَرَ عَنْ مَعْنَى وَاحِدٍ أَوْ يُحْمَلُ كُلُّ مَنُهَا عَلَى حَالَةٍ لَا تَنَافِي فِي الْآخَرَى شَرْحُ الشَّرْحِ. اهـ (ص ۱۶۹) وَفِي شَرْحِ النُّخْبَةِ أَيْضًا: فَإِنْ خُولِفَ بِأَرْجَحَ مِنْهُ لِمَزِيدٍ صَبْطٍ أَوْ كَثْرَةِ عَدَدٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ وَجُوهِ التَّرْجِيحَاتِ فَالْأَرْجَحُ يُقَالُ لَهُ

الْمَحْفُوظُ وَمُقَابِلُهُ وَهُوَ الْمَرْجُوحُ يُقَالُ لَهُ الشَّادُو هَذَا هُوَ
الْمُعْتَمَدُ فِي تَعْرِيفِ الشَّادِ بِحَسَبِ الْإِصْطِلَاحِ وَإِنْ وَقَعَتْ
الْمُخَالَفَةُ مَعَ الضَّعِيفِ فَالرَّاجِحُ يُقَالُ لَهُ الْمَعْرُوفُ وَمُقَابِلُهُ يُقَالُ لَهُ
الْمُنْكَرُ. اهـ مقتصرًا (ص ۴۲، ۴۳) وَفِي شَرْحِ النُّجْبَةِ أَيْضًا: وَإِنْ
كَانَتْ الْمُعَارَضَةُ بِمِثْلِهِ فَلَا يَخْلُو إِمَّا أَنْ يُمَكِّنَ الْجَمْعُ بَيْنَ
مَذْلُوكَيْهِمَا بَغَيْرِ تَعَسُّفٍ أَوْ لَا فَإِنْ أَمَكَّنَ الْجَمْعُ فَهُوَ النَّوعُ الْمُسَمَّى
بِمُخْتَلَفِ الْحَدِيثِ اهـ (ص ۴۷)

- ③ ترجمہ: ثالثاً: حافظ ابن صلاح نے فرمایا: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ پر جو پہلے کے مخالف ہو۔ ہم اسے مضطرب کا نام صرف اس وقت دیں گے جب دونوں روایتیں (قوت میں) برابر ہوں لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کو ایسی ترجیح حاصل ہو جائے کہ دوسری اس کے مقابل نہ رکھی جاسکتی ہو اس وجہ سے کہ اس کا راوی حافظے میں زیادہ ہو یا جس سے روایت کر رہا ہو اس کی صحبت اسے زیادہ میسر رہی ہو یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی صورت موجود ہو تو رائج روایت کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اسے مضطرب نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس کا حکم مضطرب والا ہوگا (علوم الحدیث ص ۸۴) اور تقریب کی شرح تدریب میں ہے: انیسویں قسم مضطرب ہے جو ایک ہی راوی سے دو یا زیادہ مرتبہ یا دو راویوں سے زیادہ راویوں سے ایسی مختلف وجوہ کے ساتھ روایت کی جائے جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں ابن صلاح کی عبارت یہ ہے کہ وہ وجوہ ایک دوسری کے برابر ہوں اور ابن جماعہ کی عبارت یہ ہے کہ وہ ایک دوسری کی برابر کی مد مقابل ہوں اور ان وجوہ کے درمیان ترجیح دینے والی کوئی چیز موجود نہ

ہو۔ اگر ان دو روایات یا زیادہ روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہو جائے مثلاً اسکے راوی کے حافظہ کی وجہ سے یا مروی عنہ کے ساتھ اس کی صحبت کی وجہ سے یا ترجیح کے اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے تو فیصلہ رائج روایت کے حق میں ہوگا اور وہ حدیث مضطرب نہیں ہوگی نہ رائج روایت مضطرب ہوگی جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ ہی مرجوح روایت کیونکہ وہ اس صورت میں شاذ یا منکر ہوگی جیسا کہ گزر چکا انتہی (ص ۱۶۹) اور شرح نجبہ میں ہے: ”اور اگر مخالفت راوی کے بدل دینے کے ساتھ ہو اور دونوں روایتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے والی کوئی چیز بھی موجود نہ ہو تو اس کا نام مضطرب ہے اور یہ اکثر سند میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محدث حدیث پر اضطراب کا حکم سند کے بغیر صرف متن کے اختلاف کی وجہ سے لگائے۔ انتہی اور اس کے حاشیہ میں ہے قولہ: ”وَلَا مُسَرَّجَع“ تو اگر ایک روایت رائج ہو جائے اس وجہ سے کہ اس کا راوی زیادہ حافظ ہو یا مروی عنہ کے ساتھ زیادہ رہا ہو بالخصوص جب وہ اس کا لڑکا یا رشتہ دار یا غلام یا اس کے شہر میں رہنے والا ہو۔ یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی قابل اعتبار صورت ہو مثلاً اس کا راوی حدیث حاصل کرنے کے وقت بالغ ہو یا اس نے خود شیخ کے لفظ سنے ہوں تو اس قسم کی ترجیح حاصل ہو جانے کی صورت میں رائج روایت کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اس وقت حدیث مضطرب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر تطبیق ممکن ہو اس طرح کہ متکلم نے ایک ہی معنی کو دو یا زیادہ لفظوں کے ساتھ تعبیر کر دیا ہو یا دونوں میں سے ہر ایک لفظ کو کسی ایک حالت پر محمول کر دیا جائے جو دوسری حالت کے منافی نہ ہو شرح نجبہ میں ہے۔ پس اگر ایک روایت کی مخالفت ایسی روایت سے کی جائے جو ضبط کی زیادتی یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے یا ترجیح کی

وجہ میں سے کسی وجہ سے رائج ہے تو رائج کو محفوظ کہا جائے گا اور اس کے مقابل کو جو مرجوح ہے شاذ کہا جائے گا اصطلاح کے اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے اور اگر مخالفت ضعف کے ساتھ واقع ہو تو رائج کو معروف اور اس کی مقابل کو منکر کہا جائے اتنی بقدر ضرورت (ص ۴۲، ۴۳) اور شرح نخبہ ہی میں ہے اگر مخالفت ہم مثل روایت کے ساتھ ہو تو یا تو دونوں کے مفہوم میں بلا تکلف تطبیق ممکن ہوگی یا نہیں اگر تطبیق ممکن ہو تو اس قسم کا نام ”مختلف الحدیث“ ہے انتہی۔ (ص ۴۷)

وَحَاصِلُ هَذِهِ الْعِبَارَاتِ أَنَّ الْحَدِيثَ إِذَا رُوِيَ عَلَى أَوْجِهٍ مُخْتَلِفَةٍ فَإِنْ أَمَكْنَ الْجَمْعُ مِنْ غَيْرِ تَعَسَّفَ فَهُوَ مُخْتَلِفٌ الْحَدِيثُ أَوْ تَرَجَّحَ أَحَدُهَا بِطَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ التَّرْجِيحِ الْمُعْتَبَرَةِ فَالرَّاجِحُ مَحْفُوظٌ أَوْ مَعْرُوفٌ وَالْمَرْجُوحُ شَاذٌ أَوْ مُنْكَرٌ وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ الْجَمْعُ وَلَا التَّرْجِيحُ فَالْحَدِيثُ مُضْطَرَبٌ فَلَا اخْتِلَافَ الدِّيُّ يُمْكِنُ رَفْعُهُ بِالْجَمْعِ وَالتَّرْجِيحِ لَيْسَ بِاضْطِرَابٍ فِي عُرْفِ أَصُولِ الْحَدِيثِ .

”ان عبارات سے حاصل یہ ہوا کہ ایک حدیث جب مختلف وجہ پر روایت کی جائے تو اگر تکلف کے بغیر تطبیق ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے یا ترجیح کی معتبر وجہ میں سے کسی وجہ کے ساتھ ایک روایت کو ترجیح حاصل ہو جائے تو رائج کا نام محفوظ یا معروف اور مرجوح کا نام شاذ ہے یا منکر اور اگر نہ ہی تطبیق ممکن ہو اور نہ ترجیح ہو تو وہ حدیث مضطرب ہے تو وہ اختلاف جسے تطبیق یا ترجیح کے ساتھ ختم کیا جاسکتا ہو اصول حدیث کی رو سے اضطراب نہیں ہے۔“

پس کتب اصول حدیث کی مندرجہ بالا عبارات شہادت دے رہی ہیں کہ اگر مختلف بیانات میں ترجیح یا تطبیق کی کوئی معقول و مقبول صورت نکل آئے تو روایت کو اصطلاحاً مضطرب نہیں کہا جائے گا اور اس مقام پر ترجیح اور تطبیق کی صورت موجود ہے

لہذا مصنف صاحب کا فرمان ”پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے“ درست نہیں ہاں جامع ترمذی کے بعض مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ترجیح اور تطبیق کی موجودگی میں بھی روایت کو مضطرب کہا جاسکتا ہے تو پھر حضرت المولف کا بیان ”یہ روایت مضطرب ہے الخ“ درست ہوگا۔

④ وراجعا: اگر امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مضطرب قرار دیا جائے تو پھر داؤد بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی مضطرب قرار دینا پڑے گا کیونکہ محمد بن یوسف کے باہم مختلف بیانات والے پانچ شاگردوں میں داؤد بن قیس بھی شامل ہیں چنانچہ حضرت المولف کے پیش کردہ نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے تو جیسے صاحب رسالہ کے خیال میں بوجہ اضطراب امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ویسے ہی بوجہ اضطراب داؤد بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں حالانکہ حضرت المولف نے اپنے مدعا کے ثبوت میں فرمودہ دلائل میں سے سب سے پہلے داؤد بن قیس والی روایت کو پیش فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ صاحب رسالہ نے تو داؤد بن قیس کی روایت کو بعد از ترجیح یا تطبیق دلیل بنایا ہے تو پھر امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت سے استدلال کرنے والے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھی آخر گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح یا تطبیق کے بعد ہی دلیل بنایا ہے رہی یہ بات کہ کون سی ترجیح یا تطبیق درست ہے تو اس پر کلام ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

④ وخامسا: جس طریقہ سے حضرت المولف نے گیارہ رکعت والی روایت کو مضطرب بنایا اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سائب بن یزید رحمہ اللہ کی بیس رکعات والی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن

کے بیانات باہم مختلف ہیں جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

① (محمد بن یوسف) ان کے پانچ شاگردوں کے مذکورہ بیانات کو ذہن میں رکھیں جن کو حضرت المؤلف باہم مختلف قرار دے چکے ہیں نیز ایک نقشہ دے کر انہوں نے ان کے اختلاف کی صورت کو واضح کیا۔

② یزید بن خصیفہ: (۱) ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے (مالک اور محمد بن جعفر)

(۲) لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (ابن ابی ذئب) پہلے بیان میں اپنے عمل کا ذکر ہے لوگوں کے عمل کا ذکر نہیں دوسرے بیان میں اس کا عکس نیز پہلے بیان میں وتر کا ذکر ہے دوسرے میں وتر کا ذکر نہیں پھر ان دونوں بیانوں میں حکم کا ذکر نہیں اور نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا نیز گیارہ تیرہ اور اکیس کی بجائے بیس کا ذکر ہے۔

③ (حارث بن عبد الرحمن): حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام تیس رکعات تھا اس میں بھی حکم کا ذکر ہے نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا پھر گیارہ تیرہ بیس اور اکیس کی بجائے تیس کا ذکر ہے۔

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت المؤلف بطرق ثلاثہ اس روایت کو اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرما چکے ہیں رہی ترجیح و تطبیق والی بات تو اس پر کلام آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب اگر ترجیح کی راہ اختیار کی جائے تو محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی

روایت کو ترجیح ہوگی جیسا کہ تینوں بزرگوں کی روایات کی اسانید پر کلام سے ظاہر ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ترجیح کی راہ تب اختیار کی جاتی ہے جب رواد کے بیانات میں مخالفت و منافات ہو اور وہ اس مقام پر ہے ہی نہیں جیسا کہ تدبر و تامل کرنے سے ظاہر ہے ہاں صاحب رسالہ کے انداز فکر کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر حضرت سائب بن یزید کے تینوں شاگردوں کے بیانات باہم مختلف ہیں۔

نیز یزید بن حصیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے عمل کا بلکہ ان میں تو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم تھا یا نہیں تو ان دو بزرگوں کے بیانات سے بیس رکعات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔

② ترجیح و تطبیق کی تحقیق:

حضرت المولف تحریر فرماتے ہیں:

”حافظ ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں گیارہ اور اکیس میں اکیس کو ترجیح (قوت) دی اور گیارہ کو مرجوح (کمزور) قرار دیا اور اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں اور زرقانی مالکی نے اسی تطبیق کو پسند کیا اور کہا کہ امام بیہقی نے بھی مختلف روایتوں کو اسی طرح جمع کیا ہے (زرقانی شرح مؤطا جلد ۱ ص ۲۱۵) اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں اور علامہ شوکانی نیل الاوطار میں تطبیق کی صورت اختیار کی“۔ ۱ھ (ص ۲۴)

① أَوَّلًا: قَالَ الزُّرْقَانِيُّ فِي شَرْحِ الْمُوطَا: (أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً) قَالَ الْبَاجِي: لَعَلَّ عُمَرَ أَخَذَ ذَلِكَ مِنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا سُنِلَتْ عَنْ صَلَاتِهِ

فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: رَوَى غَيْرُ مَالِكٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ إِحْدَى وَعِشْرُونَ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ فِيهِ إِحْدَى عَشْرَةَ إِلَّا مَالِكًا وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ أَوَّلًا ثُمَّ خَفَفَ عَنْهُمْ طُولُ الْقِيَامِ وَنُقِلَ لَهُمْ إِلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ إِلَّا أَنَّ الْأَغْلَبَ عِنْدِي أَنَّ قَوْلَهُ: إِحْدَى عَشْرَةَ وَهُمْ. انْتَهَى وَلَا وَهُمْ مَعَ أَنَّ الْجَمْعَ بِالِاحْتِمَالِ الَّذِي ذَكَرَهُ قَرِيبٌ وَبِهِ جَمَعَ الْبَيْهَقِيُّ أَيْضًا وَقَوْلُهُ: إِنَّ مَالِكًا انْفَرَدَ بِهِ. لَيْسَ كَمَا قَالَ فَقَدْ رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ مِنْ وَجْهِ آخَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ فَقَالَ إِحْدَى عَشْرَةَ. كَمَا قَالَ مَالِكٌ. (ج ۱ ص ۲۳۹)

وَقَالَ: صَاحِبُ آثَارِ السُّنَنِ: مَا قَالَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ مِنْ وَهُمْ مَالِكٍ فَعَلَطَ جِدًّا لِأَنَّ مَالِكًا قَدْ تَابَعَهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ إِلَى آخِرِ مَا نَقَلْنَا قَبْلُ مِنَ التَّغْلِيقِ الْحَسَنِ. وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْقَارِي فِي الْمِرْقَاةِ: (بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً) أَيْ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ هَذِهِ السَّرْوَايَةُ وَهُمْ وَالَّذِي صَحَّ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَاعْتَرَضَ بَأَنَّ سَنَدَ تِلْكَ صَحِيحٌ أَيْضًا وَيَجَابُ بِأَنَّهُ لَعَلَّهُمْ فِي بَعْضِ اللَّيَالِي قَصَدُوا التَّشْيِيعَ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُ صَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانِي رَكْعَاتٍ وَالْوُتْرُ وَإِنْ كَانَ الَّذِي اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ أَمْرُهُمُ الْعِشْرِينَ وَرَوَايَةُ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ حَسَبَ رَاوِيهَا الثَّلَاثَةُ الْوُتْرُ فَإِنَّهُ جَاءَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْوُتْرَ ثَلَاثٌ عَلَى مَا تَقَرَّرَ عَلَيْهِ آخِرُ الْأَمْرِ وَأَنَّهُ غَيْرُ دَاخِلٍ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ (ج ۳ ص ۱۹۲) وَقَالَ صَاحِبُ تَحْفَةِ الْأَحْوَذِيِّ بَعْدَ

نَقَلَ رَدَّ الرَّزْقَانِي وَالنِّيمَوِي لِقَوْلِ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ: أَنَّ الْأَغْلَبَ عِنْدِي
 أَنَّ قَوْلَهُ إِحْدَى عَشْرَةَ وَهُمْ . مَا نَصَّهُ: فَلَمَّا ثَبَتَ أَنَّ الْإِمَامَ مَالِكًا لَمْ
 يَنْفَرِدْ بِقَوْلِهِ: إِحْدَى عَشْرَةَ . بَلْ تَابَعَهُ عَلَيْهِ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ
 وَهُوَ ثِقَةٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ إِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ قَالَ
 الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ: ثِقَةٌ مُتَقِنٌ حَافِظٌ إِمَامٌ ظَهَرَ لَكَ حَقُّ الظُّهُورِ
 أَنَّ قَوْلَ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ: أَنَّ الْأَغْلَبَ عِنْدِي أَنَّ قَوْلَهُ إِحْدَى عَشْرَةَ
 وَهُمْ لَيْسَ بِصَحِيحٍ، بَلْ لَوْ تَدَبَّرْتَ ظَهَرَ لَكَ أَنَّ الْأَمْرَ عَلَى خِلَافِ
 مَا قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ أَعْنَى أَنَّ الْأَغْلَبَ أَنَّ قَوْلَ غَيْرِ مَالِكٍ فِي هَذَا
 الْأَثَرِ إِحْدَى وَعِشْرُونَ كَمَا فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَهُمْ فَإِنَّهُ قَدْ
 انْفَرَدَ هُوَ بِإِخْرَاجِ هَذَا الْأَثَرِ بِهَذَا اللَّفْظِ وَلَمْ يُخْرِجْهُ بِهِ أَحَدٌ غَيْرُهُ
 فِيمَا أَعْلَمَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَإِنْ كَانَ ثِقَةً حَافِظًا لَكِنَّهُ قَدْ عَمِيَ فِي آخِرِ
 عُمُرِهِ فَتَغَيَّرَ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ وَأَمَّا الْإِمَامُ مَالِكٌ
 فَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ: إِمَامٌ دَارِ الْهَجْرَةِ رَأْسُ الْمُتَقِينَ وَكَبِيرُ
 الْمُتَشَبِّهِينَ حَتَّى قَالَ الْبُخَارِيُّ: أَصَحُّ الْأَسَانِيدِ كُلُّهَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ
 عَنِ ابْنِ عُمَرَ . انْتَهَى وَمَعَ هَذَا لَمْ يَنْفَرِدْ هُوَ بِإِخْرَاجِ هَذَا الْأَثَرِ بِلَفْظِ
 إِحْدَى عَشْرَةَ بَلْ أَخْرَجَهُ أَيْضًا بِهَذَا اللَّفْظِ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَابْنُ
 أَبِي شَيْبَةَ كَمَا عَرَفْتَ فَالْحَاصِلُ أَنَّ لَفْظَ إِحْدَى عَشْرَةَ فِي آثَرِ عُمَرَ
 الْحَطَّابِ الْمَذْكُورِ صَحِيحٌ ثَابِتٌ مَحْفُوظٌ وَلَفْظُ إِحْدَى وَعِشْرُونَ
 فِي هَذَا الْأَثَرِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالْأَغْلَبُ أَنَّهُ وَهُمْ . اهـ (ج ٢ ص ٤٢)
 وَقَالَ الْحَافِظُ فِي تَهْذِيبِ التَّهْذِيبِ: وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ سَمِعْتُ
 ابْنَ مَهْدِي يَقُولُ: كَانَ وَهَيْبٌ لَا يَغْدُلُ بِمَالِكٍ أَحَدًا . وَقَالَ أَيْضًا:
 وَكَانَ ابْنُ مَهْدِي لَا يَقْدِمُ عَلَى مَالِكٍ أَحَدًا . وَقَالَ أَيْضًا: وَقَالَ

النِّسَائِيُّ: مَا عِنْدِي بَعْدَ النَّابِعِينَ أَنْبَلُ مِنْ مَالِكٍ وَلَا أَجَلُ مِنْهُ وَلَا
أَوْثَقُ وَلَا آمَنُ عَلَى الْحَدِيثِ مِنْهُ الْخ. (ج ۱۰ ص ۹۷۸)

① ترجمہ: اولاً: زرقاتی نے موطا کی شرح میں فرمایا: ”ان يقوموا للناس باحدى عشرة ركعة“ باجی نے فرمایا کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ تعداد آنحضرت ﷺ کی نماز سے لی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ابن عبد البر نے فرمایا کہ مالک کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث میں اکیس رکعتیں روایت کیں اور یہی صحیح ہے اور مجھے مالک کے علاوہ کوئی شخص معلوم نہیں جس نے گیارہ روایت کی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے گیارہ ہی ہوں پھر لوگوں سے لمبے قیام میں تخفیف کر دی گئی ہو اور انہیں اکیس رکعتوں کی طرف منتقل کر دیا ہو۔ مگر میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ رکعت وہم ہے انتہی۔ اور جب اس احتمال کے ساتھ تطبیق بالکل آسان ہے جو ابن عبد البر نے بیان کیا تو یہ لفظ وہم نہیں ہے اور بیہقی نے بھی یہی تطبیق دی ہے اور اس نے جو یہ کہا کہ مالک اس میں اکیلے ہیں تو یہ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے فرمائی کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے روایت کی ہے اور فرما ”گیارہ رکعتیں“ جس طرح مالک نے فرمایا اھ (ج ۱ ص ۲۳۹) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا کہ ابن عبد البر نے جو مالک کا وہم قرار دیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت عبد العزیز بن محمد نے کی ہے۔ آخر عبارت تک جو اس سے پہلے ہم نے التعلیق الحسن سے نقل کی ہے اور علی قاری نے مرقاة میں فرمایا کہ ”باحدی عشرة ركعة“ یعنی شروع شروع میں (گیارہ رکعتیں تھیں) جیسا کہ ابن عبد البر نے کہا کہ یہ روایت وہم ہے اور ثابت یہی ہے کہ

لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعتیں قیام کرتے تھے اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سند تو اس (گیارہ) کی بھی صحیح ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ شاید انہوں نے بعض راتوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبیہ کا ارادہ کیا ہو کیونکہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ اگرچہ ان کا معاملہ بیس پر آٹھ اور تیس رکعت والی روایت میں راوی نے تین وتر بھی شمار کر لئے کیونکہ آیا ہے کہ لوگ تین وتر پڑھتے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخر میں معاملہ اسی بات پر آٹھ رکعت اور وہ صلاۃ لیل میں داخل نہیں آتی (ج ۳ ص ۱۹۲) اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے ابن عبدالبر کے قول (میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے) پر زرقانی اور نیوی کا رد نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ صاحب تحفہ کی بلفظ عبارت کا ترجمہ تو جب ثابت ہو گیا کہ مالک اپنے قول گیارہ رکعت میں اکیلے نہیں بلکہ اس لفظ پر ان کی متابعت عبدالعزیز نے کی ہے اور وہ ثقہ ہیں اور جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید قطان نے بھی متابعت کی ہے جن کے متعلق حافظ نے تقریب میں فرمایا ”ثقة متقن“ حافظ امام” تو تمہارے لیے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ابن عبدالبر کا قول ”کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے صحیح نہیں بلکہ اگر تم تدبر کرو گے تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا کہ اصل معاملہ اس بات کے برعکس ہے جو ابن عبدالبر نے کہی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ اس اثر میں مالک کے غیر کا قول اکیس رکعت جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے وہم ہے کیونکہ اس اثر کو ان لفظوں کے ساتھ روایت کرنے میں صرف عبدالرزاق اکیلا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے علاوہ کسی نے اسے ان لفظوں میں روایت نہیں کیا اور عبدالرزاق اگرچہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تو متغیر ہو گئے جیسا کہ حافظ نے

تقریب میں اس کی تصریح کی ہے رہے امام مالکؒ تو حافظ نے تقریب میں فرمایا: دارالہجرت کے امام متقین کے رئیس اور متتبعین کے سردار ہیں یہاں تک کہ بخاری نے فرمایا کہ تمام سندوں سے زیادہ صحیح سند ”مالک عن نافع عن ابن عمر“ ہے انتہی۔ علاوہ ازیں مالک اس اثر کو گیارہ کے لفظ کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے تو حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے اثر مذکور میں گیارہ کا لفظ صحیح ثابت محفوظ ہے اور اکیس کا لفظ غیر محفوظ ہے اور زیادہ غالب یہ ہے کہ وہ وہم ہے۔ ۱ھ (ج ۲ ص ۷۴) اور حافظ نے تہذیب التہذیب میں فرمایا: ”اور ابن مدینی نے کہا میں نے ابن مہدی سے سنا کہ وہیب مالکؒ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ ابن مہدی مالکؒ پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا ”اور نسائی نے کہا میرے نزدیک تابعین کے بعد مالکؒ سے زیادہ کوئی شخص نہ با شرف ہے نہ زیادہ جلیل القدر نہ زیادہ ثقہ اور نہ ان سے کوئی شخص حدیث میں زیادہ امین ہے الخ“۔ (جلد ۱ ص ۸، ۹)

حضرت المولف نے حافظ ابن عبدالبر کے اکیس رکعات والی روایت کو رائج اور امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مرجوح قرار دینے کو شرح زرقانی سے نقل فرمایا مگر شارح زرقانی کی تنقید و تردید بر قول ابن عبدالبر و ترجیح کو رسالہ میں ذکر کرنا تو درکنار انہوں نے اس کی طرف ادنیٰ اشارہ کرنے کو گوارا تک نہیں فرمایا حالانکہ جس مقام سے وہ حافظ ابن عبدالبر کی ترجیح کو نقل فرما رہے ہیں اسی مقام پر علامہ زرقانی کی تنقید و تردید بھی موجود ہے جیسا کہ شرح زرقانی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف صاف ظاہر ہے۔

محمد بن یوسف کا شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات کہنے میں متفرد ہے اور

اپنے اوثق رواۃ کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو اصول حدیث کی رو سے اس کی روایت مرجوح ہوگی اور ”اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ اگر کہا جائے کہ حافظ عبدالرزاق کی کتاب مصنف سے پتہ چلتا ہے کہ داؤد بن قیس کا متابع بھی موجود ہے کیونکہ وہاں لفظ ہیں ”داؤد بن قیس وغیرہ“ تو جواباً عرض ہے کہ یہ غیرہ مبہم اور مجہول ہے۔ ”لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ“۔

اس لیے اس متابعت کا کوئی اعتبار نہیں دیکھئے حضرت المولف نے بھی اس غیرہ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ورنہ وہ فرماتے ”محمد بن یوسف کے کم از کم چھ شاگرد ہیں الخ“ تو ان کے بیان ”اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے الخ“ سے واضح ہے کہ اس غیرہ کا ان کو بھی کوئی اتہ پتہ نہیں پھر داؤد بن قیس کے بیان کے محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کے بیانات کے مخالف ہونے کا حضرت المولف کو بھی اعتراف ہے اور اقرار ہے جیسا کہ ان کے دیئے ہوئے نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے۔

② وثانیا: پہلے تو محمد بن یوسف کے پانچ شاگردوں کے بیانات میں ترجیح پر بات ہو رہی تھی جو اس نتیجہ پر پہنچی کہ امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کا بیان ”گیارہ رکعات“ راجح اور داؤد بن قیس کا بیان ”اکیس رکعات“ مرجوح ہے رہی حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف، یزید بن خثیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے بیانات میں ترجیح تو اس مقام پر محمد بن یوسف کا بیان راجح کیونکہ وہ یزید بن خثیفہ اور حارث بن عبدالرحمان سے اوثق ہے اس لیے کہ حضرت المولف نے بذات خود محمد بن یوسف کی توثیق میں ”ثقة ثبت“ دو لفظ نقل فرمائے ہیں اور یزید بن خثیفہ کی توثیق میں ”ثقة“ صرف ایک ہی لفظ نقل فرمایا ہے اور شرح خجہ میں ہے:

”وَمِنَ الْمُهِمِّ أَيْضًا مَعْرِفَةُ مَرَاتِبِ التَّعْدِيلِ وَارْفَعَهَا الْوُصْفُ أَيْضًا“

بِمَا دَلَّ عَلَى الْمُبَالَغَةِ فِيهِ وَأَصْرَحُ ذَلِكَ التَّعْبِيرُ بِأَفْعَلٍ كَأَوْثَقِ النَّاسِ أَوْ أَثْبَتِ النَّاسِ وَإِلَيْهِ الْمُنتَهَى فِي التَّثْبِتِ ثُمَّ مَا تَأَكَّدَ بِصِفَةِ مَنْ الصِّفَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى التَّعْدِيلِ أَوْ صِفَتَيْنِ كَثْفَةِ ثِقَةٍ أَوْ ثَبِتِ ثَبِتٍ أَوْ ثِقَةٍ حَافِظٍ أَوْ عَدْلٍ ضَابِطٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ الْخ.

”اور اہم باتوں میں سے تعدیل کے مراتب کی پہچان بھی ہے ان میں سب سے بلند مرتبہ یہ ہے کہ ایسے لفظ سے تعریف کی جائے جو اس وصف میں مبالغہ پر دلالت کرے اور اس میں سب سے زیادہ صریح وہ ہے جو فعل (تفصیل) کے لفظوں کے ساتھ بیان کی جائے مثلاً: ”اوثق الناس، اثبت الناس، اليه المنتهى فى الثبوت“ پھر جس کی تاکید کسی صفت سے کی جائے جو تعدیل پر دلالت کرنے والی ہو یا دو صفتوں کے ساتھ موکد ہو مثلاً ثقۃ ثقۃ ثبت ثبت یا ثقۃ حافظ یا عدل ضابطہ یا اس جیسے الفاظ الخ۔“

اور تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے:

” (فَالْفَاطُ التَّعْدِيلِ مَرَاتِبُ) ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ كَابْنِ الصَّلَاحِ تَبَعًا لِابْنِ أَبِي حَاتِمٍ أَرْبَعَةً وَجَعَلَهَا الدَّهْبِيُّ وَالْعِرَاقِيُّ خَمْسَةً وَشَيْخُ الْإِسْلَامِ سِتَّةً (أَعْلَاهَا) بِحَسَبِ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ (ثِقَّةٌ أَوْ مُثَقِّنٌ أَوْ ثَبِتٌ أَوْ حُجَّةٌ أَوْ عَدْلٌ حَافِظٌ أَوْ عَدْلٌ ضَابِطٌ) وَأَمَّا الْمَرْتَبَةُ الَّتِي زَادَهَا الدَّهْبِيُّ وَالْعِرَاقِيُّ فَإِنَّهَا أَعْلَى مِنْ هَذِهِ وَهُوَ مَا كُرِّرَ فِيهِ أَحَدٌ هَذِهِ الْأَلْفَاطِ الْمَذْكُورَةِ أَمَّا بَعَيْنِهِ كَثْفَةُ ثِقَةٍ أَوْ لَا كَثْفَةُ ثَبِتٍ أَوْ ثِقَةٍ حُجَّةٌ أَوْ ثِقَّةٌ حَافِظٌ وَالْمَرْتَبَةُ الَّتِي زَادَهَا شَيْخُ الْإِسْلَامِ أَعْلَى مِنْ مَرْتَبَةِ التَّكْرِيرِ وَهِيَ الْوَصْفُ بِأَفْعَلٍ كَأَوْثَقِ النَّاسِ وَأَثْبَتِ النَّاسِ أَوْ نَحْوِهِ كَالْيَةِ الْمُنتَهَى فِي التَّثْبِتِ قُلْتُ: وَمِنْهُ لَا أَحَدٌ أَثْبَتَ مِنْهُ وَمَنْ مَثَلُ فَلَانٍ؟ وَقَلَانٌ لَا يُسْأَلُ عَنْهُ وَلَمْ أَرَمْ ذَكَرَ هَذِهِ الثَّلَاثَةَ وَهِيَ

الْفَاظُهُمْ فَالْمَرْتَبَةُ الَّتِي ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ أَعْلَى هِيَ الثَّالِثَةُ فِي الْحَقِيقَةِ“۔ ۱ھ (ص ۲۳۰)۔

”پس تعدیل کے الفاظ کے چند مرتبے ہیں مصنف نے ابن صلاح کی طرح ابن ابی حاتم کی پیروی میں چار مرتبے ذکر کئے ہیں اور ذہبی اور عراقی نے یہ مراتب پانچ بنائے ہیں اور شیخ الاسلام نے چھ بنائے ہیں (ان سب سے بلند) مصنف کے ذکر کے اعتبار سے (ثقة یا متقن یا ثبت یا حجة یا عدل حافظ یا) عدل (ضابطہ) ہے اور ذہبی اور عراقی نے جو مرتبہ زیادہ کیا ہے وہ اس مرتبہ سے بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں مذکورہ الفاظ بعینہ مکرر لائے جائیں یا کوئی دو لفظ مکرر لائے جائیں مثلاً ثقة ثقة یا ثقة ثبت یا ثقة حجة یا ثقة حافظ اور جو مرتبہ شیخ الاسلام نے زیادہ کیا ہے وہ تکریر کے مرتبہ سے بھی بلند ہے اور وہ وہ ہے جس میں فعل (تفضیل) کے ساتھ وصف بیان کیا جائے۔ مثلاً اوثق الناس اثبت الناس یا اس جیسے الفاظ مثلاً الیہ المنتهی فی الثبوت میں کہتا ہوں اسی مرتبے سے یہ لفظ بھی ہیں ”اس سے زیادہ پختہ کوئی نہیں“ اور ”فلاں کی مثل کون ہے“؟ اور فلاں کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا“ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ تین لفظ ذکر کئے ہوں حالانکہ تعدیل کے الفاظ میں یہ لفظ بھی آتے ہیں تو وہ مرتبہ جو مصنف نے اعلیٰ قرار دیا ہے درحقیقت وہ تیسرا ہے“۔ ۱ھ (ص ۲۳۰)

تو محمد بن یوسف اور یزید بن خسیفہ کے بارے میں حضرت المولف کے نقل کردہ الفاظ توثیق کے لحاظ سے محمد بن یوسف تعدیل کے دوسرے مرتبہ میں اور یزید بن خسیفہ توثیق کے تیسرے مرتبہ میں ہیں لہذا محمد بن یوسف یزید بن خسیفہ سے اوثق ہیں تو ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو ہوگی نہ کہ یزید بن خسیفہ کی روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے کہ درجہ ثقاہت میں یہ دونوں بزرگ برابر ہیں تو بھی کثرت صحبت اور رشتہ

داری کی بنا پر ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو دی جائے گی۔ اور کثرت صحبت اور رشتہ داری کا وجوہ ترجیح میں شامل ہونا پہلے پا حوالہ بیان ہو چکا ہے۔ رہے حارث بن عبدالرحمان تو محمد بن یوسف کا ان سے اوثق ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ محمد بن یوسف تو ثقہ ثبت ہیں اور حارث بن عبدالرحمان صدوق یمم رہا حارث بن عبدالرحمان کا رجال مسلم سے ہونا تو وہ اتنے سے تو محمد بن یوسف کے برابر بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ محمد بن یوسف سے اوثق بنیں کیونکہ کسی راوی کا دوسرے درجہ کا ثقہ ہونا مسلم کی شرط نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حارث بن عبدالرحمان تو مسلم کے رجال سے ہیں اور محمد بن یوسف بخاری اور مسلم دونوں کے رجال سے ہیں پھر محمد بن یوسف میں ترجیح کی دو اور وجہیں کثرت صحبت اور حضرت سائب سے رشتہ داری بھی موجود ہیں نیز حارث بن عبدالرحمان کی روایت کی سند محمد بن یوسف کی روایت کی سند کے ہم پلہ نہیں کیونکہ محمد بن یوسف سے بیان کرنے والے تو اس الممتنعین، کبیر الممتنعین اور اوثق بعد التابیین حضرت الامام مالک، امام الجرح والتعديل ثقہ متقن اور حافظ یحییٰ بن سعید القطان اور ثقہ عبدالعزيز بن محمد ہیں ادھر حارث بن عبدالرحمان سے بیان کرنے والے اسلمی صاحب ہیں جن کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے تو ان وجوہ ترجیح کی بنا پر محمد بن یوسف کی روایت رائج اور حارث بن عبدالرحمان کی روایت مرجوح ٹھہرے گی۔

باقی یزید بن خنیفہ اور حارث بن عبدالرحمان کے ایک دوسرے کا متابع ہونے سے بھی وہ دونوں محمد بن یوسف کے درجہ ثقاہت کو نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ مراتب تعدیل و توثیق، محمد بن یوسف کے مرتبہ ثقاہت ثقہ ثبت، یزید بن خنیفہ کے درجہ ثقاہت ثقہ اور حارث بن عبدالرحمان کے مقام عدالت صدوق یمم پر تدبر کرنے سے واضح ہے چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یزید اور حارث دونوں مل کر درجہ ثقاہت میں محمد بن یوسف کے برابر ہیں لیکن ترجیح کی دو اور وجوہ کثرت صحبت اور رشتہ داری سے محمد بن یوسف تو بہرہ ور ہیں اور یزید و حارث دونوں ان دو وجوہ سے محروم ہیں یہ بھی تسلیم کہ

کثرت صحبت میں بھی یہ دونوں محمد بن یوسف کے برابر ہیں مگر مروی عنہ سے رشتہ داری والی وجہ ترجیح سے تو یہ دونوں بہر حال محروم ہیں نیز یزید و حارث سے نیچے کے سب راوی محمد بن یوسف سے نیچے کے سب راویوں کے ہم پلہ نہیں ہیں کما تقدّم تو اصول حدیث کے لحاظ سے محمد بن یوسف کی روایت رائج اور یزید و حارث کی روایت مرجوح ہے اور بقول حضرت المولف ”اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے“ پھر محمد بن یوسف کی روایت رائج ہونے کی اور وجوہ بھی ہیں جیسا کہ ترجیح کی پچاس سے زائد وجوہ پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے۔

③ وثالثاً: حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے لہذا ترجیح کی کسی صورت مقبولہ کے ہوتے ہوئے ان کے ہاں تطبیق کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا چنانچہ صاحب فیض الباری تحریر فرماتے ہیں:

”وَاعْلَمُ أَنَّ الْحَدِيثَيْنِ إِذَا لَاحَ بَيْنَهُمَا تَعَارُضٌ فَحُكْمُهُ عِنْدَنَا أَنْ يُحْمَلَ أَوَّلًا عَلَى النَّسْخِ فَيُجْعَلُ أَحَدُهُمَا نَاسِخًا وَالْآخَرُ مَنْسُوخًا ثُمَّ يُتَنَزَّلُ إِلَى التَّرْجِيحِ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ وَجْهُ تَرْجِيحٍ أَحَدَهُمَا عَلَى الْآخَرِ يُصَارُ إِلَى التَّطْبِيقِ فَإِنْ أُمِكنَ فِيهَا وَالْأَفَالَى التَّسَاقُطُ هَذَا هُوَ التَّرْتِيبُ عِنْدَ التَّعَارُضِ عِنْدَنَا كَمَا فِي التَّحْرِيرِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ يَبْدَأُ أَوَّلًا بِالتَّطْبِيقِ ثُمَّ بِالنَّسْخِ ثُمَّ بِالتَّرْجِيحِ ثُمَّ بِالتَّسَاقُطِ قُلْتُ: وَمَا اخْتَارَهُ الشَّافِعِيَّةُ رَأَيْ حَسَنٌ فِي بَادئِ النَّظَرِ وَمَا يَظْهَرُ بَعْدَ التَّعَمُّقِ هُوَ أَنَّ مَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ أَوَّلِي لَأَنَّ التَّرْتِيبَ بَيْنَ التَّطْبِيقِ وَالتَّسَاقُطِ ظَاهِرٌ فَإِنَّ التَّسَاقُطَ إِنَّمَا هُوَ عِنْدَ تَعَدُّرِ التَّطْبِيقِ وَمَادَامَ أُمِكنَ الْجَمْعُ لَا مَعْنَى لِلتَّسَاقُطِ وَكَذَا تَقْدِيمُ التَّرْجِيحِ عَلَى التَّطْبِيقِ أَيْضًا وَاضِحٌ فَإِنَّ الْأَخَذَ بِالرَّاجِحِ مِمَّا جُبِلَ عَلَيْهِ الْإِنْسَانُ فَهُوَ مُودَّعٌ فِي فِطْرَتِهِ لَا تَرَى أَنَّكَ إِذَا سَمِعْتَ رَجُلًا أَفْتَاكَ فِي مَسْأَلَةٍ بِجَوَابٍ ثُمَّ

تَسْمَعُ رَجُلًا أَفْضَلَ مِنْهُ يُجِيبُ بِغَيْرِ جَوَابِهِ تَأْخُذُ بِمَا أَجَابَ بِهِ
الْأَفْضَلُ بِذُنُونٍ تَأْمَلُ وَلَا تَرْكُنُ إِلَى قَوْلِ الْمَفْضُولِ أَصْلًا وَهَذَا هُوَ
الْأَخْذُ بِالرَّاجِحِ مِنْ حَيْثُ لَا نَذْرِيهِ اه“ (المقدمہ ص ۵۲)

”اور جان کہ جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض سامنے آئے تو اس کا حکم
ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پہلے اسے نسخ پر محمول کیا جائے چنانچہ ایک کو ناسخ بنا
دیا جائے اور دوسری کو منسوخ پھر نسخ سے اتر کر ترجیح کی طرف رخ کیا
جائے اگر ایک حدیث کی دوسری پر ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو تو تطبیق کی راہ
اختیار کی جائے اگر ممکن ہو تو بہتر ورنہ دونوں کو ساقط سمجھا جائے۔ تعارض کی
صورت میں ہمارے نزدیک یہی ترتیب ہے جیسا کہ تقریر میں ہے اور
شافعیہ کے نزدیک پہلے تطبیق سے ابتداء کی جائے گی پھر نسخ پھر ترجیح اور پھر
تساقط۔ میں کہتا ہوں شافعیہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے بادی النظر میں
اچھی رائے ہے لیکن گہری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری رائے اولیٰ ہے
کیونکہ تطبیق اور تساقط کے درمیان ترتیب ظاہر ہے کیونکہ تساقط ہوتا ہی اسی
وقت ہے جب تطبیق ناممکن ہو جب تک تطبیق ممکن ہو تساقط کا کوئی مطلب
نہیں۔ اسی طرح تطبیق پر ترجیح کا مقدم ہونا بھی واضح ہے کیونکہ رائج بات کو
اخذ کرنا ایسی چیز ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے چنانچہ یہ اس کی فطرت
میں رکھ دی گئی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب آپ کو کوئی آدمی کسی مسئلہ
میں کوئی فتویٰ دے پھر آپ کو کسی ایسے آدمی سے جو پہلے سے افضل ہو اس
مسئلہ میں پہلے شخص کے فتویٰ کے علاوہ کوئی فتویٰ سنیں تو آپ بلا تامل اس
فتویٰ کو اخذ کریں گے جو افضل نے دیا ہے اور مفضول کے قول کی طرف
مائل نہیں ہوں گے اور یہی چیز رائج کو اخذ کرنا ہے اور جو ہم نہ جانتے ہوئے
بھی کرتے ہیں۔“ (مقدمہ ص ۵۲)

أَقُولُ: إِنْ شِئْتَ أَنْ تَعْرِفَ مَا عَلَيَّ كَلَامِ صَاحِبِ الْفَيْضِ هَذَا وَغَيْرِهِ فَارْجِعْ إِلَى انْتِقَادَاتِ شَيْخِنَا بَارَكَ اللَّهُ تَعَالَى فِي عِلْمِهِ وَعَمَلِهِ وَرِزْقِهِ وَعُمُرِهِ عَلَى الْفَيْضِ الْمُسَمَّاءِ بِإِرشَادِ الْقَارِئِ وَسَوْفَ تُطَبِّعُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ هَهُنَا بَيَانُ أَنَّ التَّرْجِيحَ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّطْبِيقِ عِنْدَ الْحَنْفِيَّةِ .

”میں کہتا ہوں اگر آپ صاحب فیض کے اس کلام اور دوسرے کلام پر جو اعتراض اور خرابیاں لازم آتی ہیں جاننا چاہیں تو ہمارے شیخ ”بارک اللہ فی علمہ وعملہ ورزقہ وعمرہ“ نے فیض الباری پر جو انتقادات ارشاد القاری کے نام کے ساتھ لکھے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ وہ طبع ہو جائیں گے۔ یہاں مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ حنفیہ کے ہاں ترجیح تطبیق پر مقدم ہے۔“

تو اصول کے اعتبار سے عند الحنفیہ اس مقام پر تطبیق کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس جگہ ترجیح کی صورت موجود ہے لیکن حضرت المولف نے چونکہ تطبیق کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اس لیے ان کی پیش فرمودہ تطبیق کا جائز لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

④ ورابعاً: حضرت المولف نے جو تطبیق نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے ”کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں“ مگر بندہ کو گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی کوئی دلیل نہیں ملی نہ تو حضرت المولف کے کلام میں اور نہ ہی حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی صاحب آثار السنن، علامہ باجی مالکی اور دیگر مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یادداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ کہیں پڑھی اور نہ کسی سے سنی لہذا حضرت

المولف کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ برائے مہربانی اس مذکور تطبیق کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔

⑤ وخامسا: حضرت المولف کی عبارت بتلا رہی ہے کہ مذکور تطبیق احتمال پر مبنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں ”اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں“ تو ان کے الفاظ ”حکم دیا ہو“ اور ”کردی گئی ہوں“ پر غور کرنے سے مذکور تطبیق کا مبنی برا احتمال ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے پھر حافظ ابن عبد البر کے الفاظ ”وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ أَوَّلًا ثُمَّ خُفِّفَ عَنْهُمْ طُولُ الْقِيَامِ وَنُقِلَهُمْ إِلَى إِحْدَى وَعِشْرِينَ الْخ“ (احتمال ہے کہ یہ پہلے ہو پھر ان سے بے قیام میں تخفیف کر دی ہو اور انہیں اکیس کی طرف منقل کر دیا ہو) علامہ زرقاتی کے الفاظ ”وَلَا وَهُمْ مَعَ أَنَّ الْجَمْعَ بِالْإِحْتِمَالِ الَّذِي ذَكَرَهُ قَرِيبٌ“ (اور وہم بالکل نہیں کیونکہ مذکورہ احتمال کے ساتھ تطبیق ممکن ہے) اور علامہ عینی کے شیخ مکرم کے الفاظ: ”لَعَلَّ هَذَا كَانَ مِنْ فِعْلِ عُمَرَ أَوَّلًا ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلَى ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ“ (شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل پہلے ہو پھر آپ نے انہیں تیس کی طرف منقل کر دیا ہو بھی حضرت المولف وغیرہ کی نقل کردہ تطبیق کے احتمالی ہونے پر صراحتہ دلالت کر رہے ہیں۔

⑥ وسادسا: اگر احتمالی تطبیق ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر احتمالی تطبیقات اور بھی ہیں ان میں سے کسی کو اختیار کیا جاسکتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْجَمْعُ بَيْنَ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ مُمَكِّنٌ بِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّ ذَلِكَ الْإِخْتِلَافَ بِحَسَبِ تَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ وَتَخْفِيفِهَا فَحَيْثُ يُطِيلُ الْقِرَاءَةَ تَقِلُّ الرُّكْعَاتُ وَبِالْعَكْسِ وَبِذَلِكَ جَزَمَ الدَّوْدِيُّ وَغَيْرُهُ وَالْعَدَدُ الْأَوَّلُ (أَيِ إِحْدَى عَشْرَةَ) مُوَافِقٌ لِحَدِيثِ عَائِشَةَ الْمَذْكُورِ

بَعْدَ هَذَا الْحَدِيثِ فِي الْبَابِ وَالثَّانِي (أَيُّ ثَلَاثَ عَشْرَةَ) قَرِيبٌ مِنْهُ
وَالْإِخْتِلَافُ فِيمَا زَادَ عَنِ الْعِشْرِينَ رَاجِعٌ إِلَى الْإِخْتِلَافِ فِي الْوُتْرِ
وَكَأَنَّهُ كَانَ تَارَةً يُؤْتَرُ بِوَاحِدَةٍ وَتَارَةً بِثَلَاثٍ“۔ اھ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۳)
”اور ان روایات میں مختلف احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور
احتمال ہے کہ یہ اختلاف قراءۃ کو طویل اور کم کرنے کے اعتبار سے ہو تو
جب قراءۃ لمبی ہو تو رکعات کم ہوں اور اس کے برعکس قراءۃ ہلکی ہو تو
رکعات زیادہ ہوں۔ داؤدی وغیرہ نے اسی کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے
اور پہلی تعداد (گیارہ) حضرت عائشہ کی اس حدیث کے موافق ہے جو اس
حدیث کے بعد باب میں ذکر ہوئی ہے اور دوسری (تیرہ) اس سے قریب
ہے اور میں سے زائد کا اختلاف وتر کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا کبھی تین“۔ انتہی (فتح الباری ج ۳
ص ۲۵۳)

أَقُولُ: وَيُؤَيِّدُ مَا جَزَمَ بِهِ الدَّادُودِيُّ وَغَيْرُهُ مَا ذَكَرَهُ صَاحِبُ أَثَارِ
السُّنَنِ فِي بَابِ التَّرَاوِيحِ بِأَكْثَرِ مِنْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ
الْحُصَيْنِ أَنَّهُ سَمِعَ الْأَعْرَجَ يَقُولُ: مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ
يَلْعَنُونَ الْكُفْرَةَ فِي رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي
ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ
خَفَّفَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔ اھ (ص ۲۰۳)

”میں کہتا ہوں: داؤدی وغیرہ نے جو بات یقین سے کہی ہے اس کی تائید
اس اثر سے بھی ہوتی ہے جو صاحب آثار السنن نے آٹھ رکعت سے زیادہ
تراویح کے باب میں داؤد بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اعرج
سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے لوگوں کو اسی حال پر پایا کہ وہ رمضان میں

کافروں پر لعنت کرتے تھے فرمایا کہ قاری سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا تو جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کر دی ہے اسے مالکؒ نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے اھ (ص ۲۰۳)

وَقَالَ الْمُحَدِّثُ الْمُبَارَكُفُورِيُّ: قَدْ جَمَعَ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ بَيْنَ رَوَايَتِي السَّائِبِ الْمُخْتَلَفَتَيْنِ الْمَذْكُورَتَيْنِ بَأَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ بِإِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ ثُمَّ كَانُوا يَقُومُونَ بِعِشْرِينَ وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ قُلْتُ: فِيهِ أَنَّهُ لِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ بَأَنَّهُمْ كَانُوا يَقُومُونَ أَوَّلًا بِعِشْرِينَ رَكْعَةً ثُمَّ كَانُوا يَقُومُونَ بِإِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ وَهَذَا هُوَ الظَّاهِرُ لِأَنَّ هَذَا كَانَ مُوَافِقًا لِمَا هُوَ الثَّابِتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ كَانَ مُخَالَفًا لَهُ فَتَفَكَّرَ. اھ (تختہ الاحوذی ج ۲ ص ۷۶)

”اور محدث مبارکپوریؒ نے فرمایا: ”بیہقی وغیرہ نے سائب کی مذکورہ دونوں مختلف روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ پہلے گیارہ رکعت قیام کرتے تھے پھر بیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ ہے کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ پہلے بیس رکعت قیام کرتے تھے پھر گیارہ رکعت قیام کرنے لگے اور ظاہر یہی بات ہے کیونکہ یہ اس تعداد کے مطابق ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور وہ اس کے مخالف ہے کفر۔ اھ (تختہ الاحوذی ج ۲ ص ۷۶)

أَقُولُ: وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَدْ أَرَشَدَهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْأَفْضَلِ فِي وَقْتِ الْقِيَامِ بِقَوْلِهِ: وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ. يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ وَأَعْطَى الْأَفْضَلَ فِي كَيْفِيَةِ الْقِيَامِ بِجَمْعِهِ إِيَّاهُمْ عَلَى قَارِيٍّ وَاحِدٍ وَيُظْهِرُ ذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِ: لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِيٍّ

وَاحِدٍ لَّكَانَ امْتَلٍ. فَلَمْ يَكُنْ رَضَى اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لِيُرْشِدَهُمْ فِي
 كَمِيَّةِ الْقِيَامِ إِلَّا إِلَى الْأَفْضَلِ أَيْضًا وَلِذَلِكَ كَانَ أَمْرُ أَبِي بِنِ كَعْبٍ
 وَتَمِيمَانَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ
 الْقَارِي يَقْرَأُ بِالْمَنِينِ وَكَانُوا يَعْتَمِدُونَ عَلَى الْعَصِي مِنْ طُولِ الْقِيَامِ
 وَمَا كَانُوا يَنْصَرِفُونَ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ وَأَمَّا كَانَ هَذَا الْعَدْدُ فِي
 الْقِيَامِ أَفْضَلَ لِثَبُوتِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ الْمَعْلُومِ
 أَنَّ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تَقَالُوا عِبَادَتَهُ: أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا
 وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خَشَاكُمْ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ الْخِ وَهُوَ يَدُلُّ عَلَى
 أَنَّ مَا وَافَقَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَرِيقَتَهُ وَلَوْ كَانَ
 قَلِيلًا أَفْضَلَ مِمَّا خَالَفَهَا وَلَوْ كَانَ كَثِيرًا فَالْقِيَامُ بِأَحْدَى عَشْرَةَ أَوْ
 ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَإِنْ كَانَ قَلِيلًا فِي بَادِي الرَّأْيِ أَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ
 بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَسِتٍّ وَثَلَاثِينَ وَإِنْ كَانَ كَثِيرًا فِي بَادِي الرَّأْيِ
 لِمُوَافَقَةِ الْأَوَّلِ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُخَالَفَةِ الثَّانِي
 أَيَّاهَا وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ طُولَ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَةَ أَفْضَلُ مِنْ كَثْرَةِ الرُّكُوعِ
 وَالسُّجُودِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ
 وَمُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ الطَّحَاوِيُّ فِي شَرْحِ مَعَانِي الْأَثَارِ:
 وَمِمَّنْ قَالَ بِهَذَا الْقَوْلِ الْآخِرِ فِي إِطَالَةِ الْقِيَامِ وَأَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْ كَثْرَةِ
 الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنِي بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي
 عِمْرَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي
 حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى. (ج ۱ ص ۳۲۱)

”میں کہتا ہوں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے قیام کے وقت میں لوگوں کی راہنمائی افضل وقت کی طرف فرمائی یہ کہہ کر کہ جس وقت میں یہ لوگ سو جاتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں قیام کرتے ہیں یعنی رات کا آخری حصہ اور لوگ رات کے شروع حصہ میں قیام کرتے تھے اور قیام کی کیفیت میں بھی افضل کی طرف رہنمائی کی کہ ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو افضل ہو تو قیام کی تعداد میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رہنمائی افضل کی طرف ہی کر سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں اور قاری سو سو آیات کی سورتیں پڑھتا اور لوگ طول قیام کی وجہ سے لاشیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے اور فجر کے قریب جا کر ہی فارغ ہوتے تھے اور قیام میں یہ تعداد اس لیے افضل ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اور معلوم ہے کہ سب طریقوں سے بہتر محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور آپ ﷺ نے ان تین آدمیوں کو فرمایا جنہوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا تھا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں یاد رکھو! اللہ کی قسم! یقیناً میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھنے والا ہوں الخ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو عمل آپ کی سنت اور طریقے کے مطابق ہو خواہ کم ہی ہو اس عمل سے افضل ہے جو آپ کی سنت اور طریقے کے مخالف ہو خواہ وہ زیادہ ہی ہو تو گیارہ یا تیرہ رکعت قیام اگرچہ بظاہر نظر کم ہے تیس اور چھتیس رکعت قیام سے افضل ہے اگرچہ ظاہر دیکھنے میں وہ زیادہ ہی ہے کیونکہ پہلی تعداد نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہے اور دوسری اس کے مخالف ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نفل نماز میں قیام اور قرأت کا طویل ہونا رکوع سجود کی کثرت سے افضل ہے یہ ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد کا مذہب ہے اور شافعی کا قول بھی یہی ہے طحاوی نے شرح معانی الآثار میں فرمایا: ”جو لوگ

اس آخری قول یعنی قیام طویل کرنے اور کثرت رکوع و سجود سے اس کے افضل ہونے کے قائل ہیں ان میں محمد بن حسن بھی شامل ہیں مجھے یہ بات ابن ابی عمران نے محمد بن سلمہ سے بیان کی انہوں نے محمد بن حسن سے اور یہی قول ابو حنیفہ ابو یوسف اور محمد بن زبیر کا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲۱)

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي الْفَتْحِ: وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ بْنِ طَرِيقٍ دَاوُدَ بْنَ قَيْسٍ قَالَ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ فِي إِمَارَةِ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَعْنِي بِالْمَدِينَةِ يَقُومُونَ بِسِتٍّ وَثَلَاثِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَقَالَ مَالِكٌ هُوَ الْأَمْرُ الْقَدِيمُ عِنْدَنَا وَعَنِ الرَّعْفَرَانِيِّ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَأَيْتُ النَّاسَ يَقُومُونَ بِالْمَدِينَةِ بِتِسْعٍ وَثَلَاثِينَ وَبِمَكَّةَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ضَيْقٌ وَعَنْهُ قَالَ: إِنْ أَطَالُوا الْقِيَامَ وَأَقَلُّوا السُّجُودَ فَحَسَنٌ وَإِنْ أَكْثَرُوا السُّجُودَ وَأَخْفُوا الْقِرَاءَةَ فَحَسَنٌ وَالْأَوَّلُ أَحَبُّ إِلَيَّ. اهـ (ج ۴ ص ۲۵۳)

”اور حافظ نے فتح الباری میں فرمایا: ”اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر ابن عبدالعزیز کی (مدینہ میں) امارت کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا کہ یہ ہمارے ہاں قدیم دستور ہے اور زعفرانی نے شافعی سے بیان کیا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں دیکھا کہ انتالیس رکعت قیام کرتے تھے اور مکہ میں تیس رکعت اور ان میں سے کسی میں بھی مضائقہ نہیں اور شافعی سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر قیام طویل کر دیں اور سجود کی تعداد کم کر دیں تو اچھا ہے اور سجود زیادہ کریں اور قراءت ہلکی کر دیں تو بھی اچھا ہے اور پہلی بات مجھے زیادہ محبوب ہے۔“۔ اهـ (ج ۴ ص ۲۵۳)

فَظَهَرَ أَنَّ الْقِيَامَ بِإِحْدَى عَشْرَةٍ أَوْ ثَلَاثِ عَشْرَةٍ إِذَا أُطِيلَ الْقِيَامُ
وَالْقِرَاءَةُ فِيهَا أَفْضَلُ عِنْدَ الْإِمَامَيْنِ الْهَمَّامَيْنِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيَّ
أَيْضًا مِنَ الْقِيَامِ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَتِسْعٍ وَثَلَاثِينَ وَإِحْدَى وَأَرْبَعِينَ
إِذَا خَفِيَ الْقِرَاءَةُ وَالْقِيَامُ فِيهَا وَالْعَمَلُ فِي بِلَادِنَا الْيَوْمَ أَنَّ الَّذِينَ
يُصَلُّونَ إِحْدَى عَشْرَةٍ أَوْ ثَلَاثِ عَشْرَةٍ تَكُونُ قِرَاءَتُهُمْ مُسَاوِيَةً
لِقِرَاءَةِ الَّذِينَ يُصَلُّونَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ إِلَّا نَادِرًا وَكَذَا يَكُونُ قِيَامُ
الْأَوَّلِينَ أَطْوَلَ مِنْ قِيَامِ الْآخَرِينَ غَالِبًا فَيَكُونُ عَمَلُ الْأَوَّلِينَ فِي قِيَامِ
رَمَضَانَ أَفْضَلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيَّ أَيْضًا مِنْ عَمَلِ الْآخَرِينَ
فِيهِ فَتَدَبَّرْ. ثُمَّ التَّطَبُّقُ الَّذِي حَكَاهُ صَاحِبُ الرِّسَالَةِ عَنِ ابْنِ
عَبْدِ الْبَرِّ وَغَيْرِهِ قَدْ بَنَى عَلَى تَخْفِيفِ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَةِ فِي ثَلَاثٍ
وَعِشْرِينَ أَوْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ كَمَا يَظْهَرُ ذَلِكَ مِنْ عِبَارَةِ ابْنِ
عَبْدِ الْبَرِّ نَفْسِهِ وَمِنْ تَرْجُمَتِهِمَا الْأُرْدِيَّةِ الَّتِي ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ
وَيَظْهَرُ ذَلِكَ مِنْ كَلَامِ الْبَاجِي أَيْضًا حَيْثُ قَالَ: فَأَمَرَهُمْ أَوَّلًا
بِتَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ لِأَنَّهُ أَفْضَلُ ثُمَّ ضَعَفَ النَّاسُ فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ
وَعِشْرِينَ فَخَفَّفَ مِنْ طَوْلِ الْقِرَاءَةِ وَاسْتَذْرَكَ بَعْضُ الْفَضِيلَةِ
بِزِيَادَةِ الرُّكْعَاتِ وَقَالَ أَيْضًا: وَكَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ
الْحَرَّةِ فَثَقُلَ عَلَيْهِمُ الْقِيَامُ فَتَقَصَّوْا مِنَ الْقِرَاءَةِ وَزَادَ الرُّكْعَاتِ
فَجَعَلْتُ سِتًّا وَثَلَاثِينَ غَيْرَ الشُّفْعِ وَالْوَتْرِ وَذَكَرَ ابْنُ حَبِيبٍ أَنَّهَا
كَانَتْ أَوَّلًا إِحْدَى عَشْرَةَ كَانُوا يُطِيلُونَ الْقِرَاءَةَ فَثَقُلَ عَلَيْهِمْ
فَخَفَّفُوا الْقِرَاءَةَ وَزَادُوا فِي عَدَدِ الرُّكْعَاتِ فَكَانُوا يُصَلُّونَ عِشْرِينَ
رُكْعَةً غَيْرَ الشُّفْعِ وَالْوَتْرِ بِقِرَاءَةِ مُتَوَسِّطَةٍ ثُمَّ خَفَّفُوا الْقِرَاءَةَ
وَجَعَلُوا الرُّكْعَاتِ سِتًّا وَثَلَاثِينَ غَيْرَ الشُّفْعِ وَالْوَتْرِ وَمَضَى الْأَمْرُ

عَلَى ذَالِكَ وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ قَالَ:
أَذْرَكْتُ النَّاسَ فِي إِمَارَةِ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَعْنِي
بِالْمَدِينَةِ يَقُومُونَ بِسِتِّ وَثَلَاثِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَقَالَ
مَا لَكَ هُوَ الْأَمْرُ الْقَدِيمُ عِنْدَنَا. ۱ھ (شرح الموطأ للزرقانی ج ۱ ص ۲۳۹)

”اس سے ظاہر ہوا کہ گیارہ یا تیرہ رکعت قیام جب کہ ان میں قیام اور قراءۃ
طویل کئے جائیں دونوں جلیل القدر ائمہ ابو حنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی
تیس، انتالیس اور اکتالیس رکعت قیام سے افضل ہے جب کہ ان میں قیام
اور قراءۃ ہلکے ہوں۔ ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو
لوگ گیارہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قراءۃ تیس رکعت پڑھنے والوں کی
قراءت کے برابر ہوتی ہے الا نادراً اسی طرح اول الذکر لوگوں کا قیام آخر
الذکر حضرات کے قیام سے عموماً لمبا ہوتا ہے تو پہلے لوگوں کا عمل قیام رمضان
میں دوسرے حضرات کے قیام سے ابو حنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی افضل
ہوگا۔ فقہ بر۔ پھر وہ تطبیق جو صاحب رسالہ نے ابن عبدالبر وغیرہ سے بیان
کی ہے اس کی بنا تیس یا اکتالیس رکعتوں میں قیام اور قراءت کی تخفیف پر
ہے جیسا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر کی عبارت اور اس کے اس اردو ترجمہ
سے ظاہر ہے جو مصنف نے کیا ہے اور یہی بات باجی کے اس کلام سے بھی
ظاہر ہو رہی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ”تو آپ نے پہلے انہیں قراءۃ
طویل کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ افضل ہے پھر لوگ کمزور ہو گئے تو انہیں تیس
کا حکم دیا اور طول قراءت میں تخفیف کردی اور اس سے فضیلت میں جو کمی
آئی تھی اس کا کچھ حصہ رکعتیں زیادہ کر کے پورا کر دیا“ اور یہ بھی فرمایا کہ
”اور یوم حرہ تک معاملہ اسی طریقے پر رہا پس لوگوں پر قیام بھاری ہو گیا تو
انہوں نے قراءۃ کم کردی اور رکعات زیادہ کر دیں چنانچہ رکعات کی تعداد

جفت اور وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئی اور ابن حبیب نے ذکر کیا کہ تراویح پہلے گیارہ تھیں لوگ ان میں قراءت لمبی کرتے تھے تو یہ ان پر بھاری ہو گئی تو انہوں نے قراءۃ ہلکی کردی اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا چنانچہ وہ جفت اور وتر کے بغیر درمیانی قراءت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتے تھے پھر انہوں نے قراءت میں تخفیف کردی اور رکعات جفت اور وتر کے بغیر چھتیس کر دیں اور معاملہ اسی پر چل نکا، اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو (مدینہ میں) ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا ہمارے ہاں یہی امر قدیم ہے۔ اھ (شرح موطا للورقانی ج ۱ ص ۲۳۹)

فَيَكُونُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَلَى رَأْيِ هَؤُلَاءِ أَمْرُهُمْ أَوَّلًا بِالْأَفْضَلِ ثُمَّ نَقَلَهُمْ إِلَى غَيْرِ الْأَفْضَلِ وَشَأْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَجَلٌ وَأَرْفَعُ مِنْ هَذَا كَمَا يُحْضِضُ مِنْ إِرْشَادِهِ إِيَّاهُمْ إِلَى الْقِيَامِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَجَمْعِهِ إِيَّاهُمْ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ وَإِنَّمَا رَاعَى الْأَفْضَلَ فِيهِمَا فَلَمْ يَكُنْ لِيَرَاعِيَ الْأَفْضَلَ فِي وَقْتِ الْقِيَامِ وَكَيْفِهِ وَيَدْعُهَا فِي كَمِّهِ، ثُمَّ لَا دَلِيلَ لِأَمْرِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِيَّاهُمْ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ كَمَا تَقَدَّمَ نَعَمْ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَمْرًا بَيًّا وَتَمِيمًا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحَدِي عَشْرَةٍ فَتَمَلُّ.

ثُمَّ قَوْلُ الْبَاجِي: وَاسْتَدْرَكَ بَعْضُ الْفَضِيلَةِ بِزِيَادَةِ الرُّكْعَاتِ ظَاهِرٌ فِي أَنَّ فِي زِيَادَةِ الرُّكْعَاتِ اسْتِدْرَاكًَا لِبَعْضِ فَضِيلَةِ طَوْلِ الْقِيَامِ وَالْقِرَاءَةِ لَا كُلِّ فَضِيلَتِهِ. فَالْتَّطَبُّقَاتُ الَّتِي ذَكَرَهَا الْعُلَمَاءُ

هَهْنَا ثَلَاثُ الْأَوَّلُ مَا ذَكَرَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَابْنُ يَهُفَى وَغَيْرُهُمَا وَالثَّانِي مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الدَّوْدِيُّ وَغَيْرُهُ وَالثَّالِثُ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ أَحَدِي عَشْرَةَ تَارَةً وَتَارَةً ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَتَارَةً عَشْرِينَ وَقَدْ أَشَارَ إِلَيْهِ الْحَافِظُ بِقَوْلِهِ: وَالْجَمْعُ بَيْنَ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ مُمَكِّنٌ بِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ. وَهَهْنَا تَطْبِيقُ رَابِعٍ. قَدْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ تَحْفَةِ الْأَحْوَذِيِّ وَلَا يَذْهَبُ عَلَيْكَ أَنَّ مَعْنَى التَّطْبِيقِ وَالْجَمْعِ وَالتَّوْفِيقِ فِي الثَّانِي وَالثَّالِثِ أَشَدُّ وَأَزِيدُ مِنْهُ (فِي الْأَوَّلِ) وَالرَّابِعُ فَتَفَكَّرْ.

”تو ان لوگوں کی رائے کے مطابق حضرت عمرؓ نے انہیں پہلے افضل کا حکم دیا ہوگا پھر انہیں غیر افضل کی طرف منتقل کر دیا ہوگا حالانکہ حضرت عمرؓ کی شان اس بات سے نہایت بلند ہے جیسا کہ آپ کے ان کی رات کے آخر حصہ میں قیام کی طرف رہنمائی اور انہیں ایک قاری پر جمع کرنے سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے اور آپ نے ان دونوں چیزوں میں افضل کا خیال رکھا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ قیام کے وقت اور کیفیت میں تو افضل کا خیال رکھیں اور کمیت (تعداد) میں اس کا خیال چھوڑ دیں۔ پھر اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے لوگوں کو تیس رکعت کا حکم دیا جیسا کہ گزر چکا۔ ہاں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں قائل۔

پھر باجی کے اس قول ”فضیلت کی کچھ کمی رکعتیں زیادہ کر کے پوری کی“ سے ظاہر ہے کہ رکعتیں زیادہ کرنے سے قیام اور قراءت کے طویل ہونے کی فضیلت کی کچھ کمی پوری ہو سکتی ہے تو علماء نے اس مقام پر جو تطبیق ذکر کی ہیں تین ہیں پہلی وہ جو ابن عبد البر اور بیہقی وغیرہ نے ذکر کی دوسری وہ جس کی طرف داؤدی وغیرہ گئے ہیں تیسری یہ کہ کبھی لوگ گیارہ پڑھتے تھے کبھی

تیرہ اور کبھی بیس۔ اس تطبیق کی طرف حافظ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ان روایات کے درمیان احوال کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور اس مقام پر ایک چوتھی تطبیق بھی ہے جو صاحب تحفۃ الاحوذی نے ذکر کی ہے۔ پھر آپ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ تطبیق اور جمع کا مفہوم دوسری اور تیسری تطبیق میں پہلی اور چوتھی تطبیق کی بہ نسبت زیادہ ہے فقہر۔

⑦

وسایعاً: اگر کوئی صاحب فرمائیں مانا کہ حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے مگر آپ کے نزدیک تو تطبیق ترجیح سے مقدم ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہ درست لیکن محدث مبارکپوری اور علامہ داؤدی وغیرہ کی پیش کردہ تطبیقات بھی تو آخر تطبیقات ہی ہیں انہیں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے البتہ اتنی بات یاد رہے کہ یہ ترجیح و تطبیق والی ساری گفتگو حضرت المولف کے انداز فکر کو پیش نظر رکھنے پر مبنی ہے ورنہ بندہ کے نزدیک تو محمد بن یوسف کے بیان ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا“ اور یزید و حارث کے بیانات میں تعارض تو سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ یزید اور حارث کے بیانات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں کی گئی ان میں تو صرف لوگوں کے عمل کا ذکر ہے کہ وہ بیس رکعات پڑھتے تھے یا ہم بیس رکعات پڑھتے تھے یا قیام بیس رکعات تھا تو لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو خواہ گیارہ کا حکم دینے کے بعد کسی صورت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں ہے تو جب سائب بن یزید کے اصحاب ثلاثہ کے بیانات میں تعارض ہی نہیں تو اس مقام پر نہ تو تطبیق کی ضرورت ہے اور نہ ہی ترجیح کی اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ لوگوں کا گیارہ کے حکم سے پہلے بیس رکعات پڑھنا تو واقعی گیارہ کے حکم سے متعارض نہیں مگر گیارہ کے حکم کے بعد لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا گیارہ کے حکم سے

کیونکہ متعارض نہیں تو جواباً گزارش ہے کہ وہ اس لیے متعارض نہیں کہ لوگوں کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کے بعد بیس رکعات پڑھنے سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کے دینے کی نفی نہیں ہوتی نہ مطابقت نہ تضمن اور نہ ہی التزام زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات سے بڑھ کر از خود بیس رکعات پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے حکم ہی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں بیس پڑھنے سے منع نہ فرمایا پھر اس لیے بھی کہ بیس رکعات قیام رمضان میں بھی آخر نفلی عبادت ہی ہے گورتبہ میں گیارہ رکعات قیام رمضان کے بوجہ برابر نہیں مگر یہ بھی تب لازم آتا ہے جب کہ لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بیس رکعات پڑھنا ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں نیز زیادہ رہے کہ بیس رکعات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع نہ فرمانے کا کسی روایت میں صراحۃً ذکر نہ ہونے سے ان کا بیس رکعات سے منع نہ فرمانا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے منع فرمانا ثابت ہوتا ہے بہر حال لوگوں کا بیس پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو یا بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں لہذا اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ہی ترجیح کی رہا یہ سوال کہ کئی علماء کرام نے تطبیق یا ترجیح کی راہ اختیار فرمائی ہے تو وہ ان بزرگوں کی تحقیق ہے بندہ نے اپنی تحقیق پیش کی فائدہ۔

⑧ وثامنا: حضرت المؤلف نے علامہ شوکانی کے تطبیق کو اختیار کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے سو وہ تطبیق وہی ہے جس کا حافظ ابن حجر کے کلام میں ذکر ہو چکا ہے البتہ مناسب ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں علامہ شوکانی کی تحقیق بھی نقل کر دی جائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”قَالَ الْحَافِظُ: وَالْجَمْعُ بَيْنَ هَذِهِ الرَّوَايَاتِ إِلَى أَنْ قَالَ :

هَذَا حَاصِلُ مَا ذَكَرَهُ فِي الْفَتْحِ مِنَ الْإِخْتِلَافِ فِي ذَلِكَ وَأَمَّا
الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ فِي رَمَضَانَ
فَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ
رَكْعَةً. وَأَخْرَجَ ابْنُ حَبَّانٍ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ أَنَّهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ. وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ يُصَلِّي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ
عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ. زَادَ سُلَيْمُ بْنُ الرَّازِيِّ فِي كِتَابِ التَّرْغِيبِ لَهُ
وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: تَفَرَّدَ بِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ
وَهُوَ ضَعِيفٌ. وَأَمَّا مَقْدَارُ الْقِرَاءَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَلَمْ يَرِدْ بِهِ دَلِيلٌ
وَالْحَاصِلُ أَنَّ الَّذِي ذَلَّتْ عَلَيْهِ أَحَادِيثُ الْبَابِ وَمَا يُشَابِهُهَا هُوَ
مَشْرُوعِيَّةُ الْقِيَامِ فِي رَمَضَانَ وَالصَّلَاةُ فِيهِ جَمَاعَةٌ وَفَرَادَى فَقَصُرُ
الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيحِ عَلَى عَدَدِ مُعَيَّنٍ وَتَخْصِيصُهَا بِقِرَاءَةِ
مَخْصُوصَةٍ لَمْ يَرِدْ بِهِ سُنَّةٌ“ اه (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳)

”حافظ نے فرمایا: اور ان روایتوں کے درمیان تطبیق یہاں تک کہ
شوکانی نے کہا کہ یہ اس اختلاف کا خلاصہ ہے جو فتح الباری میں اس مسئلہ
میں ذکر کیا ہے۔ رہی وہ تعداد جو آنحضرت ﷺ سے رمضان کی نماز میں
ثابت ہے تو بخاری وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں
نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے
زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابر کی حدیث بیان کی
کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں پھر وتر پڑھایا اور بیہقی
نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر

بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ سلیم رازی نے اپنی کتاب الترغیب میں یہ لفظ زیادہ کئے ہیں کہ اور تین وتر پڑھتے تھے، بیہقی نے فرمایا: اس میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان مفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ رہ گئی ہر رکعت میں قراءت کی مقدار تو اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں آئی۔ حاصل یہ ہے کہ باب کی احادیث اور اس کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ رمضان کے قیام اور اسے اکیلے اکیلے یا باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے تو اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کر دینا اور کسی مخصوص قراءۃ کے ساتھ خاص کر دنیا کسی حدیث میں نہیں آیا۔ اھ

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳)

أَقُولُ: لَمْ يُرِدِ الشُّوْكَانِيُّ بِقَوْلِهِ: فَقَصُرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيحِ عَلَى عَدَدِ مُعَيَّنٍ الْخَ إِنَّ الْعَدَدَ الْمُعَيَّنَ فِي صَلَاةِ رَمَضَانَ لَمْ يُثَبِّتْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَزْعُمُهُ بَعْضُ النَّاسِ الْيَوْمَ وَالِدَّلِيلُ عَلَى عَدَمِ إِزَادَتِهِ ذَلِكَ مَا قَالَ قَبْلُ: وَأَمَّا الْعَدَدُ الثَّابِتُ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ فِي رَمَضَانَ الْخَ وَإِنَّمَا أَرَادَ بِقَوْلِهِ: فَقَصُرُ الصَّلَاةِ الْمُسَمَّاةِ بِالتَّرَاوِيحِ الْخَ مَا أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ قَبْلُ وَأَمَّا فَعْلُهَا عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي يَفْعَلُونَهَا الْآنَ مِنْ مُلَازِمَةِ عَدَدٍ مَخْصُوصٍ وَقِرَاءَةِ مَخْصُوصَةٍ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فَسَيَأْتِي الْكَلَامُ عَلَيْهِ. اھ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۲) والكلام الموعود اتيانه قبل هو قَوْلُهُ: فَقَصُرُ الصَّلَاةِ الْخَ .

فَائِدَةٌ: قَالَ الشُّوْكَانِيُّ فِي النَّيْلِ فِي شَرْحِ قَوْلِ صَاحِبِ الْمُنتَقَى وَلِمَالِكٍ فِي الْمُوطَأَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ يَقُومُونَ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً. مَا نَصَّهُ بِلَفْظِهِ:

قَوْلُهُ: (بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رُكْعَةً) قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَهَذَا أَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ. وَوَهُمَ فِي ضَوْءِ النَّهَارِ فَقَالَ: إِنَّ فِي سَنَدِهِ أَبَاشِيَّةً وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ الْخ (ج ۳ ص ۵۳)

أَقُولُ: وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي كَلَامِ الْحَافِظِ وَالْعَيْنِيِّ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ قَوْلَ ابْنِ إِسْحَاقَ: وَهَذَا أَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ. فِي حَقِّ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ ابْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي فِي زَمَنِ عُمَرَ فِي رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً. وَلَيْسَ قَوْلُهُ الْمَذْكُورُ فِي حَقِّ رِوَايَةِ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ يَقُومُونَ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رُكْعَةً. تَوَهُمُهُ الشُّوَكَانِيُّ، فَوَهُمَ صَاحِبُ ضَوْءِ النَّهَارِ فِي قَوْلِهِ: إِنَّ فِي سَنَدِ رِوَايَةِ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ أَبَاشِيَّةً. وَوَهُمَ صَاحِبُ النَّيْلِ فِي جَعْلِ قَوْلِ ابْنِ إِسْحَاقَ: وَهَذَا أَثْبَتُ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ. فِي حَقِّ رِوَايَةِ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَتَفَكَّرْ.

”میں کہتا ہوں: شوکانی کا مقصد اپنے قول ”تراویح کو کسی معین عدد پر بند کرنا الخ“ سے یہ نہیں ہے کہ رمضان کی نماز میں معین عدد نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے اور ان کا مقصد یہ نہ ہونے کی دلیل وہ قول ہے جو انہوں نے اس سے پہلے فرمایا ہے کہ ”رہی وہ تعداد جو آنحضرت ﷺ سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے الخ“ بلکہ ان کا مقصد نماز کو عدد معین پر بند نہ کرنے سے وہ ہے جس کی طرف اس عبارت سے پہلے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ”لیکن اس نماز کو اس طریقے پر ادا کرنا جس طرح آج کل کرتے ہیں کہ ہر رات خاص تعداد اور خاص قراءت کی پابندی کرتے تھے تو اس پر کلام عنقریب آئے گا۔ ۱ھ (نیل الاوطار ج ۳

ص ۵۲) اس عبارت میں جس کلام کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ہے جس میں کہا ہے کہ تراویح کو کسی عدد معین پر بند کرنا، الخ

فائدہ: شوکانی نے نیل میں صاحب المنشی کے قول: ”وَلَمَّا لَبِ فِی الْمُوْطَا عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ فِی زَمَنِ عُمَرَ یَقُوْمُوْنَ فِی رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِیْنِ رَكْعَةً“ کی شرح میں فرمایا: قوله: ”بثلاث

وعشرین رکعة“ ابن اسحاق نے کہا یہ سب سے پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی اور ضوء النہار میں مصنف کو وہم ہوا پس کہا ہے کہ اس کی سند

میں ابوشیبہ ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے الخ (ج ۳ ص ۵۳)

میں کہتا ہوں حافظ اور یعنی کے کلام میں اس بات کی دلیلیں گزر چکی ہیں کہ ابن اسحاق کا قول ”کہ یہ سب سے پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی“

محمد بن یوسف کی سائب بن یزید سے اس روایت کے بارہ میں ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم عمر کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان کا

یہ قول یزید بن رومان کی روایت کے بارے میں نہیں ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیس رکعت قیام کرتے تھے جیسا کہ شوکانی کو وہم ہوا ہے تو

صاحب ضوء النہار کو اپنے اس قول میں وہم ہوا ہے کہ یزید بن رومان کی روایت میں ابوشیبہ ہے اور صاحب نیل کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کا قول:

”هذا اثبت ما سمعت الخ“ یزید بن رومان کی روایت کے حق میں قرار دے

دیا ہے حالانکہ اصل معاملہ یہ نہیں ہے۔ فقہکر۔

حضرت المولف تحریر فرماتے ہیں:

”بہر حال روایت (گیارہ والی) ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں

ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ

سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ

ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہو گیا اور جب سے موقوف ہوا اس وقت سے تیرہویں صدی کے آخر تک پھر کبھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ (ص ۲۴)

① اولاً: صاحب رسالہ کا بیان ”اور ترجیح یا تطبیق کے بعد الخ“ حافظ ابن عبد البر مالکی کی بیان کردہ ترجیح اور تطبیق پر مبنی ہے جن کا حال پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے تو جب مصنف صاحب کے اس فرمان کی بنیاد ہی انتہائی غلط اور احتمالی ہے تو پھر ان کا یہ فرمان کیونکر درست اور غیر احتمالی ہو سکتا ہے فند بر۔

② وثانیاً: پہلے آثار باحوالہ بیان ہو چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں، ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بمابہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم رضی اللہ عنہما پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے امر اور لوگوں کے عمل گیارہ رکعات کو بدلنے کی کوئی دلیل نہیں لہذا حضرت المولف کا دعویٰ ”عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہو گیا“ بے دلیل ہے۔

③ وثالثاً: حضرت المولف کا فرمان: ”اس وقت سے تیرہویں صدی کے آخر تک پھر کبھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا“ بھی مبنی پر حقیقت اور صادر از انصاف نہیں جیسا کہ امام مالک اور ابو بکر بن العربی کے گیارہ رکعات اور محمد بن اسحاق کے تیرہ رکعات اختیار کرنے سے ظاہر ہے نیز تیس رکعات، انتالیس رکعات اور اکتالیس رکعات پڑھنے والے گیارہ رکعات پڑھتے رہے ہیں کیونکہ کم عدد زیادہ عدد کے اندر شامل ہوتا ہے چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ نے اپنے بعض رسائل میں بیس پڑھنے والوں کے آٹھ رکعات سنت نبویہ کے عامل

ہونے کی تصریح فرمائی ہے تو جب سے گیارہ رکعات پر عمل شروع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک ان پر عمل موقوف ہوا نہ رہتی دنیا تک موقوف ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ پھر جب گیارہ اور تیرہ رکعات پر رسول کریم ﷺ کے عمل کی مہر ثبت ہے تو تیرہویں صدی تو تیرہویں صدی ہے خواہ قیامت تک کے لوگ ان پر عمل درآمد نہ کریں ان (گیارہ اور تیرہ رکعات) کی سنت کو کوئی طاقت ختم کر سکی نہ کر سکے گی اور بیس رکعات کے سنت نبویہ ہونے کو کسی طاقت نے آج تک ثابت کیا نہ کر سکے گی رہا بیس رکعات کے خلفاء راشدین کی سنت ہونے کا دعویٰ تو اس کے دلائل کا حال بھی پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

④ ورابعاً: اگر حضرت المولف کے انداز فکر کو اپنایا جائے تو پھر ہم بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ”بہر حال یہ روایت داؤد بن قیس اکیس رکعات والی ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے والوں کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد اکیس کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز اکیس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اکیس پر عمل موقوف ہو گیا اور لوگ بحسب امر فاروقی گیارہ رکعات پڑھتے رہے پھر صاحب رسالہ ہی کے انداز فکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن کی روایت کو بھی حضرت داؤد بن قیس کی روایت پر قیاس فرمالیں قائل۔

حضرت المولف لکھتے ہیں:

”یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے جہاں حضرت عمرؓ کے تراویح قائم کرنے کا ذکر کیا ہے وہاں گیارہ کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا“ فرماتے ہیں:

”فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلَى أَبِي بِنِ كَعْبٍ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عَشْرِينَ

رَكْعَةً وَيُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ“ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱ھ (ص ۲۴)

”پس جب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ابی بن کعبؓ پر جمع فرمایا تو وہ انہیں میں رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔“

① اولاً: صاحب رسالہ کے کلام میں مذکور ترجیح یا تطبیق کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے کے بیان میں گیارہ رکعات کے ذکر نہ کرنے کی وجہ بنانا اور بتانا بے دلیل ہے اور جو قول فتاویٰ ابن تیمیہ سے نقل کیا گیا ہے اس کی دلیل نہیں جیسا کہ اس پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر اوپر منقول قول صاحب رسالہ کے بیان ”یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام الخ“ میں مذکور حصہ و قصر کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔

② وثالثاً: شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس مقام پر گیارہ رکعات کا ذکر نہ فرمانے سے نفس الامر اور واقع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ پڑھانے کا حکم دینے، حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے گیارہ رکعات پڑھنے اور لوگوں کے عہد فاروقی میں گیارہ اور تیرہ رکعات ادا کرنے کی نفی نہیں ہوتی نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم، ابی بن کعب و تمیم رضی اللہ عنہما کا عمل گیارہ رکعات اور لوگوں کا عہد فاروقی میں عمل گیارہ اور تیرہ رکعات صحیح آثار سے ثابت ہے تو محض شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول: ”فلما جمعہم الخ“ کو لے کر ان صحیح آثار کو رد کرنا کوئی انصاف نہیں۔

③ وثالثاً: پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول: ”فلما جمعہم الخ“ بظاہرہ حضرت المولف کی نقل کردہ تطبیق کی تردید کر رہا ہے فتدبر۔

④ ورابعاً: چونکہ بات شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی چل نکل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی تحقیق بھی سپرد قلم کردی جائے شاید اس ہی سے کسی کا بھلا ہو جائے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

”قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ الْحَنْبَلِيُّ: اَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّرَاوِيحِ عَدَدًا مُعَيَّنًا بَلْ لَا يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى ثَلَاثِ عَشْرَةِ رَكْعَةٍ لَكِنْ كَانَ يُطِيلُ الرُّكْعَاتِ، فَلَمَّا جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلَى أَبِي كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً ثُمَّ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ وَكَانَ يُخَفِّفُ الْقِرَاءَةَ بِقَدْرِ مَا زَادَ مِنَ الرُّكْعَاتِ لِأَنَّ ذَلِكَ أَخَفُّ عَلَى الْمَأْمُومِينَ مِنْ تَطْوِيلِ الرُّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ ثُمَّ كَانَ طَائِفَةٌ مِنَ السَّلَفِ يَقُومُونَ بِأَرْبَعِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَآخَرُونَ بِسِتٍّ وَثَلَاثِينَ وَأُوتِرُوا بِثَلَاثٍ وَهَذَا كُلُّهُ حَسَنٌ سَانِعٌ وَمَنْ ظَنَّ أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ فِيهِ عَدَدٌ مُعَيَّنٌ مُوقَّتٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ فَقَدْ أَخْطَأَ. اهـ (ج ۳ ص ۱۹۳)

”ابن تیمیہ حنبلی نے فرمایا: ”جان لے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی معین عدد مقرر نہیں فرمایا بلکہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے“ لیکن رکعات کو طویل کرتے تھے پس جب حضرت عمرؓ نے انہیں ابیؓ پر جمع کر دیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے پھر تین وتر پڑھاتے اور قراءۃ اتنی ہلکی کر لیتے جتنی رکعات بڑھائی تھیں کیونکہ یہ چیز مقتدیوں کے لیے ایک رکعت لمبی کرنے سے زیادہ آسان تھی۔ پھر سلف میں سے کچھ لوگ چالیس رکعت قیام اور تین وتر پڑھتے تھے اور کچھ دوسرے حضرات چھتیس رکعت قیام اور تین وتر ادا کرتے تھے اور یہ سب صورتیں اچھی اور جائز ہیں اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قیام رمضان میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمائی ہے اور جسے انسان نہ کم کر سکتا ہے نہ زیادہ تو اس شخص نے خطا کی اتنی“۔ (ج ۳ ص ۱۹۳)

أَقُولُ: إِنَّ الْحَافِظَ ابْنَ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَنْفِ فِي كَلَامِهِ هَذَا ثُبُوتَ الْعَدَدِ الْمُعَيَّنِ فِي التَّرَاوِيحِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ كَمَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُ النَّاسِ الْيَوْمَ، بَلْ قَدْ اثْبَتَ فِيهِ الْعَدَدُ الْمُعَيَّنَ فِيهَا عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ: لَا يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى ثَلَاثِ عَشْرَةِ رُكْعَةٍ. وَإِنَّمَا نَفَى فِيهِ تَوْقِيتَ الْعَدَدِ الْمُعَيَّنِ فِيهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَهَذَا هُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِ السُّيُوطِيِّ: وَلَوْ ثَبَتَ عَدْدُهَا بِالنَّصِّ لَمْ تَحْزِ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ وَلَا هَلْ الْمَدِينَةُ وَالصَّدْرُ الْأَوَّلُ كَانُوا أَوْرَعَ مِنْ ذَلِكَ. وَبِقَوْلِ الشُّوكَانِيِّ الْمَاضِي: فَقَصُرَ الصَّلَاةُ الْمُسَمَّاةُ بِالتَّرَاوِيحِ عَلَى عَدَدٍ مُعَيَّنٍ الْخ.

”میں کہتا ہوں: حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں معین عدد کے ثبوت کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں معین عدد یہ کہہ کر ثابت فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نفی صرف اس بات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی معین عدد مقرر فرمادیا ہو یہی مطلب سیوطی کے اس قول کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ”اگر نص کے ساتھ (صاف لفظوں میں) اس کی تعداد ثابت ہوتی تو اس سے زیادہ کرنا کبھی جائز نہ ہوتا اور اہل مدینہ اور صدر اول کے لوگ اس سے زیادہ بچنے والے تھے“ اور شوکانی کے گزشتہ قول ”اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کرنا الخ“ کا مطلب بھی یہی ہے۔“

③ حضرت المولف کی ایک تحریر دل پذیر:

بندہ نے اس تبصرہ کے تقریباً انتالیس صفحات بدست میاں محمد صادق متعلم جامعہ عربیہ۔ جی۔ ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ حضرت المولف کو بھیجے اس کے بعد میاں محمد صادق موصوف ہی صاحب رسالہ کی طرف سے ایک تحریر فقیر کے پاس لائے جو درج ذیل ہے:

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

محترم جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مدظلکم العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے رسالہ ”میں رکعات تراویح کا شرعی ثبوت“ پر آپ کا تبصرہ میرے لیے موجب مسرت ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے بڑی محنت سے کام لے کر اس خدمت کو سرانجام دیا ہے آپ کا تبصرہ میرے لیے مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوا ہے آپ نے جن خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے اگر موقع ملا تو آئندہ طباعت میں ان شاء اللہ یہ دور کردی جائیں گی سر دست میں چند چیزیں آپ کے زیر نظر لے آنا مناسب سمجھتا ہوں۔

① شارح ترمذی محدث مبارکپوری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی میں ابن فنجویہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

”قُلْتُ: فِي إِسْنَادِهِ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنُ فَنجَوِيهِ الدِّينَوْرِيُّ وَلَمْ أَقِفْ عَلَى تَرْجُمَتِهِ فَمَنْ يَدَّعِي صِحَّةَ هَذَا الْأَثَرِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَبْثُتَ كَوْنَهُ ثِقَّةً“

”میں کہتا ہوں: اس کی سند میں ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے تو جو شخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا ثقہ ہونا ثابت کرے۔“

تولیعہ العمر فی خبر من غمر ج ۳ ص ۱۱۶ غالباً کا مطالعہ فرمائیے اور ابن فنجویہ کی ثقات کا ثبوت علامہ ذہبی سے لیجیے۔ ”ابن فنجویہ وَكَانَ ثِقَّةً مُصَنِّفًا رَوَى عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الشُّنَيْبِيِّ وَعِيسَى بْنِ حَامِلٍ الرَّخْمِيِّ وَطَبَقَتْهُمَا وَحَصَلَ لَهُ حَشْمَةٌ وَمَالٌ“ (ابن فنجویہ اور وہ ثقہ مصنف تھا اس نے ابوبکر بن سنی اور عیسیٰ بن حامد رخمی اور ان کے طبقہ سے روایت کی اور اسے خشت اور مال حاصل ہوا)

② آپ نے اپنے تبصرہ کے صفحہ نمبر ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ ”صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالک سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں“ نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیے:

”قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: فِي مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْآثَارِ: أَخْبَرَنَا أَبُو زَكْرِيَّا قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّرَافِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرَيْنِ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ“ (رواه البيهقي في معرفة السنن والآثار قلمي نسخ ۳۶۷)

”بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں فرمایا: ہمیں ابو زکریا نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں ابو الحسن طرائفی نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یحییٰ بن بکیر نے بیان فرمایا انہوں نے فرمایا ہمیں مالک نے بیان کیا انہوں نے فرمایا ہمیں یزید بن خسیفہ نے سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں بیس رکعت اور تین وتر قیام کرتے تھے۔“

③ عبدالرزاق بن ہمام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو اشکال ہیں اس کے لیے ملاحظہ فرمائیے فتح الباری کا مقدمہ ہدی الساری ج ۲ ص ۱۲۳۔

محمد عارف

۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ھ

از (مولانا) غلام سرور (صاحب)

چن۔ ضلع گجرات

① ابو عبد اللہ فنجویہ بن الدینوری کی ثقاہت کی العمر اور دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② اس اثر کی امام مالک رحمہ اللہ سے نیچے کی سند بھی تحقیق کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

③ حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کے بارے میں مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے:

”عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ بْنُ نَافِعٍ بْنِ الْحَمِيرِ الصَّنَعَانِيُّ أَحَدُ الْحُفَاطِ الْأَثْبَاتِ وَثَقَّةُ الْأَيْمَةِ كُلُّهُمْ إِلَّا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَبْرِيُّ وَحَدَّثَهُ فَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ أَفْرَطَ فِيهِ وَلَمْ يُوَافِقْهُ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَقَدْ قَالَ أَبُو زُرْعَةَ الدِّمَشْقِيُّ قِيلَ لِأَحْمَدَ مَنْ أَثْبَتَ فِي ابْنِ جُرَيْجٍ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَوْ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبَرْسَانِيُّ فَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: وَقَالَ عَبَّاسُ بْنُ الدُّورِيِّ عَنِ ابْنِ مَعِينٍ كَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَثْبَتَ فِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ مِنْ هِشَامِ بْنِ يَوْسُفَ وَقَالَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ قَالَ لِي هِشَامُ بْنُ يَوْسُفَ كَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَعْلَمَنَا وَأَحْفَظَنَا فَقَالَ يَعْقُوبُ وَكِلَاهُمَا ثِقَّةٌ ثَبَتَ وَقَالَ الدَّهْلِيُّ كَانَ يَقْظُهُمْ فِي الْحَدِيثِ وَكَانَ يَحْفَظُ وَقَالَ ابْنُ عَدِي رَحَلَ إِلَيْهِ ثَقَاتُ الْمُسْلِمِينَ وَكَتَبُوا عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُمْ نَسَبُوهُ إِلَى التَّشْيِيعِ وَهُوَ أَعْظَمُ مَا رَمَوْهُ بِهِ وَأَمَّا الصَّدُوقُ فَأَرَجَوَّاهُ لَا بَأْسَ بِهِ وَقَالَ النَّسَائِيُّ فِيهِ نَظَرٌ فَمَنْ كَتَبَ عَنْهُ بِآخِرِهِ كَتَبُوا عَنْهُ أَحَادِيثَ مَنَاجِيرَ وَقَالَ الْأَثَرُ عَنْ أَحْمَدَ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ بَعْدَ مَا عَمِيَ فَلَيْسَ بِشَيْئٍ وَمَا كَانَ فِي كُتُبِهِ فَهُوَ صَحِيحٌ وَمَا لَيْسَ فِي كُتُبِهِ فَإِنَّهُ كَانَ يُلَقَّنُ فَيَتَلَقَّنُ قُلْتُ احْتَجَّ بِهِ الشَّيْخَانِ فِي جُمْلَةٍ حَدِيثٍ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَبْلَ الْإِخْتِلَاطِ وَضَابِطُ ذَلِكَ مَنْ سَمِعَ مِنْهُ قَبْلَ الْمَأْتِنِ فَأَمَّا بَعْدَهَا فَكَانَ قَدْ تَغَيَّرَ وَفِيهَا سَمِعَ مِنْهُ أَحْمَدُ بْنُ شَبُوبَةَ فِيمَا حَكَى الْأَثَرُ عَنْ أَحْمَدَ وَاسْحَاقَ الدَّبَرِيِّ وَطَائِفَةٍ مِنْ شُيُوخِ أَبِي عَوَانَةَ وَالطَّبْرَانِيِّ مِمَّنْ تَأَخَّرَ إِلَى قُرْبِ الثَّمَانِينَ وَمِائَتَيْنِ وَرَوَى لَهُ الْبَاقُونَ . اهـ

أَقُولُ: إِنَّ اسْحَاقَ ابْنَ إِبْرَاهِيمَ أَبَا يَعْقُوبَ الدَّبَرِيَّ رَاوَى الْمُصَنِّفَ

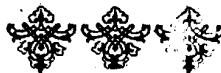
عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ الْحَافِظَ قَدْ صَرَّحَ أَنَّ سَمَاعَهُ مِنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ بَعْدَ التَّغْيِيرِ وَالْإِخْتِلَافِ وَقَالَ الدَّهْبِيُّ فِي الْمِيزَانِ: إِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّبَرِيُّ صَاحِبُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: أُسْتُصْغِرَ فِي عَبْدِ الرَّزَّاقِ قُلْتُ: مَا كَانَ الرَّجُلُ صَاحِبَ حَدِيثٍ وَإِنَّمَا أَسْمَعُهُ أَبُوهُ وَاعْتَنَى بِهِ سَمِعَ مِنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ تَصَانِيفَهُ وَهُوَ ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ أَوْ نَحْوَهَا لَكِنْ رَوَى عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَحَادِيثَ مُنْكَرَةً فَوَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيهَا هَلْ هِيَ مِنْهُ فَانْفَرَدَ بِهَا أَوْ هِيَ مَعْرُوفَةٌ مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَقَدْ اخْتَجَّ بِالدَّبَرِيِّ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ وَغَيْرُهُ وَكَثُرَ عَنْهُ الطَّبْرَانِيُّ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي رِوَايَةِ الْحَاكِمِ صُدُوقٍ مَا رَأَيْتُ فِيهِ خِلَافًا إِنَّمَا قِيلَ لَمْ يَكُنْ مِنْ رِجَالِ هَذَا الشَّانِ قُلْتُ وَيَدْخُلُ فِي الصَّحِيحِ؟ قَالَ أَيْ وَاللَّهِ. وَفِي مَرْوِيَّاتِ الْحَافِظِ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْخَيْرِ الْأَشْبِيلِيِّ كِتَابُ الْحُرُوفِ الَّذِي أَخْطَأَ فِيهَا الدَّبَرِيُّ وَمَحْفَا فِي مُصَنَّفِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ لِلْقَاضِي مُحَمَّدِ بْنِ حَمْدٍ مَفْرُجٍ الْقُرْطُبِيِّ وَعَاشَ الدَّبَرِيُّ إِلَى سَبْعٍ وَثَمَانِينَ وَمِائَتَيْنِ. اهـ لَكِنْ بَيْنَ سَمَاعٍ رَجُلٍ مِنَ الْمُخْتَلِطِ بَعْدَ الْإِخْتِلَافِ وَبَيْنَ رِوَايَتِهِ عَنْهُ بَعْدَ الْإِخْتِلَافِ كِتَابَهُ الَّذِي صَنَّفَهُ قَبْلَ الْإِخْتِلَافِ فَرُقُ، فَتَدَبَّرْ.

”عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی حفاظ اثبات میں سے ایک ہیں تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے سوائے تہا عباس بن عبد العظیم عنبری کے کہ انہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے جس میں زیادتی کی ہے اور کسی نے اس کلام میں ان کی موافقت نہیں کی۔ اور ابو زرعدہ دمشقی نے کہا ہے کہ احمد سے کہا گیا کہ ابن جریج سے روایت میں زیادہ پختہ کون ہے؟ عبدالرزاق یا محمد بن بکر برسانی تو انہوں نے فرمایا عبدالرزاق اور عباس

دوری نے ابن معین سے بیان کیا کہ معمر کی حدیث میں عبدالرزاق ہشام بن یوسف سے زیادہ پختہ تھے اور یعقوب بن شبہ نے علی بن مدینی سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہشام بن یوسف نے کہا کہ عبدالرزاق ہم سب سے زیادہ علم اور حافظہ والے ہیں تو یعقوب نے فرمایا وہ دونوں ثقہ ثبت ہیں اور ذہلی نے کہا کہ وہ حدیث میں ان سب سے زیادہ بیدار مغز تھے اور وہ حفظ رکھا کرتے تھے ابن عدی نے فرمایا اس کی طرف ثقہ مسلمانوں نے رحلت کی اور اس سے حدیث لکھی مگر انہوں نے اس کو تشیع کی طرف منسوب کیا اور یہ سب سے بڑی چیز ہے جو لوگوں نے اس پر لگائی ہے۔ رہا اس کا صدق تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور نسائی نے کہا اس میں نظر ہے پس جنہوں نے اس سے آخری عمر میں لکھا ہے انہوں نے اس سے منکر حدیثیں لکھی ہیں اور اثرم نے احمد سے بیان کیا کہ جس نے اس سے ناپیٹا ہونے کے بعد سنا ہے وہ کوئی چیز نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس کو تلقین کی جاتی تو تلقین قبول کرتا تھا میں کہتا ہوں شیخین نے اس سے ان لوگوں کی حدیث میں احتجاج کیا ہے جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جنہوں نے اس سے ۲۰۰ سے پہلے سنا ہے (وہ ٹھیک ہے) اور اس کے بعد اس میں تغیر آ گیا تھا اور اسی عرصہ میں احمد بن شہبویہ نے اس سے سنا جیسا کہ اثرم نے احمد سے بیان کیا ہے اور اسحاق دبري نے بھی اور ابو عوانہ اور طبرانی کے شیوخ کی ایک جماعت نے بھی جو ۲۸۰ کے قریب تک متاخر تھے اور باقی نے اس سے روایت کی۔ اھ

میں کہتا ہوں: اسحاق بن ابراہیم ابویعقوب دبري کتاب مصنف کو عبدالرزاق سے روایت کرنے والے ہیں اور آپ جان چکے ہیں کہ حافظ

نے تصریح کی ہے اور ان کا عبدالرزاق سے سماع ان کے تغیر (اور اختلاط کے بعد ہے) اور ذہبی نے میزان میں فرمایا۔ اسحاق بن ابراہیم دبری جو عبدالرزاق کے (شاگرد ہیں اور ابن عدی) نے کہا انہیں عبدالرزاق میں صغیر سمجھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں آدمی صاحب حدیث (نہیں) تھا صرف اس کے باپ نے اسے سماع کروایا اور اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے عبدالرزاق سے سات سال یا اس کے قریب عمر میں اس کی تصانیف سنیں لیکن عبدالرزاق سے منکر احادیث روایت کیں پس ان میں تردد پیدا ہو گیا کہ آیا وہ صرف اسی کی ہیں کہ وہ ان میں منفرد ہے یا ان معروف احادیث میں سے ہیں جن میں عبدالرزاق متفرد ہے اور دبری کے ساتھ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور دوسرے محدثین نے حجت پکڑی ہے اور طبرانی نے اس سے بہت روایات بیان کی ہیں اور دارقطنی نے حاکم کی روایت میں کہا صدوق ہے میں نے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھا صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس شان کے آدمیوں سے نہ تھا میں نے کہا اور اسے صحیح میں داخل کیا جاتا ہے؟ اس نے کہا ہاں اللہ کی قسم اور حافظ ابوبکر ابن خیر اسمیلی کی روایت کردہ کتابوں میں قاضی محمد بن حمد مفرج قرطبی کی کتاب ”کتاب الحروف الذی اخطاء فیہا الدبری و صحفہافی مصنف عبدالرزاق“ بھی شامل ہے اور دبری ۲۸۷ تک زندہ رہے۔ ۱ھ لیکن غلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے قدر۔



④ تعارف و تبصرہ:

از قلم شیخ الحدیث فخر الامثل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ العالی

”نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ محترم مولانا غلام سرور صاحب کا رسالہ تراویح کے بارے میں میں نے دیکھا مصنف محترم نے رسالہ زیر تبصرہ میں تراویح کی بیس رکعت ثابت کرنے میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل کو صحیح الاسانید روایات سے ثابت کرنے میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے یہ ایک کامیاب کوشش ہے اور حسب ارشاد نبی ﷺ: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“ کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے مصنف نے اپنے قلم کو کسی طعن و طنز سے محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور موجودہ زمانے کے ارباب قلم کے طرز تحریر سے حتی الامکان بچنے کی پوری پوری کوشش کی ہے جس میں اپنے اختلاف رکھنے والوں کو قلم کے نشتر سے زخمی کرنے کا وطیرہ اختیار کیا جاتا ہے مؤلف محترم نے نہایت سنجیدہ طریقہ سے مسئلہ کو واضح کرنے کی سعی کی ہے ”جَزَاهُ اللَّهُ عَنِّي وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ“۔

فقط محمد چراغ مہتمم مدرسہ عربیہ رجسٹرڈ گوبرانوالہ (رسالہ مذکورہ ص ۲)

مولانا محمد چراغ صاحب کے تبصرہ کا جائزہ

حضرت المولف نے اپنے پورے رسالہ میں کوئی بھی ایک حسن السند روایت ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے واقعہ بیس رکعات تراویح کا سبب خلفاء راشدین یا کسی ایک خلیفہ راشد کا تعامل ہونا ثابت ہوتا ہو چہ جائیکہ انہوں نے بیس رکعات تراویح کے خلفاء راشدین یا خلیفہ راشد کے تعامل ہونے

کے ثبوت میں کوئی ایک صحیح السند روایت یا کئی ایک صحیح الاسانید روایات پیش فرمائی ہوں اس تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بندہ حضرت مولانا موصوف کے پیش فرمودہ تعارف و تبصرہ کی پرزور تائید کرتا ہے نیز حضرت المولف کی توجہ اغلاط کتابت کی طرف مبذول کراتا ہے مثلاً ایک مقام پر حافظ سخاوی کو حافظ سخاوت، ایک جگہ مرجوح کو مرجوع اور شعر مستبدی لک الايام الخ میں من لم تزود کو لم تزور لکھا گیا ہے امید ہے موقع ملنے پر اس قسم کی اغلاط کی بھی تصحیح و اصلاح فرمائی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فقیر نے اپنی ساری تحریر میں پوری کوشش کی ہے کہ حضرت المولف کے ممدوح انداز تحریر سے ہٹا ہوا کوئی ایک جملہ بھی استعمال نہ کیا جائے تاہم میری تحریر سے کوئی ایک کلمہ بھی اگر مصنف صاحب کی طبع پر ناگوار گزرے تو بندہ اس کے لیے صاحب رسالہ کی خدمت میں معذرت پیش کرتا ہوا دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ گوجرانوالہ

۴ صفر ۱۳۹۹ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ضمیمہ

اس تبصرہ کا کچھ حصہ مؤلف رسالہ ”بیس رکعت تراویح کا شرعی ثبوت“ کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے جناب حافظ محمد عارف صاحب مدرس جامعہ عربیہ جی۔ ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ سے ایک تحریر لکھوا کر مجھے بھیجی جس کو من و عن پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور اس کا عکس بھی دیا جا رہا ہے اصل تحریر ہمارے پاس محفوظ پڑی ہے اس تحریر میں انہوں نے تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی تھی جن میں سے ایک چیز کے متعلق تو اپنی تحقیق لکھ کر تبصرہ کے باقی حصہ کے ساتھ ان کو بھیج دی گئی اور دو چیزوں کے متعلق وعدہ کر لیا گیا کہ ان کی بھی تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب کے جب بعض دوستوں نے اس تبصرہ کو طبع و نشر کرنے کا پروگرام بنایا تو ہمارے محترم ساتھی حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب رحمۃ اللہ نے توجہ مبذول کروائی کہ ان دو چیزوں کی تحقیق والا وعدہ بھی پورا ہونا چاہیے مگر جو کتابیں درکار تھیں وہ ادھر موجود نہ تھیں اس کے لیے کوشش شروع کر دی گئی پتہ چلا کہ وہ کتابیں ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں موجود ہیں چنانچہ وہاں سے مطلوبہ صفحات کی نقول کو حاصل کیا اس سلسلہ میں ہمارے محترم ساتھی مولانا ارشاد الحق صاحب اثری رحمۃ اللہ نے ہر طرح تعاون فرمایا جس پر ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں۔

① پہلی چیز:

صاحب رسالہ نے محولہ بالا تحریر میں ابن فنجیہ دینوری کی ثقاہت کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ کی کتاب العبر سے نقل فرمایا اس پر میری طرف سے یہ وعدہ کیا گیا ”ابن

فجویہ دینوری کی ثقاہت کی العمر اور دیگر کتب کے مطالعہ سے تحقیق کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ، چنانچہ وہ تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ذہبیؒ اپنی مایہ ناز کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں لکھتے ہیں:

قَالَ شَيْرَوِيهِ فِي تَارِيخِهِ: كَانَ ثِقَةً صَدُوقًا كَثِيرَ الرِّوَايَةِ لِلْمَنَاكِيرِ
حُسْنُ الْخَطِّ كَثِيرَ التَّصَانِيفِ“ الخ (ج ۷ ص ۳۸۳)

”علامہ شیرویہ اپنی تاریخ میں کہتے ہیں ”ابن فجویہ دینوری ثقہ صدوق، منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے، خوشنویس اور تصانیف کثیرہ کے مصنف تھے۔“ الخ

تو ابن فجویہ دینوری کے منکر روایات کو کثرت سے بیان کرنے والے اس وصف کو ملحوظ رکھیں، ان کی بیان کردہ بیس رکعات والی موقوف روایت کی تحقیق کو اسی کتاب میں ”حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا اثر“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں اور صاحب رسالہ کی اضطراب والی بحث اور میری طرف سے اس کے جواب کو بھی اسی کتاب میں پڑھیں تو آپ ابن فجویہ دینوری کی اس موقوف روایت کی تحقیق کے سلسلہ میں ضرور بالضرور کسی ٹھوس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② دوسری چیز:

مؤلف رسالہ صفحہ نمبر ۶ پر لکھتے ہیں: ”یزید بن خضیفہ کے دوسرے شاگرد امام مالک کی روایت یہ ہے: ”حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ“ اس کے جواب میں انہیں میری طرف سے لکھا گیا ”امام بیہقی کی کتاب معرفۃ بندہ کے پاس نہیں۔ صاحب رسالہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس اثر کی امام مالک سے نیچے کی سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں“ میری اس بات کے جواب میں وہ لکھتے ہیں ”نیچے کی سند پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیے:

”قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي مَعْرِفَةِ السُّنَنِ وَالْأَثَارِ: أَخْبَرَنَا أَبُو زَكْرِيَّا قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّرَائْفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ: كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرُ“ . (رواه البيهقي في معرفة السنن والآثار قلمی نسخہ ۳۶۷)

ہم اس مقام پر معرفۃ السنن والآثار کے قلمی نسخہ کے صفحہ نمبر ۳۶ کا عکس دے رہے ہیں اس کو بغور پڑھیں صاحب رسالہ کی اپنے رسالہ اور اپنی اس تحریر میں رقم کروائی ہوئی سند خورد بین لگا کر دیکھنے سے بھی کہیں آپ کو نظر نہیں آئے گی معرفۃ السنن والآثار میں امام مالک کے اوپر سند اس طرح ہے: ”عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً“ جیسا کہ اس عکس سے ظاہر ہو رہا ہے مگر صاحب رسالہ اور ان کے محرر دونوں بزرگوں نے سند کے اندر امام مالک کے استاذ یزید بن رومان کو یزید بن خصیفہ سے بدل ڈالا پھر معرفۃ کے اسی صفحہ میں اس سے پہلے مذکور محمد بن جعفر والی سند اور روایت نقل کر دی تو یوں اس سند کو اپنے خیال کے مطابق بنا کر وہ خوش ہو گئے حالانکہ امر واقع اس طرح نہیں جیسا کہ معرفۃ کے اس صفحہ کے عکس سے واضح ہے۔

تو امام مالکؒ نے اس موقوف روایت کو یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید سے بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اس کو یزید بن رومان سے بیان کیا ہے اور یزید بن رومان نے حضرت عمر بن خطاب کا دور پایا ہی نہیں لہذا مالک کی یہ روایت بوجہ انقطاع قابل اعتبار نہیں۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

”فَإِنْ قُلْتُ: قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوطَأِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي زَمَنِ عُمَرَ يَقُومُونَ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً. قُلْتُ: قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَالثَّلَاثُ هُوَ الْوُتْرُ وَيَزِيدٌ لَمْ يَذْكُرْ عُمَرَ

فَيَكُونُ مُنْقَطِعًا. (ج ۳ ص ۵۹۸ باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر ایجاب)

لطف یہ کہ امام بیہقی کی معرفت کے اسی صفحہ پر اس کے بعد امام مالک کی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی گیارہ رکعات والی روایت موجود ہے آپ اس کو اس دیئے ہوئے عکس میں پڑھ لیں۔ پھر بھی واضح ہو گیا کہ صاحب رسالہ کا امام مالک کو اپنے رسالہ میں یزید بن خصفہ سے اس اثر کو روایت کرنے والوں میں شمار کرنا بھی غلط ہے جس سے رجوع کا اعلان کرنا ان کے لیے ضروری ہے۔

الحاصل امام مالک رحمہ اللہ کی یزید بن رومان والی یہ موقوف روایت حقیقت میں منقطع ہے جسے یزید بن خصفہ عن السائب بن یزید کو یزید بن رومان کی جگہ لکھ کر متصل بنایا گیا ہے اب ہم نہیں جانتے کہ صاحب رسالہ حضرت مولانا غلام سرور صاحب اور ان کی طرف سے یہ تحریر لکھ کر میری طرف بھیجنے والے حافظ محمد عارف صاحب دونوں نے یا ایک نے عداً ایسا کیا یا سہواً ان سے ایسا ہو گیا ہے بہر حال یہ کام اپنی جگہ پر انتہائی شنیع ہے دونوں بزرگوں کی ذمہ داری ہے کہ اولین فرصت میں وہ اس غلطی کا ازالہ فرمائیں آخر ہم سب نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

ابن عبدالحق بقلمہ

گوجرانوالہ

۱۴۰۷/۳/۸ھ



مولوی غلام سرور صاحب کی اصل تحریر کا عکس

فرض صاحب مروه احاطه صدر التين منب

۱۔ السلام وانشاء اللہ وراہد ہرے دنلہ "بس رکعت ترانہ کاسنہ فی جہت"
ہر آیت کا تفرہ ہرے پے عرب سترت ہے۔ اللہ آپ کو رائے مردے کے گم گاہ نے طری سے
لام پکر اس احوال کو رسالہ ام دیا ہے۔ آپ کا تفرہ ہرے پے مفید صلوٰۃ کا مدرہ است ہوا
تہ۔ کہے میں خادہوں کی طرف توجہ دہائی ہے اگر مریض مفر آئندہ۔ لہذا ہر النساء اللہ وراہد : دور کدی
مبارکی۔

خیر دست ہی چند ہدی آجیہ رہی ندرے آنا سب سچا ہوں۔

[illegible]

آپ نے اپنے غم کے صوبے پر لڑ بڑایا ہے کہ صاحبِ بیدار کہ عدوت میں دروہاست ہے کہ وہ
اسی لشکر کا امام کاف ہے بچے کہ سند سے بندہ کو مطلع فرمائیں، بچے کا سند جسٹس عدوت ہے عدوت
فرامیہ۔ عدوت الیہیٰ بن سرور السنہ والکامیہ ابنہ نار نار کا مال علی عدنا ابو الحسن اللہ
مال عدنا عثمان بن سید مال عدنا جمی بن بکر مال عدنا طاہر عدنا بریدی مصیبة عن
السا بن بریدی مال کما فرم فی کتاب عن من الطلقات لشر بن سکاہ والفرق (برادر ابیسن
فی سیرۃ الیسن والذین تار علی ص ۲۶۴)

۳۔ صد الزدنیٰ نے حکماء آج نہیں ہیں جو ان کی مثل ہی اس کہ بے غلہ زراعتی و ادبی کا خدمت نہ "صدی

۱۰۰/۲۰۰/۱۰۰
۱۰۰/۲۰۰/۱۰۰

میں: میں کرتا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

نماز میں ہاتھ اٹھانے

اور

باندھنے کی کیفیت

(ایک رسالہ کا جواب)

اس رسالہ میں صحیح صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنے ہاتھ کندھوں اور کانوں تک اٹھایا کرتے تھے اور انہیں سینے پر اور ناف سے اوپر باندھا کرتے تھے، نیز واضح کیا گیا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی ایک روایت بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے کئی ایک حنفی بزرگ بھی سینے پر اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے قائل اور عامل گزرے ہیں۔

(از)

حافظ عبد المنان نور پوری حفظہ اللہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تحقیق ہے تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی اسوۂ حسنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اسلام میں صلوٰۃ (نماز) کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ کسی اور عمل کو حاصل نہیں کیونکہ اسی سے آدمی کے کفر و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت وہی نماز حاصل کر سکتی ہے جو رسول کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ صحیح بخاری میں آپ کا فرمان موجود ہے کہ:

صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔

”یعنی تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

مگر بعض لوگوں نے تقریباً ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو مسخ کر کے اپنی مرضی کے مطابق کچھ طریقے اختیار کر لیے نماز بھی ان حضرات کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ انہوں نے بہت سی چیزیں اپنے پاس سے ایجاد کیں مثلاً ”اللہ اکبر“ کے علاوہ کوئی لفظ کہہ کر نماز شروع کرنے کی اجازت، سورۃ فاتحہ کے بغیر امام مقتدی اور منفرد کو نماز پڑھنے کی اجازت، رکوع سجود میں خاموش رہنے اور کچھ نہ پڑھنے کی اجازت، رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کی ممانعت، اطمینان کے بغیر نماز درست قرار دینا سلام پھیرنے کے بغیر ہی نماز سے فارغ ہو جانا وغیرہ۔

ان ہی خود ساختہ طریقوں میں سے ایک ایجاد یہ ہے کہ قیام کی حالت میں مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور عورت سینے پر ہاتھ باندھے، حالانکہ مرد کے لیے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا کسی بھی صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ بلکہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیام کی حالت میں ناف سے اوپر

اور سینے پر ہاتھ باندھتے تھے اس لیے ہر مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

چونکہ یہ حضرات جانتے تھے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اس لیے انہوں نے اسے رائج کرنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے۔ کبھی یہ کہا کہ جس طرح ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت ثابت نہیں اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کی بھی ثابت نہیں۔ حالانکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی متعدد صحیح احادیث موجود ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث موجود ہے اور اس کے لیے اتنی زبردست خیانت کی کہ کراچی کے ایک ادارے نے مصنف ابن ابی شیبہ شائع کرتے ہوئے ایک صحیح سند والی روایت کے ساتھ تحت السرة (زیر ناف) کے الفاظ بڑھا دیئے۔

اس کشمکش میں یہ حضرات یہ بھی بھول گئے کہ جب وہ خود کہہ رہے ہیں کہ نہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح ہے نہ ناف سے نیچے باندھنے کی تو ان کا یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ اور نہ ہی انہیں یہ خیال رہا کہ جب ان کے بقول رسول اللہ ﷺ سے نہ سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور نہ ناف سے نیچے تو ان کو کس نے حق دیا کہ وہ اپنے پاس سے مردوں کے لیے زیر ناف اور عورتوں کے لیے سینے کے اوپر ہاتھ باندھنا مقرر کریں یہ تو صرف نبی ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر کر سکتے ہیں جب آپؐ نے مقرر نہیں کیا تو بعد میں کسی کو یہ مقرر کرنے کا حق دینا تو اسے نبی کے مقام پر فائز کرنا ہے پھر تاج و تخت ختم نبوت کے تحفظ کا کیا بنے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا ہرگز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں نہ ہی اس چیز میں مرد و عورت کا کوئی فرق آپؐ نے بیان فرمایا ہے آپ کا طریقہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ہی ہے۔

کچھ عرصہ پیشتر ایک صاحب ایک تحریر لے کر محترم حافظ عبدالمنان صاحب کے پاس حاضر ہوئے کہ مجھے ایک عالم نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے دلائل لکھ کر دیئے ہیں۔ میں نے کئی حضرات سے جواب لکھنے کے لیے کہا ہے مگر ابھی تک کسی نے نہیں لکھا۔ آپ اس کا جواب لکھیں۔ چونکہ اس تحریر میں زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کے تقریباً تمام دلائل لکھے ہوئے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ کی اضافہ کردہ روایت بھی نقل کی گئی تھی اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث پر اعتراض کیے گئے تھے اس لیے محترم حافظ صاحب نے تفصیل سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث ذکر کر کے ان پر اعتراضات کا جواب دیا خواہ وہ اس تحریر میں موجود تھے یا نہیں۔ اسی طرح زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات کا ضعف خوب واضح کیا جس سے ہاتھ باندھنے کے موضوع پر ایک جامع رسالہ مرتب ہو گیا۔

اب وہ رسالہ افادہ عام کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ تحریر نقل کی جاتی ہے جس کے جواب میں رسالہ لکھا گیا ہے بعد میں رسالہ شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالسلام بن محمد۔ سرفراز کالونی

جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ



نماز میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت

احناف کے دلائل:

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لوتک اٹھانا بھی سنت سے ثابت ہے لہذا تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھے کے برابر اٹھانا اور کانوں کی لوتک اٹھانا حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا آپ ﷺ کے دونوں انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں مبارک کی لوتک برابر ہو جاتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۱)

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے تھے پھر ثناء پڑھتے تھے۔ (دارقطنی ج ۱ ص ۳۰۰)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا قاعدہ حدیث کی روشنی میں:

جو حضرات نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲)

اس حدیث میں نہ سینے پر ہاتھ باندھنے اور نہ ہی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰ آثار السنن ج ۱ ص ۱۶۹ اوقال اسناد صحیح)

نوٹ: نماز میں زیر ناف باندھنے کی روایتیں حضرت علیؓ و حضرت ابراہیم نخعیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ سے بھی ملتی ہیں مگر وہ روایتیں ضعیف ہیں اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایتیں حضرت ابن عباسؓ و قبیصہ بن بلب اور وائل بن حجرؓ کی ملتی ہیں لیکن ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام کثیر الخطا منکر الحدیث کثیر الغلط اور حافظہ میں کمزور اور غیر محفوظ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی ابتر ہیں۔ لہذا جب طرفین کی احادیث محدثین کرامؓ کے اصول سے صحیح نہیں ہے تو عوام الناس کو ورغلا نا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل مؤمن کے شایان شان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے۔

البتہ ہاتھ باندھنے کے مسئلے کو امام ابو حنیفہؒ نے مشاہدہ سے لیا ہے انہوں نے خود صحابہؓ اور اکابر تابعینؓ کو نماز پڑھتے دیکھا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ خود تابعینؓ میں سے ہیں اسی لیے احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں۔

فقہ: میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں مگر یہ بات آپؐ کی کتب میں لکھی نہیں گئی ہے لہذا امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے صحیح ہوتی ہے۔ اسی بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے زیر ناف کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ
 أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّ
 فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاشْهَدُ أَنَّ
 مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اما بعد: چند دنوں کی بات ہے کہ مسقط میں مقیم ایک پاکستانی دوست محمد
 آصف اعوان نے ایک تحریر دکھائی جو اللہ کا نام درج کیے بغیر لکھی گئی۔ پھر لکھنے والے
 صاحب بہادر نے اس پر اپنے دستخط بھی ثبت نہیں کیے جس سے اس تحریر کا علمی اور تحقیقی
 وزن تو عیاں ہو رہا ہے تاہم اس دوست نے باصرار مطالبہ کیا کہ اس کا جواب ضرور لکھا
 جائے چنانچہ ان کے مطالبہ پر توفیق اللہ تعالیٰ وعونہ جواب لکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم
 سب کو دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار فرمائے۔

کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا

صاحب تحریر لکھتے ہیں ”تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھے کے برابر
 اٹھانا اور کانوں کی لو تک اٹھانا حدیث سے ثابت ہے“ اس کے بعد انہوں نے کانوں
 تک ہاتھ اٹھانے کی صرف دو روایتیں پیش کی ہیں۔ جو دونوں ہی ضعیف ہیں جیسے
 تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۱۔ صاحب تحریر سے مراد اوپر ذکر شدہ ”ایک تحریر“ والے بزرگ ہیں چونکہ انہوں نے اپنا نام پتہ
 نہیں لکھا اس لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا اور ان کی اس تحریر کو پہلے درج کر دیا گیا ہے۔ منہ

نیز کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی احادیث اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی صحیح احادیث کو صاحب تحریر نے بالکل ذکر ہی نہیں کیا حالانکہ وہ احادیث مبارکہ ان دو کتابوں میں بھی موجود ہیں جن دو کتابوں سے انہوں نے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی دو ضعیف روایتیں نقل کی ہیں آخر ایسا کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ ان میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے جو صاحب تحریر کی طبع نازک کو ناگوار ہے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کرنا ان لوگوں کا کام نہیں جو عوام الناس کی خیر خواہی کرنے کے جذبہ سے سرشار اور کل کلاں اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو کر کامیابی و کامرانی کے سزاوار بننے کے خواہشمند ہیں۔

پیش کردہ روایت نمبر اکا حال

صاحب تحریر کہتے ہیں ”حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا آپ کے دونوں انگوٹھے آپ ﷺ کے دونوں کانوں مبارک کی لو تک برابر ہو جاتے۔“ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۱)

یہ روایت سنن نسائی کتاب الافتتاح باب موضع الابهامین عند الرفع میں مذکور ہے اس کی سند میں عبد الجبار بن وائل بن حجرؒ ہے جو اس روایت کو اپنے باپ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے۔ اس عبد الجبار نے اپنے باپ وائلؒ سے کوئی حدیث نہیں سنی لہذا یہ روایت بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔ تقریب التہذیب میں لکھا ہے ”ثقة لكنه ارسل عن ابيه“ ہے تو ثقہ لیکن اس نے اپنے باپ سے بار سال وانقطاع بیان کیا ہے۔ اس کی زیادہ تفصیل آپ کو تہذیب التہذیب میں ملے گی۔

اسی عبد الجبار بن وائل کی شروع نماز میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی ایک

اور روایت نسائی میں زیر عنوان ”رفع الیدین حیال الاذنین“ مذکور ہے مگر صاحب تحریر نے وہ نقل نہیں فرمائی کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بآواز بلند آمین کہنا بھی موجود ہے جس سے ان بزرگوں کو زبردست کد ہے۔ گورایت یہ بھی بوجہ انقطاع ضعیف ہی ہے باقی بآواز بلند آمین کہنے کی اور صحیح احادیث بھی موجود ہیں۔

پیش کردہ روایت نمبر ۲ کا حال

صاحب تحریر فرماتے ہیں ”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے تھے پھر ٹاپڑھتے تھے“۔ (دارقطنی ج ۱ ص ۳۰۰)

علامہ زیلعی حنفی نصب الراية ج ۱ ص ۳۲۰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو دارقطنی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”دارقطنی نے کہا اس کی اسناد کلہم ثقہ ہیں انتہی اور حسین بن علی بن الاسود۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی۔ مروزی نے کہا اس کی بابت امام احمد پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا میں اس کو نہیں پہچانتا ابو حاتم نے کہا صدوق ہے ابن عدی نے کہا حدیث چرأتا ہے اور اس کی احادیث پر متابعت نہیں کی جاتی، ازدی نے کہا انتہائی ضعیف ہے وہ اس کی حدیث میں کلام کرتے ہیں ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا بسا اوقات اس نے خطا کی ہے۔ انتہی

اور ابن ابی حاتم نے اپنی علل میں کہا میں نے اپنے باپ سے سنا انہوں نے ایک حدیث ذکر کی اور فرمایا اس کو محمد بن الصلت نے ابو خالد الاحمر سے روایت کیا اس نے حمید سے اس نے انسؓ سے افتتاحِ صلوٰۃ میں:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ... الخ

اور یہ کہ آپ کانوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد ابو حاتم نے فرمایا یہ حدیث جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں اور محمد بن الصلت لا باس بہ ہے میں نے

اس سے حدیث لکھی ہے۔ اھ

اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو علامہ زیلیعی حنفی نصب الراية میں محولہ بالا مقام پر

لکھتے ہیں:

”ثُمَّ قَالَ: اسْنَادُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ. اِنْتَهَى وَالْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْاَسْوَدُ
قَالَ الْمُرُورِيُّ سُئِلَ عَنْهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ: لَا اَعْرِفُهُ. وَقَالَ
ابُو حَاتِمٍ: صَدُوقٌ. وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: يَسْرِقُ الْحَدِيثُ، وَاَحَادِيثُهُ
لَا يَتَّبَعُ عَلَيْهَا. وَقَالَ الْاَزْدِيُّ: ضَعِيفٌ جَدًّا يَتَكَلَّمُونَ فِي حَدِيثِهِ.
وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانٍ فِي الثِّقَاتِ وَقَالَ: رَبُّمَا اَخْطَا. اِنْتَهَى وَقَالَ ابْنُ
اَبِي حَاتِمٍ فِي عَلَيْهِ: سَمِعْتُ اَبِي وَذَكَرَ حَدِيثًا رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ
الصَّلْتِ عَنْ اَبِي خَالِدٍ الْاَحْمَرِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. وَاَنَّهُ
كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَى حَذْوِ اُذُنَيْهِ فَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ كَذَبٌ لَا اَصْلَ لَهُ
وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ لَا بَأْسَ بِهِ كَتَبْتُ عَنْهُ. اھ“

نوٹ نمبر ۱: علامہ زیلیعی حنفی نے قول: اسنادہ کلہم ثقات۔ کو دارقطنی نے

طرف منسوب فرمایا مگر مجھے ابھی تک یہ قول سنن دارقطنی میں نہیں ملا۔

نوٹ نمبر ۲: الحسین بن علی الاسود نصب الراية کے میرے پاس موجود نسخہ

میں اسی طرح لکھا ہے مگر نصب الراية میں ہی اس سے چند سطور پہلے دارقطنی اور
تقریب وغیرہ میں یہی نام الحسین بن علی بن الاسود لکھا ہے۔

نوٹ نمبر ۳: اس حدیث کی سند میں ایک راوی حمید بھی ہیں یہ صاحب

مذہب ہیں اور اس حدیث کو بصیغہ عن بیان کرتے ہیں اور اصول حدیث میں بیان کیا
گیا ہے کہ مذہب کی حدیث سماع کی تصریح کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی یا پھر اس کی کوئی
مقبول متابعت مل جائے۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی صحیح احادیث

کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا دونوں طریقے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں البتہ صاحب تحریر کا ان کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص و مقید کرنا بے بنیاد ہے جیسا کہ واضح کیا جائے گا ان شاء اللہ صاحب تحریر نے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی دو روایتیں پیش کی تھیں جو دونوں ہی ضعیف ہیں جیسا کہ بدلائل واضح کیا جا چکا ہے اس لیے ضرورت تھی کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی چند ایک صحیح احادیث پیش کی جائیں لہذا نیچے وہ درج کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث:

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِثَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِثَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَّ مِثْلَ ذَلِكَ. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸)

”مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ ان کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے پس سمع اللہ لمن حمد کہتے تو بھی اس کی مثل کرتے۔“

سوال و جواب:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی مدلس ہیں اور بلفظ عن روایت کرتے ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ یہی حدیث امام نسائی نے کتاب الافتتاح میں زیر عنوان ”رفع الیدین خیال الاذنین“ روایت کی ہے جس میں قتادہ موصوف نے سماع کی تصریح فرمادی ہے نیز نسائی کی اس سند میں قتادہ سے بیان کرنے والے

راوی شعبہ ہیں لہذا اقتادہ کی تدلیس والا اعتراض جاتا رہا۔

فائدہ نمبر ۱: نسائی کی اس مقام پر بیان کردہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی شعبہ والی حدیث میں سجدوں میں رفع الیدین کرنے کا ذکر نہیں اس سے نسائی کے دوسرے مقام پر شعبہ والی روایت میں سجدوں میں رفع الیدین کے ذکر ہونے کے وہم ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر سعید میں تصحیف ہو کر شعبہ بن گیا ہے جیسا کہ انور شاہ کشمیری حنفی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے۔ بعض کہتے ہیں صحیح ابی عوانہ میں شعبہ نے سعید کی متابعت کی ہے مگر ان کا یہ کہنا ان کے لیے مفید مطلب نہیں کیونکہ صحیح ابی عوانہ والی شعبہ کی روایت میں بھی نسائی کی شعبہ والی اس روایت کی طرح سجدوں میں رفع الیدین کا ذکر نہیں۔

فائدہ نمبر ۲: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَوَصَفَ هَمَامٌ حِيَالُ أَذْنَيْهِ، ثُمَّ التَّحَفَّ بِتَوْبِهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفْيَيْهِ. (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳)

”وائِل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے ہاتھ اٹھائے جب آپ نماز میں داخل ہوئے آپ نے تکبیر کہی اور ہمام نے بیان کیا اپنے کانوں کے برابر پھر آپ نے کپڑا لپیٹ لیا پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھا لیا پس جب آپ نے رکوع کرنے کا

ارادہ کیا تو آپ نے دونوں ہاتھ کپڑے سے باہر نکالے پھر ان کو اٹھایا پھر تکبیر کہی تو رکوع کیا پس جب آپ نے سمع اللہ حمد کہا تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے پس جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔“

امام نسائی نے اس حدیث کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

أَيُّ وَائِلُ بْنُ حَجَرٍ قَالَ قُلْتُ: لَا نُنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ، فَقَامَ فَكَبَّرَ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَتَا بِأُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسُغِ وَالسَّاعِدِ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا قَالَ: وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ. ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا، ثُمَّ سَجَدَ فَجَعَلَ كَفِّهِ بِحَذَاءِ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَعَدَ وَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى عَلَى فِخْذِهِ وَرُكْبَتَيْهِ الْيُسْرَى وَجَعَلَ حَدَّ مِرْفَقِهِ الْاَيْمَنِ عَلَى فِخْذِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ قَبَضَ اِثْنَتَيْنِ مِنْ أَصَابِعِهِ وَحَلَقَ حَلَقَةً، ثُمَّ رَفَعَ أَصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا. (كتاب الافتتاح باب موضع اليمين من الشمال في الصلوة)

”وائِل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا میں ضرور بالضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں؟ چنانچہ میں نے آپ کو دیکھا پس آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ وہ دونوں کانوں کے برابر ہو گئے پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی۔ گٹ اور کلائی پر رکھ لیا پس جب آپ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے پہلے کی طرح ہاتھ اٹھائے اس (وائِل بن حجر) نے کہا پھر آپ نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیے تو پھر جب آپ نے سر اٹھایا تو پہلے کی طرح ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے سجدہ کیا تو اپنی ہتھیلیوں کو کانوں کے برابر

رکھا، یعنی زمین پر۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور بائیں پاؤں کو بچھا لیا اور بائیں ہتھیلی کو بائیں ران اور گھٹنے پر رکھ لیا اور دائیں کہنی کی حد کو دائیں ران پر کر دیا پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے دو انگلیوں کو بند کر لیا اور حلقہ بنا لیا پھر آپ نے اپنی ایک انگلی کو اٹھا لیا تو میں نے آپ کو اسے ہلاتے دیکھا آپ اس سے دعاء و اشارہ فرما رہے ہیں۔“

فائدہ: اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانا کوئی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں بلکہ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لہذا صاحب تحریر وغیرہ کا اسے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی مخصوص سمجھنا درست نہیں۔

کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی صحیح احادیث

صاحب تحریر نے تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق یہ تو لکھا ہے ”حدیث سے ثابت ہے“ مگر انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث نقل نہیں فرمائی نہ ہی صحیح اور نہ ہی ضعیف حالانکہ انہوں نے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق دو ضعیف روایتیں پیش کی ہیں۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی بھی ایک دو احادیث پیش فرما دیتے خدا جانے ایسا کرنے میں ان کی کیا مصلحت ہے شاید یہی کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے والی کئی احادیث میں رکوع والا رفع الیدین بھی بیان ہوا ہے جو انہیں ناگوار ہے اور ان کے علاوہ اس مضمون کی کوئی حدیث انہیں ملی نہیں۔

نیز وہ اپنی اس تحریر میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو گول ہی کر گئے ہیں اس لیے ہم نے ان دو مقاموں پر بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی چند ایک احادیث پہلے بیان کر دی ہیں۔ اب کے تکبیر تحریمہ رکوع جاتے رکوع سے سر اٹھاتے اور دو رکعتوں سے اٹھ کر کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی چند ایک احادیث بیان کرتے ہیں۔

پہلی حدیث:

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ يُكَبِّرُ حَتَّى يَجْعَلَهُمَا حَدَوَّ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَّ مِثْلَهُ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَّ مِثْلَهُ وَقَالَ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يَسْجُدُ وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ. (صحیح بخاری جلد اول باب الی

این ریف یذیه وقال ابو حمید فی اصحابہ رفع النبی ﷺ حذو منکبیه صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو آپ نے ہاتھ اٹھائے جب تکبیر کہی حتیٰ کہ آپ ان دونوں کو اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے تو اسی طرح کرتے اور ربنا ولک الحمد کہتے اور یہ (رفع یدین) نہ کرتے جس وقت سجدہ کرتے اور نہ ہی جس وقت سجدہ سے سر اٹھاتے۔“

دوسری حدیث:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَدَوَّ مَنْكِبَيْهِ وَيَضَعُ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ فَإِذَا أُنْ بُرِّكَعَ وَيَضْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاةٍ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذَلِكَ وَكَبَّرَ. (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۸۷)

”علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب فرضی نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے کندھوں کے برابر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اسی طرح کرتے جب قرأت پوری کر لیتے تو

رکوع کا ارادہ کرتے اور یہی کام کرتے جب رکوع سے سر اٹھاتے اور بیٹھا ہوا ہونے کی حالت میں رفع یدین نہ کرتے، پس جب دو سجدوں یعنی دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے۔“
 التعلیق المغنی میں لکھا ہے:

الْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةُ وَالْبُخَارِيُّ فِي كِتَابِهِ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. قَالَ الشَّيْخُ فِي الْإِمَامِ وَرَأَيْتُ فِي عِلَلِ الْخِلَالِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِسْحَاقَ الثَّقَفِيِّ قَالَ: سُئِلَ أَحْمَدُ عَنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ هَذَا فَقَالَ: صَحِيحٌ. قَالَ الشَّيْخُ: وَقَوْلُهُ فِيهِ: وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ - يَعْنِي رُكْعَتَيْنِ - انْتَهَى وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخُلَاصَةِ: وَقَعَ فِي لَفْظِ أَبِي دَاوُدَ: السَّجْدَتَيْنِ. وَفِي لَفْظِ التِّرْمِذِيِّ: الرُّكْعَتَيْنِ. وَالْمُرَادُ بِالسَّجْدَتَيْنِ الرُّكْعَتَانِ يَدُلُّ عَلَيْهِ الرَّوَايَةُ الْأُخْرَى.

”اس حدیث کو چاروں سنن (سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) کے مؤلفین اور امام بخاری نے اپنے مسئلہ رفع الیدین پر کتاب میں علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شیخ نے امام میں کہا میں نے خلال کی علل میں اسماعیل بن اسحاق ثقفی سے روایت دیکھی وہ کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متعلق امام احمد سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا یہ صحیح ہے۔ شیخ نے کہا اس میں لفظ و اذا قام من السجدتين سے مراد دو رکعتیں ہیں۔ اور نووی نے خلاصہ میں کہا ابو داؤد کی روایت میں لفظ ”السجدتين“ ہے اور ترمذی کی روایت میں لفظ ”الركعتين“ اور ”سجدتين“ سے مراد رکعتیں ہیں، دوسری روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔“

فائدہ: ان احادیث میں بھی تکبیر تحریمہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کندھوں تک رفع الیدین (ہاتھ اٹھانے) کا ثبوت ہے، بعض لوگ زبانی کلامی کندھوں تک رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تسلیم تو کر لیتے ہیں مگر اپنی پوری زندگی میں اس پر عمل ایک دفعہ بھی نہیں کرتے انہیں اپنے اس رویہ پر نظر ثانی فرمائی چاہئے۔

سوال و جواب:

بعض لوگ کہتے ہیں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی احادیث پہلے کی ہیں، بعد میں جب رکوع والا رفع الیدین ہی منسوخ ہو گیا تو رکوع والے رفع الیدین کی ہیئت کذائی خود بخود ختم ہو گئی لہذا صاحب تحریر کا تکبیر تحریمہ والی بات کہنا بجا ہے؟

جواباً گزارش ہے کہ رکوع والا رفع الیدین منسوخ نہیں، چنانچہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حنفی، مولانا محمد یوسف بنوری حنفی، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اور دیگر کئی حنفی بزرگ اپنی کتابوں میں رکوع والے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کی تردید کرتے ہیں، لہذا ان چاروں مقامات پر کندھوں یا کانوں تک رفع الیدین کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، محکم ہے منسوخ ہرگز نہیں، تو اس بے بنیاد اور بالکل غلط دعوائے نسخ کو ان مقاموں پر رفع الیدین کی ہیئت کذائی کے ختم ہونے کا بہانا بنانا زرافسانہ ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔

نوٹ: صاحب تحریر لکھتے ہیں ”تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لوتیک اٹھانا بھی سنت ہے۔“ اس دعویٰ کے جو دلائل انہوں نے پیش فرمائے ان کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ کمزور اور ضعیف ہیں۔ اس مقام پر ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، اور وہ یہ کہ صاحب تحریر کا لفظ ”بھی“ بتا رہا ہے کہ اس مقام پر کندھوں تک ہاتھ اٹھانا بھی ان کے نزدیک سنت ہے۔ حالانکہ حنفی اصطلاحات کی

روشنی میں کندھوں تک اور کانوں کی لوتک دونوں کو سنت قرار دینا درست نہیں کیونکہ حنفی حضرات عام طور پر سنت کے دو ہی معانی بیان کرتے ہیں۔ (۱) جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت و ہمیشگی کی ہو۔ (۲) جس کو رسول اللہ ﷺ کا عمل میں لانا اس کے عمل میں نہ لانے ہے اکثر و زیادہ ہو۔ اور ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ہاتھ اٹھانے کی مذکورہ بالا دونوں کیفیتوں کو سنت کا نام نہیں دیا جاسکتا کہ ان دونوں کیفیتوں سے جس کیفیت پر بھی رسول اللہ ﷺ کے عمل کی مواظبت یا کثرت تسلیم کی جائے گی دوسری کیفیت پر آپ کے عمل کی مواظبت اور کثرت خود بخود ختم ہو جائے گی اور وہ مذکورہ دونوں معنوں کی رو سے سنت نہ رہے گی۔ اس نوٹ سے مواضع ثلاثہ میں (رکوع جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھ کر) رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے دونوں کے سنت ہونے والے نظریہ کی بھی قلعی کھل رہی ہے کہ حنفی اصطلاحات کی روشنی میں یہ صاحب تحریر کے مذکورہ بالا دعویٰ سے بھی اتر ہے۔ رہے اہلحدیث تو ان کی تحقیق کے مطابق کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا دونوں سنت ہیں، اور رفع الیدین کرنا تو سنت ہے جبکہ رفع الیدین نہ کرنا سنت کا ترک اور اس کی مخالفت، دلائل کا یہ موقع نہیں کتابوں میں پڑھ لیں۔

زیر ناف یا سینہ پر ہاتھ نہ باندھنے والوں پر فتویٰ

صاحب تحریر فرماتے ہیں ”جو حضرات نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔“

اس فتویٰ پر کئی وجوہ سے مناقشہ ہے، اولاً زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے ہی نہیں، اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب ضعیف اور کمزور ہیں۔ کئی حنفی بزرگ ان کے ضعف کی تصریح فرما چکے ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب تحریر نے خود اپنی اس

تحریر میں بھی ان کے ضعف کا برملا اعتراف و اقرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”اسی لئے احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں چھوڑ کر... الخ“۔ نیز لکھتے ہیں: ”جب طرفین کی احادیث محدثین کرام کے اصول سے صحیح نہیں تو... الخ“۔ مزید لکھتے ہیں ”فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں“۔ تو صاحب تحریر نے اپنی اس تحریر میں تین جگہ اعتراف اور اقرار کیا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی احادیث و روایات صحیح نہیں ضعیف اور کمزور ہیں تو ثابت ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں، اس کا منکر سنت کا منکر نہیں اور اس کا مذاق اڑانے والا سنت کا مذاق اڑانے والا نہیں، نیز اس کو غلط سمجھنے والا سنت کو غلط سمجھنے والا نہیں اور اس عمل کو توہین آمیز سمجھنے والا سنت کو توہین آمیز سمجھنے والا بھی نہیں تو صاحب فتویٰ غور فرمائیں کہ وہ کس منہ سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کے منکروں کو بدعتی بنا رہے ہیں؟ اور کس بنیاد پر اس کا مذاق اڑانے والوں کو ایمان سے عاری گردان رہے ہیں؟ کبریت کلمتہ تخرج من افواہم۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

نوٹ: صاحب تحریر وغیرہ کا سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں کیونکہ سینے پر یا ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی کئی احادیث صحیح بھی ہیں تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

ثانیاً: اگر صاحب تحریر کے اس فتویٰ کے وزن پر کوئی صاحب یہ کہہ دیں ”جو حضرات نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے عمل کو توہین آمیز سمجھتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، ان بھائیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے“ تو فرمائیے صاحب تحریر کا جواب کیا ہو؟ جبکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کئی ایک احادیث صحیح بھی ہیں، پھر کئی ایک حنفی بزرگوں نے ان کے صحیح ہونے کی تصدیق و تائید

بھی کی ہے چنانچہ تفصیل آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

ثالثاً: صاحب تحریر لکھتے ہیں ”یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کی اختیار کی ہے“ پتہ چلا صاحب تحریر کے ہاں امام مالکؒ زیر ناف ہاتھ باندھنے کو بھی سنت نہیں مانتے اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ وہ بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں مانتے اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ پھر امام احمد بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں مانتے تو یہ ائمہ ثلاثہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کے سنت ہونے کے منکر ہیں تو اب صاحب تحریر سے ہم پوچھتے ہیں آیا وہ ان تینوں اماموں کو اپنے فتویٰ باتقویٰ کی رو سے واقعی بدعتی ہی سمجھتے ہیں؟ غور کا مقام ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ زیر ناف ہاتھ باندھنے کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھتے تھے؟ اس تحریر میں تو انہوں نے اس کی بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی سوچیں کہیں امام ابوحنیفہؒ بھی اس فتویٰ کی رو سے بدعتی نہ بن جائیں۔

رابعاً: معلوم ہے کہ رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے چنانچہ بہت سے حنفی بزرگوں نے بھی اس کے سنت ہونے کی تصریح فرمائی ہے ادھر بہت سے حنفیوں کا اس سنت سے انکار کرنا اور اس کا مذاق اُڑانا مشہور زمانہ ہے حتیٰ کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے متعلق علامہ زیلعی حنفی نصب الراية میں امام بخاری کی کتاب جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وَكَانَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ وَهُوَ أَعْلَمُ أَهْلَ زَمَانِهِ فِيمَا يَعْرِفُ، وَلَقَدْ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: صَلَّيْتُ يَوْمًا إِلَى جَنْبِ النُّعْمَانِ فَرَفَعْتُ يَدَيَّ فَقَالَ لِي: أَمَا خَشِيتَ أَنْ تَطْيِرَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنْ لَمْ أَطْرِفْ فِي الْأُولَى لَمْ أَطْرِفْ فِي الثَّانِيَةِ. قَالَ وَكَيْفَ: رَحِمَ اللَّهُ ابْنَ الْمُبَارَكِ كَانَ حَاضِرَ الْجَوَابِ. اه

”اور ابن مبارک رفع الیدین کیا کرتے تھے اور معروف و معلوم میں ہے کہ وہ اپنے زمانہ والوں سے زیادہ علم والے تھے اور تحقیق ابن مبارک نے بیان

کیا کہ میں نے ایک دن نعمان ابوحنیفہ کے پہلو میں نماز پڑھی، میں نے رفع الیدین کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا، کیا آپ اُڑنے سے نہ ڈرے؟ وہ کہتے ہیں میں نے ان سے کہا اگر میں پہلی دفعہ نہیں اُڑا تو دوسری دفعہ بھی نہیں اُڑا۔ وکیع نے کہا اللہ تعالیٰ ابن مبارک پر رحم کرے وہ حاضر جواب تھے۔ (نصب الراية ج ۱ ص ۴۱۷)

تو امام ابوحنیفہ رکوع والے رفع الیدین کے سنت ہونے کے منکر بھی ہیں اور انہوں نے اس سنت کا مذاق بھی اُڑایا ہے۔ اب صاحب تحریر کا انصاف کڑی آزمائش میں ہے کہ وہ اپنے اس فتویٰ ”سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اُڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے“ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے متعلق کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں؟ نیز اس سنت سے انکار کرنے والے اور اس کا مذاق اُڑانے والے خفیوں کو بدعتی اور ایمان سے عاری قرار دیتے ہیں یا نہیں؟

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

خامساً: زیرناف ہاتھ باندھنا نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ کی سنت، لہذا یہ سراسر غیر سنت ہے جس کو صاحب تحریر نے سنت بنایا تو ہم اُن سے پوچھتے ہیں آیا وہ غیر سنت کو سنت بنانے والے کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہیں وہ بدعتی اور گنہگار نہ ہو؟ اور کہیں اس کا ایمان بھی نہ جاتا بنا ہو؟ آخر مسئلہ یہ بھی بڑا اہم ہے اس کے متعلق بھی انہیں اپنا کوئی نہ کوئی فتویٰ داغنا چاہئے۔

سادساً: تو واضح ہو گیا کہ صاحب تحریر نے جو اپنے اس فتویٰ میں رنگ بھرا وہ محض اس لئے کہ عوام الناس کو ورغلا یا جائے تو اب وہ دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کرتے ہیں ”تو.... عوام الناس کو ورغلانا اور پریشان نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسا عمل مومن کے شایان شان نہیں“۔ میں پوچھتا ہوں آپ کے شایان شان تو ہے ہی؟ کسی نے سچ کہا ہے، خود میاں فضیحت دیگر اں رانصیحت۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی زیر ناف ہاتھ باندھنے والی روایت کا حال

صاحب تحریر فرماتے ہیں ”حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا..... الخ“۔

اولاً: گزارش ہے یہ حدیث ابن ابی شیبہ میں موجود ہے مگر لفظ ”تحت السرة“ ”زیر ناف“ اس میں موجود نہیں قاسم بن قطلوبغا حنفی نے ان لفظوں کے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہونے کی رٹ لگا رکھی ہے مگر آج تک وہ مصنف مذکور کے کسی صحیح نسخہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ”زیر ناف“ دکھائیں سکے اور ان کا یہ نہ دکھا سکتا ان کے لیے ایک بڑی پریشانی تھی۔ اس پریشانی کو دور کرنے کی خاطر اب کے کراچی والے دیوبندی حنفیوں نے مصنف ابن ابی شیبہ چھاپی اور اس میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ ”تحت السرة“ از خود بڑھا دیئے ہیں۔ صاحب تحریر نے اسی کراچی والے نسخہ کا صفحہ دیا ہوا ہے حالانکہ کراچی والوں نے جس نسخہ کا عکس چھاپا ہے اس میں بھی ”تحت السرة“ کے لفظ موجود نہیں اس لیے صاحب تحریر کا فرض ہے کہ وہ ہمیں کراچی والے اس مطبوعہ نسخے کا صحیح اصل دکھائیں جس میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں لفظ ”تحت السرة“ ”زیر ناف“ بھی موجود ہوں۔

ثانیاً: ایک طرف تو آپ ان دیوبندی حنفیوں کی مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ یہ کارستانی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف ان کا یہ وعظ ”جب طرفین کی احادیث محدثین کرام کے اصول سے صحیح نہیں ہیں تو..... عوام الناس کو ورغلا نا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل..... مؤمن کے شایان شان نہیں“ مد نظر رکھیں اور غور فرمائیں کہیں یہ:

﴿قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ..... الخ﴾

اور فرمایا:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ الخ

کی جیتی جاگتی مثالیں تو نہیں؟ پھر سوچیں عوام الناس کو کون ورغلا رہا ہے؟ اور ان کو کون پریشان کر رہا ہے؟

مثلاً: شوق نیوی خفی آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

اَلْاِنْصَافُ اَنَّ هَذِهِ الزِّيَادَةُ وَاِنْ كَانَتْ صَحِيْحَةً لَّوْجُوْدَهَا فِيْ اَكْثَرِ النُّسَخِ مِنَ الْمُصَنَّفِ لِكِنَّهَا مُخَالِفَةٌ لِّرَوَايَاتِ الثِّقَاتِ فَكَانَتْ غَيْرَ مَحْفُوْظَةٍ كَزِيَادَةِ عَلٰى الصَّدْرِ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ خُرَيْمَةَ، وَمَعَ ذٰلِكَ فِيْهِ اضْطِرَابٌ كَمَا مَرَّ فَالْحَدِيْثُ وَاِنْ كَانَ صَحِيْحًا مِنْ حَيْثُ السَّنَدِ لِكِنَّهُ ضَعِيْفٌ مِنْ جِهَةِ الْمَتْنِ. اه

”انصاف یہ ہے کہ یہ زیادہ ”تحت السرة“ اگرچہ مصنف کے اکثر نسخوں میں موجود ہونے کی وجہ سے تو صحیح ہے لیکن ثقہ راویوں کی روایات کے مخالف ہے تو یہ زیادہ ”تحت السرة“ غیر محفوظ ہے جیسا کہ ابن خزمہ کی روایت میں زیادہ ”علی الصدر“ اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی ہے جیسے کہ گزرا تو یہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے تو صحیح ہے لیکن متن کے اعتبار سے ضعیف ہے۔“

تو معلوم ہوا اس ”تحت السرة“ کے مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث وائلؓ میں موجود ہونے کو تسلیم کر لینے سے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے والوں کی بات زیر ہی رہتی ہے زبر نہیں ہوتی کیونکہ یہ روایت بزیدۃ تحت السرة بہر حال ضعیف اور ناقابل قبول ہے۔ پھر صاحب تحریر کو بھی اس کے ضعیف و کمزور ہونے کا اعتراف ہے تو مقام غور ہے کہ ایک روایت کو ضعیف مانتے ہوئے عوام الناس کے سامنے اسے بیان کرنا ان کو ورغلا نا اور پریشان کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟



امام مالکؒ کا مذہب



صاحب تحریر فرماتے ہیں ”یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کیا ہے۔ ان کی یہ بات بھی محل نظر ہے۔

اولاً: تو اس لیے کہ اس مقام پر مسئلہ زیر ناف یا سینہ پر ہاتھ باندھنا موضوع بحث ہے ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا موضوع بحث نہیں اور ہاتھ باندھنے کی کیفیت والی احادیث پر کلام کو تسلیم کر لینے سے لازم نہیں آتا کہ ہاتھ چھوڑنا ہی اختیار کر لیا جائے لہذا سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات پر کلام کو امام مالکؒ سے ہاتھ چھوڑنے والی ایک روایت کی وجہ بنانا بے جا، بے ربط اور بے بنیاد ہے چہ جائیکہ اسے بطریق حصر و قصر وجہ قرار دیا دیا جائے جیسا کہ لفظ ”یہی وجہ“ سے واضح ہو رہا ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ امام مالکؒ سے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار کرنا ہی مخدوش ہے کیونکہ ہاتھ چھوڑنا صرف ان کی ایک روایت ہے اور دوسری روایت ہاتھ باندھنے کی ہے۔ بہت سے مالکیوں اور غیر مالکیوں نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے پھر اس دوسری روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالکؒ نے اپنی مایہ ناز اور شہرہ آفاق کتاب مؤطا میں ہاتھ باندھنے کا باب و عنوان قائم کیا ہے اور نیچے صاحب تحریر کی بیان کردہ ہاتھ باندھنے کی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی باسند روایت کی ہے۔

ثالثاً: اس لیے کہ دعویٰ ”یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ“ الخ صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کو ثابت کیا جائے:

- ① سینے پر اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی احادیث امام مالکؒ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھیں۔
- ② پھر ان احادیث طرفین سے ہر حدیث کا ضعف بھی ان کے علم میں تھا۔
- ③ انہوں نے ہاتھ چھوڑنے کو واقعی اختیار بھی فرمایا ہے۔
- ④ اس ہاتھ چھوڑنے کی وجہ احادیث طرفین کا ضعف ہے۔

۵ احادیث طرفین کے ضعف کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں۔

مگر ان پانچ امور کو ثابت کرنا تو درکنار صاحب تحریر نے ان پانچ امور سے کسی ایک امر کو بھی دلائل سے ثابت نہیں فرمایا صرف زبانی کلامی ”یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ الخ“ والا دعویٰ داغ دیا ہے۔

رابعاً: صاحب تحریر کی تصریح کے مطابق امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑنے کو اختیار فرمایا ہے اور صاحب تحریر کے انداز فکر کی روشنی میں یہ ہاتھ چھوڑنا امام مالکؒ کا مشاہدہ ہی قرار پائے گا کہ انہوں نے تابعین کو ایسے کرتے دیکھا۔ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پھر امام مالکؒ قرآن مجید، حدیث و سنت اور اقوال و قضایا صحابہؓ تینوں کو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ جاننے والے تھے۔ جیسا کہ امام محمدؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ دیکھئے کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم اور وفیات الاعیان لابن خلکان۔

تو صاحب تحریر کو چاہیے کہ وہ بھی ہاتھ چھوڑنے کو ہی اختیار فرمائیں، محض تابعیت کی بنیاد پر کسی کے قول و عمل کو مقدم سمجھنا کوئی انصاف نہیں ورنہ یہ لوگ صحابی کے قول و عمل کو امام ابوحنیفہؒ کے قول و عمل پر مقدم سمجھتے اور امام ابوحنیفہؒ کی بجائے کسی صحابی کی تقلید کرتے۔ آخر صحابی میں قرب زمانہ اور صحابیت ہے جو تابعی میں ہرگز نہیں۔ یہ بات مقلدین کے انداز فکر پر کہی گئی ہے ورنہ ہمارے نزدیک تو کتاب و سنت کے سامنے کسی کا قول، فتویٰ، اجتہاد، قیاس، فیصلہ، عالم ہونا، علم ہونا، صحابی ہونا، تابعی ہونا حتیٰ کہ آپ سے پہلے کسی پیغمبر کا ہونا ہرگز نہیں چل سکتا۔

سینے پر یا ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث

پہلی حدیث:
 أَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: لَا نُنْظُرَنَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي، قَالَ: فَتَنُظَرْتُ إِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَتَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهْرِ كِفِّهِ الْيُسْرَى

سوال و جواب:

”وَهَذِهِ الْكَيْفِيَّةُ تَسْتَلْزِمُ أَنْ يَكُونَ الْوَضْعُ عَلَى الصَّدْرِ“.

مزید لکھتے ہیں:

”وَمِمَّا يُبْغَىٰ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ لَمْ يَصْحَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضْعُ

عَلَى غَيْرِ الصَّدْرِ“.

اور معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ سے سینے کے علاوہ بدن کے کسی حصہ پر ہاتھ باندھنا صحیح اور ثابت نہیں۔ (ص ۲۳۹)

پھر وائل بن حجر رحمہ اللہ کی فقط ابن خزیمہ والی حدیث میں سینے کا لفظ بھی موجود ہے اگرچہ ابن خزیمہ والی یہ حدیث مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف معلوم ہوتی ہے لیکن دوسرے شواہد اور اس کے ہم معنی دوسرے طرق کی بنا پر اس میں قوت پیدا ہو چکی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہا ہے۔ شیخ البانی ہی لکھتے ہیں:

”إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ لِأَنَّ مُوَمَّلًا وَهُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ سَيِّئُ الْحِفْظِ لَكِنَّ الْحَدِيثَ صَحِيحٌ جَاءَ مِنْ طَرُقٍ آخَرَ بِمَعْنَاهُ وَفِي الْوَضْعِ عَلَى الصَّدْرِ أَحَادِيثٌ تَشْهَدُ لَهُ“۔ (تعلیق صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۳۳)

”اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل راوی سیئ الحفظ ہے لیکن یہ حدیث صحیح ہے اس معنی و مفہوم میں دوسری سندوں سے بھی آئی ہے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی اور بھی کئی احادیث ہیں جو اس حدیث کی شاہد ہیں۔“

نوٹ: ہم نے ایک دو جگہ ”فقط ابن خزیمہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وائل بن حجر رحمہ اللہ کی دو روایتیں ہیں ان سے ایک روایت تو سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور صحیح ابن خزیمہ تینوں میں موجود ہے یہ روایت دوسرے کی بہ نسبت ذرا لمبی ہے۔ اسی کو ہم نے اوپر ”پہلی حدیث“ کے عنوان میں نقل کیا اور استدلال کی بنیاد بنایا ہے اور اس میں ”دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی، گٹ اور کلائی پر رکھنے“ کے لفظ ہیں۔

۱۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو مؤمل بن اسماعیل ہے وہ مؤمل نہیں جسے تہذیب وغیرہ میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے فتح الغفور پر ان کی تحقیق و تخریج ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے برعکس دوسری صرف ابن خزیمہ میں ہے نسائی اور ابوداؤد میں نہیں۔ یہ روایت مختصر ہے اس کے لفظ ہیں ”آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا“ اس کو ہم نے اپنے استدلال کی بنیاد نہیں بنایا۔ وائل بن حجر رحمہ اللہ کی ان دونوں روایتوں کے مابین ان چار فرقوں کے علاوہ ایک پانچواں فرق بھی ہے وہ یہ کہ تین کتابوں ابوداؤد، نسائی اور ابن خزیمہ والی روایت کی سند میں مؤمل بن اسمعیل نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور ضعیف راوی ہے جب کہ صرف ابن خزیمہ والی روایت کی سند میں مؤمل بن اسمعیل راوی ہے تو ان دونوں روایتوں کے امتیاز کی خاطر ہم نے لفظ ”فقط ابن خزیمہ“ استعمال کیا ہے تاکہ یہ دونوں روایتیں قاری پہ کہیں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

دوسری حدیث:

عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ نَاسٌ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا بِنَمِيٍّ ذَالِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ۔ مؤطا امام مالک ص ۱۱۱ وضع الیدین احداهما علی الاخری فی الصلوۃ)

”ابو حازم سے سہل بن سعد رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں لوگ حکم دیئے جاتے تھے کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھے ابو حازم کہتے ہیں مجھے صرف اور صرف یہی معلوم ہے کہ سہل بن سعد نے اس کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔“

اس حدیث کو صاحب تحریر نے بھی نقل فرمایا اور لکھا ”اس حدیث میں نہ سینے پر ہاتھ باندھنے اور نہ ہی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے“ مگر انہیں یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس حدیث میں دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع۔ جس کا معنی صاحب تحریر نے

کلائی کیا ہے۔ اسی لیے اوپر ترجمہ میں کلائی لکھا گیا ورنہ ذراع کا لفظ بڑی انگلی کی طرف سے لے کر کہنی تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔ پر باندھنے کا ذکر تو ہے جس سے کسی کو جال اٹکار نہیں اور سب جانتے ہیں کہ ذراع کہنی والے جوڑ تک ہے تو اب اگر دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے گا تبھی مذکور بالا حکم پر عمل ہوگا۔ دیکھئے وضو میں چہرہ دھونے کا حکم ہے اب پورا چہرہ دھویا جائے گا۔ تبھی چہرہ دھونے والے حکم پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔ بالکل اسی طرح دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی والے جوڑ تک پہنچایا جائے گا تبھی سہل بن سعد کی حدیث میں مذکور حکم پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔ اور واضح چیز ہے کہ جب اس کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو ہاتھوں کے زیر ناف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الا بتکلف شدید اور قرآن مجید میں وما انا من المتکلفین اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

نوٹ: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابن عباسؓ، قبیصہ بن ہلب اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی احادیث کے علاوہ ہے اور ہے بھی صحیح، اس لیے صاحب تحریر کا لکھنا ”اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی اترتے ہیں“ بالکل غلط ہے۔

تیسری حدیث:

عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هَلَبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ وَصَفَ يَحْيَى الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَوْقَ الْمَفْصَلِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَاسْنَادُهُ حَسَنٌ. (آثار السنن ص ۶۷ باب وضع اليدين على الصدر)

”قبیصہ بن ہلب اپنے باپ ہلب سے بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ دائیں اور بائیں دونوں جانبوں سے پھرتے اور میں نے آپ کو دیکھا آپ اس کو اپنے سینے پر رکھتے۔ یحییٰ نے بیان کیا کہ دائیں کو بائیں کے

اوپر جوڑ پر۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔ علامہ نیوی حنفی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں ”لکن قولہ: علی صدرہ غیر محفوظ“ لیکن لفظ ”علی صدرہ سینہ پر“ محفوظ نہیں مگر ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ انہوں نے اس لفظ کے غیر محفوظ ہونے کی جو دلیل پیش کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سفیان اس لفظ کو بیان کرنے میں متفرد اور اکیلے ہیں اور اصول حدیث سے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ کسی ثقہ راوی کا کسی لفظ کے بیان کرنے میں متفرد اور اکیلا ہونا اس لفظ کے غیر محفوظ ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا بشرطیکہ وہ لفظ اوثق کے بیان کردہ الفاظ کے منافی نہ ہو حافظ ابن حجر عسقلانی نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

”وَزِيَادَةُ رَاوِيَهُمَا مَقْبُولَةٌ مَا لَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةٌ لِمَا هُوَ أَوثَقُ“۔

اور ان دونوں صحیح اور حسن کے راوی کے زائد کردہ الفاظ مقبول ہیں جب تک وہ اوثق کے منافی نہ ہوں اور اس مقام پر سفیان کے بیان کردہ لفظ ”علی صدرہ اپنے سینہ پر“ سماک کے دوسرے تلامذہ کے بیان کردہ الفاظ کے منافی نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے تحفۃ الاحوذی اور ابکار السنن کا متعلقہ مقام دیکھ لیں اور اگر کوئی صاحب سفیان کے ان الفاظ کو ان کے ساتھیوں کے الفاظ کے منافی خیال کرتے ہیں تو یہ ان کی خطا ہے۔

نیوی حنفی کے اسنادہ حسن ”اس کی سند حسن ہے“ کہنے سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی منکر الحدیث کثیر الغلط اور ضعیف نہیں ہے لہذا صاحب تحریر کا کہنا ”ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام کثیر الخطا الخ شدید الخطا ہے۔“

نیز یہ حدیث قبیصہ کے باپ بلب طائی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قبیصہ کی اپنی نہیں اس لیے یہ حدیث بھی سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ، قبیصہ

بن ہلب اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی احادیث کے علاوہ ہے اور اس کی سند نیوی حنفی کے قول کے مطابق بھی حسن ہے لہذا صاحب تحریر کا کہنا ”اس کے علاوہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے جو دلائل ہیں وہ ان روایتوں سے بھی اترتے ہیں“ سراسر واقع کے خلاف ہے جس میں ذرہ برابر بھی صداقت نہیں۔

❖ حنفیو ترمذی میں بھی ”علی صدرہ“ کا اضافہ کرو ❖

مولانا فیض الرحمان ثوری حفظہ اللہ تعالیٰ رسالہ فتح الغفور کے حاشیہ میں ہلب طائی رضی اللہ عنہ کی مسند احمد والی حدیث پر تعلیق لکھتے ہیں ”قوله عن قبيصة بن بلب عن ابيه الخ“ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سفر السعادة کی شرح میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی سینہ پر ہاتھ باندھنے والی ابن خزیمہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”اور ایسے ہی روایت کیا ہے ترمذی نے قبیصہ بن ہلب سے وہ اپنے باپ سے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھا“ اور محدث دہلوی کے پوتے موطا کی محلی نامی شرح میں لکھتے ہیں ”نوی نے شافعی کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو ابن خزیمہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر اپنے سینہ پر رکھ لیا“ انتہی اور ترمذی نے روایت کیا قبیصہ بن ہلب سے وہ اپنے باپ سے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھتے اور یہی بات شیخ الاسلام مذکور نے بخاری کی شرح میں بھی لکھی ہے کہ ترمذی نے اس حدیث ہلب کو اس زیادة ”علی صدرہ“ (اپنے سینے پر) سمیت روایت کیا ہے۔ (حاشیہ فتح الغفور ص ۲)

تو اب انصاف کا تقاضا ہے کہ جس طرح کراچی والے دیوبندی حنفیوں نے قاسم بن قطلوبغا وغیرہ کے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دینے کی بنیاد پر مصنف ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”تحت السرة زیر ناف“ کے لفظ چھاپ دیئے ہیں

بالکل اسی طرح وہ ترمذی میں بھی بلب کی حدیث میں ”علی صدرہ اپنے سینے پر“ کے لفظ اولیں فرصت میں چھاپ دیں کیونکہ حنفی بزرگ شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ الاسلام صاحب محلی حوالہ دے رہے ہیں کہ ترمذی نے لفظ ”علی صدرہ اپنے سینے پر“ کو روایت کیا ہے۔ آخر قاسم بن قطلوبغا وغیرہ کے حوالہ پر اتنا اعتماد اور عبدالحق دہلوی اور صاحب محلی کے حوالہ پر اتنی بد اعتمادی کیوں؟ اگر انہیں گوارا نہیں ہے کہ وہ ”علی صدرہ“ کو ترمذی میں چھاپیں تو پھر وہ مصنف ابن ابی شیبہ میں کی ہوئی کارستانی سے فی الفور رجوع کر لیں ورنہ وہ سوچیں کہ کل اللہ تعالیٰ کی عدالت میں وہ اس تحکم و تعصب کا کیا جواب دیں گے؟

فما عذرکم یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

امام ابوحنیفہؒ کے ایک مشاہدہ کی حقیقت

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ ناف سے اوپر اور سینے پر باندھا کرتے تھے اب اس کے بعد کسی مسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ یا کسی اور امام کے قول یا عمل کو اپنے سینے سے لگائے رکھے اور سینے پر ہاتھ نہ باندھے جبکہ ائمہ کرام تصریح فرما چکے ہیں کہ حدیث و سنت ملنے کی صورت میں ہماری بات چھوڑ دینا اور حدیث و سنت پر عمل کرنا مگر اس کو تقلید کی ہی برکت سمجھنے کے حق و انصاف واضح ہو جانے کے بعد بھی مقلد حق و انصاف کے مقابلہ میں سینہ سپر اپنے امام کے قول و عمل پر فخر کرتے ہوئے یوں گویا ہوتا ہے:

”وَنَحْنُ مُقَلِّدُونَ يَجِبُ عَلَيْنَا تَقْلِيدُ إِمَامِنَا أَبِي حَنِيفَةَ.“

”اور ہم تو مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔“

تقلید کی اسی برکت کی برکھا صاحب تحریر پر بھی برسی ہوئی ہے اس لیے وہ لکھتے ہیں: ”احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ

کے مسلک پر عمل پیرا ہیں، مزید لکھتے ہیں: ”البتہ ہاتھ باندھنے کے مسئلے کو امام ابوحنیفہؒ نے مشاہدہ سے لیا ہے انہوں نے الخ“ چنانچہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیح ہیں مگر محض تقلید کی بنیاد پر انہیں ضعیف اور کمزور بنایا جا رہا ہے کیونکہ ان احادیث سے بھی کم درجہ کی احادیث کو ان لوگوں نے کئی مقام پر صحیح قرار دیا ہے لیکن وہاں جہاں وہ ان کے امام کے مسلک کے موافق ہوں۔

تو ہم صاحب تحریر سے گزارش کریں گے کہ وہ باسند حوالہ بیان فرمائیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کے کس صحابی کو نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھتے دیکھا اگر کوئی صحیح سند و حوالہ آپ کے پاس ہے تو پیش فرمائیں ورنہ اس قسم کی بے سرو پا باتیں لکھ کر عوام الناس اور خواص الناس کو ورغلا نا چھوڑ دیں اور اس طرح انہیں پریشان نہ کریں کیونکہ ایسا عمل مؤمن کے شایان شان نہیں۔ یاد رہے اس مقام پر مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے کسی صحابی یا تابعی کو نماز پڑھتے دیکھنے کا نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کسی صحابی کو نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھے دیکھا ہو اس کا ثبوت پیش فرمائیں زبانی کلامی جمع خرچ کا کوئی فائدہ نہیں۔

اگر اسی طرح بات بنانے سے کام نکل سکتا ہے تو کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں ”ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا امام شافعیؒ کا مشاہدہ ہے انہوں نے تابعین کو نماز پڑھتے دیکھا تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو“ تو کیا اس سے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہونا ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر صاحب تحریر کی مشاہدے والی خانہ ساز بات سے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنے کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل ایسی کجی اور مصنوعی باتوں کا علمی دنیا میں کوئی وزن نہیں۔

اگر امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب صاحب تحریر کا گھڑا ہوا یہ مشاہدہ اپنے اندر کوئی قوت رکھتا ہے تو لامحالہ ابوداؤد وغیرہ میں ثابت شدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

مشاہدہ تو اس سے کہیں زیادہ قوت و پاور کا حامل ہے وہ مشاہدہ یہ ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھا کرتے تھے باقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر ناف ہاتھ باندھنے والی روایت ثابت نہیں ضعیف ہے اس کا صاحب تحریر نے بھی اعتراف کیا ہے۔

جبکہ وہ روایت ان کے ہاں ثابت ہونے کی صورت میں بھی ان کے ہاں قابل عمل نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ”ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا“ ان کی اس روایت کے خلاف ہے اور راوی کا قول یا عمل اگر اس کی روایت کے خلاف ہو تو حنفیہ کے نزدیک راوی کے قول یا عمل کو اپنایا جاتا ہے نہ کہ اس کی روایت کو، تو ان کا فرض ہے کہ آج ہی سے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے شروع کر دیں۔

نوٹ نمبر ۱: اوپر ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو مشاہدہ کا نام دیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا یا ایسا کہتے سنا ہے کیونکہ یہ ایک احتمالی صورت تو ہو سکتی ہے لیکن حتمی قطعی اور یقینی نہیں۔ ہم نے اس مقام پر صرف اور صرف صاحب تحریر کی زبان میں بات کی ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے عمل کو مشاہدہ کا نام دیا ہے جس کا واضح ترین تقاضا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی مشاہدہ کے نام سے موسوم ہو۔

دیکھئے رکوع والے رفع الیدین کے متعلق صحیح احادیث بکثرت موجود ہیں مگر صاحب تحریر اور ان کے ہمنوا حنفی مقلدان پر عمل نہیں کرتے اور ان سے بعض اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا سہارا لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں ان کو اعتراف بھی ہے کہ اس مسئلہ میں روایات واحادیث ضعیف اور کمزور ہیں اس کے باوجود وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل ”ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے“ کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہی کہ تقلید کی پاداش میں انہوں نے حدیث کو بھی چھوڑا اور اپنے اصول و قواعد کو بھی توڑا پھوڑا۔

صاحب تحریر لکھتے ہیں ”امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے تصحیح ہوتی ہے“ اور اس اصول کی رو سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی تصحیح فرمائی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام ابوحنیفہؒ سے بڑے مجتہد ہیں اور انہوں نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کو اختیار بھی فرمایا ہے تو اب کیا وجہ ہے کہ صاحب تحریر اور ان کے ہمنوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصحیح کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کی تصحیح پر جا گرے ہیں آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے کچھ نہیں لگتے۔ سچ ہے جن کو امام ابوحنیفہؒ کا قول ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی حدیث و سنت کی کوئی پروا نہیں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل اور ان کی تصحیح کی خاک پر وا ہوگی۔

نوٹ نمبر ۲: صاحب تحریر کا لکھا ہوا قاعدہ ”مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی طرف سے تصحیح ہوتی ہے“ دلیل کی رو سے ثابت نہیں تفصیل کتابوں میں دیکھ لیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے وہ صاحب تحریر کی زبان میں لکھا ہے۔

نوٹ نمبر ۳: صاحب تحریر کے قول ”ان احادیث کے راوی کو محدثین کرام“ الخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان تینوں احادیث (ابن عباسؓ، قبیصہ بن ہلبؓ اور وائل بن حجرؓ کی احادیث) کا راوی ایک ہی شخص کو سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ چیز انتہائی مضحکہ خیز ہے پھر ان کا اپنے اس قول میں راوی کو غیر محفوظ قرار دینا پھر اسے محدثین کرام کی طرف منسوب کرنا ان کی اصول حدیث اور فن حدیث میں کامل رسائی اور بالغ نظری کی غمازی کر رہا ہے۔ فیا للعجب۔

ایک سوال:

صاحب تحریر لکھتے ہیں ”اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ نے زیر ناف کو اختیار کیا“ تو ہم پوچھتے ہیں یہ ”اسی“ کا اشارہ کس طرف ہے۔ پہلے اسے متعین فرمائیں پھر اس چیز کو امام ابوحنیفہؒ سے ثابت کریں یاد رہے یہ سوال امام ابوحنیفہؒ کے اس مسئلہ میں مذہب اور اس کی سند کے متعلق نہیں بلکہ ان کے مذہب کی ”اسی بناء“ کے متعلق ہے۔

کچھ حنفی بزرگوں کا اعترافِ حق

علامہ محمد حیات سندھی اپنے رسالہ فتح الغفور میں لکھتے ہیں:

”وَهَذَا ابْنُ أَمِيرِ الْحَاجِّ الَّذِي هُوَ تَلُو شَيْخِهِ ابْنُ الْهَمَامِ فِي التَّحْقِيقِ وَسَعَةِ الْإِطْلَاعِ يَقُولُ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ: إِنَّ الثَّابِتَ مِنَ السُّنَّةِ وَضَعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثٌ يُوجِبُ تَعْيِينَ الْمَحَلِّ الَّذِي يَكُونُ فِيهِ الْوَضْعُ مِنَ الْبَدَنِ إِلَّا حَدِيثُ وَائِلِ الْمَذْكُورِ. وَهَكَذَا قَالَ صَاحِبُ الْبُحْرِ“ (ص ۱۶، ۱۵)

”یہ ابن امیر الحاج تحقیق و وسعت مطالعہ میں اپنے شیخ ابن ہمام کے ثانی شرح منیہ میں کہتے ہیں ”سنت سے ثابت چیز دائیں کو بائیں پر رکھنا ہے اور بدن سے ہاتھ باندھنے کے مقام کو متعین کرنے والی احادیث سے صرف وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکور (سننے والی) حدیث ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی حدیث ثابت نہیں۔ المحرراتق کے مصنف نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔“

نوٹ نمبر ۱: پتہ چلا فقہ والوں سے بھی کئی بزرگ سینے پر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ضعیف اور غیر ثابت نہیں سمجھتے بلکہ ان سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح و ثابت ہونے کی تصریح فرماتے اور اس کو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ لہذا صاحب تحریر کا کہنا ”فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں“۔ ۱۔ سینے والی احادیث کی بہ نسبت سراسر غلط ہے یا مغالطہ۔

نوٹ نمبر ۲: آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ سینے پر اور ناف سے اوپر ہاتھ

باندھنے کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث صحیح اور حسن ہیں لہذا ابن امیر الحاج وغیرہ کا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو غیر ثابت قرار دینا درست نہیں۔ صحاح ستہ کے محشی شیخ ابوالحسن سندھی حنفی ابوداؤد کے حاشیہ فتح الودود میں لکھتے ہیں:

”پھر انہوں (ابوداؤد) نے طاؤس سے ذکر کیا انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے پھر ان کو اپنے سینے پر باندھ لیتے تھے درآ خمالیکہ آپ نماز میں ہوتے اور یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ پس یہ حدیث دلیل ہونے میں کافی ہے اور کیسے کافی نہ ہو؟ جبکہ حال یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے آچکا ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا اور مسند احمد میں ہے قبیصہ بن بلب سے وہ اپنے باپ سے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھ کو سینے پر رکھتے۔ المختصر جب ثابت ہو چکا کہ ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے چھوڑنا سنت نہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس (ہاتھ باندھنے) کا مقام سینہ ہے نہ کہ کوئی اور جگہ۔ واللہ اعلم۔“

شیخ ابوالحسن سندھی حنفی نے حاشیہ ابن ماجہ میں مزید لکھا ہے:

”لیکن رہی یہ حدیث کہ ”تھیلیوں کو تھیلیوں پر نماز میں زیر ناف رکھنا سنت سے ہے تو انہوں (اہل علم) نے اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے ابن ہمام (حنفی) نے امام نووی سے نقل کرتے ہوئے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے۔“

.....

ایک عبرت آموز واقعہ

یہ شیخ ابوالحسن سندھی حنفی سینے پر ہاتھ باندھنے والی سنت و حدیث پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں قید و بند کی صعوبت میں بھی مبتلا ہونا پڑا جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا چنانچہ شیخ محمد عابد سندھی اپنی کتاب ”تراجم الشیوخ“ میں شیخ ابوالحسن سندھی حنفی کے حالات میں لکھتے ہیں:

”شیخ صاحب حدیث پر عمل کرنے والے تھے کسی مذہب کی آڑ لے کر حدیث کو نہ چھوڑتے تھے۔ رکوع سے پہلے رکوع سے اٹھ کر اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ بھی سینے پر باندھا کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں حنفی المذہب شیخ ابوالطیب سندھی بھی تھے جو اپنے مذہب سے عدول نہ کرتے تھے تو یہ بزرگ شیخ صاحب موصوف سے مناظرہ کرتے تو جب شیخ ابوالحسن دلائل پیش فرماتے تو شیخ ابوالطیب ان دلائل کا جواب دینے سے عاجز آ جاتے پھر یہ نزاع و تکرار ان کے مابین مسلسل قائم رہی تا آنکہ مدینہ منورہ میں روم کے حنفی قاضیوں سے ایک حنفی قاضی تشریف لائے تو شیخ ابوالطیب ان کے پاس گئے۔ اور شیخ ابوالحسن کے ان کے مذہب کی طرف مائل نہ ہونے اور بعض مسائل میں امام صاحب (ابوحنیفہؒ) کی مخالفت کرنے کی شکایت کی۔ قاضی صاحب موصوف نے شیخ ابوالحسن کے حال سے بحث و کرید کی تو انہوں نے شیخ ابوالحسن کو علوم و فنون میں امام پایا اور اہل مدینہ کو ان کے شاگرد۔ تو اس صورت حال کے پیش نظر قاضی صاحب مذکور نے ان (شیخ ابوالحسن) سے اپنے لیے دعا کروانے کے سوا کوئی گنجائش نہ پائی پھر شیخ ابوالطیب ہر سال ہر قاضی کے پاس شیخ ابوالحسن کا شکوہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ایک متعصب قاضی آ گیا تو شیخ ابوالطیب نے شیخ ابوالحسن کے معاملے کی اس متعصب حنفی قاضی کے پاس بھی شکایت داغ دی۔ اس قاضی نے شیخ ابوالحسن کو اپنے پاس طلب و حاضر کر لیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ زیر ناف

باندھیں اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہ کریں۔ شیخ ابوالحسن نے جواب دیا میں (آپ کے حکم کی تعمیل) نہیں کروں گا۔

قاضی صاحب نے انہیں ایک ایسی تاریخ داندھڑ کوٹھڑی میں قید و بند کرنے کا حکم دے دیا جس کوٹھڑی میں بوجہ تاریکی قیدی اپنے اعضاء بھی نہ دیکھ سکے اور پاخانہ بھی وہ اسی کوٹھڑی میں کرے چنانچہ شیخ ابوالحسن ایسی کوٹھڑی میں چھ دن محبوس رہے۔ مدینہ والے شیخ صاحب کو نصیحت کرتے کہ آپ قاضی صاحب کا حکم (ہاتھ زیر ناف باندھنا اور رفع یدین چھوڑنا) مان لیں اور قید سے رہا ہو جائیں۔ شیخ صاحب انہیں جواب دیتے ”میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے نزدیک صحیح اور ثابت ہی نہیں اور وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکا ہے“ اور اس جواب پر انہوں نے حلف و قسم اٹھالی۔ لوگ قاضی کے پاس گئے تو قاضی نے بھی قسم اٹھالی کہ اگر اس نے (قاضی نے) شیخ صاحب کو سینے پر ہاتھ باندھ دیکھ لیا تو پھر وہ انہیں دوبارہ جیل میں ڈال دیں گے تو لوگوں نے شیخ صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ بدن پر کپڑا لپیٹ کر کپڑے کے نیچے ہاتھ باندھ لیا کریں تاکہ شیخ اور قاضی دونوں کی قسمیں ٹوٹنے نہ پائیں تو شیخ صاحب نے لوگوں کے اس مشورہ کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد تھوڑی مدت ہی گزرنے پائی تھی کہ کسی نے آ کر شیخ صاحب کو ان کی نماز میں قاضی صاحب کے فوت ہو جانے کی اطلاع دے دی تو شیخ صاحب نے فوراً وہ کپڑا اتار پھینکا۔“

شاہ ولی اللہ دہلوی کا ارشاد گرامی

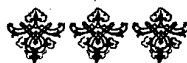
ماقبل کی ساری بحث و تمحیص سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ناف سے اوپر اور سینے پر ہاتھ باندھنا تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس کے متعلق وارد شدہ احادیث سے کئی ایک احادیث صحیح اور حسن بھی ہیں جن کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے اُدھر زیر ناف ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اس سلسلہ میں حنفیوں کی طرف سے جتنی احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف اور کمزور ہیں اور

صاحب تحریر کو بھی اس کا اعتراف و اقرار ہے جیسے وضاحت کے ساتھ پہلے لکھا جا چکا ہے تو اب زیر ناف ہاتھ باندھنے کے لیے صرف خرس، تخمین، ظن، اندازے اور اٹکل بچو کے سہارے باقی رہ جاتے ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث کے سامنے کوئی حیثیت نہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

”فَإِنْ بَلَغْنَا حَدِيثَ مِنَ الرَّسُولِ الْمَعْصُومِ الَّذِي فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهُ بِسَنَدٍ صَالِحٍ يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ مَذْهَبِهِ وَتَرَكْنَا حَدِيثَهُ وَاتَّبَعْنَا ذَلِكَ التَّخْمِينَ فَمَنْ أَظْلَمُ مِنَّا وَمَا عُذْرُنَا يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ“۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۶)

”تو جس رسول معصوم ﷺ کی طاعت و اتباع کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا اس رسول معصوم ﷺ کی حدیث صالح و مقبول سند کے ساتھ ہم کو مل جائے جو کسی امام و بزرگ کے مذہب کے خلاف پر دلالت کرتی ہو پھر ایسی صورت میں ہم اگر اس حدیث کو چھوڑ دیں اور (امام و بزرگ) کے تخمین و اندازے کے پیچھے ہو لیں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ اور اس دن ہمارا کیا عذر ہوگا جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟“۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ. وَهَذَا مَا أَرَدْنَا إِبْرَادَهُ فِي هَذِهِ الْعَجَالَةِ وَإِنَّمَا هُوَ بَلَالَةٌ صَادٍ وَعِلَالَةٌ مَشُوقٌ، وَتَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَجْعَلَ هَذَا الْكَيْبَ نَافِعًا لَنَا وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ فِي الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَيُقَالُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَإِنْ يُرِينَا الْحَقَّ حَقًّا وَيَرْزُقُنَا اتِّبَاعَهُ وَيُرِينَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَيَرْزُقُنَا اجْتِنَابَهُ.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلاصہ

نماز میں ہاتھ اٹھانے کی حد

تکبیر تحریمہ کہتے وقت رکوع جاتے وقت رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھ کر کندھوں اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا دونوں طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو آپ نے ہاتھ اٹھائے جب تکبیر کہی حتیٰ کہ آپ ان دونوں کو اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپ رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے تو اسی طرح کرتے اور ربنا ولک الحمد کہتے اور یہ کام (رفع یدین) نہ کرتے۔ جس وقت سجدہ کرتے اور نہ ہی جس وقت سجدہ سے سر اٹھاتے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۲ باب الی ابن یزید یہ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸)

حدیث نمبر ۲: مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ ان کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے پس سمع اللہ لمن حمد کہتے تو بھی اس کی مثل کرتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸)

نوٹ نمبر ۱: بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو داؤد ترمذی

نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ میں علیؑ ابن ابی طالب کی حدیثوں میں دو رکعتوں سے اٹھ کر ہاتھ اٹھانے کا ذکر بھی موجود ہے۔

نوٹ نمبر ۲: نسائی ج ۱ ص ۱۴۱ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھے کانوں کی لوتک اٹھانے والی حدیث اور دارقطنی ج ۱ ص ۳۰۰ میں انس رضی اللہ عنہ کی انگوٹھے کانوں کے برابر اٹھانے والی حدیث دونوں ہی ضعیف اور کمزور ہیں۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کا مقام

نماز میں سینے پر اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع (بڑی انگلی کے کنارے سے لے کر کہنی کے جوڑ تک کا حصہ) پر رکھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲)

حدیث نمبر ۲: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”اور آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹ اور ساعد (گٹ سے لے کر کہنی کے جوڑ تک حصہ) پر رکھ لیا۔“ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۴۸)

یاد رہے اس حدیث کی سند میں مؤمل بن اسماعیل نہیں ہے اور ان دو حدیثوں میں بیان شدہ کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو وہ زیر ناف پہنچتے ہی نہیں آپ سیدھے کھڑے ہو کر اس طرح ہاتھ باندھ کر تجربہ کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳: بلال طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا آپ اس کو (ہاتھ کو) اپنے سینے پر رکھتے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

نیوی کا اس کی سند کو حسن کہنا درست اور لفظ ”علی صدرہ“ کو غیر محفوظ کہنا نا

درست ہے۔

نوٹ نمبر ۱: ان تینوں احادیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ان میں کوئی ایک راوی بھی کثیر الخطاء، منکر الحدیث اور سی الحفظ یا ضعیف نہیں جو ایسا سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے کتب رجال کے متعلقہ مقام دیکھے اس کی غلطی کا فور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ المنان

نوٹ نمبر ۲: زیر ناف ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث ضعیف اور کمزور ہیں۔ صاحب تحریر خود لکھتے ہیں:

”طرفین کی احادیث محدثین کرام کے اصول سے صحیح نہیں۔“

نیز لکھتے ہیں:

”احناف اس مسئلے میں ضعیف اور کمزور و غلط روایتیں الخ“۔

مزید لکھتے ہیں:

”فقہ میں بھی زیر ناف کی احادیث اور فوق الصدر کی احادیث کے بارے

میں لکھا ہے کہ روایت دونوں طرف ہیں مگر کمزور ہیں۔“

نوٹ نمبر ۳: صاحب تحریر اور بعض دیگر حنفیوں کا زیر ناف ہاتھ باندھنے کی سب احادیث کو ضعیف اور کمزور قرار دینا تو درست ہے البتہ سینے پر یا ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث کو ان کا ضعیف قرار دینا درست نہیں چنانچہ خود کئی حنفی بزرگ بھی مثلاً ابن امیر الحاج، صاحب البحر الرائق اور ابوالحسن سندھی ان سے بعض احادیث کے صحیح ہونے کی تصریح فرما چکے ہیں۔

نوٹ نمبر ۴: جب زیر ناف ہاتھ باندھنے کی تمام احادیث ضعیف اور کمزور ہیں اور صاحب تحریر بھی ان کے ضعیف ہونے کا برملا اعتراف و اعلان فرما چکے ہیں تو اس کے باوجود ان ضعیف و کمزور روایات کو تحریرات میں لکھ اور تقریرات میں سنا کر عوام الناس کو دوغلا نا اور پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا عمل..... مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔

نوٹ نمبر ۵: اس موضوع میں امام مالکؒ سے مروی ہاتھ چھوڑنے والے

ایک قول کو ان کے اختیار کا نام دے کر بیان کرنا زرا مغالطہ ہے کیونکہ ان کے دوسرے قول ہاتھ باندھنے والے کو بہت سے مالکی وغیرہ مالکی علماء نے ترجیح دی ہے نیز امام مالکؒ نے خود اپنی مایہ ناز کتاب مؤطا میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ہاتھ باندھنے والی حدیث روایت کی ہے جس سے امام مالک کے اختیار کردہ قول و عمل پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ پھر اس جگہ زیر بحث ہاتھ باندھنا اور چھوڑنا نہیں بلکہ زیر ناف اور سینے پر باندھنا زیر بحث ہے بہر کیف صورت حال کچھ بھی ہو اس کا صاحب تحریر اور ان کے ہمواؤں کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ امام کوئی ہوں مالک ہوں یا شافعی احمد ہوں یا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا کوئی اور امام ہوں ان کا قول و عمل دین میں حجت نہیں دین میں حجت و دلیل صرف اور صرف کتاب و سنت ہے۔

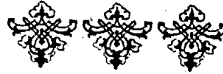
نوٹ نمبر ۶: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنا کہ ”زیر ناف ہاتھ باندھنے کو انہوں نے مشاہدہ سے لیا ہے الخ“۔ سراسر غلط بیانی ہے جس کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ ”امام مجتہد جس عمل کو اختیار کرے وہ اس کی تصحیح ہوتی ہے“ بھی بے بنیاد اور غلط ہے کتاب و سنت اور عقل و نقل میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ چند منٹ کے لیے اس قاعدہ بے فائدہ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی ناف سے اوپر ہاتھ باندھنا ہی صحیح بنتا ہے کیونکہ اس عمل کو اختیار کرنے والوں میں بھی بڑے بڑے مجتہد گزرے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں کیونکہ ابو داؤد میں ہے کہ وہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔

پھر جب کسی مجتہد کا کسی عمل کو اختیار کرنا اس عمل کی تصحیح ہے تو پھر کیا خیال ہے رسول اللہ ﷺ کا کسی عمل کو اختیار کرنا اس عمل کی تصحیح نہ ہوگی؟ تو پتہ چلا ان مقلدین نے نہ تو حدیث پر عمل کیا اور نہ ہی اپنے اس خانہ ساز اصول پر۔
تقلید کی شامت کہ احادیث کو چھوڑا
اور اپنے اصولوں کو بھی توڑا پھوڑا

نوٹ نمبر ۷: جو لوگ نماز میں سینے پر اور ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کو غلط سمجھتے ہیں یا اس کے منکر ہیں یا اس عمل کو توہین آمیز سمجھتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سنت کا منکر بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور مذاق اڑانے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

پھر زیناف ہاتھ باندھنا غیر سنت ہے اور غیر سنت کو سنت بنانا بڑا ہی سنگین جرم ہے کیونکہ غیر سنت کو سنت بنانا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا اور بہتان لگانا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھی۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں کتاب و سنت کا پابند بنائے۔ آمین
یا رب العالمین!



مسئلہ رفع الیدین

تحریری مناظرہ

ما بین

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

مولانا قاری جمیل احمد حقانی صاحب
مدرس دارالعلوم تعلیم القرآن مسجد گنبد والی سرفراز کالونی گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

آج سے چھ سات سال پہلے ہمارے مدرسہ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں امجد علی نامی ایک صاحب دینی علم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوئے۔ دُنیاوی تعلیم ان کی خاصی تھی اور اس سے پہلے وہ ایک غیر ملکی تعمیراتی فرم میں معقول تنخواہ پر کام کرتے رہے تھے۔ تبلیغی جماعت میں بھی کافی وقت لگا چکے تھے۔ دینی علم حاصل کرنے کا شوق بڑھا تو ملازمت چھوڑ دی۔ اور مدارس عربیہ کی طرف رخ کیا۔ ایک دو مدارس میں گئے مگر دل کو اطمینان نہ ہوا۔ کسی کے بتانے پر جامعہ محمدیہ میں آ گئے۔ یہاں ان کے خیال کے مطابق ان کی تعلیم تسلی بخش ہونے لگی۔ طبیعت میں سعادت اور اطاعت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی جو صحیح حدیث ملتی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ آہستہ آہستہ اپنے پہلے اکابر کا طریقہ چھوڑ کر سنت نبویؐ کے مطابق صحیح نماز ادا کرنے لگے۔ رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت رفع الیدین بھی شروع کر دی۔

جامعہ کے قریب محلّہ سرفراز کالونی میں دیوبندی حضرات کی ایک مسجد میں وہ اکثر جایا کرتے تھے کیونکہ تبلیغی حضرات سے ان کی پرانی راہ و رسم تھی۔ اب جب ان لوگوں نے انہیں رفع الیدین نہ ہونے دیکھا تو اس سے باز رکھنے کی کوشش فرمانے لگے خصوصاً وہاں کے مدرس مولانا قاری جمیل احمد صاحب اس کا برخیر میں پیش پیش تھے۔ ان سے کہا گیا کہ رفع الیدین تو منسوخ ہو چکی آپ کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اگر ثابت ہو جائے کہ یہ منسوخ ہے تو میں چھوڑ دوں گا۔ صرف زبانی ہی نہیں بلکہ حسب ذیل تحریر بھی قاری جمیل احمد صاحب کو لکھ کر دے دی:

”اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم انھیں گے تو رفع یدین کریں گے اور تیسری اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائیں گے اور انھیں گے تو رفع یدین دونوں دفعہ کریں گے۔ اگر یہ طریقہ رفع یدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضور مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا۔“ امجد علی

اس پر قاری جمیل احمد صاحب نے رفع الیدین منسوخ ہونے کے دلائل لکھ کر امجد صاحب کو دیے اور ان کے آخر میں لکھا۔ نوٹ: اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحہ خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا فِتْنَةُ بَرِّؤَا۔

جناب امجد علی صاحب نے قاری جمیل احمد صاحب کا رقعہ محترم مولانا حافظ عبدالمنان صاحب کی خدمت میں پیش کیا کہ آپ اس کی حقیقت واضح کریں۔ حافظ صاحب نے اس کا جواب لکھا اور امجد علی نے وہ جواب قاری جمیل احمد صاحب کے پاس پہنچایا۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں مزید تحریری گفتگو ہوئی۔ پہلی تحریر سمیت قاری صاحب نے چھ رقعے لکھے۔ حافظ عبدالمنان صاحب نے بھی جواب میں چھ رقعے لکھے۔ ان کا آخری رقعہ ۲۶ رذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ کا لکھا ہوا قاری جمیل احمد صاحب کو پہنچا مگر آج شعبان ۱۴۰۸ھ تک ان کا جواب نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ نور دین خادم صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے دونوں حضرات کی تحریریں افادہ عام کے لیے شائع کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اگر کوئی صاحب ان رقعوں کو غور سے پڑھیں تو انہیں صحیح بحث و مناظرہ کا بہترین سلیقہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ضعیف احادیث کو صحیح بنانے کی کوشش کرنا، کبھی کوئی موقف اور کبھی کوئی موقف اختیار کرنا اور اصل موضوع سے غیر متعلق باتیں چھیڑ کر جان بچانا آپ کو قاری صاحب کی تحریروں میں ملے گا۔

اور صحیح احادیث کا دفاع، بہترین ممبر و تحمل کے ساتھ اپنی ایک ہی بات پر قائم رہنا، حریف کو مجبور کر کے اصل بات پر لانا، غیر ثابت روایات کو صحیح قرار دینے کی کوشش کا قلع قمع، اور غیر متعلق باتوں سے اچھے طریقہ کے ساتھ عہدہ برآء ہونا آپ کو حافظ عبدالمنان صاحب کی تحریروں میں ملے گا۔

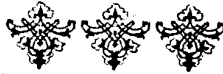
اللہ تعالیٰ ان تحریروں کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ ان سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راقم

عبدالسلام بھٹوی جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ

گوجرانوالہ

۲۵ شعبان ۱۴۰۸ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم اٹھیں گے تو رفع یدین کرے گیں اور تیسری اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائے گیں اور اٹھے گیں تو رفع یدین دونوں دفعہ کرے گیں۔ اگر یہ طریقہ رفع یدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضور مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا“

امجد علی





بخدمت جناب بھائی امجد صاحب:

زَيْدَ عِلْمُكُمْ وَعَمَلُكُمْ وَشَرَفُكُمْ وَفَهْمُكُمْ وَعَمْرُكُمْ.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام و دُعا کے بعد گزارش یہ ہے کہ بھائی امجد صاحب آپ کچھ دوستوں کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ بندہ ناچیز ادھر ہی تھا۔ اسی اثنا میں آپ نے یہ کہا اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے دلیل قوی سے یا اس رفع یدین کے منسوخیت پر۔ تو اب میرے پیارے بھائی آنکھوں سے پڑھیے اور دل و دماغ کے ساتھ غور و فکر کریں اور پھر کسی منصف مزاج سے فیصلہ کروائے اُن شاء اللہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔

دلیل: مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۱ اور ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳ نسائی ج ۱ ص ۱۳۳ میں حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ہم نماز میں مصروف تھے اور رفع یدین کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

مَالِي أَرَأَيْكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَُا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ أُسْكِنُوا فِي الصَّلَاةِ.

اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی کہ رفع نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی۔

اعتراض: مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ میں روایت ہے کہ لوگ سلام پھیرتے وقت

۱۔ تو میں رفع یدین کرنا چھوڑ دوں گا۔ ۲۔ یہ عبارت اسی طرح ہے۔

ہاتھ اٹھاتے تھے تو اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت رفع یدین نہ کیا کرو یہ مطلب نہیں کہ عند الركوع وعند الرفع رأسہ رفع یدین نہ کرو۔

جواب ۱: علامہ زلیعی نصب الراہ ج ۱ ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کا سیاق جدا جدا ہے لہذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کے اندر نماز میں مشغول تھے اور آپ باہر سے تشریف لائے اور دوسری روایت میں ہے کہ کُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ الْحَدِيثُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند السلام جس رفع سے آپ نے منع فرمایا اس وقت آپ خود بھی نماز میں مصروف تھے شریک تھے۔

جواب ۲: ان شاء اللہ العزیز بحث اپنے مقام کو مذکور ہے کہ الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ الْفِطْرِ لَا لِمَخْصُوصِ السَّبَبِ یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آپ نے اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ فرمایا ظاہری الفاظ چاہتے ہیں کہ عند الركوع یا عند الرفع یا عند السلام کسی بھی وقت رفع یدین نہ کیا جائے۔

دلیل: عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی جلیل (لَا يُسْتَأَلُ عَنْ مِثْلِهِ) امام دارقطنی ج ۱ ص ۵۵ میں لکھتے ہیں:

وَإِذَا اجْتَمَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عُمَرَ اخْتَلَفَا وَابْنُ مَسْعُودٍ أَوْلَى أَنْ يُتَّبَعَ وَقَالَ أَحْمَدُ نَعَمْ. قَالَ إِلَى لَكُمْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ فَصَلُّوْا وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

یہ روایت ترمذی ج ۱ ص ۶۲ اور طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲ میں مذکور ہے اور مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ اور ابوداؤد ج ۱

یہ عبارت اصل مسودہ میں اسی طرح ہے۔

ص ۱۰۹ میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔ امام ترمذی ج ۱ ص ۶۵ میں لکھتے ہیں حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن اور ابن حزم مَحلی ج ۳ ص ۸۸ میں لکھتے ہیں وہذا الحدیث صحیح الصرف ص ۱۳۲ میں وصحہ ابن القطان الغربی فی کتاب الوهم وکذا لک صححہ ابن حزم اندلسی۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ کو نماز کا نقشہ کھینچ کر بتلایا اور اس میں صرف افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت رفع یدین تھا بعد کو نہیں۔

نوٹ: صاحب مشکوٰۃ نے ج ۱ ص ۷۷ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے قَالَ أَبُو دَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى لیکن یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں ان کی اور اوہام کثیرہ ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کے الفاظ مذکور نہیں۔ یہ الفاظ حضرت براء ابن عازبؓ کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۰ میں مذکور ہیں چونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت ترک رفع یدین کرنے والوں کے لیے اہم ہے اس لیے فریق ثانی کی طرف سے کئی اعتراض کیے گئے ہیں۔

اعتراض ۱: کہ یہ روایت مرفوع نہیں۔

جواب ۱: حضرت ابن مسعودؓ، حضرات صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بڑی ذمہ داری سے یہ فرماتے ہیں اَلَا اَحْمَلِيْ لَكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْحَدِيْثُ تُو وہ اس میں آنحضرت ﷺ کی نماز طریقہ ان کو سکھاتے تھے جس کو موقوف کہنا نری جہالت ہے۔

اعتراض ۲: ابوداؤد کی روایت میں ثم لا یعود کے لفظ ہیں۔ لیکن کتب اس میں متفرد ہیں لہذا روایت معتبر نہیں۔

جواب ۲: ولیج ابن الجراح ثقہ ثبہ ہیں اور ثقہ زیارتی مقبول ہوتی ہے۔ تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام نوویؒ مقدمہ نووی ص ۱۸، اور شرح ج اص ۴۷۲ میں لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین اور علماء فقہ اور اصول اس پر متفق ہیں کہ ثقہ راوی کی زیارت واجب القبول ہے نواب صدیق حسن خانؒ بدورالی حلد ج اص ۶۵ میں لکھتے ہیں وبتک نیست کہ زیارتہ ثقہ مقبول است۔ اسی طرح مبارکپوریؒ تحفۃ الایہودی ج اص ۲۰۵ میں لکھتے ہیں۔

دلیل: مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ میں روایت ہے قامہ ثنا الحمیدی قال حدثنا الزہری (حمید اور زہری کے درمیان کتابت کی غلطی کی وجہ سے سفیان کا لفظ ساقط ہو گیا)

قَالَ أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ إِذَا افْتَسَحَ الصَّلَاةُ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَبَعْدَمَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَلَا يَرْفَعُ وَلَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۱۶۰ اور طحاوی ج اص ۱۳۳ میں روایت ہے وَقَالَ هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَنِ الْأَسْوَدِ وَقَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ. الجوهري ص ۷۵ میں ہے هذا سند على شرط مسلم. اور حافظ ابن حجر درایہ ص ۸۵ میں لکھتے ہیں دواتہ ثقات.

دلیل: طحاوی ج اص ۱۱۰ اور ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹ میں روایت ہے عن ابن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه على أول تكبيرة من الصلوة ثم لم يعود. درایہ میں ص ۸۵ ہے رواتہ ثقات حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نیل الفرقین ص ۱۰۹ میں لکھتے ہیں قال الذيلعي هو صحيح وقال النبی علی شرط مسلم....

ان ہی دلائل پر اکتفا کرتا ہوں اگر اور ضرورت پڑی تو پھر بھی ان شاء اللہ

العزیز ان کے ساتھ اور بھی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔

فقط والسلام

نوٹ: اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔ فتدبروا۔
 تنبیہ: بھائی امجد صاحب دلائل پیش کیے ہیں ترک رفع یدین پر۔ آپ میں اگر استعداد نہیں تو آپ ان دلائل کو کسی عالم سے فیصلہ کروائے جو کم جامع العقول و المنقول ہو اور غیر متعصب ہو۔

جمیل احمد



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم بھائی امجد صاحب!

رَاَدْنِی اللّٰهُ تَعَالٰی وَاٰیَاکَ عَلِمًا نَّافِعًا وَ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُہُ.

اما بعد! آپ نے بندہ کو رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کرنے سے متعلق جناب قاری جمیل احمد صاحب معلم گنبد والی مسجد سرفراز کالونی جی۔ ٹی روڈ گوجرانوالہ کا لکھا ہوا ایک رقعہ لا کر دیا اور مطالبہ کیا کہ آپ اس کا جواب لکھیں، تو نیچے اس کا جواب لکھا جاتا ہے امید ہے آپ اسے بغور پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دے۔

حضرت قاری صاحب کا موقف ومدعی

أصول ہے کہ دلیل یا دلائل پر کلام سے پہلے اس چیز کو سامنے رکھنا ضروری ہے جس چیز کے دلائل پیش کیے جا رہے ہوں تو اس مقام پر پہلے ہم نے غور کرنا ہے کہ قاری صاحب نے بزعم خود جو دلائل ذکر فرمائے ہیں وہ کس چیز کے دلائل ہیں تو سنئے قاری صاحب حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ”اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی کہ رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی۔“

(قاری صاحب کا رقعہ ص ۱)

تو ان کی اس منقولہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ وہ اپنے اس رقعہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے دلائل بیان فرما رہے ہیں اور رفع الیدین نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ منہ

- ① رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا سرے سے مشروع ہی نہ ہو۔
- ② رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا پہلے پہل مشروع ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو۔ پہلی صورت میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثبوت کا بالکلیہ انکار ہے جبکہ دوسری صورت میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کا اقرار پھر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہے کیونکہ جو چیز سرے سے شرع میں ثابت ہی نہ ہو اس کے نسخ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ”رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے کو اختیار فرمایا ہے تو مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوحیت ان کا دعویٰ ہے۔

تو واضح بات ہے کہ ان کے اس دعویٰ میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے پہلے پہل ثابت ہونے کا اعتراف و اقرار موجود ہے لہذا ہمیں اس مقام پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار للطحاوی، سنن دارقطنی، سنن کبریٰ للبیہقی اور دیگر کتب حدیث سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کو ثابت کرنے والی احادیث کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہم آپ کو اس جگہ صرف اور صرف یہ بتائیں گے کہ قاری صاحب کا دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

منسوخیت رفع الیدین کے دلائل کا جائزہ

حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ پر بطور دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف ہیں اور پہلی تین مرفوع۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ① کتاب اللہ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع امت ④ قیاس صحیح، لہذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال درست نہیں۔ یہ جواب ان روایتوں کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں ہے ورنہ یہ روایات بعض محدثین کی نگاہ میں مرجوح ہیں دیکھئے درایہ نصب الراية، التعلیق المجد اور امام بخاری کا رسالہ جزء رفع الیدین۔

رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ بنانا درست نہیں۔

① اولاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ حضرت مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجدہ کی تصنیف لطیف ”مسئلہ رفع الیدین“ پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ میں ملاحظہ فرمائیں جس کا ایک نسخہ آپ کو دیا جا رہا ہے نیز اس کا ایک نسخہ آپ کی وساطت سے قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں:

حضرت قاری صاحب نے کتاب ترمذی کے جس باب سے امام ترمذی کا

قول حدیث ابن مسعود حدیث حسن نقل کیا ہے کتاب ترمذی کے اسی باب میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے۔

قَدْ ثَبَتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ، وَذَكَرَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ
وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ
يَرْفَعِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

حضرت الامام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں ”جو لوگ رفع الیدین کرتے ہیں بلاشبہ ان کی حدیث ثابت ہے اور انہوں نے امام زہری کی سالم سے اس کے باپ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے (رفع الیدین کرنے کی) حدیث بیان فرمائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے ثابت نہیں۔

اس مقام پر بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قوی اور فعلی والی بات بنا کر حضرت عبداللہ بن مبارک کے مذکورہ بالا فیصلہ کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر حضرت الحافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے ان کی اس کوشش کو اپنے رسالہ ”امین بالجہر اور رفع الیدین“ میں ناکام بنا دیا ہے آپ اس کا ضرور بالضرور مطالعہ فرمائیں:

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِصِ: وَهَذَا الْحَدِيثُ حَسَنُهُ التِّرْمِذِيُّ وَ
صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ، وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِي وَقَالَ ابْنُ
أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَبِيهِ: هَذَا حَدِيثٌ خَطَاءٌ. وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ
شَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيفٌ، نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا وَتَابِعَهُمَا
عَلَى ذَلِكَ، وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ، وَقَالَ الدَّارِقُطَنِيُّ:
لَمْ يَثْبُتْ، وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِي الصَّلَاةِ: هَذَا أَحْسَنُ خَبَرٍ رَوَى لِأَهْلِ

الْكُوفَةِ فِي نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ أَضْعَفُ شَيْءٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ عِلَلًا تُبْطِلُهُ ۱۰ھ (تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۲۲۰)

مطلب یہ ہے کہ حضرت حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن اور ابن حزمؒ نے صحیح کہا اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں وہ میرے ہاں ثابت نہیں اور ابوحاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد حضرت یحییٰ بن آدمؒ دونوں فرماتے ہیں وہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں وہ روایت صحیح نہیں اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور ابن حبانؒ کہتے ہیں کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شی ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں۔



ملفوظ

قاری صاحب نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا ہے: ”وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ“ الخ مگر درایہ بر حاشیہ ہدایہ (ج ۱ ص ۱۱۲) میں لکھا ہے:
وَقَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ: هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ إِلَّا قَوْلَهُ: ثُمَّ لَا يَعُودُ. فَقَدْ قَالُوا: إِنَّ وَكِنًا كَانَ يَقُولُهَا مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ. ۱۰ھ

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القطانؒ جملہ ثم لا يعود کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرف شذی کا بلا استثناء ”صححه ابن القطان“ لکھنا درست نہیں۔ چنانچہ معارف السنن میں نیل الفرقدین سے التقاطاً اور اختصاراً نقل کرتے ہوئے

حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

فَابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِ الْوَهْمِ وَالْإِيْهَامِ صَحَّحَ الْحَدِيثَ بِاللَّفْظِ
الْأَوَّلِ وَأَعْلَلَ بِلَفْظِ "ثُمَّ لَا يَعُودُ" الْخ (ج ۲ ص ۸۳ ع)

حافظ ابن القیمؒ تہذیب السنن میں لکھتے ہیں: "وَضَعَّفَهُ الدَّارِمِيُّ
وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ". اور اس روایت کو امام دارمیؒ، امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے
ضعیف کہا۔ نیز مرعاة المفاتیح میں ہے:

"وَقَالَ الْبَزَّازُ لَا يُثْبِتُ وَلَا يُحْتَجُّ بِمِثْلِهِ، وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: هُوَ مِنْ

آثَارِ مَعْلُولَةٍ ضَعِيفَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ". ۱۰ھ (ج ۲ ص ۳۲۳)

حافظ بزازؒ فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی روایت سے احتجاج
کیا جاتا ہے اور حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک معلول اور ضعیف
روایات سے ہے۔

تو محترم امجد صاحب! قاری صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا قابل احتجاج ہونا نقل فرمایا، ان کے نام اور ان کی
تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن القطانؒ کی تصحیح کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا
ہے۔ اب یہ بھی یاد رکھئے کہ اس روایت کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دینے والے
ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے بارہ کے اسماء گرامی مع حوالہ اوپر گزر چکے
ہیں۔ آپ ایک مرتبہ پھر ان کے ناموں پر نگاہ ڈال لیجیے تو سنیے حضرت عبد اللہ بن
مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین میں حضرت
الامام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت الامام احمد بن
حنبل، حضرت الامام احمد کے شیخ اور استاذ حضرت یحییٰ بن آدم، امام بخاری، امام ابوداؤد،
امام ابوحاتم، حافظ دارقطنی، حافظ ابن حبان، امام دارمی، امام بیہقی، حافظ بزازؒ اور حافظ
ابن عبد البرؒ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت

صاحب مشکوٰۃ اپنی شہرہ آفاق کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی زیر بحث روایت کو ترمذی ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى“ یعنی امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ”وہ روایت اس معنی پر صحیح نہیں“ اس پر مشکوٰۃ کے ایک محشی فرماتے ہیں ”یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے کیونکہ ابوداؤد کی سنن میں یہ لفظ نہیں ہیں“ ہمارے قاری صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقام پر صاحب مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے کیونکہ صاحب مشکوٰۃ اس فیصلہ کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں منفرد اور اکیلے نہیں چنانچہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر بھی ”لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ“ کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دے چکے ہیں۔ پھر امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ”وَتَصْرِيحُ أَبِي دَاوُدَ بِأَنَّهُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ“ نیز صاحب عون المعبود کا بیان ہے کہ ”میرے پاس ابوداؤد کے دو پرانے نسخے ہیں جن میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔“

ملا علی قاریؒ اور علامہ میرک حنفیؒ کی صاحب مشکوٰۃ کے حق میں شہادت

ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

(وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى) يَعْنِي وَإِنْ

كَانَ سَنَدُهُ صَحِيحًا لِأَنَّ غَيْرَ ابْنِ مَسْعُودٍ رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالْإِعْتِدَالِ وَالْقِيَامِ مِنَ التَّشَهُّدِ الْأَوَّلِ ۱۰ھ

(ج ۲ ص ۲۶۹)

ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کے اس فیصلہ کا مقصود یہ ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت گو سنداً صحیح ہے معنی صحیح نہیں کیونکہ حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے غیر نے رکوع جاتے اور اس سے سیدھا کھڑے ہوتے وقت

اور پہلے تشہد سے اٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔
تو ملا علی قاری حنفی کا صاحب مشکوٰۃ کے ابو داؤد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ
بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفی اس فیصلہ کو ابو داؤد کا
فیصلہ تسلیم کرتے ہیں ورنہ وہ بھی ہمارے قاری صاحب زید مجدہ کی طرح فرما دیتے
”یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے“ پھر ملا علی قاری حنفی ہی اس کے بعد لکھتے ہیں:

”قَالَ مِيرَكَ: فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي سُنَنِ أَبِي دَاوُدَ عَلَى هَذَا
الْمَعْنَى وَإِنَّمَا فِيهِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ فَقَطُّ“ (حوالہ مذکورہ)

علامہ میرک حنفی فرماتے ہیں: ”اس میں نظر ہے کیونکہ لفظ ”علیٰ هذا
المعنی“ سنن ابی داؤد میں نہیں ہیں۔ سنن ابی داؤد میں تو صرف ”لیس بصحیح“
کے لفظ ہیں، تو علامہ میرک حنفی رحمہ اللہ نے شہادت دے دی کہ لفظ ”لیس بصحیح“
(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں) امام ابو داؤد کی کتاب سنن میں
موجود ہیں۔

فائدہ: علامہ میرک حنفی کے ریمارک سے پتہ چلا کہ ملا علی قاری حنفی کی
تشریح ”وان كان سنده صحيحاً لان غير الخ“ واقع کے مطابق ہے نہ ہی وہ
ابو داؤد کی مراد میں شامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد لفظ ”علیٰ هذا المعنی“ ہی تو ہے۔
تو دونوں حنفی بزرگ ملا علی قاریؒ اور علامہ میرکؒ بھی دیگر اہل علم کی طرح
لیس بصحیح کے ابو داؤد کا فیصلہ ہونے میں صاحب مشکوٰۃ کے ساتھ ہیں تو ثابت
ہوا کہ اس مقام پر ”لیس بصحیح“ کو امام ابو داؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب
مشکوٰۃ سے تو کوئی وہم سرزد نہیں ہوا البتہ ان پر اس جگہ وہم کا الزام لگانے والے خود
ضرور بالضرور وہم یا ابہام میں مبتلا ہیں۔

یاد رہے کسی لفظ کے ابو داؤد کا لفظ ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ابو داؤد
کی کتاب کے تمام نسخوں میں موجود ہو بلکہ اس کا کسی ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی

ہے جیسا کہ اہل علم اس کو خوب جانتے ہیں۔ یہ تو قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں اب ان کے استدلال کے دیگر جواب سنئے:

② ثانیاً، تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابل احتجاج ہے لیکن اس کو احادیث رفع الیدین کا ناخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اسے ناخ تب قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت ہو مگر قاری صاحب نے ابھی تک اس کے متاخر ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی لہذا ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں۔

③ ثالثاً چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت احادیث رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناخ رفع الیدین قرار دینا درست نہیں کیونکہ اصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناخ نہیں ہوا کرتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت یا بعض دیگر روایات سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نہیں کیا بلکہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ پر استدلال فرمایا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے تفصیل سے مدلل طور پر وضاحت کر چکے ہیں کہ قاری صاحب ”منسوخیت رفع الیدین“ کے مدعی ہیں لہذا ان کے جملہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کا مطلب بھی یہی ہے کہ نسخ کی وجہ سے رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس کے بعد والا ان کا اپنا ہی جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ ہماری اس تفصیل پر دلالت کر رہا ہے۔

ہاں اگر قاری صاحب کا نظریہ ہو کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے سرے سے ثابت ہی نہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنا یہ نظریہ صاف اور واضح لفظوں میں لکھیں اور یہ بات یاد رکھیں اس نظریہ سے ان کا ”منسوحیت رفع الیدین“ والا دعویٰ لامحالہ غلط ٹھہرے گا تو اس صورت میں انہیں منسوحیت والا دعویٰ واپس لینا ہوگا۔ اگر قاری صاحب نے اپنا دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ واپس لے لیا اور دوسرا موقف و نظریہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے اصلاً ثابت ہی نہیں“ لکھ دیا تو ان شاء اللہ العزیز بتایا جائے گا کہ ان کا یہ دوسرا نظریہ دعوائے نسخ کی طرح ان کی پیش کردہ پانچ اور غیر پیش کردہ روایات میں سے کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی روایت:

رہا حضرت قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال تو وہ بھی نادرست ہے۔

① اَوَّلًا تو اس لیے کہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ ”مالی اراکم رافعی ایدیکم“ بھی موجود ہیں جن کا معنی ہے ”کیا ہے مجھے یا میرے لیے دیکھتا ہوں میں تمہیں اپنے ہاتھ اٹھانے والے“ اور واضح ہے کہ رسول کریم ﷺ جو رفع الیدین خود کیا کرتے تھے اور جو رفع الیدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اتباع میں کیا کرتے تھے وہ رفع الیدین تو آپ ﷺ کو معلوم ہی تھا پھر اس رفع الیدین سے متعلق آپ ﷺ اَرَاكُمُ السَّخِیوْكَرُ فَرَمَا سَكْتَةً ہیں لہذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے۔

② ثانیاً اس لیے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے لفظ كَانَهَا اَذْنَابُ خَيْلِ شُمْسِ بھی مذکور ہیں جن کا ترجمہ ہے ”گویا وہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دُمیں

ہیں، اور واضح ہے کہ جو رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس رفع الیدین کے متعلق آپ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے لہذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول رفع الیدین کے نسخ پر استدلال ناقابل التفات ہے۔

③ ثالثاً اس لیے کہ نماز رکعت میں رفع الیدین بھی ”كَانَهَا أَذْنَابُ حَيْلِ شَمْسٍ“ کا مصداق ہے کیونکہ قاعدہ ہے ”الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ“ الخ، تو جیسے اس وتروں والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں کیا گیا ویسے ہی رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کو بھی اس کی مثبت احادیث کی بنا پر منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

④ رابعاً اس لیے کہ قاری صاحب کے اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال کی بنیاد افعیٰ ایدیکم الخ، میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک انہوں نے اس کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی لہذا ان کا اس روایت سے اس رفع الیدین کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں۔ باقی ”كُنَا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ الخ اور ”خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ الخ کے اس واقعہ کے دو دفعہ رُوٹھا ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ”وَمَنْ أَدْعَى فَعَلَيْهِ الْبَيَّانُ“ بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ خروج علینا والے واقعہ میں رفع الیدین عند السلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ وَمَنْ أَدْعَى فَعَلَيْهِ الْبَرْهَانُ۔

⑤ خامساً اس لیے کہ قیام سے رکوع میں جانا، رکوع سے سر اٹھانا، قومہ سے سجدہ میں

جانا، سجدہ سے سر اٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو ”اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے۔ ”الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ“ تو جس طرح نماز کے اندر یہ سب حرکات دوسرے دلائل کی بنا پر درست ہیں اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دوسرے دلائل کی وجہ سے درست، نبی کریم ﷺ کی سنت اور قابل اجر و ثواب ہے لہذا قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہؓ والی روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال بے بنیاد ہے۔

⑥ سادھا اس لیے کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین اگر سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو لامحالہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ الْخ وَالْقَاعِدَہ اس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے لہذا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے ورنہ نماز وتر کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا نسخ لازم آئے گا وَهُوَ كَمَا تَرَى۔

﴿منسوخیت رفع الیدین کی تردید از بزرگانِ حنفیہ﴾

کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ کی تردید و تعلیل فرمائی ہے جن میں سے صرف تین بزرگوں کے اقوال نیچے درج کیے جاتے ہیں:

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

وَأَمَّا دَعْوَى نَسْخِهِ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِيِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ
بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِينَ وَابْنِ الْهَمَامِ وَالْعَيْنِيِّ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَصْحَابِنَا
فَلَيْسَتْ بِمُبْرَهَنٍ عَلَيْهَا بِمَا يَشْفِي الْعَلِيلَ وَيَرْوِي الْعَلِيلَ.

(التعليق الممجد على مؤطا محمد ص ۸۹ حاشیہ ۹)

نیز وہی لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ بَعْدَ رَوَايَتِهِ عَنْ عَلِيٍّ: لَمْ يَكُنْ عَلِيٌّ يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ ثُمَّ يَتْرُكُهُ إِلَّا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُهُ. اِنْتَهَى وَفِيهِ نَظَرٌ فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَرْكُ عَلِيٍّ وَكَذَا تَرْكُ ابْنِ مَسْعُودٍ وَتَرْكُ غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ إِنْ ثَبَتَ عَنْهُمْ لَا نَعْنَاهُمْ لَمْ يَرَوْا الرِّفْعَ سُنَّةً مُؤَكَّدَةً يَلْزَمُ الْأَخْذُ بِهَا وَلَا يَنْحَصِرُ ذَلِكَ فِي النَّسْخِ بَلْ لَا يُجْتَرَأُ بِنَسْخِ أَمْرِ ثَابِتٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُجَرَّدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابِيِّ مَعَ امْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَ فِعْلِ الرَّسُولِ وَفِعْلِهِ. ۱۰ھ (ص ۸۹ حاشیہ ۱۱)

نیز لکھنوی صاحبؒ ہی تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا إِلَى دَعْوَى نَسْخِ الرِّفْعِ مَا لَمْ يَثْبُتْ ذَلِكَ بِنَصِّ عَنِ الشَّارِعِ.

(ص ۹۱ حاشیہ ۵)

تو ان مندرجہ بالا عبارات میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفیؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ منسوخیت رفع الیدین والا دعویٰ درست نہیں۔

② حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اپنی کتاب ”نیل الفرقدین“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”إِنَّ الرِّفْعَ مُتَوَاتِرٌ إِسْنَادًا وَعَمَلًا وَلَا يُشَكُّ فِيهِ وَلَمْ يَنْسَخْ وَلَا حَرَفَ مِنْهُ“ (ص ۲۲)

رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اس میں شک نہیں کیا جاتا، وہ منسوخ بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی حرف منسوخ ہے۔

③ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی ترمذی کی شرح معارف السنن میں اپنے استاذ گرامی کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر کوئی ایک لفظ بھی اس کی تردید میں نہیں بولتے اور ان کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاذ

گرای کی اس مسئلہ میں حرف بحرف تائید فرما رہے ہیں۔

آخری بات:

قاری صاحب حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مسلم الثبوت کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھا ہے:

وَأَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهُ قَوْلُ مُجْتَهِدِهِ لَا ظَنَّهُ وَلَا ظَنَّهُ.

اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ کو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ کم از کم اس موقف میں تو ان کے مقلد نہیں رہیں گے۔ نیز حنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں متعدد و مختلف قول ہیں۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں:

”رفع الیدین قبیح ہے“۔ (بدائع الصنائع)

کوئی بزرگ یوں گویا ہوتے ہیں:

”رفع الیدین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے“۔ (علامہ اتقانی)

کوئی صاحب لکھتے ہیں:

”ترک رفع الیدین اولیٰ ہے“ (الکوکب الدری)

کوئی صاحب فرماتے ہیں:

”رفع الیدین کرنا اقویٰ و ارجح ہے“ (حجۃ اللہ علامہ سندھی، علامہ عبدالحی لکھنوی)

کوئی بزرگ فرماتے ہیں

”رفع الیدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں“ (نیل الفرقدین، معارف السنن)

تو مقلدین حضرات کے پانچ مختلف قول ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں تو مقلد ہونے کی حیثیت سے منسوحیت رفع الیدین کے قول کا حضرت الامام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کرنا قاری صاحب کی ذمہ داری ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں۔ کئی ایک حنفی بزرگ اس بات کا اعتراف و اقرار فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۶ شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی۔ ٹی روڈ گوجرانوالہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا عبد المنان صاحب :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! السلام علیکم بعد گزارش یہ ہے کہ مولانا محمد امجد صاحب نے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ترک رفع الیدین کے متعلق کوئی حدیث صحیح صریح دکھلا دیں تو میں رفع الیدین کرنا چھوڑ دوں گا تو میں نے اس کے کہنے کے مطابق کئی احادیث لکھ کر دکھلائیں جو کہ رفع الیدین کے متعلق صحیح اور صریح ہیں لیکن بات ہے اور کہ غیر مقلدین حضرات کا مقصد ہی اور ہوتا ہے۔ مسائل پوچھتے ہیں سمجھنے کے لیے لیکن مقصد ان کا اور ہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کے رقعہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ بندہ ناچیز ان کے مقصد سے خدا کے فضل و کرم سے نہیں

بیچھے ہوتا۔

لہذا اگر تمہارا مقصد یہی ہے تو اس بات کو آگے چلانے کے لیے یعنی ترک

رفع الیدین یا رفع الیدین کوتاہی کا حق ظاہر ہو قبل اس کے یہ باتیں بیان کرے۔

① اپنا مسلک رفع الیدین کے بارے میں بیان کرے کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② اور دوسری بات یہ بیان کریں کہ یہ رفع الیدین فرض ہے یا سنت ہے واجب

ہے یا مستحب ہے۔

③ تیسری بات ان مذکورہ شقوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔

فقط والسلام: ۹ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ

۲ جون ۱۹۸۲ء بروز بدھ

جواب کا منتظر..... جمیل احمد، گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن

ماحقہ مسجد گنبد والی سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



۱۔ یہ عبارت مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!

رَاٰذَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عَلِمًا نَّافِعًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ”مولانا محمد امجد صاحب نے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ترک رفع الیدین“۔ الخ

تو محترم! مجھے مولوی امجد صاحب کے ذریعہ سے ہی پتہ چلا کہ جو بات انہوں نے آپ سے تین چار آدمیوں کی موجودگی میں کہی تھی وہ بات انہوں نے آپ کو لکھ کر بھی دی تھی چنانچہ جو کچھ انہوں نے آپ کو لکھ کر دیا اور جو کچھ آپ نے ان سے لکھا ہوا وصول فرمایا وہ پورے کا پورا نیچے درج کیا جاتا ہے پڑھیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اگر آپ مجھے یہ ثابت کر دیں کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے جب ہم اٹھے گیں^۱ تو رفع الیدین کرے گیں^۲ اور تیسری اور چوتھی رکعت میں جب ہم رکوع میں جائے گیں^۳ اور اٹھے گیں^۴ تو رفع الیدین دونوں دفعہ کرے گیں^۵۔ اگر یہ طریقہ رفع الیدین نماز میں منسوخ ہے کہ حضور مندرجہ بالا بیان کے مطابق رفع الیدین نہیں کرتے تھے نماز میں اور اگر کرتے تھے تو بعد میں منسوخ فرما دیا ہو۔ اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع الیدین رکوع والا

چھوڑ دوں گا۔“ دستخط امجد علی

تو جناب قاری صاحب! آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام دو صفحات پر مشتمل رقعہ علی وجہ البصیرت لکھا۔ رفع الیدین کی منسوخیت ثابت کرنے کی غرض سے لکھا، اور مولوی امجد صاحب کو مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین ترک کرانے کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا جیسا کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر اور آپ کی طرف سے اس کے جواب سے ظاہر ہے۔

پھر آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام لکھے ہوئے رقعہ میں اپنے بھائیوں کو اس پر کلام کرنے کی دعوت دی نیز ان کے کلام کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا چنانچہ آپ اپنے اسی رقعہ کے اواخر میں لکھتے ہیں:

”اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے۔ ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔“

تو محترم قاری صاحب! آپ کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے ہی ایک بھائی نے آپ کے اس رقعہ پر کلام کیا تو اب آپ کا حسب وعدہ فرض ہے کہ آپ اپنے اس بھائی کے کلام کا جواب دیں نہ کہ یہ لکھیں۔ ”لہذا اگر تمہارا مقصد یہی ہے۔“ الخ

رہا آپ کا فرمان: ”غیر مقلدین کا مقصد ہی اور ہوتا ہے مسائل پوچھتے ہیں۔“ الخ، تو اس کا جواب مولوی امجد صاحب سے پوچھئے کہ ان کا کیا مقصد تھا؟ سر دست بندہ آپ کی دعوت کے مطابق آپ کے رقعہ پر اپنے کلام کا مقصد بتائے دیتا ہے تو غور سے سنیے کہ آپ کے اس بھائی نے جو کچھ آپ کے رقعہ پر لکھا صرف اور صرف تین مقاصد کے پیش نظر لکھا۔

① مولوی امجد! آپ اور دیگر اہل اسلام پر واضح ہو جائے کہ رفع الیدین منسوخ

نہیں۔ اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان سے رفع الیدین کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

② مسلمانوں کو بتایا جائے کہ منسوخیت رفع الیدین کا قائل و مدعی اگر حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ”منسوخیت رفع الیدین کا قول“ ثابت کر دے تو پھر وہ اس مسئلہ میں ان کا مقلد ورنہ وہ اس مسئلہ میں ان کا مقلد نہیں۔

③ عوام کے علم میں لایا جائے کہ مقلدین حضرات کے رفع الیدین کرنے نہ کرنے میں پانچ باہم مختلف قول ہیں اور ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد کیونکر رہ سکتے ہیں؟

رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین و اشکاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟

دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ“ (رقعہ ص ۱۲) لہذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔

اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیت رفع

الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور مسائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوخیت رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رقعہ میں بھی موجود ہے دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۰ شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی۔ ٹی روڈ، گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا عبد المنان صاحب!
 زَادَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! سلام اور دعا کے بعد گزارش ہے کہ ۹ شعبان کو آپ کی طرف ایک رُقعہ روانہ کیا تھا جس کے اندر میں نے لکھا تھا کہ آپ ان تین سوالوں کا جواب دیں اور وہ تین سوال بالترتیب میں نے لکھ دیئے تھے اور وہ تین سوال اب پھر میں لکھ رہا ہوں محض اور خاص آپ ہی کی طرف تاکہ آپ ان سوالوں کا جواب دیں تاکہ آئندہ اس مسئلہ پر آپ کے ساتھ باقاعدہ بات چیت شروع ہو جائے۔ اور ان شاء اللہ حق بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اور وہ تین سوال یہ ہیں:

① کہ اپنا مسلک بیان کرے یعنی رفع الیدین کے بارے میں کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② اور دوسری بات یہ بیان کریں کہ رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے۔

③ تیسری بات یہ بیان کریں کہ ان مذکورہ شقوں میں جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔

لیکن آپ نے بجائے جواب دینے کے یہ لکھا تھا۔ رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں لیکن یہ کوئی جواب نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ایک رُقعہ ۹ شعبان کو آپ کے پاس بھیج دیا تھا اور ایک آج لکھ کر بھیج رہا ہوں خاص اور خاص آپ کی طرف لہذا آپ ان سوالوں کا جواب دیں۔ جب تم بزم خود صحیح طریقہ پر ہو تو ان سوالوں کا جواب دیں

بلا ضرورت دیر کیوں کرتے ہو۔ امیری طرف سے آپ کو سلام۔

فقط والسلام

۱۲ شعبان ۱۴۰۲ھ / ۵ جون ۱۹۸۲ء بروز ہفتہ

جواب کا منتظر..... جمیل احمد گلوٹیان کلاں

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن ماحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



۱۔ یہ عبارت مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!
 زَادَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.
 وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کی مولوی امجد صاحب کے ساتھ بات چیت ہوئی جس میں طے یہ ہوا کہ اگر رکوع جاتے اس سے سر اٹھاتے وقت اور درمیانے تشہد سے اٹھ کر رفع الیدین کا منسوخ ہونا قوی دلیل سے ثابت ہو جائے تو مولوی امجد موصوف ان مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ یہ بات انہوں نے آپ کو لکھ کر بھی دی جس کی پوری نقل میں اپنی دوسری تحریر میں پیش کر چکا ہوں۔ سر دست ان کی تحریر کا آخری جملہ مد نظر رکھئے وہ لکھتے ہیں ”اگر منسوخ ہونے کی قوی دلیل پیش کر دیں تو میں نماز میں رفع یدین رکوع والا چھوڑ دوں گا۔“

اتنے واقعہ کے بعد آپ نے اپنا پہلا رقعہ سپرد قلم فرمایا جس کے آغاز میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

”بھائی امجد صاحب! آپ کچھ دوستوں کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور یہ بندہ ناچیز ادھر ہی تھا اسی اثناء میں آپ نے یہ کہا، اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے دلیل قوی سے یا اس رفع یدین کے منسوخیت پر تو میں رفع یدین کرنا چھوڑ دوں گا، لو اب میرے بھائی صاحب آنکھوں سے پڑھئے۔“ الخ

اس کے بعد آپ نے پانچ روایات اور کچھ اعتراض و جواب تحریر فرمائے ہیں جبکہ پہلی روایت درج کرنے کے بعد آپ نے لکھا ”اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی

۱۔ قاری صاحب کے رقعہ میں عبارت اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوحیت پر بھی، تو مولوی امجد صاحب کی تحریر اور آپ کے پہلے رقعہ سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ آپ نے بزعم خود منسوحیت رفع الیدین پر دلائل پیش کیے تھے۔

پھر آپ نے خود ہی اپنے پہلے رقعہ کے آخر میں لکھا ”اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحات کے ساتھ جو صفحہ خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا“ چنانچہ آپ کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کے پہلے رقعہ پر کلام کیا گیا جو آپ کے پاس پہنچا ہوا ہے اور حسب وعدہ اس کا جواب دینا آپ کے ذمہ ہے تو آپ ہی فرمائیں آیا آج تک تسلی بخش تو کجا کوئی غیر تسلی بخش جواب ہی ان بارہ صفحات کا آپ نے دیا ہے؟ ہاں تین سوالات والی بات آپ نے ضرور کہی جس کی کوئی وجہ جواز نہیں کیونکہ آپ نے منسوحیت رفع الیدین کا دعویٰ فرما کر بزعم خود اس پر دلائل پیش کیے ہوئے ہیں۔ ادھر بندہ نے بارہ صفحات کے رقعہ میں واضح کر دیا کہ آپ کے پیش فرمودہ دلائل میں سے کسی ایک دلیل سے بھی رفع الیدین کی منسوحیت ثابت نہیں ہوتی تو محترم آپ حسب وعدہ ”تسلی بخش جواب دیا جائے گا“ میرے بارہ صفحات والے رقعہ کا جواب دیں۔

باقی آپ کے تین سوالوں کا جواب تو بندہ کی پہلی تحریر میں موجود ہے نیز اس کی دوسری تحریر میں تفصیلاً ان کا جواب ہو چکا ہے۔ ذرا غور سے سنئے ”رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین و اشکاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ملاحضہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟

دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ“ (رقعہ نمبر ص ۱۲) لہذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔

اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوحیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوحیت رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رقعہ میں بھی موجود ہے۔“ (رقعہ نمبر ص ۳)

اپنے تین سوالات کے مندرجہ بالا یہ جوابات پڑھ کر آپ لکھتے ہیں ”رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں لیکن یہ کوئی جواب نہیں“ تو حضرت قاری صاحب! آپ کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بندہ آپ کے تین سوالات کے عدم جواز کی دلیلیں پیش کر چکا ہے تو اب غور کا مقام ہے اپنے اس اعتراف کے بعد آپ کا فرمانا ”لیکن یہ کوئی جواب نہیں“ صرف منہ کی بات نہیں تو اور کیا ہے ورنہ آپ میری طرف سے آپ کے

سہ سوالات کے عدم جواز پر پیش کردہ دلائل میں کوئی خامی نکالتے۔
 دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل
 کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۳ شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا عبدالمنان صاحب!
 زَادَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد! السلام علیکم کے بعد عرض کہ دور قے پہلے لکھ چکا ہو۔ اور ایک یہ لکھ رہا ہو اور یہ بھی قابل غور بات ہے کہ دور قے پہلے اور ایک یہ محض صرف اور صرف آپ کی ہی طرف ہے۔ پہلے دور قے میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائے تاکہ آپ کے ساتھ باقاعدہ اس مسئلہ پر یعنی ترک رفع یدین اور رفع یدین پر اُلخ لیکن آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا۔ اچھا مولانا صاحب تین کا جواب نہیں دیتے تو ایک ہی کا جواب دے دے۔ (۱) آپ اپنے مسلک کے بارے میں حضور سے کوئی قولی یا فعلی صحیح صریح اور قوی حدیث سے کہ حضور ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یعنی اسی طرح پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے سنت مؤکدہ ہے۔ حضور ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے۔ حضور نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کی (ب) رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے۔ حضور ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے۔ اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔ حضور نے کبھی یہ رفع یدین نہیں کی.....

۱۔ ان لفظوں پر غور کریں۔ ۱۲۔

۲۔ ان حرفوں پر بھی تدبر کریں۔ ۱۲۔

بطور نص موجود ہو۔ پوری دنیا کی کسی کتاب سے پیش کر دیں۔ تو یہ بندہ
ناچیز رفع یدین کرنا شروع کر دے گا ان شاء اللہ العزیز۔

فقط والسلام

۱۴ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ ۷ جون ۱۹۸۲ء بروز پیر

جواب کا منتظر جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن لمحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: یہ تمام عبارت (رقعہ) قاری صاحب کا بعینہ کتابت کیا گیا ہے لہذا کتابت کی غلطی تصور نہ
کی جائے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب قاری جمیل احمد صاحب!

رَاٰذَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُّقْبَلًا.

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

ابا بعد! آپ اپنے اس تازہ رقعہ میں لکھتے ہیں ”اسلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ دور قے پہلے لکھ چکا ہوں اور ایک یہ لکھ رہا ہوں الخ“ یہ دُرست کہ آپ نے بندہ کو مخاطب کر کے اپنے اس تازہ رقعہ سے پہلے دور قے قلم بند فرمائے لیکن آپ کا اصل رقعہ تو وہ ہے جو آپ نے مولوی امجد صاحب کے نام لکھا جس میں آپ نے منسوخیت رفع الیدین کا دعویٰ فرمایا جس میں بزعم خود آپ نے اپنے اس مذکورہ دعویٰ پر مولوی امجد صاحب کو رفع الیدین ترک کرانے کی غرض سے پانچ روایات پیش فرمائیں جس کے آخر میں آپ نے بڑے طمطراق سے لکھا ”اگر کسی بھائی کو ان احادیث پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور کوئی شک ہو تو وہ ان لکھے ہوئے صفحوں کے ساتھ جو صفحے خالی ہیں ان پر اپنے اعتراض اور شک و شبہات لکھے ان شاء اللہ العزیز تسلی بخش جواب دیا جائے گا“ اور جس کے جواب میں آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے بندہ نے بارہ صفحات کا رقعہ لکھ کر آپ کے پاس پہنچایا اور آپ نے اسے وصول بھی فرمایا مگر تاحال آپ نے تسلی بخش جواب دینے کا وعدہ کرنے کے باوجود میرے اس بارہ صفحات والے جوابی رقعہ کے ایک لفظ کا بھی جواب نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے پہلے پانچ روایات والے رقعہ اور میری طرف سے اس کے بارہ صفحات والے جوابی رقعہ کے نام تک لینے چھوڑ رکھے ہیں اور نہ ہی آپ ان دو رقعوں کو باقاعدہ بات چیت کا حصہ شمار

۱۔ قاری صاحب نے اپنے رقعوں میں کئی جگہ یہ لفظ اُسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲۔

منہ کرتے ہیں جیسا کہ آپ کا قول ”ان کا (تین سوالوں کا) جواب فرماتے تاکہ آپ کے ساتھ باقاعدہ اس مسئلہ پر“ الخ (قاری صاحب کا چوتھا رقعہ ص ۱) اس پر دلالت کر رہا ہے آخر ایسا کیوں؟ کیا ”تسلی بخش جواب دیا جائے گا“ والی آپ کی بات کوئی بے قاعدہ ہی تھی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ تو قاری صاحب اپنا وعدہ پورا کریں اور میرے بارہ صفحات والے رقعہ کا جواب دیں ورنہ صاف و واضح گاف الفاظ میں اعتراف و اقرار فرمائیں کہ میرا ”منسوخیت رفع الیدین“ والا دعویٰ بے بنیاد اور غلط ہے۔ اللہ را کچھ تو انصاف لگتی کہئے۔

آپ مزید لکھتے ہیں ”پہلے دو رقعے میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا..... لیکن آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا“ قاری صاحب! آپ نے یہ بات ایسی کہی جس کا انصاف کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں، کیونکہ آپ کے ان تین سوالوں کے جواب تو بندہ کے بارہ صفحات والے پہلے رقعہ ہی میں موجود تھے پھر تین تین صفحات والے دوسرے اور تیسرے رقعہ میں بالتصريح ان کے جوابات موجود و مذکور ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ آپ کے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہیں ایک مرتبہ پھر ان جوابات کو سن لیجئے۔

قاری صاحب کا پہلا سوال اور اس کا جواب

① قاری صاحب کا پہلا سوال ہے ”کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے الخ“ بندہ نے اس کا جواب دیا تھا ”رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں“ پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواقع کی تعیین و اشکاف الفاظ میں موجود ہے اور انہیں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے۔ نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ

۱۔ قاری صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۱۳ اور رقعہ نمبر ۳ ص ۲)

﴿ قاری صاحب کا دوسرا سوال اور اس کا جواب ﴾

② قاری صاحب کا دوسرا سوال ہے ”رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے“ بندہ نے اس کے جواب میں لکھا تھا ”دوسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے۔ نیز میں نے اپنے رقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں“ الخ (رقعہ نمبر ۱۲) لہذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۱۳ اور رقعہ نمبر ۳ ص ۲ و ۳)

﴿ قاری صاحب کا تیسرا سوال اور اس کا جواب ﴾

③ قاری صاحب کا تیسرا سوال ہے ”ان مذکورہ شقوں میں جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل“ بندہ نے اس کا جواب دیا تھا ”اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوحیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے ہاں اگر آپ منسوحیت رفع الیدین والے

دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ العزیز اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا یہ بات میرے پہلے رقعہ میں بھی موجود ہے۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳ اور رقعہ نمبر ۳ ص ۳)

اس جواب کی قدرے توضیح

قاری صاحب! ”منسوخیت رفع الیدین“ آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو تو آپ نے یہ دعویٰ کر کے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تسلیم فرما لیا ہوا ہے اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے کہ نسخ رفع الیدین پر آپ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کے رد میں بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچے ہوئے بارہ صفحات والے رقعہ کا حسب وعدہ جواب دیں یا پھر نسخ رفع الیدین والا دعویٰ واپس لیں اور لکھ دیں کہ ”رفع الیدین سرے سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں“ تو اس بندہ فقیر سے رفع الیدین کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کے دلائل سن لیں آخر انصاف بھی تو کوئی شے ہے نا۔

قاری صاحب کو ان کے تین سوالوں کے عدم جواز پر دلائل کا اعتراف:

اپنے ان تین سوالات کے مذکورہ بالا جوابات پڑھ کر قاری صاحب اپنے تیسرے رقعہ میں لکھتے ہیں ”اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں“ تو جب آپ نے خود اعتراف و اقرار فرمالیا کہ بندہ نے آپ کے تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل بیان کر دیئے ہیں اور آپ کے رقعے شاہد ہیں کہ آج تک آپ نے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل کا کوئی توڑ پیش نہیں فرمایا تو ان حالات میں خود سوچئے اور کسی دوسرے سے پوچھئے کہ اپنے ان تین سوالوں کی

کوئی وجہ جواز نہ ہونے پر دلائل کے بیان ہو جانے کے اعتراف و اقرار کے بعد نیز ان کا کوئی توڑ پیش نہ کرنے کے باوجود آپ کا اپنے تیسرے رقعہ میں لکھنا ”یہ کوئی جواب نہیں“ اور اپنے چوتھے رقعہ میں کہنا ”آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا“ کوئی انصاف لگتی بات ہے؟

قاری صاحب کا ایک تازہ سوال اور اس کا جواب:

حضرت قاری صاحب! آپ مدعی ہیں ”منسوخیت رفع الیدین“ آپ کا دعویٰ ہے تو اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرنا اور ان پر واردہ شدہ اعتراضات کا جواب دینا آپ کا فرض منصبی ہے لہذا آپ ادھر ادھر کے سوالوں میں وقت پاس نہ کریں اور بندہ کی طرف سے آپ کے نسخ رفع الیدین پر پیش کردہ دلائل پر اعتراضات و مناقشات کا جواب دیں جو اعتراضات و مناقشات بارہ صفحات کے رقعہ کی صورت میں آپ کے پاس پہنچے ہوئے ہیں مگر اس صحیح اور مبنی بر انصاف لائن سے ہٹ کر قاری صاحب نے اپنے اس چوتھے رقعہ میں ایک اور سوال پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ”کیا مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین سنت مؤکدہ ہے آیا نبی کریم ﷺ مواضع ثلاثہ میں ہمیشہ رفع الیدین کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے؟ نیز انہوں نے لکھا ”پیش کر دیں تو یہ بندہ ناچیز رفع الیدین کرنا شروع کر دے گا“۔

① اولاً اس سوال کی بنیاد ایک قاعدہ ہے ”جو عمل نبی کریم ﷺ ہمیشہ کرتے رہے ہوں صرف وہی اپنایا جائے گا“ اگر اس سوال کی بنیاد یہ قاعدہ نہ ہو تو یہ سوال سرے سے وارد نہیں ہوتا تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ یہ قاعدہ دلائل سے ثابت فرمائیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش کریں۔

② ثانیاً پھر اس سوال کی بنیاد ایک اور قاعدہ بھی ہے ”سنت مؤکدہ پر عمل کیا جائے گا نہ کہ سنت غیر مؤکدہ پر“ ورنہ اگر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرنا ہو تو مذکورہ سوال بے فائدہ ہے لہذا قاری صاحب کو چاہیے کہ پہلے یہ قاعدہ بھی ثابت

- فرمالیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش فرمائیں۔ تَبَّتِ الْعُرْشُ ثُمَّ انْقَشَتْ ③
- ثالثاً، قاری صاحب! آپ لوگ وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا سنت مؤکدہ ہونا آپ کے ہاں ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلائل پیش فرمائیں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر عمل کے لیے یہ شرط اور یہ مندرجہ بالا سوال کیوں؟ ہم تو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو سنت غیر منسوخہ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں۔
- ④ رابعاً، آپ لوگ بھی وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس پر نبی کریم ﷺ کا تاوفات ہیغلی کرنا ثابت ہے۔ اگر ثابت ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر آپ ﷺ کے تاوفات ہیغلی کرنے کا سوال کیوں؟
- ⑤ خامساً، تو قاری صاحب! آپ کو اپنے اس تازہ مندرجہ بالا سوال کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو چھوڑ دینا ہو گا یا مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو ابھی سے اپنا لینا ہو گا ورنہ کہا جائے گا۔ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَى۔
- ⑥ سادساً، اگر آپ نبی کریم ﷺ کو دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں تو بتائیے آپ کا قول ”یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے“ کیا معنی رکھتا ہے؟
- اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلہ

۱۵ شعبان ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ

محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

زَادَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عَلِمًا نَّافِعًا وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اما بعد! السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ آپ کا رقعہ مع ایک رسالہ کے بواسطہ مولانا محمد امجد کے پہنچا پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا صاحب بزعم خود مجھے منسوحیت رفع الیدین کا مدعی ٹھہرایا ہوا ہے حالانکہ میرے رقعہ کے آخری سطور یہ ہیں اور بطور سرخی دے کر لکھا ہوا ہے یعنی اس طرح۔ تنبیہ: بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیش کیے ہیں ترک رفع الیدین پر الخ۔

اسی بنا پر جب یہ رقعہ میرے پاس آیا تو میں نے مولانا صاحب کی خدمت اقدس میں تین رقعے روانہ کیے۔ دو رقعوں میں تین سوالوں کے متعلق کہا تھا کہ ان کا جواب دیں وہ تین سوال یہ ہیں:

① کہ اپنا مسلک رفع الیدین کے بارے میں بیان کرے کہ کون سی جگہ رفع الیدین کرنا ہے اور کون سی جگہ نہیں۔

② دوسری بات یہ بیان کرے کہ یہ رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟

③ تیسری بات ان مذکورہ شقوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل۔ اور تیسرے رقعے میں یہ لکھا تھا کہ آپ اپنے مسلک کے بارے حضور سے کوئی قولی یا

۱۔ یہ لفظ قاری صاحب کی تحریر میں اسی طرح ہے۔

فعلی صحیح صریح اور قوی حدیث الخ..... آخر میں لکھا تھا کہ پوری دنیا کی کسی کتاب سے پیش کر دیں تو بندہ ناچیز رفع الیدین شروع کر دے گا۔ لیکن مولانا صاحب کہیں تو فرماتے ہیں تم وتروں میں کیوں کرتے ہو کہیں فرماتے یہ قاعدہ صحیح نہیں وغیرہ وغیرہ غرض کہ یہ تمام کہیں وتروں کا نام کہیں کچھ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے کیونکہ جب میں نے کہا کوئی حدیث دکھلاؤ تو مولانا کا فرض تھا کہ حدیثیں پیش کرتے نہ کہ ادھر ادھر کی مارتے۔ اسی طرح مولانا صاحب نے تین سوالوں کے متعلق جو کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں، بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے جب میں منسوخ کا قائل ہوتا۔ بہر کیف مولانا میں ہوں ترک رفع الیدین کا قائل اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر۔ اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی ان شاء اللہ العزیز کوئی حدیث آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اور کوئی غیر مقلدین قیامت تک۔

اگر بالفرض میں منسوحیت رفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شما تو پھر بھی کوئی بات نہیں کیونکہ مولانا صاحب آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ منسوخ کی کتنی قسمیں ہیں۔

تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین کا مولانا صاحب آپ کوئی فکر نہ کریں آپ اپنے رفقے کا جواب سنیے:

جو دلائل میں نے دیے ہیں مولانا صاحب ان کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرخی قائم کرتے ہیں اس طرح:

”منسوحیت رفع الیدین کے دلائل کا جائزہ“

”نچے لکھتے ہیں کہ حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ منسوخیت رفع الیدین کل پانچ روایتیں پیش فرمائیں ہیں جن میں سے آخری دو موقوف ہیں اور تین مرفوع اور مولانا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل علم کو معلوم ہے موقوف روایت فعلی ہو خواہ قوی شرعی دلائل میں سے کوئی سے دلیل بھی نہیں۔ الخ

جواب اولاً تو مولانا صاحب نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی لہذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج۔

ثانیاً مولانا صاحب نے موقوف کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائی لہذا میری طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہوگی۔

ثالثاً مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت کا شرعی دلیل میں سے کوئی بھی نہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم مراد ہیں۔

میرا تو یہ عقیدہ ہے عَلَیْكُمْ بَسُنْتِي وَ سُنَّتِي خُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الخ اسی بنا پر میں نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ان کی روایت پیش کی تھی۔ اللہ سے ڈرو۔

آگے مولانا صاحب لکھتے ہیں رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ بنانا درست نہیں۔

اولاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مسند حمیدی والی روایت قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ مولانا ارشاد الحق صاحب اثری۔ الخ

جواب مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں یعنی مولانا ارشاد الحق صاحب اثری کے رسالہ میں۔ تو مولانا صاحب مجھے کیا ضرورت پڑی کہ جب آپ ہی نے کوئی شک و شبہات اور اعتراض نہیں کیے ہیں

دوسروں کے رسالہ وغیرہ دیکھتا پھیرو۔ خلاصہ کلام یہ کہ نہ آپ نے کوئی اعتراض اس حدیث پر کیا نہ کچھ اور لہذا ثابت ہوا یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین والی روایت بیان کرتے ہیں وہی ترک رفع الیدین والی بھی روایت کرتے ہیں لہذا ثابت ہوا مولانا صاحب رفع الیدین منسوخ ہے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے بارے میں مولانا صاحب فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں۔

حالانکہ جس کے بارے میں میں نے یہ لکھا تھا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے حوالہ کے ساتھ ایک دفعہ پھر مولانا صاحب سن لیں اور غور و فکر کے ساتھ پڑھے۔ امام ترمذی ج ۱ ص ۶۵ لکھتے ہیں حدیث ابن مسعود حدیث حسن اور ابن حزم محلی ج ۳ ص ۸۸ میں لکھتے ہیں:

وهذا الحديث صحيح العرف الشندي ص ۱۳۲ میں وصحہ ابن القطان المغربي فی کتاب الوهم والایہام وكذلك صحہ ابن حزم اندلسی۔

اس حدیث کے بارے میں شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل احتجاج نہیں دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس باب میں امام ترمذی کا قول حدیث ابن مسعود حدیث حسن ہے اسی باب میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے:

قَدْ ثَبَتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ وَذَكَرَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ

۱۔ یہ لفظ اصل مسودہ میں اسی طرح ہے۔ (کاتب)

وَلَمْ يَثْبُثْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ لَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

جواب: مولانا صاحب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ترک رفع الیدین کی کئی روایات بیان کی گئی ہیں ایک یہی حدیث جوزیر بحث ہے جو ترمذی وغیرہ میں ہے جس کی سند میں حضرت ابن مبارکؒ نہیں ہے اور اس حدیث کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

إِلَّا أَصَلَى بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

دوسری حدیث اس طرح ہے:

إِلَّا أُخْبِرُ بِكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کے طریق مروی ہے اس کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے۔ تیسری روایت طحاوی میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن مبارک کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے۔ چوتھی روایت دارقطنی بیہقی وغیرہ میں ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنُ بَكْرٍ وَغُمَرٌ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ الْإِفْتِاحِ.

پانچویں مندا اعظم کی روایت اس طرح ہے:

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ ثُمَّ لَا يَعُودُ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ وَيَأْتُرُ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

محترم مکرم مولانا صاحب ان روایات کے ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جرح کے الفاظ تیسری حدیث طحاوی والی کے الفاظ حدیث سے

ملتے جلتے ہیں ان باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں۔ اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولانا صاحب پر اس حدیث ابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا زرا تعصب یا کم عقلی ہے۔

آگے لکھتے ہیں مولانا صاحب:

قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِصِ: وَهَذَا الْحَدِيثُ حَسَنُهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِي وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَبِيهِ هَذَا حَدِيثٌ خَطَأٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَشَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ هُوَ ضَعِيفٌ نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا الْخ.

(مولانا صاحب یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہو آپ جیسے عالم کے لیے یہ مناسب نہیں، اور دوسری بات یہ کہ ہے بھی غیر عفر الخ) اور کہا حافظ ابن حجر تخیص میں کہ اس حدیث کو یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور ابن حزم صحیح کہا ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں (اس کا جواب مفصل گزر چکا ہے) اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطاء ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد حضرت یحییٰ بن آدم دونوں فرماتے ہیں وہ روایت ضعیف ہے۔ الخ

اب ترتیب وار ان کے جوابات سنئے مولانا صاحب!

حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں اس کا جواب اسی رقعہ کے ص ۵ اور صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ روایت خطاء ہے تو مولانا صاحب اس کا جواب سنئے۔ جس حدیث پر امام ابو حاتم نے جرح کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْعِلَلِ ج ۱ ص ۹۶ سَأَلْتُ أَبِي عَنْ حَدِيثِ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَامَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ فَقَالَ أَبِي هَذَا خَطَاءٌ يُقَالُ وَهُمْ فِيهِ
التَّوَرُّيُّ الْخ.

کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے پس تکبیر کہی پھر رفع الیدین کیا اور پھر رفع الیدین کے لیے نہ لوٹے تو ابو حاتم نے فرمایا (اسی طریقہ سے) یہ حدیث خطاء ہے اور سفیان ثوری کا وہم کہا جاتا ہے بحوالہ نصب الراية ج ۱ ص ۳۹۶ تو مولانا صاحب میں نے وہ حدیث پیش کی تھی۔ جس میں عبد اللہ بن مسعود نے حضور کی نماز کا نقشہ پڑھ کر دکھایا تھا۔ لیکن کتاب کے حوالہ سے جو ابھی روایت گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ خود کھڑے ہو گئے اور سارا نقشہ نماز کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر دکھایا تو یہیں سے امام ابو حاتم کو وہم ہو گیا کہ شاید اس طریقہ سے روایت بیان کرنے میں سفیان ثوری کا وہم ہے لیکن امام ابو حاتم کا نزاع وہم ہے اور یہ حدیث بھی اپنے مقام صحیح ہے کیونکہ حضور نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کا جو نقشہ کھینچ دکھایا یہ جدا روایت ہے۔ اور آپ کی سنت ادا کرتے ہوئے حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے شاگردوں کے سامنے کھڑے ہو کر وہی نقشہ کھینچ کر جناب نبی کریم ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی اس میں سفیان ثوری کے وہم کا کوئی دخل نہیں۔

دیکھ لیا مولانا صاحب حال اپنا کہ بغیر تحقیق کے فرما دینا کہ فلاں یوں کہتا ہے فلاں جوں فی اللجب اور رہا آپ کا فرمانا کہ امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں الخ یعنی اس طرح:

وقال احمد بن حنبل و شيخه يحيى بن آدم هو ضعيف نقله البخاري عنهم.

جواب: مولانا صاحب امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس

حدیث پر جرح نہیں کی۔ اگر ہمت کر کے مولانا عبدالمنان صاحب (شیخ الحدیث جامع محمدیہ) مجھے یہ دکھلا دے صحیح حوالہ سے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن آدم نے اس کو ضعیف کہا ہے تو میں جھوٹا اور آپ سچے اگر نہ دکھلا سکے تو پھر..... اگر آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کر دیں تو آگے بات کرنا ورنہ ختم۔

اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو۔ جب انہوں نے بھی انکار کر دیا پھر تم نے بھاگتے بھاگتے ان سے جب دلائل نہ ملے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ماشاء اللہ تحقیق کے میدان کے شہسوار ہو تم فَوَا اَسْفَا جب تم حضرات حوالوں کے اندر ہی تحقیق نہیں کر سکتے تو احادیث رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا تم سے اچھی اُمید رکھی جاسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم حدیثوں کے درمیان فرق معلوم نہیں کر سکتے۔ گر ہمیں مکتب وہمیں ملاں است کار طغلاں تمام خواہد شد

خلاصہ کلام یہ کہ کون کون سی غلطی پکڑوں۔ مولانا صاحب خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو۔ فالی اللہ المشتکی
باقی رہا ابوداؤد کا لیس ہو بصحیح کہنا اس کا جواب میں نے اپنے پہلے رقعہ میں دیا ہے۔

الحاصل یہ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس بصحیح کے الفاظ مذکور نہیں یہ الفاظ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۰ میں مذکور ہے۔

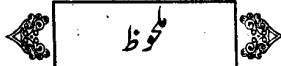
وقال دارقطنی لم یثبت اس کا جواب مولانا صاحب اول تو یہ ہے غیر مفر

۱۔ یہ لفظ مسودہ میں اسی طرح ہے۔

ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ تم نے ان حوالوں کی دلیلیں نہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے لہذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج لیکن مولانا صاحب یادر ہے امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ

وقال ابن حبان فى الصلوة هذا احسن جزرولى لاهل الكوفة فى نفى رفع الیدین فى الصلوة عند الركوع وعند الرفع منه وهو فى الحقيقة اضعف شىء يقول عليه لازله عللا تبطله. ۱۰ھ (تحفة الاحوذى ج ۱ ص ۲۲۰)

مولانا صاحب اس کی بھی ذرا سی تفصیل سن لیجیے۔ مولانا صاحب ابن حبان کی جرح کئی وجوہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے پتہ نہیں ان کا کس سند پر اعتراض ہے اور پھر یہ جرح بھی غیر مفر ہے۔ ثانیاً علامہ احمد محمد شاہ کرغیر مقلد شرح ترمذی ج ۲ ص ۴۱ اور علامہ شعیب الأرنؤوط غیر مقلد اور علامہ محمد زہیر الشادیش دونوں تعلیقات شرح السنۃ ج ۲ ص ۲۴ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے وما قالوه فى تعليله ليس بعللة يعنى بعض نے جو علتیں (خرابیاں) اس میں نکالی ہے وہ کچھ نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ قبول افتدز ہے عز و شرف۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ج ۲ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ہمیں تو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا۔ شاید یہ علت ہو کہ یہ علت ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ آگے مولانا صاحب لکھتے ہیں بطور سرخی دے اس طرح۔



میں نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ وصححه ابن القطان الخ لیکن مولانا صاحب نے درایہ بر حاشیہ ہدایہ (ج ۱ ص ۱۱۲) کا حوالہ دے کر لکھا ہے: وقال ابن القطان هو عندی صحیح الا قوله ثم لا يعود فقد قالوا ان وکیعا کان یقولہا

من قبل نفسه. ۱۰ھ جس سے ظاہر ہے کہ ابن القطان جملہ ثم لا یعود کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرف شذی کا بلا استثناء صحیح ابن القطان لکھنا درست نہیں۔

مولانا صاحب امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے نیز انہوں نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر عمل کر کے چار چاند لگا دیے ہیں۔ نیز امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ حضرت ابن المبارک ثم لم یعد نقل کرتے ہیں۔

آگے مولانا حافظ عبد المنان صاحب لکھتے ہیں بطور عنوان و سرخی دے کر اس طرح صاحب مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت۔

اسی کے تحت آگے جا کر مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ اس مقام پر صاحب مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے الخ

اصل بات یہ ہے کہ مولانا صاحب پریشانی میں پڑ گئے ہوں گے کہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہاں مولانا صاحب تحقیق کے میدان میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحب مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ ہے تفصیل کی اب گنجائش نہیں ویسے چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ فرمائیے۔

① مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸ میں عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ مِنْ صَلَوَتِهِ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. الحدیث رواہ مسلم۔ حالانکہ صحیح مسلم میں ج ۱ ص ۲۱۸ یہ روایت موجود ہے اور بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں۔ بدعتی ذکر بالجبر کے ثبوت میں مشکوٰۃ اس غلط روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

② مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۴ میں ایک روایت ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ استقبلہ داعی امرئیتہ یہاں سے بدعتی استدلال کرتے ہیں کہ میت کے گھر کا کھانا جائز ہے۔ حالانکہ صحیح الفاظ داعی امرأۃ کے ہیں بغیر ضمیر کے چنانچہ یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص مشکل الاثار ج ۲ ص ۳۳۲، مستقیم ص ۱۶۹ شرح معانی الاثار ج ۲ ص ۳۲۱ دارقطنی

ج ۲ ص ۵۴۵ مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۳ سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۹۷ عقود الجواهر المصنوعہ ج ۲ ص ۶۲ خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۳ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳۴ محلی ابن ج ۷ ص ۴۵ عون المعبود ج ۳ ص ۲۴۹ بدل المجہود ج ۴ ص ۲۴۹ وغیرہ کتب میں موجود ہے اور داعی امرۃ بغیر ضمیر کے ہے بحوالہ راہ سنت ص ۲۵۰۔

آگے جا کر مولانا حافظ عبدالمنان صاحب تحریر فرماتے ہیں بطور سرخی دے کر اس طرح ملا علی قاری حنفی اور علامہ میرک حنفی کی صاحب مشکوٰۃ کے حق میں شہادت۔
ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: وقال ابو داؤد ليس هو بصحيح على هذا المعنى. (یعنی وان كان سنده الخ)

ترجمہ کرنے کے بعد مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری حنفی کا صاحب مشکوٰۃ کے ابو داؤد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفی اس فیصلہ کو ابو داؤد کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں الخ۔

① مولانا صاحب یہ جو ابو داؤد کا فیصلہ ملا علی قاری حنفی یا علامہ میرک حنفی کا فیصلہ ہے بقول شامی صحیح نہیں اس صفحہ ۱۰ پر تو مولانا صاحب احتمال رکھتا ہے کہ مراد نہ صحیح ہونا ساتھ اس طریق خاص کے ہوئے پس ضرر نہیں کرتا بیچ صحت حدیث کے۔

② دوسری بات یہ کہ غیر مفر ہے الخ

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابل احتجاج ہے لیکن اس کو حدیث رفع الیدین کا ناخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اسے ناخ تب قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا احادیث رفع الیدین سے متاثر ہونا ثابت ہو الخ

مولانا صاحب اور کوئی دلیل پیش کرو تو شاید آپ چوں و چراں کریں اس لیے میں ان ہی سے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے دلیل پیش کرتا ہوں۔ مظاہر حق ج ۱ ص ۲۵۸ میں ہے اور کہا ابن مسعود نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہم

نے بھی ہاتھ اٹھائے اور حضرتؑ نے ترک کیے ہم نے بھی ترک کیے۔

نیز جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کی روایات آتی ہیں انہیں سے پھر ترک رفع الیدین کی روایات آتی ہیں اور عمل بھی ترک رفع الیدین کا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت علی و حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ نیز بعض حدیثوں کو غیر مقلدین حضرات خود منسوخ مانتے ہیں جیسے رفع الیدین بین السجدتین تو جو دلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائم کرنے میں وہی دلائل رفع الیدین عند الركوع وغیرہ کی منسوخیت کے احناف حضرات کی طرف سے سمجھ لیں۔

مولانا صاحب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی سن لے۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۹ میں بسند صحیح آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو چیز ابن مسعودؓ تمہارے لیے پسند کریں اسے میں بھی پسند کرتا ہوں اور راضی ہوں۔ اور استعیاب ج ۱ ص ۳۵۶ میں آتا ہے کہ جس چیز کو ابن مسعودؓ پسند نہ کریں میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ نیز ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۹ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمہیں جو حدیث سنائیں اس کی تصدیق کرو۔

ثالثاً، چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت احادیث رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناخ رفع الیدین قرار دینا درست نہیں کیونکہ اصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناخ نہیں ہوا کرتا۔ یہ مولانا صاحب کی عبارت ہے۔

مولانا صاحب اس کا جواب سنئے مولانا صاحب آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ فعل ناخ نہیں ہوا کرتا۔ خدا جانے مولانا صاحب کون سے اصول کے تحت فرما رہے ہیں کہ فعل ناخ

نہیں ہوا کرتا مولانا صاحب تفصیل کی تو اب گنجائش نہیں اختصاراً سنئے۔ نووی ج ۱ ص ۱۵۶ میں ہے الوضو مماسات النار الخ۔
آگے جا کر مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ:

حضرت جابر بن سمرہؓ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی حالت جناب مولانا عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال تو وہ درست نہیں۔ اس کے تحت مولانا صاحب بہت تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ مولانا صاحب کی اس تفصیل میں دو تین باتیں خاص ہیں جو کہ قابل جواب ہیں۔

① مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ جو رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس کے متعلق آپ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے یعنی کانہا اذنا بخیل شمس۔

مولانا صاحب اس کے جواب میں صرف آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ تنخیص یا مختصر المعانی کا ضرور مطالعہ فرمائیں یعنی بحث شبہ اور مشبہ بہ کی۔

② مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا سجدہ سے سر اٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو کہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو اسکنوا فی الصلوٰۃ کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے: الْعِبْرَةُ بِغُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ الخ جناب مولانا صاحب قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا سجدہ سے سر اٹھانا وغیرہ وغیرہ یہ دلائل سے ثابت ہیں لہذا قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا وغیرہ یہ

۱۔ قاری صاحب نے یہ عبارت اسی طرح لکھی ہے۔

سکون فی الصلوٰۃ منافی نہیں۔

③ ایک بات مولانا صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال کی بنیاد رافعی ایدیکم الخ میں رکوع جاتے اور اس سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک الخ۔

مولانا صاحب جواب سنئے رفع الیدین سے منع کی حدیث کے راوی حضرت جابرؓ کے شاگرد تمیم بن طرفہ ہیں اور پھر ان کے شاگرد مسب بن رافع ہیں لہذا عن تمیم بن طرفہ عن جابر بن سمرہؓ والی روایت جو مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۱ و سنن نسائی ج ۱ ص ۱۷۶ و سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۲ و نصب الراية ج ۱ ص ۳۹۲ میں روایت:

واللفظ لمسلم عن تمیم بن طرفہ عن جابر بن سمرہ قال خرج

علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی

ایدیکم کانہا اذنا بخیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ.

حضرت ملا علی قاری جن کو نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد الشیخ اور العلامہ

کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں (نزل الابراہ ص ۱۴۵) شرح نقایہ ج ۱ ص ۷۸ میں لکھتے ہیں راوہ مسلم و یفید النسخ۔ کہ اس روایت امام مسلم نے روایت کیا ہے اور یہ نسخ رفع

الیدین میں مفید ہے۔ مولانا عبد المنان صاحب اس سے یہ ثابت ہوا کہ جناب نبی

کریم ﷺ رفع الیدین کرنے والوں پر ناراض ہوئے اور انہیں سکون کا حکم دیا کہ معلوم

ہو ارفع الیدین سکون کے خلاف ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی تفسیر

کے مطابق رفع الیدین خشوع نماز کے مخالف ہے۔ مولانا صاحب یہ تفسیری فتویٰ ان

کی مرفوع روایت کے عین موافق ہے جس میں رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے اور

مولانا صاحب یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جو حدیث سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کی

منع کی حدیث کے راوی حضرت جابرؓ سے عبید اللہ بن القبطیہ اور پھر ان کے شاگرد

مسعر ہیں کتنا فرق ہے۔ یہیں تفاوت راہ است از کجا تا بہ کجا۔

یہ فرق معلوم کرنا معمولی سی بات نہیں اور نہ ہی یہ غیر مقلدین کے بس کی بات ہے۔
 ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضاء نہیں کہتے اور ہر صاحب عصا کو موسیٰ نہیں کہتے
 آگے جا کر مولانا صاحب فرماتے یعنی لکھتے ہیں: کنا اذا صلینا مع
 رسول اللہ الخ اور خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ کے اس
 واقعہ کے دو دفعہ رونما ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع
 الیدین جدا جدا ہوا۔

مولانا صاحب علامہ زبلیعی نصب الراية ج ۱ ص ۳۹۲ میں لکھتے ہیں کہ ان
 دونوں سیاق جدا جدا ہے۔ لہذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جاسکتا۔

① نیز رفع الیدین سے منع کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں خرج علینا رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یا انه دخل المسجد فابصر قوما جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ
 کرام رضی اللہ عنہم جماعت کے بغیر اپنی نماز سنن یا نوافل ادا کر رہے تھے۔

اور اشارہ سے منع کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں صلینا دراء رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ احمد ج ۵ ص ۸۶ کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم منہ احمد ج ۵ ص ۱۰۷ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ
 کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔

② رفع الیدین سے منع کی حدیث میں رافعی ایذیکم یا تمد رفعوا ایذیہم کے
 الفاظ ہیں جو رفع الیدین میں واضح ہیں۔ اور اشارہ سے منع کی حدیث میں
 تشبہون بایذیکم یا تو مون بایذیکم یا یر مون بایذیہم کے الفاظ ہیں جو
 اشارہ میں واضح ہیں۔

③ رفع یدین سے منع کی حدیث میں سلام کا کوئی ذکر نہیں اور اشارہ سے منع کی
 حدیث میں سلام کا ذکر ہے اور پھر اس کا طریقہ مذکور ہے۔

④ رفع یدین سے منع کی حدیث میں اسکنوا فی الصلوٰۃ کے الفاظ ہیں اور اشارہ کے منع کی حدیث میں یہ الفاظ نداد۔

مولانا صاحب ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دو حدیثوں کو ایک بنا کر منع پر چسپاں کرنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ لکھنا کہ تیسری رکعت و تروں میں بھی رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے یا مولانا صاحب کا یہ لکھنا کہ یہ اسکنوا فی الصلوٰۃ کے منافی ہے۔

جواب: مولانا صاحب تیسری رکعت کے اندر و تروں میں رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے یہ نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ۔

آخر کے اندر مولانا صاحب لکھتے ہیں۔

آخری بات:

نیچے لکھتے ہیں کہ آپ حضرت الامام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مشتم الثبوت ص ۵ پر لکھا ہے۔ واما المقلد ومستندہ قول مجتہدہ لاظنہ ولا ظنہ اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے الخ۔

① اولاً مولانا صاحب یہ جو بحث چل رہی ہے اس سے یہ بات خارج ہے لہذا خروج عن البحث لازم آتا ہے۔ الخ

② اس کے جواب میں صرف یہی کہتا ہوں کہ مولانا صاحب اس عبارت کو پوری پڑھیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں امام الاعظم امام ابو حنیفہؒ کے کس بات میں مقلد ہوں۔

نیز مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ حنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں

متعدد قول ہیں۔

مولانا صاحب تفصیل کا موقعہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ غیر مقلدین کے بھی

مختلف قول ہیں۔ رفع الیدین کے بارے میں لہذا پہلے آپ ایک قول پر یعنی سب کے سب غیر مقلدین متفق ہوں پھر احناف پر اعتراض کرنا۔ الخ

اسی سلسلہ میں غیر مقلدین سے ایک سوال کہ بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں۔ ابو حفص وغیرہ۔ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے۔ الخ

دعا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے کی توفیق اور عمل کرنے کی توفیق دیں۔ آمین یا رب العالمین!

فقط والسلام مع الاکرام

جمیل احمد گلوٹیاں کلاں

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن بالمحکمہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: الفاظ و محاورات کی غلطیاں قاری صاحب کی عبارت میں اسی طرح ہیں لہذا کاتب ان سے

بری ہے۔ (کاتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جناب قاری جمیل احمد صاحب!

رَزَا دِنِی اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبِّلًا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد: آج بعد از نماز جمعہ آپ کا پانچواں رقعہ موصول ہوا۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ بندہ ان دنوں اپنے گاؤں نور پور میں گیا ہوا ہے اور پورا رمضان المبارک وہیں گزارنا ہے اس لیے آپ کے اس رقعے کا جواب عید الفطر کے بعد لکھنا شروع کیا جائے گا ہاں اتنی بات ابھی عرض کیے دیتا ہوں کہ میرے نام کے ساتھ ”شیخ الحدیث“ ایسے لقب نہ لکھا کریں آپ میرے دوست احباب سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں اس قسم کے لقبوں کے اپنے نام کے ساتھ پکارے جانے کو پسند نہیں کرتا۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۰/رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

مندرجہ بالا تحریر قاری صاحب کو ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ کو جمعہ کے روز

ہی پہنچا دی گئی تھی۔ حسب وعدہ اب ان کے پانچویں رقعہ کا جواب سنئے تو قاری صاحب اپنے اس پانچویں رقعہ میں لکھتے ہیں ”آپ کا رقعہ مع اید رسالہ کے بواسطہ مولانا محمد امجدؒ کے پہنچا پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا صاحب نے یدعمؒ خود مجھے منسوخیت رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا ہوا ہے حالانکہ مرے رقعہ کے آخری سطور یہ ہے اور بطور سرخی دے کر لکھا ہوا ہے یعنی اس طرح۔ تنبیہ۔ بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیش کیے ہیں ترک رفع یدین پر“ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱)

② نیز قاری صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں ”بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار

کیا کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہوں لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱)

③ قاری صاحب ہی مزید لکھتے ہیں ”اگر بالفرض میں منسوخیت رفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شما تو پھر بھی کوئی بات نہیں کیونکہ مولانا صاحب آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ منسوخ کی کتنی قسمیں ہیں۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳)

قاری صاحب کے ان مندرجہ بالا تین اقوال سے پتہ چل رہا ہے کہ انہوں نے مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں لکھے ہوئے اپنے رقعہ نمبر ۱ میں رفع الیدین کی منسوخیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی وہ رفع الیدین کی منسوخیت کے مدعی اور قائل ہیں اور بندہ نے خواہ مخواہ انہیں منسوخیت کا قائل اور مدعی ٹھہرایا ہوا ہے تو گزارش ہے کہ آپ کی یہ تینوں باتیں واقع کے خلاف اور نری غلط بیانیاں ہیں چنانچہ بندہ اپنے پہلے رقعہ سے قاری صاحب کے دعویٰ سے متعلق لکھی ہوئی عبارت پوری کی پوری من وعن نقل کیے دیتا ہے تاکہ آپ قاری صاحب کے مندرجہ بالا تین اقوال کی حقیقت کو پاسکیں تو سنئے:

حضرت قاری صاحب کا موقف و مدعی

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا ”اُصول ہے کہ دلیل یا دلائل پر کلام سے پہلے اس چیز کو سامنے رکھنا ضروری ہے جس چیز کے دلائل پیش کیے جا رہے ہوں تو اس مقام پر پہلے ہم نے غور کرنا ہے کہ قاری صاحب نے بزم خود جو دلائل ذکر فرمائے ہیں وہ کس چیز کے دلائل ہیں تو سنئے قاری صاحب حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ”اس سے یہ دلیل ثابت ہوئی کہ رفع

الیدین نہیں کرنا چاہیے اور دلیل منسوخیت پر بھی۔“ (قاری صاحب کا رقعہ ص ۱)

تو ان کی اس منقولہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ وہ اپنے اس رقعہ میں رفع الیدین نہ کرنے کے دلائل بیان فرما رہے ہیں اور رفع الیدین نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ① رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا سرے سے مشروع ہی نہ ہو۔ ② رفع الیدین نہ کرنا بایں صورت کہ رفع الیدین کرنا پہلے پہل مشروع ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو۔ پہلی صورت میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثبوت کا بالکل انکار ہے جبکہ دوسری صورت میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کا اقرار پھر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ہے کیونکہ جو چیز سرے سے شرع میں ثابت ہی نہ ہو اس کے نسخ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ”رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے“ کو اختیار فرمایا ہے تو مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوخیت ان کا دعویٰ ہے۔“ (میرا رقعہ نمبر ص ۲۱)

قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ کے آخر سے جو تنبیہ کے الفاظ نقل فرمائے ہیں ان میں صرف اور صرف یہ بات ہے کہ ان کے رقعہ میں پیش کردہ پانچ روایات ترک رفع الیدین (رفع الیدین نہ کرنے) کے دلائل ہیں ان کی اس تنبیہ میں ترک رفع الیدین کی مندرجہ بالا دو صورتوں سے پہلی صورت کی کوئی تعیین نہیں نیز اس میں منسوخیت رفع الیدین کی نفی بھی نہیں اور آپ کا اپنے رقعہ کے آخر میں ترک رفع الیدین کا لفظ لکھ دینا پہلی صورت کی تعیین ہے نہ منسوخیت کی نفی۔

تو بندہ نے جس دلیل کی بنا پر آپ کو رفع الیدین کی منسوخیت کا مدعی لکھا وہ دلیل میرے پہلے ہی رُقعہ میں درج ہے جس کو اوپر نقل کیا جا چکا ہے ایک دفعہ پھر سن لیجیے ”اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جناب قاری صاحب نے کون سی صورت اختیار کی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کا اپنا ہی بعد والا جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انہوں نے دوسری صورت ”رفع الیدین کے مشروع ہونے کے بعد منسوخ ہونے“ کو اختیار فرمایا ہے۔ (میرا رُقعہ نمبر اس ۲۱) (۱)

تو قاری صاحب اپنے اس پانچویں رُقعہ میں بھی میری طرف سے ان کے مدعی نسخ ہونے پر پیش کی ہوئی دلیل کی تردید نہیں کر سکے اور آئندہ ابدالاً باتک بھی وہ اس کی تردید نہ کر سکیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے ان کے مندرجہ بالا تینوں کے تین اقوال نری غلط بیابیاں اور سراسر واقع کے خلاف ہیں دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرنے والو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کچھ تو انصاف لگتی کہو۔

پھر لطف یہ کہ بندہ کے اس ٹھوس اور مضبوط موقف و بیان کو قاری صاحب نے اپنے اس پانچویں رُقعہ میں بھی تسلیم فرمالیا ہے چنانچہ وہ خود ہی لکھتے ہیں ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ (قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۵ ص ۳) بات تو صرف اتنی تھی جس کو آخر کار آپ نے بھی تسلیم فرمالیا ہے تو اب آپ خود ہی غور فرمائیں آیا آپ کے اسی بات کے انکار میں لکھے ہوئے پہلے تین قول اللہ تعالیٰ سے ڈرنے پر مبنی ہیں؟ اگر ہیں تو پھر آپ کا یہ آخری قول ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ نیز آپ کا اپنے پہلے رُقعہ میں لکھا ہوا قول ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی نہیں۔

قاری صاحب کے سوالات اور میری طرف سے ان کے جوابات والا معاملہ:
قاری صاحب نے اپنے اس رُقعہ میں بھی اپنے سوالات کو دُہرا کر بندہ کو

طرف سے ان کے جوابات ملنے کا ان الفاظ میں انکار کیا ہے ”میں نے ان سے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں بجائے جواب دینے کو یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولنا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“۔ (ان کا رقعہ نمبر دس ۱)

تو اس مقام پر بھی قاری صاحب نے خود تسلیم فرمایا ہے کہ ان کے منسوخیت رفع الیدین کے قائل ہونے کی صورت میں ان کے سوالوں کا کوئی جواز نہیں اور یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قاری صاحب واقعی منسوخیت رفع الیدین کے مدعی اور قائل ہیں چنانچہ ان کے اپنے ہی دو قول ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ اور ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ اس سے قبل باحوالہ نقل کیے جا چکے ہیں لہذا ان کے اس مندرجہ بالا بیان کے لحاظ سے بھی ان کے ان سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہیں۔ قاری صاحب کے سوالات کے جوابات تو پہلے بھی لکھے جا چکے ہیں تاہم انہیں ایک دفعہ پھر سن لیجیے۔

قاری صاحب کا پہلا سوال اور اس کا جواب:

۱۔ قاری صاحب کا پہلا سوال ہے ”کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے“ الخ بندہ نے اپنے دوسرے تیسرے اور چوتھے رقعہ میں اس کا جواب دیا تھا ”رہے آپ کے تین سوال تو ان کی کوئی وجہ جواز نہیں“ پہلے کی تو اس لیے کہ مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واضح الفاظ میں موجود ہے اور انہی مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے۔ نیز میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے تو ان سب چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیجیے آیا آپ کا یہ سوال بنتا بھی ہے؟“۔

(دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳ رقعہ نمبر ۳ ص ۲ اور رقعہ نمبر ۴ ص ۱)

تو قاری صاحب کے پہلے سوال کا یہ جواب بندہ کے رقعہ نمبر ۲ رقعہ نمبر ۳ اور رقعہ نمبر ۴

میں موجود ہے اس جواب میں ان کے پہلے سوال کے بے جواز ہونے کی تین وجوہ مذکور ہیں۔

پہلی وجہ * ”مولوی امجد صاحب کی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین واشکاف الفاظ میں موجود ہے“ اور ظاہر ہے کہ قاری صاحب نے اپنا پانچ روایات والا پہلا رقعہ مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں ہی قلم بند فرمایا تھا تو مولوی امجد صاحب کے اپنی تحریر میں رفع الیدین کے مواضع کی تعیین فرمادینے اور قاری صاحب کا ان کی تحریر کا جواب دے لینے کے بعد سوال کرنا ”کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے“ الخ بے جواز نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسری وجہ * ”انہی مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا آپ نے دعویٰ کیا ہوا ہے“ اس وجہ کو خود قاری صاحب بھی تسلیم فرما چکے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”لہذا آپ کے تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے جب کہ میں منسوخ کا قائل ہوتا“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر دس ۱) تو گزارش ہے کہ بندہ نے یہ اسی لیے کہا کہ آپ منسوخ ہونے کے قائل ہیں چنانچہ آپ کے منسوخ ہونے کے قائل ہونے پر دلالت کرنے والے آپ کے ہی اقوال آپ کے ہی پہلے اور پانچویں رقعہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں تو لیجیے آپ کے اپنے ہی اس بیان کے مطابق آپ کے پہلے سوال کا کوئی جواز نہ رہا۔

تیسری وجہ * ”میرے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر ہے“ تو غور کیجیے بندہ کے رقعہ میں کئی جگہ رفع الیدین کے مواضع کا ذکر دیکھ اور پڑھ کر سوال کرنا ”کون سی جگہ رفع الیدین کرنا چاہیے“ الخ بے جواز نہیں تو اور کیا ہے؟

قاری صاحب کا دوسرا سوال اور اس کا جواب:

۲۔ قاری صاحب کا دوسرا سوال ہے ”رفع الیدین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے“ بندہ نے اس کے جواب میں لکھا تھا ”دوسرے سوال کی اس

لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ اس سے پہلے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرما چکے ہیں تو آخر آپ کو معلوم ہی تھا نا کہ آپ نے اس کی فرضیت یا اس کے وجوب یا اس کی سنیت یا اس کے استحباب کو منسوخ قرار دیا ہے تب ہی تو آپ نے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ فرمایا جس کا اثبات ابھی تک آپ کے ذمہ ہے نیز میں نے اپنے رُقعہ میں صاف صاف لکھا ہے ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے۔ نسخ رفع الیدین کی کوئی دلیل نہیں الخ (رقعہ نمبر اس ۱۲) لہذا آپ کے اس سوال کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔“

(دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳ رقعہ نمبر ۳ ص ۲ اور رقعہ نمبر ۴ ص ۲)

تو قاری صاحب کے اس دوسرے سوال کا جواب بھی بندہ کے رقعہ نمبر ۲ رقعہ نمبر ۳ اور رقعہ نمبر ۴ میں موجود ہے اس جواب میں ان کے اس دوسرے سوال کے بے جواز ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ * قاری صاحب کا رفع الیدین کی منسوحیت کا قائل اور مدعی ہونا چنانچہ قاری صاحب اپنے اس پانچویں رُقعہ میں لکھتے ہیں ”آپ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“ (ص ۱) اور یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ منسوحیت کے قائل اور مدعی ہیں دیکھئے پہلا رقعہ ص ۱ جملہ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ نیز دیکھئے اپنا پانچواں رُقعہ ص ۳ جملہ ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین کا“ لہذا آپ کے اس دوسرے سوال کا بھی کوئی جواز نہیں۔

دوسری وجہ * بندہ کے رقعہ نمبر اس ۱۲ میں صاف صاف لکھا ہوا ہونا ”رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے“ واضح ترین بات ہے کہ قاری صاحب کا میرے اس فیصلہ کو پڑھ کر سوال کرنا ”رفع الیدین فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟“ سراسر بے معنی ہے کیونکہ یہ بندہ تو ان کے سوال سے پہلے ہی صاف صاف

لکھ چکا ہے کہ ”رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے“ (میرا رقعہ نمبر اس ۱۲) لہذا ان کا یہ دوسرا سوال بھی اپنے اندر کوئی جواز نہیں رکھتا۔

قاری صاحب کا تیسرا سوال اور اس کا جواب

۳۔ قاری صاحب کا تیسرا سوال ہے ”ان مذکورہ شتوں میں سے جو بھی اختیار کرو اس کی دلیل الخ“ بندہ نے اس کا جواب دیا تھا، اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوحیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے ہاں اگر آپ منسوحیت رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور ان شاء اللہ اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا۔ یہ بات میرے پہلے رقعہ میں بھی موجود ہے“ (دیکھیے میرا رقعہ نمبر ۲ ص ۳ اور رقعہ نمبر ۳ ص ۳ اور رقعہ نمبر ۴ ص ۳) قاری صاحب کے اس تیسرے سوال کا یہ جواب بندہ کے رقعہ نمبر ۱ رقعہ نمبر ۲ رقعہ نمبر ۳ اور رقعہ نمبر ۴ میں بھی موجود ہے اور چوتھے رقعہ میں عنوان کے تحت اس جواب کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ نیچے ملاحظہ ہو۔

اس جواب کی قدرے توضیح

قاری صاحب! ”منسوحیت رفع الیدین“ آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو۔ تو آپ نے یہ دعویٰ کھوکھے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تسلیم فرما لیا ہوا ہے اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے۔ الخ

(میرا رقعہ نمبر ۴ ص ۳)

تو اس جواب کا حاصل مطلب یہ ہے کہ رفع الیدین کی منسوخیت کا قائل اور مدعی ہو کر رفع الیدین کرنے کے دلائل طلب کرنا غیر معقول بات ہے کیونکہ منسوخیت رفع الیدین کا قائل اور مدعی ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ منسوخیت رفع الیدین کا قائل اور مدعی رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم کرتا ہے اور اس کے دلائل بھی اس کی نظر میں ہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ وہ اس کے نسخ کا قائل اور مدعی ہے چنانچہ قاری صاحب بذات خود اپنے اس پانچویں رقعہ میں لکھتے ہیں ”آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں الخ یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“ (ص ۱) تو گزارش ہے کہ اس بندہ نے یہ بات اسی لیے اور اسی وقت کہی جبکہ آپ رفع الیدین کی منسوخیت کے قائل اور مدعی ہیں چنانچہ آپ اپنے پہلے رقعہ ص ۱ پر لکھتے ہیں ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ اور پھر آپ ہی اپنے پانچویں رقعہ کے ص ۳ پر تحریر فرماتے ہیں ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ تو قاری صاحب اللہ کچھ تو فہم و بصیرت سے کام لیں آیا آپ کے اپنے ہی ان بیانوں کی روشنی میں آپ کے ان تین سوالات کا کوئی جواز باقی رہا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

قاری صاحب کو ان کے ان تین سوالوں کے عدم جواز پر دلائل کا اعتراف:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے رقعہ نمبر ۴ میں لکھا ہے ”اپنے ان تین سوالات کے مذکورہ بالا جوابات پڑھ کر قاری صاحب اپنے تیسرے رقعہ میں لکھتے ہیں ”اس کے بعد آپ نے عدم جواز کی دلیلیں بیان فرمائی تھیں“ تو جب آپ نے خود اعتراف و اقرار فرمایا کہ بندہ نے آپ کے تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل بیان کر دیے ہیں اور آپ کے رقعے شاہد ہیں کہ آج تک آپ نے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ ہونے کے دلائل کا کوئی تور پیش نہیں فرمایا تو ان حالات میں خود سوچئے اور کسی دوسرے سے پوچھئے کہ اپنے ان تین سوالوں کی کوئی وجہ جواز نہ

ہونے پر دلائل کے بیان ہو جانے کے اعتراف و اقرار کے بعد نیز ان کا کوئی توڑ پیش نہ کرنے کے باوجود آپ کا اپنے تیسرے رقعہ میں لکھنا ”یہ کوئی جواب نہیں“ اور اپنے چوتھے رقعہ میں کہنا ”آپ کے مبارک ہاتھوں سے ان تین سوالوں کا جواب نہیں آیا“ کوئی انصاف لگتی بات ہے؟۔ (میرا رقعہ نمبر ۴ ص ۳۳ ص ۴)

نیز آپ غور فرمائیں آیا آپ کا میرے ان جوابات کو پڑھ کر اپنے پانچویں رقعہ میں لکھنا ”تین سوالوں کے متعلق جو کہ میں نے کہا تھا کہ ان کا جواب فرمائیں بجائے جواب دینے کے یہ راستہ اختیار کیا کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہو لہذا آپ کے ان تین سوالوں کا کوئی جواز نہیں“ الخ اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی ہے؟ پھر آپ ہی بذات خود اس عبارت کے معاً بعد لکھتے ہیں ”یہ تو مولانا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱) تو ظاہر ہو گیا کہ قاری صاحب کو بھی اعتراض و اقرار ہے کہ ان کے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے قائل اور مدعی ہونے کی صورت میں ان کے یہ تینوں کے تین سوال بے جواز ہیں اور قاری صاحب کا رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا قائل اور مدعی ہونا ان کے پہلے رقعہ ص ۱ میں جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ اور ان کے پانچویں رقعہ ص ۳ میں جملہ ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ سے روز روشن کی طرح واضح ہے لہذا ان کے ان تینوں سوالوں کا کوئی جواز نہیں۔

قاری صاحب کا ایک تازہ سوال اور اس کا جواب:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے چوتھے رقعہ میں لکھا تھا ”قاری صاحب نے اپنے اس چوتھے رقعہ میں ایک اور سوال پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ”کیا مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین سنت مؤکدہ ہے؟ آیا نبی کریم ﷺ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین ہمیشہ کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے؟“ نیز انہوں نے لکھا ”پیش کردیں تو یہ بندہ ناچیز رفع الیدین کرنا شروع کر دے گا۔“

- ① اَوَّلًا اس سوال کی بنیاد ایک قاعدہ ہے ”جو عمل نبی کریم ﷺ ہمیشہ کرتے رہے ہوں صرف وہی اپنایا جائے گا“ اگر اس سوال کی بنیاد یہ قاعدہ نہ ہو تو یہ سوال سترے سے وارد نہیں ہوتا تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے وہ یہ قاعدہ دلائل سے ثابت فرمائیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش کریں۔
- ② ثانیاً پھر اس سوال کی بنیاد ایک اور قاعدہ بھی ہے ”سنت مؤکدہ پر عمل کیا جائے گا نہ کہ سنت غیر مؤکدہ پر“ ورنہ اگر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرنا مقصود ہو تو مذکور سوال بے فائدہ ہے لہذا قاری صاحب کو چاہیے کہ پہلے یہ قاعدہ ثابت فرمائیں اس کے بعد اپنا مندرجہ بالا سوال پیش فرمائیں ”ثَبَّتِ الْعَرْشُ ثُمَّ انْقَشَ“
- ③ ثالثاً قاری صاحب! آپ لوگ وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا اس وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا سنت مؤکدہ ہونا آپ کے ہاں ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلائل پیش فرمائیں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر عمل کے لیے یہ شرط اور یہ مندرجہ بالا سوال کیوں؟ ہم تو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو سنت غیر منسوخہ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں۔
- ④ رابعاً آپ لوگ بھی وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں تو آس پر نبی کریم ﷺ کا تاوفا ت ہمیشگی کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین پر آپ ﷺ کے تاوفا ت ہمیشگی کرنے سوال کیوں؟
- ⑤ خامساً تو قاری صاحب! آپ کو اپنے اس تازہ مندرجہ بالا سوال کے تقاضا پورا کرتے ہوئے وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو چھوڑ دینا ہو مواضع ثلاثہ والے رفع الیدین کو ابھی سے اپنا لینا ہو گا ورنہ کہا جائے گا۔
- تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ.

⑥ سادساً، اگر آپ نبی کریم ﷺ کو دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھتے ہیں تو بتائیے کہ آپ کا قول ”یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے“ کیا معنی رکھتا ہے؟۔
(دیکھئے میرا رقعہ نمبر ۴ ص ۵۴)

قاری صاحب اپنے اس سوال کا مندرجہ بالا جواب پڑھ کر اپنے پانچویں رقعہ میں لکھتے ہیں ”لیکن مولانا صاحبؒ نے کہیں تو فرماتے ہیں تم وتروں میں کیوں کرتے ہو کہیں فرماتے یہ قاعدہ صحیح نہیں وغیرہ وغیرہ غرضیکہ یہ تمام کہیں وتروں کا نام کہیں کچھ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱)

جناب قاری صاحب! آپ کے اس تازہ سوال کے رد میں بندہ نے کل چھ امور پیش کیے ہوئے ہیں ان پر دوبارہ غور فرمائیں اور بتائیں کیا آپ نے ان چھ امور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ پیش کیا؟ نہیں ہرگز نہیں اور شاید آئندہ بھی آپ ان چھ امور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ پیش نہ کر سکیں صرف آپ کا یہی لکھ دینا ”یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے“ ان چھ امور میں سے کسی ایک امر کا بھی توڑ نہیں پھر یہ تنکا بھی عجیب تنکا ہے جس کو تیرنے والے قاری صاحب آج تک اپنے راستہ سے نہیں ہٹا سکے۔

﴿ اس بات چیت میں مدعی کون؟ بندہ یا قاری صاحب ﴾

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہم مواضع ثلاثہ میں بھی رفع الیدین کے مدعی قائل اور عامل ہیں اور اپنے پاس اپنے اس موقف و مدعی کے کئی ایک دلائل رکھتے ہیں نیز کئی ایک حنفی بزرگ بھی ہمارے اس موقف و مدعی کی تائید فرما چکے ہیں مگر نسخ رفع الیدین پر بات چیت میں مدعی صرف قاری صاحب اور ان کے ہمنوا ہی ہیں جیسا کہ ان کی اپنی عبارات کے حوالہ سے بارہا بیان کیا جا چکا ہے البتہ اس سلسلہ میں ان کی

ایک عبارت کو ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرمالیجیے۔ وہ لکھتے ہیں ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) لہذا آپ کے پہلے تین سوالوں کی طرح یہ سوال کہ ”کوئی حدیث دھکلاؤ“ بھی بے جواز ہے۔ نیز آپ کا لکھنا ”اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر“ بالکل ہی بے موقع و محل ہے کیونکہ اس بات چیت میں دعویٰ تو ہے ”منسوخیت رفع الیدین“ اور اس دعویٰ کے مدعی بھی آپ ہی ہیں نہ کہ یہ بندہ جیسا کہ باحوالہ بارہا بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اصول کے لحاظ سے تو منسوخیت رفع الیدین کی دلیل آپ ہی کے ذمہ ہے جو ابھی تک آپ پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ آپ نے پیش کیا وہ منسوخیت کے اثبات میں بالکل ہی ناکام ہے چنانچہ بندہ اس بات کو اپنے پہلے رقعہ میں قدرے تفصیل سے بیان کر چکا ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں“۔^۱ تو محترم قاری صاحب آپ نے غور کیا کہ بندہ نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث کیوں پیش نہیں کی اچھا جناب کوئی بات نہیں اگر آپ کو اس سے قبل اس چیز پر غور و فکر کا موقع نہیں ملا تو اب ہی اس پر غور فرمالیجیے تو سنئے میرے رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث پیش نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث کسی کتاب میں ہے ہی نہیں جس طرح کہ آپ جانتے بوجھتے تاثر دینے کی سعی نامشکور فرما رہے ہیں بلکہ میرے رفع الیدین کے اثبات میں کوئی حدیث اس بات چیت میں پیش نہ کرنے کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ آپ نسخ رفع الیدین کے مدعی ہیں اور منسوخ اسی چیز کہ کہا جاتا ہے جو شرع میں ثابت ہو بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو تو آپ کا رفع الیدین کی منسوخیت کا دعویٰ کرنا رفع الیدین کے ثابت ہونے کو تسلیم کرنا ہے

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲۸

تو آپ نے رفع الیدین کے ثابت ہونے بلکہ اس کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کو تو تسلیم فرمالیا ہوا ہے ورنہ آپ ہم سے یہ نہ کہتے کہ رفع الیدین کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت کر دو تو میں اس پر عمل شروع کر دوں گا۔ اسی طرح اگر آپ رفع الیدین کے سرے سے منکر ہوتے تو پھر بیشکی و الاسوال بھی آپ کبھی نہ کرتے تو آپ کے اپنے سوال کو بیشکی اور مؤکدہ کے ساتھ مقید کرنے سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ رفع الیدین کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں تو میرے اثبات کی احادیث پیش کرنے کا مقصد بھی تو یہی تھا نا کہ رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت اور آپ کی سنت ہے اور اس بات کو آپ تین مقاموں پر تسلیم فرما چکے ہیں۔



پہلا مقام



آپ کا دعوائے نسخ اس بات کا شاہد صدق ہے کہ آپ رفع الیدین کو نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ مانتے ہیں ورنہ آپ کا اسے منسوخ کہنا کوئی معقول بات نہیں اور اس پہلے مقام کی بندہ اپنے پہلے رقعہ جات میں کئی دفعہ تحریر کر چکا ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

① قاری صاحب رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے مدعی ہیں اور رفع الیدین کی منسوحیت ان کا دعویٰ ہے تو واضح بات ہے کہ ان کے اس دعویٰ میں رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے پہلے پہل ثابت ہونے کا اعتراف و اقرار موجود ہے لہذا ہمیں اس مقام پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، شرح معانی الآثار للطحاوی، سنن دارقطنی، سنن کبریٰ للبیہقی اور دیگر کتب حدیث سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سراٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کو ثابت کرنے والی احادیث کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو اس جگہ صرف اور صرف یہ

بتائیں گے کہ قاری صاحب کا دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا“ (میر ارتضہ نمبر ۲ ص ۲)

② نیز اسی بندہ نے اپنے دوسرے رقعہ میں لکھا ”اور تیسرے سوال کی اس لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ آپ منسوخیت رفع الیدین کے مدعی ہیں اور دعوائے منسوخیت کی صورت میں ثبوت شرعی مدعی اور سائل دونوں کے ہاں مسلم ہوتا ہے اس لیے ایسی صورت میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی“ نسخ کے دلائل پر بات چیت ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر آپ منسوخیت رفع الیدین والے دعویٰ کو واپس لے لیں اور لکھ دیں کہ رفع الیدین سرے سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو یہ بندہ ضرور بالضرور انشاء اللہ العزیز اثبات رفع الیدین کے دلائل جناب کی خدمت اقدس میں پیش کر دے گا“۔ (میر ارتضہ نمبر ۲ ص ۳)

③ نیز اسی بندہ نے اپنے تیسرے رقعہ ص ۳ پر اپنے دوسرے رقعہ ص ۳ کے حوالہ سے مندرجہ بالا اپنی عبارت نقل کی اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

④ پھر بندہ نے اپنے چوتھے رقعہ ص ۳ پر بھی اپنے دوسرے رقعہ ص ۳ اور تیسرے رقعہ نمبر ۳ کے حوالہ سے اپنی اسی مندرجہ بالا عبارت کو نقل کیا ہے اسے بھی آپ ایک دفعہ ضرور دیکھیں۔

⑤ پھر بندہ ہی نے اپنے چوتھے رقعہ میں ”اس جواب کی قدرے توضیح“ کے عنوان کے تحت لکھا ”قاری صاحب! منسوخیت رفع الیدین“ آپ کا دعویٰ ہے اور منسوخ اسی شے کو کہا جاتا ہے جو شرع میں پہلے پہل ثابت شدہ ہو تو آپ نے یہ دعویٰ کر کے مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین کے پہلے پہل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرمالیا ہوا ہے اب دلیل آپ کس کی طلب فرماتے ہیں؟ اب تو آپ کا فرض ہے کہ نسخ رفع الیدین پر آپ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کے رد میں بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچے ہوئے بارہ صفحات والے رقعہ کا

حسب وعدہ جواب دیں یا پھر نسخ رفع الیدین والا دعویٰ واپس لیں اور لکھ دیں کہ ”رفع الیدین سرے سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں“ تو اس بندہ فقیر سے رفع الیدین کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے کے دلائل سن لیں آخر انصاف بھی تو کوئی شے ہے نا“۔ (دیکھئے میرا قلعہ نمبر ۴ ص ۳)

تو بندہ نے اس ایک ہی بات کو اپنی سابقہ تحریروں میں کوئی پاٹچ جگہ ذکر کیا تاکہ قاری صاحب بات کو سمجھیں۔ حضرت جی مودبانہ گزارش ہے کہ آپ نے نسخ کا دعویٰ فرما کر رفع الیدین کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کو تو تسلیم فرمالیا ہوا ہے اور رفع الیدین کا وہ ثبوت جسے آپ نے یہ دعویٰ کر کے تسلیم فرمایا کتب حدیث میں مذکور حدیثوں ہی میں تو ہے۔

ہاں تو قاری صاحب! آپ اپنے علم اور اس دعوائے نسخ کا خون کر کے لکھیں۔ ”رفع الیدین کرنے کی کوئی ایک حدیث بھی حدیث کی کسی ایک کتاب میں سرے سے ہے ہی نہیں“ تو اس بندہ سے ایک نہیں دو نہیں رفع الیدین کرنے کی کئی ایک صحیح اور مرفوع احادیث سن لیں۔ یہ عجیب ترین بات ہے کہ قاری صاحب دعوائے نسخ کے ضمن میں احادیث کو تسلیم بھی کرتے جاتے ہیں اور بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ بھی کرتے اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ بھی دیتے جاتے ہیں۔ آیا آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟



دوسرا مقام



قاری صاحب کا سوال ”حضور ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہاں تک کہ دُنیا سے تشریف لے گئے“ بھی اس بات پر دال ہے کہ قاری صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رفع الیدین کرتے تھے انہیں شبہ ہے تو آپ کے رفع الیدین پر ہمیشگی کرنے میں ہے ورنہ وہ سوال یوں کرتے ”دُنیا کی کسی کتاب سے کوئی ایک ہی حدیث

پیش کر دیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی دفعہ رفع الیدین کیا ہو، تو ان کا مندرجہ بالا سوال بتا رہا ہے کہ قاری صاحب رسول اللہ ﷺ کے رفع الیدین کرنے کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کا رفع الیدین کرنا کسی حدیث ہی میں مذکور ہے تو قاری صاحب نے یہ سوال فرما کر اعتراف فرمایا کہ رفع الیدین کرنے کی حدیث موجود ہے اور ہے بھی قابل احتجاج ورنہ اسے منسوخ کہنے کی کیا ضرورت؟ نیز ہمیشگی والا سوال کرنے کی کیا حاجت؟ تو جب خود قاری صاحب کو بھی رسول اللہ ﷺ کے رفع الیدین کرنے نیز اس کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کا علم اور اعتراف ہے تو پھر بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کیوں؟ اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا ڈراسی کو کہتے ہیں؟



تیسرا مقام



قاری صاحب کا سوال ”رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے؟“ بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ قاری صاحب کو ان مقاموں پر رفع الیدین کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کا اعتراف و اقرار ہے ورنہ وہ اپنے سوال کے اندر سنت کو مؤکدہ سے مقید نہ فرماتے اور واضح ہے کہ رفع الیدین کا ان کے ہاں سنت غیر مؤکدہ ہونا آخر کسی قابل احتجاج حدیث ہی سے ثابت ہے تو یہ سوال کر کے قاری صاحب نے اپنے دعوائے تسخ کی تردید فرمادی، نیز یہ سوال کر کے قاری صاحب نے بھی اعتراف و اقرار فرمایا کہ رفع الیدین کرنے کی قابل احتجاج حدیث موجود ہے تو پھر ان کا بندہ سے حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کیوں؟ اور اسے حدیث پیش نہ کر سکنے کا طعنہ کیوں کر؟ آیا ان کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا ڈراسی کا نام ہے؟ قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”اور نہ ہی ان شاء اللہ العزیز کوئی حدیث

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی اور کوئی غیر مقلدین قیامت تک“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) ان شاء اللہ العزیز کہہ کر اتنی بڑی غلط بیانی قاری صاحب جیسوں ہی کا کام ہے۔ جناب آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ تین مقامات (دعوائے نسخ رفع الیدین، ہیٹنگی والے سوال اور سنت مؤکدہ والے سوال) میں جب آپ نے خود رفع الیدین کرنے کی حدیث کے موجود ہونے کا اعتراف و اقرار فرمالیا ہوا ہے تو پھر آپ کی یہ بڑا واقع کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر قاری صاحب کی طرف سے کہا جائے کہ ”ان کا مطالبہ اور طعنہ دونوں ہی سنت مؤکدہ اور ہیٹنگی والی حدیث کے ساتھ مخصوص ہیں“ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاری صاحب خود ہی اپنے اس پانچویں رقعہ میں لکھتے ہیں ”اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کیں“ الخ^۱ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳۱) دیکھئے قاری صاحب نے اپنے اس بیان میں مجھے رفع الیدین کا قائل اور مدعی کہا۔ پھر بندہ پہلے تصریح کر چکا ہے کہ رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے نیز تصریح کر چکا ہے کہ سنت غیر مؤکدہ پر بھی عمل کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے بھی انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے لہذا مندرجہ بالا تخصیص ایک علمی موشگافی تو ہو سکتی ہے باقی عمل کرنے یا نہ کرنے میں اس کا کوئی دخل نہیں کیونکہ سنت مؤکدہ پر بھی عمل کیا جاتا ہے ہے اور سنت غیر مؤکدہ پر بھی۔ تو اگر قاری صاحب مخلص ہوں تو انہیں آج ہی سے رفع الیدین کرنا شروع کر دینا چاہیے کیونکہ وہ اپنے سنت مؤکدہ والے سوال میں اس کا سنت غیر مؤکدہ ہونا تو تسلیم فرما ہی چکے ہیں۔ لہذا

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

قاری صاحب کو چاہیے کہ اخلاص کے پیش نظر جس طرح وہ دوسری سنن غیر مؤکدہ پر عمل کرتے ہیں اسی طرح اپنے اعتراف و اقرار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس رفع الیدین پر بھی عمل شروع کر دیں آخر اور بھی تو کئی ایک سنن غیر مؤکدہ پر وہ عمل کرتے ہیں نابالخصوص وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین بھی تو ان کے زیر عمل ہے جس کا سنت غیر مؤکدہ ہونا بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر رکوع والا رفع الیدین ان کے ہاں چونکہ سنت غیر مؤکدہ ہونے کی گنجائش رکھتا ہے لہذا انہیں اس پر تو بطریق اولیٰ عمل کرنا چاہیے۔

پھر بندہ نے اپنے پہلے ہی رقعہ میں ان کتب حدیث سے جن میں رفع الیدین کرنے کی احادیث مذکور ہیں گیارہ کتابوں کے نام درج کیے تھے۔ ان گیارہ کتابوں کے نام ایک دفعہ پھر سن لیجیے ”صحیح بخاری“ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، شرح معانی الآثار للطحاوی، سنن دارقطنی، اور سنن کبریٰ للبیہقی رحمہ اللہ“ تو قاری صاحب! اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور فرمائیے ان مذکورہ اور غیر مذکورہ کتب حدیث سے کسی کتاب میں آپ کے علم کے مطابق رفع الیدین کرنے کی کوئی ایک حدیث موجود ہے بھی یا نہیں؟ اگر آپ ہاں میں جواب دیں تو آپ کی مذکورہ بالا بڑ کا حال واضح اور اگر نہ میں جواب دیں تو آپ کا مذکورہ بالا تین مقاموں میں رفع الیدین کی حدیث کے موجود ہونے والا اعتراف و اقرار غلط تو حضرت صاحب اگر آپ نے یہ بات نادانستہ کہی تو بھی یہ آپ کی خامی ہے اور اگر آپ نے یہ بزدلیدہ دانستہ جڑی ہے تو پھر تو آپ حد ہی سے تجاوز کر گئے شاید آپ نے یہ کام اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ہی کیا ہو، آخر دوسروں کو بھی تو آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتے ہیں نا۔

قاری صاحب کا دعویٰ:

قاری صاحب نے کافی کوشش فرمائی کہ کہیں اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع

الیدین“ سے جان چھڑالی جائے مگر چونکہ وہ خود ہی اپنے پہلے رقعہ میں جملہ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ تحریر فرما کر تیرکمان سے نکال چکے تھے اس لیے انہیں آخر کار اپنے پہلے رقعہ میں لکھی ہوئی بات پر آنا پڑا چنانچہ پہلے وہ اپنی تین عبارات ”مولنا صاحب نے بدم خود مجھے منسوحیت رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا ہوا ہے“ الخ ”یہ تو مولنا صاحب اس وقت فرماتے کہ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“ اور ”اگر بالفرض میں منسوحیت رفع الیدین کا مدعی ہوں بقول شامخ“ میں تو اپنے ہی پہلے رقعہ میں تحریر شدہ منسوحیت کے دعویٰ سے انکار فرماتے ہیں اور آخر کار چار و ناچار اپنے پہلے رقعہ میں لکھے ہوئے منسوحیت والے دعویٰ کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین کا“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) تو پتہ چلا کہ قاری صاحب کے لفظ ”بدم خود“ ”بالفرض“ جب میں منسوخ کا قائل ہوتا“ اور ”بقول شامخ“ اللہ تعالیٰ کے ڈر پر مبنی نہیں نری غلط بیانیاں ہیں۔

تو قاری صاحب پر اب تک اپنے اس دعویٰ کے سلسلہ میں کل تین حالتیں گزریں پہلے تو وہ خود ہی اپنے رقعہ نمبر ۱ میں منسوحیت رفع الیدین کے مدعی بنے پھر اپنے پانچویں رقعہ میں اپنی تین عبارتوں میں انہوں نے اپنے منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہونے سے انکار کیا پھر اس کے بعد اپنے پانچویں رقعہ ہی میں انہوں نے اپنے منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہونے کو تسلیم بھی فرما لیا ہے جیسے تفصیلاً پہلے لکھا جا چکا ہے تو بہر حال اس وقت وہ منسوحیت رفع الیدین کے مدعی ہیں۔ اِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ

آپ جانتے ہیں کہ قاری صاحب نے مولوی امجد صاحب کی تحریر کے جواب میں رفع الیدین کی منسوحیت ثابت کرنے کی غرض سے پانچ روایات بیان کی

تھیں اور بندہ نے ان کا جواب دیتے ہوئے اپنے پہلے رقعہ میں بدلائل ثابت کیا تھا کہ قاری صاحب کی پیش کردہ پانچ روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی رفع الیدین کی منسوحیت کو ثابت نہیں کرتی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قاری صاحب اپنے اس موجودہ رقعہ میں ثابت کرتے کہ ان کی پیش کردہ پانچوں روایات یا پانچوں سے کچھ منسوحیت کو ثابت کرتی ہیں یا پھر نسخ کی کوئی نئی دلیل پیش کرتے جس سے فی الواقع نسخ ثابت ہو بھی جاتا یا پھر اقرار فرماتے کہ نسخ ثابت نہیں ہو سکا اس لیے میں آئندہ کے لیے رفع الیدین کیا کروں گا مگر ان کا پانچواں رقعہ شاہد ہے کہ وہ ان مبنی برانصاف چار کاموں سے کوئی سا کام بھی نہ کر سکے اب اس اجمال کی تفصیل سنئے:

منسوحیت رفع الیدین کے دلائل کا جائزہ:

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ پر بطور دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف ہیں اور پہلی تین مرفوع، اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قوی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ① کتاب اللہ تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع امت ④ قیاس صحیح۔ لہذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوحیت پر استدلال درست نہیں۔ (دیکھئے میرا رقعہ نمبر اس ۲)

اس کے جواب میں قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی لہذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) تو گزارش ہے کہ یہ جناب کی نری غلط بیانی ہے بندہ کے جواب کو ایک دفعہ پھر پڑھیں۔ آپ کی سہولت کی خاطر اسے پورے کا پورا اوپر نقل کر دیا گیا ہے اور وہ جواب دعویٰ

بادل پر مشتمل ہے۔ دیکھئے جناب! اس جواب کے اندر بندہ نے جو دعویٰ کیا وہ یہ ہے ”موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں“۔ اور اس دعویٰ کی جو دلیل میرے جواب میں پیش کی گئی وہ یہ ہے ”کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں ① کتاب اللہ تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع امت ④ قیاس صحیح“ تو بندہ نے اپنے جواب میں جو ”موقوف روایت کے شرعی دلیل نہ ہونے والا“ دعویٰ کیا جواب ہی میں اس کی دلیل بھی پیش کر دی تھی لہذا قاری صاحب کا اسے ”دعویٰ بغیر دلیل“ قرار دینا سراسر غلط بیانی، محض نا انصافی اور واقع کی نری مخالفت ہے قاری صاحب! آپ بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈریے نا۔

ہاں اتنی بات ہے کہ بندہ نے شرعی دلائل صرف چار ہونے کو مشہور و معروف مسئلہ سمجھ کر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا تھا تو لیجیے اب حوالہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ بزرگوں کی تسلی و تشفی ہو سکے تو شرعی دلائل کے صرف چار ہونے کئی ایک کتابوں کے حوالے دیے جاسکتے ہیں مگر سر دست حنفی مقلدین کے ہاں مسلم و مستند کتاب ”تنقیح الاصول“ کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے چنانچہ صاحب تنقیح لکھتے ہیں ”وَأُصُولُ الْفِقْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْإِجْمَاعُ وَالْقِيَاسُ“ اور خود ہی اس کی شرح کرتے ہوئے ”توضیح“ میں تحریر فرماتے ہیں ”لَمَّا ذَكَرْنَا أَنَّ أُصُولَ الْفِقْهِ مَا يَتَنَبَّهُ عَلَيْهِ الْفَقْهُ أَرَادَ أَنْ يَبَيِّنَ أَنَّ مَا يَتَنَبَّهُ عَلَيْهِ الْفَقْهُ أَيْ شَيْءٌ هُوَ فَقَالَ: هُوَ هَذِهِ الْأَرْبَعَةُ“ پھر علامہ تفتازانی اس کی تشریح کرتے ہوئے ”تلوٹ“ میں لکھتے ہیں:

”مَا سَبَقَ كَانَ بَيَانُ مَفْهُومِ أُصُولِ الْفِقْهِ وَهَذَا بَيَانُ مَا صَدَقَ عَلَيْهِ
هَذَا الْمَفْهُومُ مِنَ الْأَنْوَاعِ الْمُنْحَصِرَةِ بِحُكْمِ الْإِسْتِقْرَاءِ فِي
الْأَرْبَعَةِ“ (التلوٹ مع التوضیح ج ۱ ص ۱۹)

ان عبارات کا حاصل مقصود یہی ہے کہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ کتاب

سنت، اجماع اور قیاس۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ صحابی کا قول اور فعل بھی تو سنت ہی میں شامل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ادلہ اربعہ کے اندر مذکورہ سنت کا مطلب و مفہوم ان ہی دو موصوف بزرگوں سے پوچھ لیتے ہیں تاکہ قاری صاحب کو بھی کسی قسم کی بات کہنے کا موقع نہ ملے تو سنئے صاحب تنقیح ہی فرماتے ہیں ”الرُّكْنُ الثَّانِي فِي السُّنَّةِ وَهِيَ تَطْلُقُ عَلَى قَوْلِ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلَى فِعْلِهِ وَالْحَدِيثِ مُخْتَصَّ بِقَوْلِهِ“ (تنقیح مع التوضیح بر حاشیہ تلوح ج ۲ ص ۲)

تو اس عبارت میں صاحب تنقیح نے وضاحت فرمادی کہ سنت کا لفظ رسول کریم ﷺ کے قول اور فعل پر بولا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ آپ کے قول کے ساتھ مخصوص ہے۔ (فائدہ) یاد رہے کہ حدیث کے لفظ کو نبی کریم ﷺ کے قول کے ساتھ مخصوص کہنا ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ پھر صاحب تلوح اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔
(قَوْلُهُ: الرُّكْنُ الثَّانِي فِي السُّنَّةِ وَهِيَ) فِي اللُّغَةِ الطَّرِيقَةُ وَالْعَادَةُ
وَفِي الْأَصْطِلَاحِ فِي الْعِبَادَاتِ النَّافِلَةِ وَفِي الْأَدِلَّةِ وَهُوَ الْمُرَادُ
هَهُنَامَا صَدَرَ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَيْرَ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ وَيُسَمَّى
الْحَدِيثُ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ. (تلوح ج ۲ ص ۲)

صاحب تلوح کا اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ سنت لغت میں تو طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح کے اندر عبادات نافلہ اور ادلہ میں اس مقام پر یہی مراد ہے۔ سنت اس کو کہتے ہیں جو قرآن کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوا خواہ قول ہو اور اسے حدیث کا نام بھی دیا جاتا ہے خواہ فعل ہو خواہ تقریر۔

تو صاحب تنقیح کی تشریح کے مطابق ادلہ اربعہ یا اصول اربعہ میں مذکورہ سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کا قول اور فعل ہے اور صاحب تلوح کی وضاحت کے

مطابق رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور آپ کی تقریر اور ظاہر بات ہے کہ موقوف روایت (صحابی کا قول، فعل اور اس کی تقریر) رسول اللہ ﷺ سے صادر شدہ قول، فعل اور تقریر تو ہے ہی نہیں لہذا وہ شرعی دلائل میں شامل نہیں۔ ہاں اگر کوئی موقوف روایت حکماً مرفوع ہو تو اسے سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل سمجھا جائے گا لیکن اس کے حکماً مرفوع ہونے کے لحاظ سے نہ کہ اس کے موقوف ہونے کے لحاظ سے البتہ موقوف روایت کے حکماً مرفوع ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں موجود ہے بہر حال قاری صاحب کی پیش کردہ دو موقوف روایات نہ ہی صریحاً مرفوع ہیں اور نہ ہی حکماً مرفوع، لہذا وہ دونوں شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں اگر قاری صاحب ان کو حکماً مرفوع سمجھتے ہوں تو وہ اس دعویٰ کے دلائل پیش فرمائیں۔ کیونکہ اصول کے لحاظ سے دلیل مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ اہل اور مدعی علیہ کے ذمہ اور اگر قاری صاحب بھی ان دونوں موقوف روایتوں کو حکماً بھی مرفوع نہ سمجھتے ہوں تو پھر مسئلہ بالکل صاف۔

پھر اس مقام پر قاری صاحب کے لیے میری مذکورہ بالا بات کا جواب دینے میں صرف دو ہی معقول راہیں تھیں۔ پہلی راہ تو یہ تھی کہ وہ فرماتے کہ شرعی دلائل تو واقعی چار ہی ہیں اور میری پیش کردہ دو موقوف روایتیں ان چار شرعی دلائل میں سے فلاں دلیل میں شامل ہیں۔ اور اس کو با دلائل بیان کرتے۔ اور دوسری راہ یہ تھی کہ وہ صاف صاف فرماتے کہ شرعی دلائل صرف چار ہی نہیں پانچ ہیں۔ چار تو وہی جو بیان ہو چکے اور پانچویں شرعی دلیل ہے موقوف روایت پھر اپنے اس موقف کو مدلل کرتے مگر ان کی تحریر شاہد ہے کہ انہوں نے ان دو معقول راہوں سے کوئی سی راہ بھی اختیار نہیں فرمائی، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اب ہی اس طرف توجہ فرمائیں اور دو ٹوک فیصلہ دیں۔ آیا وہ شرعی دلائل کو مذکورہ بالا چار دلیلوں میں منحصر مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو اپنی پیش کردہ دو موقوف روایتوں کا ان چار شرعی دلائل میں کسی ایک میں شامل ہونا دلائل

کے ساتھ بیان فرمائیں ورنہ آپ کا ان موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نادرست اور اگر وہ شرعی دلائل کو ان چار میں منحصر نہیں مانتے تو صاف صاف لکھیں کہ میں شرعی دلائل کو ان چار میں منحصر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک شرعی دلائل پانچ ہیں اور میری پیش کردہ موقوف روایتیں پانچویں شرعی دلیل ہے۔ پھر اپنے اس نظریہ کے دلائل دیں تاکہ ہم بھی ان کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کر سکیں۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”مولنا صاحب نے موقوف کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں۔ لہذا امری طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہوگی۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳)

قاری صاحب بزم خود میری بات کا یہ دوسرا جواب دے رہے ہیں۔ لیکن یہ دوسرے سے جواب ہے ہی نہیں دوسرا ہونا تو بعد کی بات ہے چنانچہ یہ بندہ اپنی بات کو بھی آپ کے سامنے رکھتا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں تو میں نے لکھا تھا ”حضرت قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ پر بطور دلیل کل پانچ روایات پیش فرمائی ہیں جن میں سے آخری دو تو موقوف اور پہلی تین مرفوع، اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ ① کتاب اللہ تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع امت ④ قیاس صحیح لہذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین پر استدلال درست نہیں۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۲)

تو غور فرمائیں آیا میرے موقوف کی قاری صاحب معبود فی الذہن تفصیل بیان نہ کرنے سے موقوف روایت کا مذکورہ چار شرعی دلائل میں سے کسی ایک میں شامل ہونا یا موقوف روایت کا پانچویں شرعی دلیل ہونا ثابت ہو گیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر

ان کا بزم خود یہ جواب فی الواقع جواب کیسے؟ پھر قاری صاحب کا فرمانا ”کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں!“ واقع کے سراسر خلاف ہے کیونکہ موقوف روایت کی ایک تفصیل تو بندہ کی عبارت میں موجود اور مذکور ہے اور لطف کی بات ہے کہ قاری صاحب نے خود بھی میری اس ایک تفصیل کو اپنے اسی رقعہ میں اپنے اس جواب سے تھوڑا سا پہلے نقل بھی کیا ہے چنانچہ وہ میری عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”اہل علم کو معلوم ہے موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) کیوں جی قاری صاحب! ”فعلی ہو خواہ قولی“ والی تفصیل تو بندہ نے بیان کی ہوئی ہے نا لہذا آپ کا فرمانا ”کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائیں“ سراسر غلط ہے ہاں آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ جو تفصیل میرے ذہن میں معبود ہے اس کو تو نے بیان نہیں کیا مگر یہ میرا کام نہیں آپ کا کام ہے آپ وہ تفصیل بیان فرمائیں پھر قاری صاحب کی بات ”لہذا مری“ طرف سے بھی کوئی تفصیل نہیں ہوگی“ بہت ہی عجیب ہے۔ آخر اس سے قاری صاحب کو فائدہ؟

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”مولنا صاحب کا یہ فرمانا کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت کا شرعی دلیل میں سے کوئی بھی نہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم مراد ہیں۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳)

① اولاً حضرت قاری جی نے بندہ کی عبارت کو اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ میری عبارت اس طرح بالکل نہیں ہے چنانچہ اسے من وعن نیچے درج کیا جاتا ہے تاکہ آپ لوگ فرق معلوم کر لیں تو سنیں وہ یہ ہے ”اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں الخ۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۲)

② ثانیاً، قاری صاحب بزعم خود میرے جواب کا یہ تیسرا رد پیش فرما رہے ہیں مگر اس سے میرے جواب کا رد بالکل نہیں نکلتا کیونکہ اہل علم سے مراد کون سے اہل علم ہیں معلوم ہو جانے سے بھی میرا جواب تو جوں کا توں ہی رہے گا اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ اہل علم سے کون سے اہل علم مراد ہیں معلوم ہونے سے میرا جواب اور پختہ ہو جائے گا چنانچہ سینے اہل علم سے مراد ہیں حنفی بزرگ اور وہ تمام بزرگ جو شرعی دلائل کو ان چار مذکورہ دلائل میں منحصر سمجھتے ہیں اور حنفی بزرگوں کی ایک معتبر و مستند کتاب تنقیح الاصول کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے تو اہل علم سے مراد کو متعین کر لینے کے بعد بندہ کے جواب کی تقریر اس طرح ہوگی ”حنفی بزرگوں کو بھی معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قوی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل ان کے نزدیک بھی صرف چار ہی ہیں: ① کتاب اللہ تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع اُمت ④ قیاس صحیح“ لہذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ دو موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال درست نہیں، تو اہل علم کو متعین کر لینے سے بندہ کا جواب اور مضبوط ہو گیا ہے کیونکہ حنفی بزرگ قاری صاحب کے ہاں بھی عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اس لیے ان کے عقیدہ اور قول کو ٹھکرانا قاری صاحب کے نزدیک بھی کوئی آسان کام نہیں۔

باقی آپ کا لکھنا ”میرا تو یہ عقیدہ ہے: علیکم بسنتی و سنتی“ خلفاء الراشدین۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) اس مقام پر آپ کے لیے کوئی مفید نہیں ہاں اس صورت میں آپ کی یہ بات آپ کے لیے کچھ مفید ہو سکتی ہے کہ آپ واضح اور صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک پانچ ہیں: ① کتاب اللہ

تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ سنت الخلفاء الراشدین بشرطیکہ ثابت ہو ④ اجماع اُمت ⑤ قیاس صحیح اور اگر آپ بھی شرعی دلائل کو سنت الخلفاء الراشدین کے علاوہ مذکورہ بالا صرف چار ہی میں منحصر سمجھتے ہیں تو پھر آپ کے قول ”میرا تو یہ عقیدہ ہے علیکم“ الخ کا حال واضح اور معلوم ورنہ آپ دو ٹوک لفظوں میں لکھیں کہ سنت الخلفاء الراشدین میرے نزدیک پانچویں شرعی دلیل ہے اور اگر آپ دو ٹوک لفظوں میں یہ بات نہ لکھ سکیں تو پھر آپ کا قول ”میرا تو یہ عقیدہ ہے الخ“ دل اور زبان میں مخالفت کی عجیب ترین مثال تصور ہو گا رہا ہر سنت الخلفاء الراشدین کے سنت رسول اللہ ﷺ میں شامل ہونے والا مسئلہ تو اس کا کوئی جواز نہیں تفصیل اپنے مقام پر دیکھیں۔

تو قاری صاحب! بات صرف اتنی ہے کہ آپ صاف اور صریح لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک پانچ ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی یا پھر صاف اور صریح لفظوں میں لکھ دیں کہ شرعی دلائل میرے نزدیک بھی وہی چار ہیں جنہیں حنفی بزرگ صاحب تنقیح الاصول نے بیان کیا ہے۔ پہلی صورت میں تو آپ کا قول ”میرا تو یہ عقیدہ ہے... الخ“ آپ کے مذہب کے مطابق درست اور دوسری صورت میں آپ کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بالکل ملحوظ نہیں رکھا گیا صرف دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تو دوبارہ گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں گوگو کی حالت چھوڑیں اور دو ٹوک الفاظ میں لکھیں آیا شرعی دلائل آپ کے نزدیک چار ہیں یا پانچ؟ تاکہ آپ کے قول ”میرا تو یہ عقیدہ ہے الخ“ کا حال صحیح معنوں میں معلوم کیا جاسکے۔

پھر دیکھئے حدیث علیکم بستی الخ میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ ”بستی“ بھی تو موجود ہیں اور معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سب سنتوں پر مقدم ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے پھر آپ کے بیٹگی اور سنت مؤکدہ والے دونوں سوال بتا رہے ہیں کہ آپ

کو بھی رکوع والے رفع الیدین کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کا اعتراف و اقرار ہے تو کوئی بات نہیں آپ اسے سنت غیر مؤکدہ سمجھ کر ہی اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ کا جواب ”اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں: ① کتاب اللہ تعالیٰ ② سنت رسول اللہ ﷺ بشرطیکہ ثابت ہو ③ اجماع اُمت ④ قیاس صحیح“ لہذا قاری صاحب کی آخر میں پیش فرمودہ موقوف روایتوں سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال درست نہیں“ اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے قاری صاحب کی پیش کردہ تین باتوں سے کوئی ایک بات بھی اس کا رد اور توڑ نہیں ہے۔
دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا دوسرا جواب:

دو موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر قاری صاحب کے استدلال کا پہلا جواب تو آپ سن چکے نیز اس کے جواب میں قاری صاحب نے جو تین باتیں بنائی تھیں ان سے متعلق آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ ان تین باتوں سے کوئی ایک بات بھی میرے اس جواب کا رد اور توڑ نہیں ہے جیسا کہ تفصیلاً پہلے عرض کیا جا چکا ہے اب قاری صاحب کے ان موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا بندہ کے پہلے ہی رقعہ میں پیش کیا ہوا دوسرا جواب سماعت فرمائیے ”یہ جواب (پہلا جواب) ان روایتوں کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں ہے ورنہ یہ روایات بعض محدثین کی نگاہ میں مرجوح ہیں دیکھئے درایہ نصب الرایۃ التعلیق المحمد اور امام بخاری کا رسالہ ”جزء رفع الیدین“ (ملاحظہ ہو میرا رقعہ نمبر اس ۲) قاری صاحب نے اس دوسرے جواب کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا تو ان کے اپنے ہی آئندہ آنے والے طرز عمل کے مطابق بندہ کا یہ دوسرا جواب ان کے نزدیک بھی صحیح و درست ٹھہرا لہذا ان دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال غلط ہوا۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا تیسرا جواب:

اُصول میں تصریح کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل یا ترک ناسخ نہیں ہوتا

تو جب رسول اللہ ﷺ کا فعل یا ترک ناخ نہیں تو کسی صحابی کا فعل یا ترک رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ عمل کے لیے کیوں کر ناخ ہو سکتا ہے؟ جبکہ کسی صحابی کا قول بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ قول یا فعل کے لیے ناخ نہیں ہوتا لہذا قاری صاحب کا ان دو موقوف روایتوں سے نسخ رفع الیدین پر استدلال غلط ہے۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا چوتھا جواب:

سنت عمل کو کسی وقت یا موقع پر چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا بالخصوص جب اس کے فرض و واجب نہ ہونے کو واضح کرنا مقصود ہو تو ان دو موقوف روایتوں میں اس چیز کا احتمال بھی موجود ہے لہذا قاری صاحب کا ان سے نسخ پر استدلال نادرست ہے ورنہ وہ ان دو موقوف روایتوں میں مذکور ترک کے نسخ میں منحصر ہونے کی دلیل پیش فرمائیں۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا پانچواں جواب:

موقوف روایت میں کسی چیز کے نسخ کو قولاً بیان کیا گیا ہو تو بھی بسا اوقات اس چیز کے نسخ کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر موقوف فعلی کو جس چیز میں نسخ کی طرف ادنیٰ اشارہ تک بھی نہ ہو رسول کریم ﷺ سے ثابت شدہ سنت کے لیے کیونکر ناخ قرار دیا جاسکتا ہے؟ لہذا قاری صاحب کا ان موقوف روایتوں کو ناخ بنانا خطا ہے بندہ کے تیسرے چوتھے اور پانچویں جواب میں بھی کچھ اصولی باتیں آگئی ہیں۔ اگر اگر قاری صاحب نے حوالہ جات طلب کیے تو ان شاء اللہ العزیز کتب اصول کے حوالے بھی دے دیئے جائیں گے۔ انہیں اس سلسلہ میں کسی قسم کی فکر نہ ہونی چاہیے چنانچہ ایک دفعہ وہ ہمارے شرعی دلائل کی تعداد کے سلسلہ میں تنقیح الاصول کا حوالہ دینے پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

دو موقوف روایتوں سے نسخ پر استدلال کا چھٹا جواب:

ان دو موقوف روایتوں میں مذکور ترک کو ان دو صحابیوں کے رفع الیدین کو

منسوخ سمجھنے پر مبنی قرار دینا صرف مدعیان نسخ کا اپنا فہم اور ظن ہے۔ ان کے پاس اس فہم اور ظن کی کوئی دلیل نہیں محض ترک اس فہم اور ظن کی دلیل نہیں کیونکہ ترک کی وجہ نسخ کے علاوہ کوئی اور بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ اس سے قبل نسخ کے علاوہ بعض وجوہ کی نشاندہی بھی کی جا چکی ہے البتہ اس فہم اور ظن کو ان دو صحابیوں پر بہتان قرار دینا کوئی بعید نہیں تو مدعیان نسخ کا ان دو موقوف روایتوں سے اپنے بے بنیاد فہم اور ظن پر مبنی استدلال ان کا نرا وہم ہے۔ نیز تین مرفوع روایتوں سے قاری صاحب کا نسخ پر استدلال درست نہیں۔

بندہ نے تین مرفوع روایتوں سے قاری صاحب کے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی تردید میں لکھا تھا ”رہی پہلی تین مرفوع روایات تو ان میں سے آخری دو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما والی روایات کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناخ بنانا درست نہیں۔

① اولاً تو اس لیے کہ وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ حضرت مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجہد کی تصنیف لطیف ”مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ۔ میں ملاحظہ فرمائیں جس کا ایک نسخہ آپ کو دیا جا رہا ہے۔ نیز اس کا ایک نسخہ آپ کی وساطت سے قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں۔ (دیکھئے میرا قلعہ نمبر ۱۳۲)

بندہ کے اس مندرجہ بالا پہلے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ مسند حمیدی والی روایت کا حال اس میں پڑھ لیں یعنی مولانا ارشاد

۱۔ ۲۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے زقہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲۔ منہ

الحق صاحب اثری کے رسالہ میں تو مولانا مجھے کیا ضرورت پڑی کہ جب آپ ہی نے کوئی شک و شبہات اور اعتراض نہیں کیے میں دوسروں کے رسالہ وغیرہ دیکھتا پھیرو^۱ خلاصہ کلام یہ کہ نہ آپ نے کوئی اعتراض اس حدیث پر کیا نہ کچھ اور لہذا ثابت ہوا یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵۳)

قاری صاحب کے اس کلام میں جس قدر معقولیت ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس پر لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں صرف دو باتیں عرض کیے دیتا ہوں۔

پہلی بات * میرے جواب میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں پھر اس کے قابل احتجاج نہ ہونے کو ملاحظہ فرمانے کی خاطر ایک رسالہ بھی آپ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور اس رسالہ کے پہلے صفحہ پر بندہ نے تصریح کر دی تھی کہ یہ رسالہ بھی جواب میں شامل ہے نیز اس نے متعلقہ مسئلہ کو دیکھنے کے لیے آپ کی سہولت کی خاطر مخصوص صفحات کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔

دوسری بات * قاری صاحب کا قول ”یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے“ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔ کا ہی مصداق ہے کیونکہ بندہ اپنے پہلے ہی رقعہ میں دو مرتبہ اس روایت کے قابل احتجاج نہ ہونے کی تصریح کر چکا ہے چنانچہ عبارت ”وہ دونوں روایتیں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں“ میرے رقعہ نمبر ۱ ص ۲ پر موجود ہے نیز عبارت ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کا قابل احتجاج نہ ہونا تو آپ الخ“ میرے رقعہ نمبر ۱ ص ۲ پر مذکور ہے تو میری ان دونوں عبارتوں کو پڑھ کر آپ کا لکھنا ”یہ حدیث تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے“ نری غلط بیانی اور امر واقع کی سراسر مخالفت ہے۔ بتائیے آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ڈراسی کا نام ہے؟

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲

تو قاری صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت جو آپ نے پیش کی ہوئی ہے سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں۔ اس پر مولانا ارشاد الحق صاحب اثری زید مجدہ نے اپنے رسالہ میں سات وجوہ سے کلام کیا ہے وہ رسالہ متعلقہ صفحات کی نشاندہی کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا جا چکا ہے چنانچہ وہ صفحات ہیں ص ۲۵ تا ۲۹ ان صفحات کو پڑھیں اور ان میں مذکور وجوہ کا جواب دیں۔ اگر ان صفحات کو میں اس جگہ نقل کروں پھر بھی تو آپ نے ان کو پڑھنا ہی ہے نا تو پھر آخر ان کو اصل رسالہ ہی میں پڑھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ یاد رہے وہ رسالہ آپ کو پہنچ بھی چکا ہے۔ رہی آپ کی بات ”آپ ہی نے کوئی شک و شبہات اور اعتراض نہیں کیے“ تو جناب بتائیے میرا اس روایت کو ”سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں“ کہنا بھی کوئی شک شبہ اور اعتراض ہے یا نہیں؟

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین والی روایت بیان کرتے ہیں روایت کرتے ہیں وہی ترک رفع الیدین والی بھی روایت کرتے ہیں لہذا ثابت ہوا مولانا صاحب رفع الیدین منسوخ ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵)

① اولاً قاری صاحب پہلے لکھ چکے ہیں ”اور تم ہو رفع الیدین کے قائل اور مدعی اور دلیل جو ہوتی ہے اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہے نہ کہ مدعی علیہ پر اس بنا پر میں نے آپ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حدیث پیش کر دیں الخ میں رفع الیدین شروع کر دوں گا لیکن آپ نے کوئی حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی ان شاء اللہ العزیز کوئی حدیث آپ پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور غیر مقلدین قیامت تک۔“ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳ و ص ۱)۔

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

قاری صاحب اپنے اس قول میں تاثر دے رہے ہیں کہ ہمارے دعویٰ ”رفع الیدین“ کی دلیل میں کوئی ایک حدیث بھی موجود نہیں ورنہ ان کے غیر مقلدین کی طرف سے قیامت تک کوئی حدیث پیش نہ کر سکنے والی پیشگوئی لکھنے کا کوئی معنی نہیں بنتا اور اب خود ہی اعتراف و اقرار فرما رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین والی حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ منسوخ ہے پھر ان کی اس بات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین والی حدیث کے صحیح ہونے کا اقرار و اعتراف بھی موجود ہے ورنہ قاری صاحب کے اس کو منسوخ قرار دینے کا کوئی جواز نہیں تو قاری صاحب نے مان لیا کہ ہمارے دعویٰ ”رفع الیدین“ پر بطور دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع اور صحیح حدیث موجود ہے اور انہوں نے خود ہی اس کا ذکر بھی کر دیا تو بحمد اللہ تعالیٰ ہم تو اپنے دعویٰ ”رفع الیدین“ پر دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش اور عہدہ براء ہو چکے اب قاری صاحب کا فرض ہے کہ اپنی قیامت تک والی پیشگوئی اور اپنے موجودہ بیان ”وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو حدیث رفع الیدین روایت کرتے ہیں الخ“ پر غور و فکر فرمائیں آیا ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے ڈر کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟

② ثانیاً قاری صاحب کے قول ”لہذا ثابت ہوا مولانا صاحب رفع الیدین منسوخ ہے“ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ایک ہی صحابی کا ایک ہی چیز کے فعل اور ترک کو نبی کریم ﷺ سے روایت کرنا اس چیز کے فعل کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے کسی اور شرط کی کوئی ضرورت نہیں تو قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ پہلے اس بنیادی بات کو دلائل سے ثابت کیجیے پھر ”لہذا ثابت ہوا رفع الیدین منسوخ ہے“ کہئے۔

③ ثالثاً قاری صاحب کو بھی علم ہے کہ نسخ کے لیے منسوخ کا نسخ سے پہلے کا ہونا بھی ضروری ہے اور قاری صاحب نے رفع الیدین کے ترک رفع الیدین سے

پہلے ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی فعل اور ترک کے راوی صحابی کا ایک ہونا فعل کے ترک سے پہلے ہونے کی دلیل نہیں اس لیے ان کی بات ”رفع الیدین منسوخ ہے“ صرف منہ کی ایک بات ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں۔

④ رابعاً اگر منہ کی بات ہی آپ لوگوں کے ہاں کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر رفع الیدین کے قائل اور مدعی بھی کہہ دیں گے رسول اللہ ﷺ پہلے پہل رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے بعد میں آپ ﷺ نے رفع الیدین شروع کر دیا لہذا رفع الیدین کو منسوخ کہنا غلط اور نادُرست ہے۔

⑤ خامساً بالفرض ترک کو چند منٹ کے لیے متاخر سمجھ لیا جائے پھر بھی رفع الیدین کو منسوخ قرار دینا دُرست نہیں کیونکہ کسی چیز کا ترک اس کے سنت ہونے کے منافی نہیں چنانچہ بعض حنفی بزرگ ہی لکھتے ہیں: ”السُّنَّةُ مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ التَّرُكِ أَحْيَانًا“ تو آپ ﷺ کا رفع الیدین کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی اس کو ترک کر دینا تو رفع الیدین کے سنت ہونے کو واضح اور اُجاگر کرتا ہے نہ کہ اسے منسوخ بناتا ہے۔

⑥ سادساً بندہ کی مذکورہ چار باتیں دوسری تیسری چوتھی اور پانچویں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ترک رفع الیدین والی روایت کی صحت فرض کر لینے پر مبنی ہیں ورنہ وہ روایت حقیقت اور واقع میں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں جیسا کہ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے لہذا اس کو ناخن بنانا سراسر غلط ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت بھی قابل احتجاج نہیں:

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”حضرت قاری صاحب نے کتاب ترمذی کے جس باب سے امام ترمذی کا قول ”حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ“ نقل کیا ہے۔ کتاب ترمذی کے اسی باب میں حضرت الامام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد

رشید حضرت عبداللہ ابن مبارکؓ کا مندرجہ ذیل قول بھی موجود ہے۔

”قَدْ ثَبَّتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ، وَذَكَرَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ“۔

حضرت الامام عبداللہ بن مبارکؓ فرماتے ہیں ”جو لوگ رفع الیدین کرتے ہیں بلاشبہ ان کی حدیث ثابت ہے اور انہوں نے امام زہری کی سالم سے اس کے باپ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) سے (رفع الیدین کرنے کی) حدیث بیان فرمائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے ثابت نہیں۔“

اس مقام پر بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قوی اور فعلی والی بات بنا کر حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے مذکور بالا فیصلہ کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر حضرت الحافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ نے ان کی اس کوشش کو اپنے رسالہ ”امین بالجہر اور رفع الیدین“ میں ناکام بنا دیا ہے آپ اس کا ضرور بالضرور مطالعہ فرمائیں۔“ (میرا رقعہ نمبر اس ۳)

اس جواب کو پڑھ کر قاری صاحب نے وہی بات کہی جس کے مردود ہونے کا ذکر اجمالاً تو بندہ نے پہلے ہی اپنے مذکور بالا بیان ”اس مقام پر بعض الخ“ میں کر دیا تھا تو خیر کوئی بات نہیں اب اس کے مردود ہونے کو ذرا تفصیل سے سن لیں تو اس سلسلہ میں قاری صاحب کا مقصود واضح ترین الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے چنانچہ قاری صاحب کے اس پانچویں رقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے پانچ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔

① پہلے لفظ:

”الا اصلی بکم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلی فلم

یرفع یدیه^۱ الا فی اول مرة“ قاری صاحب نے اپنے پانچویں رُقعہ ص ۵ پر ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے ”ترمذی وغیرہ“ اور لکھا ہے ”جس کی سند میں حضرت ابن مبارک نہیں ہے اور اس حدیث کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے“ (ص ۵) اور ان ہی الفاظ کو قاری صاحب نے اپنے پہلے رُقعہ میں یوں نقل کیا ہے ”قال الا اصلی لکم صلاة رسول اللہ فصلی ولم یرفع یدیه^۱ الا فی اول مرة“ اور حوالہ دیا ہے ”ترمذی ج ۱ ص ۶۳ اور طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲۰ اور ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹“ نیز وہ لکھتے ہیں ”اور مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں ”فرفع یدیه^۱ فی اول مرة“۔

(قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۱ ص ۱)

قاری صاحب کے ان الفاظ کو اپنے دونوں رقعوں میں نقل کرنے کے درمیان جو فرق و تفاوت ہے وہ آپ کے سامنے ہے نیز قاری صاحب کے اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی، طحاوی، مسند احمد اور ابوداؤد کا حوالہ دے کر مسند احمد کے الفاظ کا باقی تین کتابوں کے الفاظ سے فرق واضح کرنا اس بات کی طرف ایک قسم کا اشارہ ہے کہ ترمذی، طحاوی، اور ابوداؤد کے الفاظ یکساں ہیں مگر ان کے اس پانچویں رقعہ سے واضح طور پر پتہ چل رہا ہے کہ ترمذی اور طحاوی کے الفاظ میں بھی فرق و تفاوت ہے۔

② دوسرے لفظ:

”الا اخبرکم بالصلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ ان الفاظ کا حوالہ دیے بغیر قاری صاحب لکھتے ہیں ”اور یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن مبارک کے طریق مروی^۱ ہے اس کے الفاظ بھی جرح سے نہیں ملتے“۔

(قاری صاحب کا رُقعہ نمبر ۵ ص ۵)

پھر قاری صاحب نے یہ الفاظ پورے بھی نقل نہیں فرمائے شاید اس میں بھی ان کا کوئی

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعوں میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

فائدہ پنہاں ہو تو آپ اس بندہ سے مع حوالہ پورے الفاظ سنئے۔ امام نسائی اپنی کتاب سنن میں لکھتے ہیں:

”أَخْبَرَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ“۔ (نسائی جلد اول ص ۱۲۳)

③ تیسرے لفظ:

”ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیه الا فی اول مرة“
قاری صاحب نے ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے ”طحاوی“ اور لکھا ہے ”اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن المبارکؒ کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے“
(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵) اس موقع پر چند امور ذہن میں رکھئے۔

پہلا امر * قاری صاحب کے پہلے رقعہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ترمذی اور طحاوی کے الفاظ ایک ہیں پھر ان کے پہلے ہی رقعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ امام ترمذی کا فیصلہ ”حدیث حسن“ کو قاری صاحب ترمذی اور طحاوی دونوں کے الفاظ سے متعلق سمجھتے ہیں مگر ان کے اس پانچویں رقعہ میں دیے ہوئے تازہ بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ قاری صاحب کے نزدیک ترمذی اور طحاوی دونوں کے الفاظ میں فرق ہے نیز طحاوی والے الفاظ ان کے نزدیک بھی ثابت نہیں۔

دوسرا امر * قاری صاحب نے جو الفاظ طحاوی کی طرف منسوب کیے ہیں وہ مجھے طحاوی میں ابھی تک نہیں ملے اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ طحاوی کے اس باب کی نشاندہی فرمائیں جس باب میں ان کے اوپر بیان کردہ الفاظ موجود ہیں

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعوں میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

تاکہ یہ بندہ بھی انہیں ملاحظہ کر سکے۔

تیسرا امر * جو لفظ مجھے طحاوی میں ملے وہ مندرجہ ذیل ہیں امام طحاویؒ لکھتے ہیں:

”حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ قَالَ ثَنَا نَعِيمُ ابْنُ حَمَادٍ قَالَ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ
سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ
عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ
يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ“

(شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول ص ۱۵۴)

چوتھا امر * طحاوی کے حاشیہ میں مولوی وصی احمد صاحب حنفی لکھتے ہیں ”كَانَ يَرْفَعُ
يَدَيْهِ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ“ تو اس سے معلوم ہوا کہ دیگر حنفی
حضرات بھی قاری صاحب کی طرح امام ترمذی کے فیصلہ ”حدیث حسن“ کو طحاوی اور
ترمذی دونوں میں موجود الفاظ سے متعلق سمجھتے ہیں نیز وہ طحاوی والی روایت اور ترمذی
والی روایت کو الفاظ کے جدا جدا ہونے کے باوصف ایک ہی سمجھتے ہیں اس لیے تو
فرماتے ہیں ”اخرجه الترمذی“ اور اسی لیے قاری صاحب نے بھی ترمذی والی
روایت کے لفظ نقل فرما کر طحاوی کا بھی حوالہ دیا ہوا ہے دیکھئے ان کا پہلا رقعہ لہذا
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ الْخ“ کو صرف
طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دینا ان کے ہاں بھی درست نہ رہا ورنہ لازم آئے گا
کہ جس روایت کو قاری صاحب پہلے حسن کہہ چکے ہیں اب وہ خود ہی اسے غیر ثابت
لکھ رہے ہیں۔

پانچواں امر * قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”وَلَمْ يَثْبُتْ
حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ الْخ“ کے ترمذی، نسائی، دارقطنی، بیہقی اور مسند اعظم کی روایتوں
سے متعلق نہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے الفاظ ان
روایتوں سے نہیں ملتے تو اس سلسلہ میں انہیں یاد ہونا چاہیے کہ طحاوی کے لفظ بھی

عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ کے لفظوں سے نہیں ملتے چنانچہ اس کی تفصیل آ رہی ہے تو سوچئے کہ قاری صاحب کا حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو صرف طحاوی کے الفاظ سے مخصوص کرنا صرف منہ کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟

④ چوتھے لفظ:

”عن ابن مسعود قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلم یرفعوا یدیہم الا عند الافتتاح“ حوالہ ”بیہقی“ دارقطنی وغیرہ۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷۵)

اس مقام پر بھی قاری صاحب نے وہی طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے جو انہوں نے جامع ترمذی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت نقل کرتے وقت اختیار فرمایا تھا کہ انہوں نے جامع ترمذی سے روایت تو نقل فرمادی تھی مگر انہوں نے اسی جامع ترمذی کے اسی باب میں موجود حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کا نام تک نہیں لیا تھا اور اب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا کہ مندرجہ بالا الفاظ تو انہوں نے بیہقی اور دارقطنی کے حوالہ سے نقل کر دیے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کے ان کی کتابوں میں وہیں موجود تضعیف کے فیصلوں کا نام تک نہیں لیا تو سینے حافظ دارقطنی ان الفاظ کو اپنی سنن میں بواسطہ محمد بن جابر ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں ”وَ كَانَ ضَعِيفًا“ محمد بن جابر ضعیف تھے حافظ بیہقی بھی ان ہی الفاظ کو اسی محمد بن جابر کے واسطے سے بیان کرنے کے بعد وہی ”وَ كَانَ ضَعِيفًا“ والا جملہ نقل فرماتے ہیں۔
ان الفاظ کے راوی محمد بن جابر کا حال:

محمد بن جابر کے بارہ میں جو کچھ ”الجوہر النقی“ والے نے لکھا ہے وہ تارکین

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲ منہ

رفع الیدین کے لیے کوئی مفید نہیں کیونکہ ان کے کلام کا مال ہے ”وَمَعَ مَا تَكَلَّمُ فِيهِ مَنْ تَكَلَّمُ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ“ اس میں کلام کرنے والوں کے کلام کے باوجود اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی راوی کی حدیث کے لکھے جانے سے اس کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا نیز محمد بن جابر کے متعلق حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں۔ ”صَدُوقٌ ذَهَبٌ كُتِبَ فَسَاءَ حِفْظُهُ وَخَلَطَ كَثِيرًا وَعَمِيَ فَصَارَ يُلْقَنُ وَرَجَّحَهُ أَبُو حَاتِمٍ عَلَى ابْنِ لَهْيَعَةَ“ سچا ہے اس کی کتابیں ضائع ہو گئیں تو اس کی یادداشت خراب ہو گئی اور اسے بہت زیادہ اختلاط ہو گیا اور وہ نابینا ہو گیا تو اسے تلقین کی جاتی اور ابو حاتم نے اسے ابن لہیعہ پر ترجیح دی ہے (فائدہ) یاد رہے کہ اس کے سچے اور ابن لہیعہ سے اچھے ہونے سے اس کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا ثابت نہیں ہوتا ”کمالا یخفی علی من له مراس فی فن اصول الحدیث واسماء الرجال“ نیچے تہذیب التہذیب سے محمد بن جابر کا حال سنئے:

۱: ”عَنِ ابْنِ مَعِينٍ كَانَ أَعْمَى وَاخْتَلَطَ عَلَيْهِ حَدِيثُهُ وَكَانَ كُوفِيًّا فَانْتَقَلَ إِلَى الْيَمَامَةِ وَهُوَ ضَعِيفٌ“ امام بخاری کے استاد حضرت یحییٰ بن معینؒ جنہیں بعض مقلدین نے خواہ مخواہ خفی کہا ہے فرماتے ہیں ”محمد بن جابر نابینا تھے اور ان پر ان کی حدیث مغلط ہو گئی اور وہ کوئی تھے پس یمامہ کی طرف منتقل ہو گئے اور وہ ضعیف ہیں۔“

”وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: صَدُوقٌ كَثِيرًا الْوَهْمُ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ“ امام بخاریؒ کے ہی استاد حضرت ابو حنس عمرو بن علی الفلاسؒ فرماتے ہیں ”محمد بن جابر صدوق، کثیر الوہم اور متروک الحدیث ہیں“ صاحب الجوہر النقی نے حضرت فلاس کا قول ”صدوق“ تو نقل کیا اور ان کے قول کے آخری حصہ ”کثیر الوہم متروک الحدیث“ کو چھوڑ گئے ہیں پھر اس کی طرف ادنیٰ اشارہ تک بھی نہیں کیا قاری صاحب تو شاید اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر ہی محمول فرمائیں۔

۳: امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں ”لَيْسَ بِالْقَوِيَّ يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ رَوَى مَنَاكِيرُ“ محمد بن جابرؒ قوی نہیں وہ (محدثین) اس میں کلام کرتے ہیں اس نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

۴: امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں ”لَيْسَ بِشَيْءٍ“ محمد بن جابر کوئی شے نہیں۔

۵: امام نسائیؒ فرماتے ہیں ”ضعیف“ محمد بن جابر ضعیف ہے۔

۶: امام اور مشہور محدث حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ ”يُضَعِّفُهُ“ محمد بن جابر کو ضعیف

کہتے ہیں ”وَكَانَ ابْنُ مَهْدِيٍّ يُحَدِّثُ عَنْهُ ثُمَّ تَرَكَهُ بَعْدَ“ حضرت ابن مہدیؒ ان سے حدیث بیان کیا کرتے تھے پھر بعد میں انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

۸: حضرت یعقوب بن سفیانؒ اور علامہ عجلؒ دونوں فرماتے ہیں ”ضعیف“ محمد بن جابرؒ ضعیف ہے۔

۹: حافظ ابن حبانؒ فرماتے ہیں ”كَانَ أَعْمَى يُلْحَقُ فِي كُتُبِهِ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهِ

وَيَسْرِقُ مَا ذُكِرَ بِهِ فَيَحْدِثُ بِهِ“ محمد بن جابرؒ نابینا تھے ان کی کتابوں میں وہ

بھی ہے جو ان کی حدیث میں شامل نہیں اور وہ مذاکرہ میں بیان کی ہوئی حدیث

کی چوری کرتے پھر اسے بیان کرتے تھے۔ صاحب الجوہر النقی نے ”وَأَذْخَلَهُ

ابْنُ حَبَّانٍ فِي الثَّقَاتِ“ کہنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے حافظ ابن حبانؒ

کے مندرجہ بالا بیان کو نقل کیا ہے نہ ہی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کیوں جی

قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اسی کو کہتے ہیں؟

۱۰: حافظ ابوزرعہؒ اپنے ایک قول میں کہتے ہیں ”سَاقَطُ الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ

الْعِلْمِ“ محمد بن جابرؒ اہل علم کے ہاں ساقط الحدیث ہیں۔

۱۱: ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں ”ذَهَبَتْ كُتُبُهُ فِي آخِرِ عُمُرِهِ وَسَاءَ حِفْظُهُ

وَكَانَ يُلْقِنُ“ آخر عمر میں اس کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔ اس کا حفظ خراب ہو گیا

اور اسے تلقین کی جاتی تھی۔

۱۲: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ”لَا يُحَدِّثُ عَنْهُ إِلَّا شَرِّ مَنْهُ“ محمد بن جابر سے صرف وہی حدیث بیان کرتا ہے جو اس سے بھی گنہگار ہو۔

تو تہذیب التہذیب سے بارہ ائمہ محدثین کی محمد بن جابر پر جرح نقل کی گئی اور اس سے قبل حافظ بیہقی، حافظ دارقطنی اور حافظ ابن حجر کی اس پر جرح آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں تو اس مقام پر مذکور پندرہ ائمہ محدثین امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابو حفص عمرو بن علی الفلاسؒ، عبد الرحمن بن مہدیؒ، امام بخاریؒ، ابو حاتم رازیؒ، ابو زرہ رازیؒ، یعقوب بن سفیانؒ، علامہ عجمیؒ، حافظ ابن حبانؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، حافظ بیہقیؒ، حافظ دارقطنیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت محمد بن جابرؒ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ صدق و سچائی کے لحاظ سے حافظ ابن حبانؒ کا اسے ثقات میں شامل کرنا نیز حافظ ذہلیؒ کا ”لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ“ فرمانا پھر کبار حفاظ کا اس سے روایت کرنا ان محدثین کے فیصلہ کے خلاف نہیں کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کے لیے اس کے سچا ہونے کے علاوہ اور صفات بھی درکار ہیں جن سے بعض محمد بن جابرؒ میں نہیں پائی جاتیں لہذا محمد بن جابر صاحب خود ضعیف اور ان کی حدیث ناقابل احتجاج۔

⑤ پانچویں لفظ:

قاری صاحب لکھتے ہیں ”پانچویں مسند اعظم کی روایت اس طرح ہے ”ان عبد اللہ بن مسعود کان یرفع یدیه فی اول التكبير ثم لا یعود الی شیء من ذالک ویأثر ذالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

ہکلفی کی جمع کردہ مسند میں قاری صاحب کے بیان کردہ مندرجہ بالا الفاظ مجھے تو نہیں ملے اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بتائیں کہ انہوں نے ہکلفی کی جمع

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔ ۱۲۱

کردہ مسند کا حوالہ دیا ہوا ہے یا کسی اور کی جمع کردہ مسند کا؟ پہلی صورت میں وہ صفحہ بامطبعہ درج کریں اور دوسری صورت میں ان دونوں چیزوں کو لکھنے کے ساتھ ساتھ اس مسند کے جامع کا نام بھی تحریر فرمائیں تاکہ بندہ بھی ان الفاظ سے واقف ہو سکے۔

جو لفظ ^{حکفی} کی جمع کردہ مسند میں موجود ہیں وہ یہ ہیں:

”سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ..... فَقَالَ لَهُ (أَيُّ لِلْأَوْزَاعِيِّ) أَبُو حَنِيفَةَ: وَحَدَّثَنَا
حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ
وَلَا يَغُودُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ“.

(مسند مذکور مع شرح ملا علی قاری مطبوع مطبع محمدی لاہور ص ۲۰)

قاری صاحب کے نقل کردہ الفاظ اور ان الفاظ میں جو فرق ہے وہ آپ کے سامنے ہے نیز آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ کے پاس موجود مسند میں ^{حکفی} اور سفیان بن عیینہ کے درمیان والی سند مذکور نہیں لہذا قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ حذف شدہ سند کو بھی پیش کریں پھر اس روایت کا قابل احتجاج ہونا بھی ثابت فرمائیں ورنہ اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر اس روایت کے الفاظ طحاوی کے الفاظ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ورنہ قاری صاحب کو کہنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کے الفاظ بھی طحاوی کے الفاظ سے نہیں ملتے حالانکہ وہ خود ان کے ملنے کی تصریح فرما چکے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ جس دلیل کی بنا پر قاری صاحب کے نزدیک طحاوی والی روایت سے متعلق ہے اسی دلیل کی بنا پر حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ مسند مذکور والی روایت سے متعلق بھی ہے لہذا مسند مذکور والی روایت سرے سے ثابت ہی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود“

الخ کس روایت سے متعلق ہے۔

مندرجہ بالا پانچ الفاظ نقل کرنے کے بعد قاری صاحب لکھتے ہیں ”ان روایات کے ملاحظہ کرنے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جرح کے الفاظ تیسری حدیث طحاوی والی کے الفاظ حدیث سے ملتے جلتے ہیں ان باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولنا صاحب اس حدیث پر ابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نزاع تب یا کم عقلی ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

قاری صاحب کا نظریہ تو آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ طحاوی میں مذکور روایت ہی سے متعلق ہے اور دیگر چار روایتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور ان کا ”نزع تعصب“ اور ”کم عقلی“ والا معقول اور غیر متعصبانہ فتویٰ بھی آپ نے پڑھ لیا۔ اب قاری صاحب کے متذکرہ بالا عندیہ کا رد ملاحظہ ہو۔

① اولاً قاری صاحب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترمذی اور طحاوی کے حوالہ سے نقل فرما کر اسے اپنے پہلے رقعہ میں صحیح اور حسن قرار دے چکے ہیں تو پتہ چلا کہ قاری صاحب نے ترمذی اور طحاوی کی روایتوں کو اختلاف الفاظ کے باوجود ایک ہی سمجھا ہے تو اب اگر قاری صاحب حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دیں تو بھی وہ خود بخود ترمذی والی روایت پر چسپاں ہو جائے گا تو قاری صاحب کے ان دو فیصلوں سے ایک فیصلہ ضرور بالضرور غلط ہے۔

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

② ثانیاً، قاری صاحب کے اس عندیہ کی بنیاد ”الفاظ کا ملنا جلنا“ ہے مگر انہوں نے اس بنیاد کی کوئی دلیل نہیں دی لہذا ان کا یہ عندیہ صحیح نہیں باقی طحاوی، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کی روایات کے معنی کا ایک ہونا مسلم ہے۔ (دیکھئے حاشیہ آثار السنن)

③ ثالثاً، چند منٹ کے لیے ہم اس بنیاد کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن عبد اللہ بن مبارک کے فیصلہ کے الفاظ طحاوی میں مذکور الفاظ سے بھی نہیں ملتے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارک کے فیصلہ کے الفاظ ہیں ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیه الا فی اول مرة“ (ترمذی) اور طحاوی کے الفاظ ہیں ”عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود“ (طحاوی) ان دونوں میں جو تفاوت ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور اس کا نتیجہ یہ کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک کا فیصلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر بالکل چسپاں ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے فیصلہ کے الفاظ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی متعدد الفاظ میں سے کسی ایک لفظ سے بھی نہیں ملتے تو اب مقام غور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک تو فرمائیں ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ اور ان کا یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کسی روایت پر بھی چسپاں نہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز ”نرے تعصب“ اور ”کم عقلی“ کا مصداق بنے گی؟

④ رابعاً، حافظ بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن مبارک کے فیصلہ کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں ”لَمْ یُثَبِّتْ عِنْدِي حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ“ اور حافظ دارقطنی نے یوں ”لَمْ یُثَبِّتْ عِنْدِي حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْ“ اور ترمذی کے نقل کردہ الفاظ بھی آپ کے سامنے ہیں تو جس طرح حضرت عبد اللہ بن مبارک کے فیصلہ کے یہ سب الفاظ

ایک ہی معنی ادا کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ثابت نہیں بالکل اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ترمذی، ابو داؤد، نسائی، طحاوی اور دیگر کتب میں مذکور الفاظ بھی ایک ہی معنی و مفہوم دے رہے ہیں کہ صرف پہلی مرتبہ رفع الیدین کا مرفوع ہونا اور اسی کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ غیر ثابت کہہ رہے ہیں لہذا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بیان ”مرفوعاً رفع الیدین کا صرف پہلی مرتبہ ہونا“ پر دلالت کرنے والے تمام الفاظ سے متعلق ہے وہ قولاً ہوں خواہ فعلاً ان میں اس سے کوئی زائد چیز بیان ہوئی ہو یا نہ۔

⑤ خامساً، قاری صاحب نے اپنے رقعہ نمبر ۵ میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے ترمذی والے لفظ ”لم یرفع الا فی اول مرة“ اور طحاوی کے لفظ ”کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود“ دونوں کو آپس میں ملنے جلنے والے قرار دے رکھا ہے واللہ کچھ تو انصاف کیجئے پھر لفظ ”الا اصلی بکم صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ اور لفظ ”الا اخبرکم بصلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کیونکر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے لفظوں ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ سے ملنے جلنے والے نہیں؟ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ کچھ لفظ تو ہم معنی ہونے کی بنا پر ملنے جلنے والے قرار پائیں اور کچھ لفظ ہم معنی ہونے کے باوجود نہ ملنے جلنے والے بنا دیے جائیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اسی کو کہا جاتا ہے پھر نرا انصاف اور بیش عقلی آپ کے ہاں اسی کا نام نامی اور اسم گرامی ہے؟

⑥ سادساً، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کے طحاوی والے لفظوں سے متعلق ہونا طحاوی والے لفظوں کے حضرت

عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے پر موقوف ہے کیونکہ جو الفاظ انسان کو نامعلوم ہوں وہ ان سے متعلق کسی قسم کا کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتا اور قاری صاحب نے طحاوی والے لفظوں کے حضرت عبداللہ بن مبارک کے علم میں ہونے کی کوئی دلیل نہیں دی اس لیے ان کا فرض ہے کہ پہلے طحاوی والے لفظوں کے حضرت عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے کی دلیل پیش کریں پھر اپنا مندرجہ بالا عندیہ سنائیں جبکہ طحاوی والے لفظ حضرت عبداللہ بن مبارک کو معلوم ہونے کی صورت میں بھی ان کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کے دیگر الفاظ سے متعلق ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

⑦ سابعاً، سنن نسائی والی روایت ”الا أخبرکم بصلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کی سند میں حضرت عبداللہ بن مبارک موجود ہیں جیسا کہ قاری صاحب کو بھی اس کا اعتراف و اقرار ہے تو پتہ چلا کہ یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن مبارک کے علم میں ہیں اس لیے ان کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ ان الفاظ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ سے متعلق ہے اور ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں وہ الفاظ بھی شامل ہیں جو ترمذی اور ابوداؤد میں منقول ہیں۔ اسی لیے اہل علم ان تین کتابوں میں سے ایک کتاب کے لفظ نقل کرنے کے بعد حوالہ تینوں کتابوں کا دیتے ہیں چنانچہ حنفی بزرگ صاحب آثار السنن نے بھی اس حدیث کو ترمذی کے الفاظ میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے ”رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ“ اسی طرح مشکوٰۃ والے بھی اس کو نقل کرنے کے بعد ابوداؤد ترمذی اور نسائی تینوں کا حوالہ دیا ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں مذکور روایت سے متعلق ہے کیونکہ ان کی طحاوی میں مذکور روایت کا تو حضرت عبداللہ بن مبارک کے علم میں ہونا سرے سے

ثابت ہی نہیں۔ یاد رہے یہ بات قاری صاحب کے الفاظ میں فرق والے اصول پر مبنی ہے ورنہ طحاوی والے الفاظ بھی ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے مندرجہ بالا فیصلہ کی زد سے نہیں بچتے۔

⑧ ثامناً، حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کا اپنے فیصلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفع الیدین والی حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کے مقابلہ میں ذکر کرنا پھر ان دونوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفع الیدین والی حدیث کو ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع الیدین والی روایت کو غیر ثابت قرار دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے پیش نظر عموم معنی ہے نہ کہ خصوص لفظ لہذا قاری صاحب کے خصوص لفظ والے عندیہ کو تو حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے اپنے ہی انداز بیان نے رد کر دیا ہوا ہے۔

⑨ تاسعاً، قاری صاحب کے اس عندیہ کا حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ میں مذکور جملہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہونے پر مدار ہے جس کی انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی باقی طحاوی والی روایت اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی ”کما لا یخفی علی اہل العلم“۔

⑩ عاشرًا، ہماری تائید اور قاری صاحب کے مذکورہ بالا عندیہ کی تردید میں علماء کرام اور محدثین عظام کی شہادات ملاحظہ ہوں۔

پہلی شہادت:

امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ”الا اصلی بکم الخ“ دونوں کو ایک ہی باب کے اندر ذکر فرمایا ہے جس سے

صاف ظاہر ہے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کو اپنے نقل کردہ الفاظ سے بھی متعلق سمجھتے ہیں۔ رہا امام ترمذی کا قول ”حدیث حسن“ تو وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ مؤلف بسا اوقات کسی کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد اس سے اختلاف کا اظہار بھی کر دیتا ہے نیز امام ترمذی کا کسی حدیث کو صرف ”حسن“ کہہ دینا اس حدیث کے ان کے اپنے نزدیک بھی ثابت اور قابل احتجاج ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ ان کی اپنی ہی کتاب علل صغیر میں پیش کردہ حسن کی تعریف پھر ان کے اپنے ہی کتاب جامع میں کئی ایک احادیث سے متعلق ”حسن“ والے فیصلہ جات سے واضح ہے ضرورت پڑی تو اس تعریف اور ان فیصلہ جات کو بھی منظر عام پر لایا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ تاکہ پتہ چل سکے کہ جس حدیث کو امام ترمذی حسن قرار دیں ضروری نہیں کہ وہ حدیث واقع میں بلکہ خود امام ترمذی کے ہاں بھی قابل احتجاج ہو۔

دوسری شہادت:

حافظ بیہقی نے ترمذی والی سند (وکج عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمۃ قال قال عبداللہ) کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو بلفظ ”لاصلین بکم صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک کا مذکور بالا فیصلہ درج کیا ہے جس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ حافظ بیہقی کے نزدیک ترمذی والی روایت سے بھی متعلق ہے۔

تیسری شہادت:

علامہ ابن دقیق العید کا قول ”وَعَدَمُ ثُبُوتِ الْخَبَرِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَكِ لَا يَمْنَعُ مِنْ ثُبُوتِهِ عِنْدَ غَيْرِهِ الْخ“ (معارف السنن بحوالہ نصب الراية) بتا رہا ہے کہ وہ بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ سے کسی خاص لفظ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے بلکہ اس کے تمام الفاظ کو شامل

ہونے کے قائل ہیں ورنہ انہیں مندرجہ بالا بات کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی صرف اتنا ہی کہہ دیتے کہ یہ فیصلہ فلاں لفظ سے متعلق ہے۔

چوتھی شہادت:

حافظ ابن حجر کا کلام آپ اس سے پہلے میرے رقعہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں جو اس بات میں صریح ہے کہ جس کو امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا اسی کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے غیر ثابت قرار دیا ہے تو حافظ صاحب بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ترمذی نسائی اور ابوداؤد والے الفاظ سے بھی متعلق سمجھتے ہیں۔

پانچویں شہادت:

حافظ زیلعی حنفیؒ نے اپنی کتاب نصب الراية میں ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کا جواب ان الفاظ میں دیا ”وَعَدَمُ ثُبُوتِ الْخَبَرِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَكِ لَا يَمْنَعُ مِنْ ثُبُوتِهِ عِنْدَ غَيْرِهِ وَكَيْفَ وَهُوَ يَدُورُ عَلَى عَاصِمِ بْنِ كَلْبٍ وَهُوَ ثِقَّةٌ مِنْ رِوَاةِ مُسْلِمٍ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ الْمَغْرِبِيُّ فِي كِتَابِ الْوَهْمِ وَالْإِيْهَامِ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ الْإِسْلَامِيُّ“ ۱۰ھ (معارف السنن بحوالہ نصب الراية) اس عبارت سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ حافظ زیلعی حنفیؒ کے نزدیک بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی روایت کو غیر ثابت قرار دیا جس روایت کو ابن حزم وغیرہ نے صحیح کہا اور وہ ترمذی، نسائی اور ابوداؤد وغیرہم والی روایت ہی ہے یاد رہے مندرجہ بالا عبارت ”وعدم ثبوت الخبر الخ“ کو صاحب نصب الراية نے ابن دقین العید سے نقل فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی کوئی حرف گیری نہیں کی۔

چھٹی شہادت:

صاحب الجوہر النقی علامہ علاء الدین ماردینی صاحب حنفی بیہقی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اِعْتَرَضُوا عَلَيْهِ مِنْ ثَلَاثَةِ اَوْجِهٍ اَحَدُهَا أَنَّ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَالَ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِي الثَّانِي أَنَّ الْمُنْذَرِيَّ ذَكَرَ قَوْلَ ابْنِ الْمُبَارَكِ ثُمَّ قَالَ: وَقَالَ غَيْرُهُ: لَمْ يَسْمَعْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ مِنْ عُلُقَمَةَ الثَّالِثِ قَالَ الْحَاكِمُ: عَاصِمٌ لَمْ يُخْرِجْ حَدِيثَهُ فِي الصَّحِيحِ. وَالْجَوَابُ عَنِ الثَّلَاثَةِ أَنَّ عَدَمَ ثُبُوتِهِ عِنْدَ ابْنِ الْمُبَارَكِ مُعَارِضٌ لثَبُوتِهِ عِنْدَ غَيْرِهِ فَإِنَّ ابْنَ حَزْمٍ صَحَّحَهُ فِي الْمُحَلَّى وَحَسَنَهُ التِّرْمِذِيُّ النَخَ.”

علامہ ماردینی حنفی کا یہ کلام صریح ہے کہ جس روایت اور جن الفاظ کو ابن حزم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا اسی روایت اور انہی الفاظ سے متعلق حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود النخ“ فرمایا تو علامہ ماردینی حنفی کا نظریہ بھی یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود النخ“ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہے۔

دو باتیں:

① نصب الراية۔ حوالہ سے معارف السنن میں حافظ ابن دقین العید کے قول کے الفاظ ”وعدم ثبوت الخبر عند ابن المبارک لا يمنع من ثبوته عند غیره“ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ان کو سامنے رکھیں اور حافظ ابن دقین العید ہی

۱۔ یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بیہقی کی سند ترمذی والی سند ہی ہے وکعب عن سفیان الخ ۱۲ منہ

۲۔ جو ہر نقی میں لفظ ایسے ہی ہے ۱۲۔

کے اسی قول کا جو خلاصہ ”عدم ثبوته عند ابن المبارک لایمنع من اعتبار رجاله“ علامہ ماردینی نے جو ہر تہی میں پیش فرمایا اس پر بھی غور و فکر فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دونوں میں فرق ہے۔

② آپ نے دیکھ لیا کہ دو بڑے حنفی بزرگ حافظ زلیعی حنفی اور علامہ ماردینی حنفی کبھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت پر بھی چسپاں کرتے ہیں۔ اب ذرا قاری صاحب کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں ”اس تفصیل کے بعد بھی اگر کوئی مولانا صاحب اس حدیث پر ابن مبارک کی جرح چسپاں کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نزاع تعصب یا کم عقلی ہے“ قاری صاحب کا یہ فتویٰ باتقویٰ صرف چسپاں کرنے کی کوشش کرنے والے سے متعلق ہے اور حافظ زلیعی حنفی، علامہ ماردینی حنفی اور دیگر بہت سے اہل علم نے تو کوشش سے بڑھ کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو اس روایت پر چسپاں کر بھی دیا ہوا ہے لہذا حافظ زلیعی حنفی اور علامہ ماردینی حنفی سمیت وہ تمام بزرگ از روئے انصاف قاری صاحب کے نزدیک تو بہت ہی زیادہ ”زرے تعصب“ والے اور بہت ہی زیادہ ”کم عقل“ ٹھہرے قاری صاحب! کاش کہ آپ نے یہ فتویٰ صادر فرماتے وقت اپنے ان بڑوں حافظ زلیعی حنفی اور علامہ ماردینی حنفی کو ہی نظر میں رکھا ہوتا اور کچھ تو سوچا ہوتا۔ کسی نے سچ کہا پہلے سوچو پھر بولو یہ میرا مشورہ ہے گر قبول افتدز ہے عز و شرف۔ باقی قاری صاحب کی ”اس تفصیل“ والی قید ان کے اس فتویٰ کے ان مندرجہ بالا بزرگوں پر چسپاں ہونے سے مانع نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تفصیل بلکہ اس سے کہیں زیادہ تفصیل آخر

۱۔ یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔

ان بزرگوں کو بھی تو معلوم ہی تھی نا آخر طحاوی، بیہقی، دارقطنی، مسند الامام ابی حنیفہ، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث ان بزرگوں کے مطالعہ میں بھی تو رہا کرتی تھیں۔

ساتویں شہادت:

حافظ منذری بھی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ترمذی اور دیگر کتب والی روایت سے بھی متعلق سمجھتے ہیں جیسا کہ علامہ ماردینی حنفی کے منقول بالا کلام سے واضح ہے اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے محدثین اور اہل علم کے نام گنوائے جاسکتے ہیں مگر سردست ان سات بزرگوں کے اسماء گرامی پر ہی اکتفا کرتا ہوں تو سات شہادات والے جواب سمیت یہ کل دس جوابات ہیں جن سے قاری صاحب اور ان کے ہمنا حضرات کے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں مذکور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ٹالنے والی سعی و کوشش کا خوب خوب رد ہو گیا۔

اس سلسلہ میں قاری صاحب کی ایک اور بات کا رد:

قاری صاحب لکھتے ہیں ”اور دوسری بات یہ کہ ہے بھی غیر مفسر الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) تو ان کی یہ بات بھی کئی وجوہ سے نادرست ہے۔

① حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے اس فیصلہ میں کسی راوی پر جرح نہیں کی صرف حدیث کے متعلق اپنا حکم اور فیصلہ سنایا ہے کہ وہ ثابت نہیں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ثابت نہ ہونے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی مگر یہ کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ کے ان

کے اپنے ہاں دُرست ہونے کا رد ہے اور نہ ہی واقع میں کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین احادیث سے متعلق اپنے فیصلہ جات میں بسا اوقات دلیل ذکر نہیں کرتے پھر ان کے دلیل ذکر نہ کرنے سے دلیل کے وجود کی نفی نہیں ہوتی نیز حضرت عبداللہ بن مبارک ثانی ہیں نہ کہ مدعی اور دلیل مدعی کے ذمہ ہوا کرتی ہے جیسا کہ اس اُصول کا قاری صاحب کو بھی علم ہے لہذا قاری صاحب کے قول ”ہے بھی غیر مفسر“ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کے مقابلہ میں رتی وزن نہیں۔

② قاری صاحب نے ترمذی، ابن حزم اور دیگر اہل علم سے جو تحسین و تصحیح والے فیصلے نقل کیے ہیں وہ بھی تو غیر مفسر ہی ہیں حالانکہ دلیل پیش کرنا قاری صاحب کے نزدیک بھی مثبت و مدعی کی ذمہ داری ہے اور ثانی کے لیے تو صرف نفی کر دینا ہی کافی ہوا کرتا ہے تو اگر قاری صاحب نے حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو محض غیر مفسر ہونے کی بنیاد پر رد کرنا ہے تو پھر از روئے انصاف وہ ترمذی کے تحسین اور ابن حزم کے تصحیح والے فیصلوں کو بھی تو رد کریں کیونکہ یہ فیصلے بھی تو آخر غیر مفسر ہی ہیں۔

③ حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا ”لم یثبت“ والا فیصلہ نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک ہی کے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں:

”وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدِي حَدِيثُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ ذَكَرَهُ عَبْدُ اللَّهِ وَمَالِكٌ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَارَاهُ وَأَسْعَاثُ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ لِكَثْرَةِ الْأَحَادِيثِ وَجُودَةِ الْأَسَانِيدِ.“ (رج ۲)

تو اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے اپنے فیصلہ ”لم یثبت“ کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ ترک رفع الیدین کی روایات میں قلت ہے اور ان کی سندوں میں جودت اور عمدگی بھی نہیں لہذا ان کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ غیر مفسر نہ رہا تو قاری صاحب کی یہ دوسری بات ”ہے بھی غیر مفسر“ بالکل بے کار اور بے بنیاد ہے۔

مشہور محدث حضرت ابو حاتم رازیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں بحوالہ تلخیص لکھا تھا ”وقال ابن ابی حاتم عن ابیہ: هذا حدیث خطاء“ ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے“ (میرا رقعہ نمبر اس ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”جس حدیث پر امام ابو حاتم نے جرح کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

”وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْعِلَلِ ج ۱ ص ۹۶ سَأَلْتُ أَبِي عَنْ حَدِيثِ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ فَقَالَ أَبِي: هَذَا خَطَاءٌ يُقَالُ: وَهُمْ فِيهِ الثَّوْرِيُّ الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷)

قاری صاحب نے حافظ ابو حاتم رازیؒ کے فیصلہ ”هذا حدیث خطاء“ کو ٹالنے کے لیے وہی بات کہی جو وہ اس سے قبل حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ٹالنے کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں تو جس طرح ان کی پہلی کوشش ناکام تھی اسی طرح ان کی یہ کوشش بھی ناکام ہی ہے تو سنئے:

① اولاً، کتاب العلل کی نصب الراية میں منقول عبارت میں واضح طور پر موجود

یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

ہے کہ حافظ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ”ہذا حدیث خطاء“ اس روایت سے متعلق ہے جس روایت کی سند میں سفیان ثوری ہیں اور حضرت سفیان ثوری ترمذی ابو داؤد نسائی بیہقی اور طحاوی تمام کی سندوں میں موجود ہیں گو ان کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے تاہم ان کی بیان کردہ روایت حقیقت میں ایک ہی روایت ہے اور حافظ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ”ہذا حدیث خطاء“ بھی اسی سے متعلق ہے تو ان تمام محدثین کی روایات مع سندات ملاحظہ ہوں تاکہ صحیح صورت حال روشن ہو جائے۔

① ترمذی کی روایت:

امام ترمذی اپنی مایہ ناز کتاب جامع ترمذی میں لکھتے ہیں ”حَدَّثَنَا هَنَادًا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ إِلَّا أُصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ“

(جامع ترمذی مع التلخیص ج ۱۱ ص ۲۲۰)

② ابو داؤد کی روایت:

امام ابو داؤد اپنی سنن میں فرماتے ہیں ”حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَاوَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: إِلَّا أُصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا حَدِيثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثِ طَوِيلٍ، وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ“

(سنن ابی داؤد مع العون ج ۱ ص ۲۷۲)

③ نسائی کی روایت:

امام نسائی اپنی سنن میں لکھتے ہیں: ”أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ.

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۳)

④ بیہقی کی روایت:

امام بیہقی اپنی سنن کبریٰ میں فرماتے ہیں ”أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الْفَقِيهُ أَنَبَانَا أَبُو حَامِدٍ بْنُ بِلَالٍ أَبَا مُحَمَّدٍ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْأَحْمَسِيُّ ثَنَا وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ يَعْنَى ابْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَعْنَى ابْنُ مَسْعُودٍ: لَا صَلَاتَيْنِ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً“۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۷۸)

⑤ طحاوی کی روایت:

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں ”حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ قَالَ ثَنَا نَعِيمُ بْنُ حَمَادٍ قَالَ ثَنَا وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ ثَنَا وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ بِإِسْنَادِهِ“۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۴)

تو جناب آپ نے دیکھ لیا کہ ان مذکورہ بالا تمام سندوں میں حضرت سفیان ثوری موجود ہیں تو یہ پانچوں کی پانچوں روایات حضرت سفیان ثوریؒ ہی کی روایت ہے اور حافظ ابو حاتم رازیؒ کا فیصلہ ”هذا حديث خطأ“ بھی حضرت سفیان ثوریؒ ہی کی روایت سے متعلق ہے لہذا قاری صاحب کا حافظ ابو حاتم رازیؒ کے فیصلہ ”هذا حديث خطأ“ کو ان مذکورہ پانچ روایات سے بعض کے متعلق کہنا درست نہیں رہا

الفاظ کا اختلاف تو وہ کوئی مضرت نہیں چنانچہ قاری صاحب کے ہی بڑے اور بزرگ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی آثار السنن کی تعلیق میں حضرت سفیان ثوری کی سند سے کئی ایک روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا مَا زَعَمَ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ أَنَّ جَمَاعَةً مِنْ أَصْحَابِ وَكِيعٍ لَمْ يَقُولُوا هَكَذَا فَبَاطِلٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ مَرَّانًا أَنَّ أَحْمَدَ وَابْنَكِرَ بْنَ أَبِي شَيْبَةَ رَوَاهُ عَنْ وَكِيعٍ وَقَالَا فِيهِ: فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ الْأَمْرَةَ وَهَذِهِ الْكَلِمَةُ فِي مَعْنَى قَوْلِهِ: فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ. وَقَدْ تَابَعَهُمَا جَمَاعَةٌ عَنْ وَكِيعٍ مِنْهُمْ عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَهَنَادٌ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَمَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ وَنُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ وَبُخَيْرِيُّ بْنُ يَحْيَى عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ كُلُّهُمْ عَنْ وَكِيعٍ وَقَالُوا فِيهِ: فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ الْأَمْرَةَ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ. وَأَمَّا مَا زَعَمَ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ حَاتِمٍ مِنْ أَنَّ الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ سَفْيَانَ فَيَجَابُ عَنْهُ بِوُجُوهِ الْخ“ (ص ۱۰۵)

نیوی صاحب حنفی کی یہ عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ امام بخاری اور امام ابو حاتم رازی کا سفیان ثوری کے وہم والا قول سفیان ثوری کی ان تمام روایات سے متعلق ہے جن میں ”لم يعد“ یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ موجود ہے اور ان روایات میں نیوی صاحب حنفی نے بذات خود ابوداؤد ترمذی، نسائی اور طحاوی کی روایات کو بھی شمار کیا ہے لہذا قاری صاحب کی مندرجہ بالا بات مردود ہے۔

② ثانیاً، قاری صاحب کے اس قول کی بنیاد ان کی اپنی ہی دو قوسوں کے درمیان ذکر کی ہوئی قید (اس طریقہ سے) پر ہے اس لیے ان کے ذمہ ہے کہ پہلے اس قید کا ابو حاتم رازی کے کلام میں ہونا ثابت فرمائیں اور اس کے بعد اپنی مندرجہ بالا بات بنائیں تو جب بنیاد ہی ثابت نہیں تو اس پر استوار کی ہوئی بات کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

③ ثالثاً، قاری صاحب کی یہ بات ابن ابی حاتم کے سوال میں مذکور عبارت ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہونے پر موقوف ہے لہذا قاری صاحب پہلے اسے تو ثابت فرمائیں بعد میں یہ بات بھی بنا لینا تو جب مدار ہی ثابت نہیں تو اس پر دلائل کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

④ رابعاً، قاری صاحب نے اس مقام پر بھی اپنی اس بات کی بنیاد ”الفاظ ملنے جلنے“ والے قاعدہ پر رکھی ہے اور پہلے آپ سن چکے ہیں کہ انہوں نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی تو ان کا فرض ہے کہ پہلے اپنے اس قاعدہ کو ثابت فرمائیں پھر اس کے بعد اس قسم کی باتیں بنائیں۔

⑤ خامساً، کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی حافظ ابو حاتم رازی کے فیصلہ ”هذا حدیث خطاء“ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں مذکور روایت سے بھی متعلق قرار دیا ہے جن سے صرف دو حنفی بزرگوں کے اسماء گرامی اس مقام پر ذکر کیے جاتے ہیں ① شوق صاحب نیوی جیسا کہ ان کے مندرجہ بالا کلام سے واضح ہے ② صاحب نصب الراية حافظ زیلعی حنفی چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”إِنَّ الْبُخَارِيَّ وَأَبَا حَاتِمٍ جَعَلَا الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ سُفْيَانَ وَابْنِ الْقَطَّانِ وَغَيْرُهُ يَجْعَلُونَ الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ وَكِيعٍ وَهَذَا اخْتِلَافٌ يُؤَدِّي إِلَى طَرْحِ الْقَوْلَيْنِ الْخ“

اس عبارت سے واضح ہے کہ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ”هذا حدیث خطاء“ سی روایت سے متعلق ہے جس روایت سے ابن القطان کا فیصلہ متعلق ہے اور قاری صاحب ہی کے رقعوں سے واضح ہو رہا ہے کہ ابن القطان کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن

مسعود بنی النضرؓ کی ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں مذکور روایت سے بھی متعلق ہے لہذا ابوحاتم رازی کا فیصلہ بھی حافظ زیلعی حنفی کی مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہوگا تو اب قاری صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنا قول ”دیکھ لیا مولانا صاحب حال اپنا کہ بغیر تحقیق کے فرما دینا کہ فلاں یوں کہتا ہے فلاں یوں فی اللجب“ شوق صاحب نیوی حنفی اور حافظ زیلعی حنفی پر بھی چسپاں کریں کیونکہ انہوں نے بھی حافظ ابوحاتم رازی کے فیصلہ ”هذا حديث خطأ الخ“ کو اسی روایت سے متعلق قرار دیا ہے جس روایت سے متعلق اس بندہ نے اسے قرار دیا ہے۔

⑥ سادساً بندہ نے حافظ ابوحاتم رازی کے فیصلہ سے متعلق جو کچھ کہا وہ کوئی اپنی طرف سے نہیں کہا تھا بلکہ تنخیص کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کی تحقیق نقل کی تھی لہذا یہ سب حال حافظ ابن حجر کی تحقیق کا حال ہوا اس لیے قاری صاحب اگر آپ نے تعجب کرنا ہے تو حافظ ابن حجر کی تحقیق پر تعجب کیجیے یا یوں کہئے کہ حافظ ابن حجر نے ابوحاتم رازی کے فیصلہ ”هذا حديث خطأ“ کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے متعلق قرار نہیں دیا بات تو باربط کیجیے۔

⑦ سابعاً قاری صاحب پہلے لکھ چکے ہیں ”تیسری روایت طحاوی میں ہے ”ان النبي صلى الله عليه وسلم الخ“ اس کے الفاظ جرح سے ملتے ہیں اور حضرت ابن المبارک کی جرح بھی اسی حدیث کے بارے میں ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۵)

نیز قاری صاحب کتاب العلل سے طحاوی والے الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”تو ابوحاتم نے فرمایا (اس طریقہ سے) یہ حدیث خطا ہے“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) تو قاری صاحب کے ان دونوں بیانون سے پتہ چل رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ”ولم يثبت حديث ابن مسعود الخ“ اور ابوحاتم کا قول ”هذا حديث خطأ“ دونوں ہی ان کے

نزدیک (قاری صاحب کے نزدیک) طحاوی والی روایت سے متعلق ہیں اور طحاوی والی روایت قاری صاحب کے نزدیک بھی خطا اور غیر ثابت ہے ورنہ ان دو بزرگوں کے فیصلوں کو طحاوی والی روایت سے متعلق قرار دینے کا انہیں فائدہ؟ کیونکہ ان کے فیصلوں کو نہ ماننے والی بات تو وہ ان کے دوسری روایات سے متعلق ہونے کی صورت میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ کہنے اور تسلیم کرنے کے بعد قاری صاحب ہی لکھتے ہیں ”لیکن امام ابو حاتم کا نزاد ہم ہے اور یہ حدیث بھی اپنے مقام صحیح ہے“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹) تو قاری صاحب ہی اپنے اس بیان میں طحاوی والی روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں جبکہ پہلے وہ خود ہی حضرت عبداللہ بن مبارک کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو طحاوی والی روایت سے متعلق کہہ کر اس طحاوی والی روایت کے غیر ثابت ہونے کو تسلیم فرما چکے ہیں تو دیکھ لیا قاری صاحب حال اپنا فیالجذب۔

⑧ ثامناً، قاری صاحب لکھتے ہیں ”تو مولانا صاحب میں نے وہ حدیث پیش کی تھی جس میں عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کی نماز کا نقشہ پڑھ کر دکھایا تھا“ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹) بندہ وہ روایت آپ کے سامنے رکھ دیتا ہے جس کو قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ میں پیش کیا تھا چنانچہ ملاحظہ ہو وہ خود ہی لکھتے ہیں ”عن عبداللہ بن مسعود قال الا اصلی لکم صلاة رسول اللہ فصلی ولم یرفع یدیه الا فی اول مرة“ یہ روایت ترمذی ج ۱ ص ۶۴ اور طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲۰ میں مذکور ہے الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۱ ص ۱) تو قاری صاحب کا اپنے پہلے رقعہ میں طحاوی کا حوالہ بھی پیش کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے طحاوی والی روایت بھی پیش کی تھی تو اب

۱۔ یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔ ۱۲ منہ

قاری صاحب کا ”میں نے وہ حدیث پیش کی تھی الخ“ کہہ کر طحاوی والی روایت کے پیش کرنے سے انکار و فرار کیسا اور کیوں؟ اللہ تعالیٰ سے خود بھی تو ڈرو نا۔

⑨ تاسعاً قاری صاحب کا اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی والی روایت نقل کر کے طحاوی کا حوالہ بھی ذکر فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے رُقعہ میں ترمذی اور طحاوی والی روایتوں کو ایک ہی روایت اور حدیث قرار دیا ہے لہذا جو تضعیف روایت کے فیصلے طحاوی والی روایت سے متعلق ہوں گے وہ تمام کے تمام فیصلے ترمذی والی روایت سے متعلق بھی ہوں گے کیونکہ وہ دونوں روایتیں قاری صاحب کے پہلے رُقعہ کے مطابق دراصل ایک ہی روایت ہیں لہذا حضرت عبداللہ بن مبارک کا فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ اور حافظ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ”هذا حدیث خطاء“ دونوں ہی ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت سے بھی متعلق ہیں۔

⑩ عاشرأً آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ قاری صاحب جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تصحیح و تحسین پر گفتگو فرماتے ہیں تو پھر وہ ترمذی، ابوداؤد اور طحاوی والی روایتوں کو ایک ہی روایت قرار دیتے ہیں اور امام ترمذی رضی اللہ عنہ کے حسن اور ابن حزم کے صحیح کہنے کو ان سب پر چسپاں کرتے ہیں اور جوں ہی وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ نیز حافظ ابو حاتم رازی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ ”هذا حدیث خطاء“ پر پہنچتے ہیں تو پھر طحاوی والی روایت کو جدا اور ترمذی، ابوداؤد اور نسائی والی روایت کو جدا بنا دیتے ہیں آیا انصاف اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کا نام ہے؟ کہیں بات یہی تو نہیں کہ پہلی صورت ان کے مذہب کے موافق اور دوسری ان کے مذہب کے مخالف ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ کا فیصلہ

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں حافظ ابن حجر کی مشہور و معروف کتاب تلخیص کے حوالہ سے لکھا تھا ”وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَشَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيفٌ نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا وَتَابَعَهُمَا عَلَى ذَلِكَ“ امام احمد بن حنبل اور ان کے استاذ حضرت یحییٰ بن آدم دونوں فرماتے ہیں ”وہ روایت ضعیف ہے“ امام بخاری نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۴)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب بڑے جوش و غضب سے لکھتے ہیں ”امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اس حدیث پر جرح نہیں کی اگر ہمت کر کے مولانا حافظ عبدالننار مجھے یہ دکھلا دے صحیح حوالہ سے کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم نے اس کو ضعیف کہا ہے تو میں جھوٹا اور آپ سچے“۔ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹)

قاری صاحب آپ کو معلوم ہے کہ بندہ نے جو کچھ امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن آدم سے نقل کیا وہ تلخیص کے حوالہ سے نقل کیا تو بندہ نے حوالہ صحیح دیا ہوا ہے ورنہ آپ لکھیں کہ تیری مندرجہ بالا عبارت حافظ ابن حجر کی کتاب تلخیص میں نہیں مگر یہ بات آپ نے کہی نہ آپ آئندہ کہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ تلخیص میں وہ عبارت موجود ہے تو جب تلخیص کے حوالہ سے بندہ کی نقل کردہ عبارت تلخیص میں موجود ہے تو پھر آپ کا فرمانا ”ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں“ مجھ پر نرا بہتان ہے تو آپ برائے مہربانی اپنے لفظ ”فوالسفا“ اگر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں است کا رطفلاں تمام خواہد شد“ اور ”کون سی کون سی غلطی پکڑوں خدا واسطہ دے کر کہتا ہوں

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

کہ اللہ سے ڈرو فالی اللہ الممشکی، اپنے اوپر ہی چسپاں کر لیجیے تو بندہ نے صحیح حوالہ اپنے پہلے رقعہ ہی میں پیش کر دیا ہوا ہے لہذا اپنے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں خود ہی سمجھ لیں آپ سچے ہیں یا.....؟

ہاں تو اگر قاری صاحب فرمائیں کہ تلخیص میں تو وہ عبارت موجود ہے مگر وہ اصل کتاب نہیں حوالہ اصل کتاب کا درکار ہے تو گزارش ہے یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں دیکھئے جناب نے بھی نصب الراية عرف شذی اور راہ سنت کے حوالے دیے ہوئے ہیں حالانکہ یہ تینوں کتابیں اصل نہیں ہیں البتہ یہ بات آپ کی معقول ہو سکتی تھی کہ حافظ ابن حجر نے یوں ہی تلخیص میں یہ بات لکھ دی ویسے وہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم سے ثابت نہیں مگر یہ بات آپ نے ابھی تک نہیں کہی تو اگر آپ صاحب مشکوٰۃ پر ابوداؤد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا الزام لگانے کی طرح صاحب تلخیص پر بھی امام احمد اور یحییٰ بن آدم کے فیصلہ تضعیف کے نقل کرنے میں وہم کا الزام لگا دیں اور صاف صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے تلخیص میں حافظ ابن حجر کا فیصلہ تضعیف کو نقل کرنا حافظ ابن حجر کا تراویم ہے تو یہ بندہ ان شاء اللہ العزیز معتبر اور مستند اصل کتاب سے فیصلہ تضعیف کا امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے ثابت ہونا پیش کر دے گا نیز وہ اصل کتاب بھی آپ کو دکھا دے گا۔ ذرا جرات تو فرمائیں بندہ کو یقین ہے کہ اس مقام پر بھی آپ کا حال صاحب مشکوٰۃ پر ابوداؤد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا بے بنیاد الزام لگانے والے حال سے مختلف نہیں ہوگا بلکہ اس مقام پر اس سے بھی کہیں زیادہ ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بندہ نے تلخیص کے حوالہ سے امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن آدم کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق فیصلہ تضعیف نقل کرنے کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے اسی روایت سے متعلق فیصلہ تضعیف کو بھی نقل کیا تھا لیکن قاری صاحب نے حضرت الامام بخاریؒ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت سے

متعلق فیصلہ تضعیف پر ادنیٰ کلام بھی نہیں کیا تو ان کے اپنے ہی اصول ”جب آپ ہی نے کوئی شک و شبہات اور اعتراض نہیں کیے... لہذا ثابت ہوا یہ تمہارے نزدیک بھی صحیح ہے“ کے مطابق امام بخاری کا فیصلہ تضعیف تو آپ کے نزدیک بھی صحیح ٹھہرا لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت آپ کے اس اصول کے مطابق تمہارے نزدیک بھی ضعیف ہے۔

قاری صاحب لکھتے ہیں ”اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹) اور یہی بات وہ ایک دفعہ اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”مولانا صاحب یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہیں الخ“ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) تو قاری صاحب! یہ بات درست ہے کہ میں نے جتنا مواد اپنے رقعہ جات میں پیش کیا وہ شوافع وغیرہ ہی سے منقول ہے مگر آپ بتائیں آخر اس میں عیب کیا ہے؟ آپ نے بھی تو جتنا مواد اپنے رقعہ جات میں ذکر کیا وہ سارے کا سارا شوافع وغیرہ سے ہی تو منقول ہے کیونکہ آپ کے لفظ ”شوافع“ میں تو شوافع شامل ہو گئے اور آپ کے لفظ ”وغیرہ“ میں باقی سب اہل علم شامل ہو گئے وہ مالکی ہوں خواہ حنبلی، حنفی ہوں خواہ غیر حنفی اور اہل حدیث ہوں خواہ اہل الرائے تو اس سلسلہ میں جو بھی نکتہ چینی آپ مجھ پر کریں گے وہ تمام کی تمام نکتہ چینی خود بخود آپ پر بھی چسپاں ہوتی جائے گی کیونکہ آپ نے بھی جو کچھ اپنے رقعوں میں لکھا شوافع وغیرہ سے ہی مانگ مانگ کر لکھا اس لیے مجھے تو کوئی افسوس نہیں آخر افسوس کروں بھی تو کیوں؟ کہ قاری صاحب جو طعنہ مجھے دیتے ہیں وہ خود بھی اس کی لپیٹ اور زد میں آ چکے ہوتے ہیں جیسا کہ آپ پہلے کئی مقامات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق امام ابوداؤد کا فیصلہ:

بندہ نے بحوالہ تلخیص ہی لکھا تھا ”وقال ابوداؤد: ليس هو بصحيح“ اور

امام ابو داؤد فرماتے ہیں ”وہ روایت صحیح نہیں“ (میرا رقعہ نمبر اس ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب فرماتے ہیں ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابو داؤد ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں لیس صحیح کے الفاظ مذکور نہیں یہ الفاظ حضرت براء ابن عازب کی روایت کے آخر میں ہیں جو ابو داؤد ج ص ۱۱۰ میں مذکور ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

اہل علم کو معلوم ہے کہ ”لیس ہو بصحیح“ کے امام ابو داؤد کا فیصلہ ہونے کے لیے ان الفاظ کا سنن ابی داؤد کے کسی ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی ہے۔ اس مطلوب کی خاطر ان الفاظ کا سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں البتہ قاری صاحب کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ فرمائیں ”سنن ابی داؤد کے ان کے پاس موجود نسخہ میں یہ الفاظ مذکور نہیں“ مگر انہیں سنن ابی داؤد میں ہونے کی علی الاطلاق نفی کرنے نیز اس کے امام ابو داؤد کا فیصلہ ہونے کی نفی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت موجود ہے جیسا کہ بندہ اپنے پہلے رقعہ میں اس کی تصریح کر چکا ہے سر دست سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ ملاحظہ فرمائیں جس میں حضرت الامام ابو داؤد کا مندرجہ بالا فیصلہ ”لیس ہو بصحیح“ مذکور و مکتوب ہے چنانچہ حدیث سمیت وہ فیصلہ نیچے درج ہے۔ حضرت الامام ابو داؤد اپنی مایہ ناز کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں:

بَابُ مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ

۷۴۸: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ (يَعْنِي) ابْنَ كَلْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: إِلَّا أَصَلَى بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً (قَالَ

أَبُو دَاوُدَ هَذَا مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثِ طَوِيلٍ، وَلَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ). (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹۹۔ مطبوع مصر)

علامت [] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دو خطوں کے درمیان مذکور عبارت سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے اور بعض نسخوں میں موجود نہیں بہر حال اس فیصلہ ”لیس ہو بصحیح“ کی حضرت الامام ابو داؤد کی طرف نسبت بالکل صحیح اور درست ہے جس سے کوئی مجال انکار نہیں۔ یہ بندہ سنن ابی داؤد کا محولہ بالا نسخہ رقعہ رساں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہے تاکہ آپ بذات خود حضرت الامام ابو داؤد کے فیصلہ کے سنن ابی داؤد میں موجود و مذکور ہونے کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں تو برائے مہربانی کتاب پہنچتے ہی مطلوبہ صفحہ نکال کر مندرجہ بالا عبارت آپ دیکھ لیں اور کتاب اسی وقت رقعہ رساں کو واپس کر دیں۔

پھر حضرت الامام ابو داؤد اور ترجمۃ الباب میں بھی اپنی اس عبارت ”لیس ہو بصحیح“ میں مذکور فیصلہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کیونکہ ان کے ترجمۃ الباب کے لفظ ہیں ”من لم يذكر الرفع عند الركوع“ جس نے رکوع والے رفع الیدین کو ذکر نہیں کیا اور واضح ہے کہ کسی شے کے ذکر کی نفی سے اس شے کی نفی نہیں ہوتی تو حضرت الامام ابو داؤد کا یہ ترجمۃ الباب اس بات کی طرف رمز ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو روایت صحیح ہے اس میں تو رکوع والے رفع الیدین کی نفی نہیں صرف اس میں رکوع والے رفع الیدین کا ذکر نہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں رکوع والے رفع الیدین کی نفی ہے ان کی وہ روایت صحیح ہی نہیں اور یہ ترجمۃ الباب سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حافظ دارقطنی کا فیصلہ:

بندہ نے تلخیص کے حوالہ ہی سے لکھا تھا ”وقال الدارقطني: لم يثبت“ اور دارقطنی فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب

لکھتے ہیں ”اس کا جواب مولانا صاحب اولاً تو یہ ہے کہ غیر مفسر ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

- ① اولاً قاری صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ دارقطنی یہ کوئی کسی راوی پر جرح نہیں کر رہے کہ آپ اسے غیر مفسر کہہ کر نال دیں یہ تو انہوں نے اس روایت سے متعلق اپنے فیصلہ کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ روایت ثابت نہیں۔
- ② ثانیاً قاری صاحب! آپ نے تحسین و تصحیح کے سلسلہ میں جتنے بھی فیصلے نقل کیے وہ بھی تو تمام کے تمام غیر مفسر ہی ہیں لہذا آپ کے ہی غیر مفسر والے اصول کے مطابق ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

- ③ ثالثاً بات تو ہو رہی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق ”لم یثبت“ کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونے پر تو اس کے غیر مفسر ہونے سے اس ”لم یثبت“ کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی البتہ اس سے ”لم یثبت“ کے حافظ دارقطنی کا فیصلہ ہونا سمجھا جاتا ہے ورنہ اسے غیر مفسر کہنے کے کیا معنی؟

- ④ رابعاً حافظ دارقطنی تو اپنے اس فیصلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے ثبوت کی نفی فرما رہے ہیں اور دلیل پیش کرنا اصول کے لحاظ سے مدعی کے ذمہ ہوتا ہے لہذا آپ اور آپ کے ہمنوا حافظ دارقطنی کے فیصلہ کو غیر مفسر کہنے کی بجائے اس روایت کے ثابت ہونے کی دلیل پیش کریں۔

- ⑤ خامساً صاحب آثار السنن کی اس سے قبل گزری ہوئی عبارت ”واما ما زعم الدارقطني من ان جماعة من اصحاب و كيع لم يقولوا هكذا فباطل ايضاً الخ“ سے واضح ہے کہ حافظ دارقطنی کا فیصلہ ”لم یثبت“ غیر مفسر نہیں بلکہ مفسر ہے کہ انہوں نے اپنے فیصلہ ”لم یثبت“ کی وجہ کی تفسیر کر دی ہے رہا اس وجہ کا نا درست ہونا تو وہ اور بات ہے اصل وجہ وہ ہے جو امام بخاری اور ابوحاتم

نے بیان فرمائی ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”تم نے ان حوالوں کی دلیلیں نہیں لجن میں سے ایک یہ بھی ہے لہذا دعویٰ بغیر دلیل کے خارج“ قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱ قاری صاحب کی یہ بات غلط ہے دیکھئے بندہ کا رقعہ نمبر ۱ میں بھی تلخیص کا حوالہ موجود ہے پھر قاری صاحب خود ہی اس کے بعد لکھتے ہیں ”مولانا صاحب یاد رہے امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں تو جناب قاری صاحب آپ نے اس بات کا کوئی حوالہ دیا نیز اس کی کوئی دلیل پیش فرمائی؟ نہیں ہرگز نہیں لہذا دعویٰ بلا دلیل خارج“ پھر یہ ہے بھی غیر مفسر جبکہ ”لم یثبت“ والا فیصلہ مفسر ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے تو قاری صاحب فرمائیں انصاف اور اللہ تعالیٰ کا ڈر اسی کو کہتے ہیں؟ تو قاری صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بیان ”امام دارقطنی صحیح کہتے ہیں“ کا حوالہ دیں اور اس کو امام دارقطنی سے ثابت فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حافظ ابن حبان کا فیصلہ:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں تلخیص ہی کے حوالہ سے لکھا تھا ”وَقَالَ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الصَّلَاةِ: هَذَا أَحْسَنُ خَبَرٍ رَوَى لِأَهْلِ الْكُوفَةِ فِي نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ أَضْعَفُ شَيْءٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِأَنَّ لَهُ عِلَالًا تُبْطِلُهُ“ اہ اور ابن حبان کہتے ہیں کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب۔ بے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شے ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۴) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”ابن حبان کی جرح کئی وجہ سے مردود ہے اولاً اس

۱۔ قاری صاحب کے رقعہ میں یہ عبارت اسی طرح ہے ۱۲ منہ

لیے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے پتہ نہیں ان کا کس سند پر اعتراض ہے۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱) قاری صاحب کی یہ بات کئی ایک وجوہ کی بنا پر ناقابل قبول ہے۔

① اولاً تو اس لیے کہ حافظ ابن حبان نے اپنے فیصلہ ”وہو فی الحقیقۃ اضعف شیء الخ“ میں کسی خاص سند کی طرف کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں فرمایا صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث کو ضعیف ترین شے قرار دیا ہے خواہ وہ کسی سند سے مروی ہے کیونکہ قاعدہ ہے نا ”الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ“ لہذا قاری صاحب کی ”کس سند“ والی بات بے بنیاد ہے۔

② ثانیاً اس لیے کہ پتہ نہ ہونا قاری صاحب کا قصور ہے نہ کہ حافظ ابن حبان کا ”قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ“ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حافظ ابن حبان کا فیصلہ ”وہو فی الحقیقۃ اضعف شیء الخ“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی ہر سند سے متعلق ہے۔

③ ثالثاً اس لیے کہ کسی محدث کا کسی روایت سے متعلق ضعیف یا اضعف ہونے کا فیصلہ ضروری نہیں کہ ضعیف سند پر ہی مبنی ہو کیونکہ ضعیف سند کے علاوہ کئی اور امور بھی ضعف کے اسباب ہوتے ہیں ”کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ بَصِيرَةٌ“۔

④ رابعاً اس روایت کی سند ”علقمة عن عبد اللہ بن مسعود“ تو پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے تو علقمہ کے علاوہ دوسرے راویوں کے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بیان کرنے والی سندوں کو قاری صاحب پیش فرمائیں کیونکہ وہ فرما رہے ہیں ”حضرت ابن مسعودؓ سے کئی سندوں سے یہ روایت مروی ہے“ نیز ان سندوں سے اس روایت کا قابل احتجاج ہونا ثابت فرمائیں ان امور کو سرانجام دیے بغیر آپ کا فرمانا پتہ نہیں ان کا کس سند الخ“

بے کار ہے۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں: ”پھر یہ جرح بھی غیر مفسر ہے“ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱) اس کے وہی چار جواب ہیں جو پہلے قاری صاحب کے حافظ دارقطنی کے فیصلے ”لم یثبت“ کو غیر مفسر کہنے پر لکھے جا چکے ہیں انہیں ایک دفعہ پھر سن لیں۔

① اولاً حافظ ابن حبان نے یہ کوئی کسی راوی پر جرح نہیں کی کہ آپ اسے غیر مفسر کہہ کر ٹال دیں یہ تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق اپنا فیصلہ ”وہو فی الحقیقة اضعف شیء الخ“ سنایا ہے۔

② ثانیاً قاری صاحب! آپ نے بھی جتنے فیصلے اس روایت کی تحسین و تصحیح میں نقل فرمائے وہ سب کے سب غیر مفسر ہی تو ہیں لہذا وہ بھی مردود ورنہ اس مقام پر حافظ ابن حبان کے فیصلہ پر غیر مفسر والا اعتراض کیوں؟

③ ثالثاً بات تو ہو رہی ہے ”وہو فی الحقیقة اضعف شیء الخ“ کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے پر اور اس کے غیر مفسر ہونے یا اسے غیر مفسر کہنے سے اس فیصلہ کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس بات میں اس کے حافظ ابن حبان کا فیصلہ ہونے کا اقرار و اعتراف ہے۔

④ رابعاً حافظ ابن حبان کا فیصلہ ”وہو فی الحقیقة اضعف شیء الخ“ کے بعد اس فیصلہ کی وجہ ”لان له عللا تبطله“ بھی موجود و مذکور ہے تو ان کا یہ فیصلہ غیر مفسر نہ رہا بلکہ مفسر ہو گیا ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ابن حبان نے ان علتوں کو اس مقام پر ذکر نہیں کیا مگر یہ کوئی قابل التفات بات نہیں کیونکہ اس روایت کی علتیں محدثین کے ہاں مشہور معروف ہیں اور ان علتوں میں وہ علت بھی شامل ہے جس کو امام بخاری اور امام ابو حاتم رازی نے بیان کیا ہے۔ نیز وہ علت امام احمد بن حنبل کے شیخ اور اُستاذ حضرت یحییٰ بن آدم سے بھی مروی

ہے۔

نیز قاری صاحب حافظ ابن حبان کے اس فیصلہ ”وہو فی الحقیقۃ اضعف شیء الخ“ کے مردود ہونے کی بزم خود دوسری وجہ بیان کرتے ہیں ”علامہ احمد محمد شاہ کر غیر مقلد شرح ترمذی ج ۲ ص ۴۱ اور علامہ شعیب الارنؤوط غیر مقلد اور علامہ محمد زہیر الشاولیش دونوں تعلیقات شرح السنہ ج ۲ ص ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے“ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① ظاہر ہے کہ ان تین بزرگوں کے اس روایت کو صحیح کہنے سے حافظ ابن حبان کے مندرجہ بالا فیصلہ کا ان کا فیصلہ نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تین بزرگوں نے پہلے مذکورہ بارہ ائمہ محدثین اور اس حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے دیگر اہل علم سے اختلاف کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ فن حدیث و رجال میں جو مقام و مرتبہ اس روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے میرے پہلے رقعہ میں مذکور بارہ ائمہ محدثین کو حاصل ہے وہ مقام و مرتبہ ان تین بزرگوں میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں لہذا ان کے مقابلہ میں ان کی تصحیح پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

② پھر ان تین بزرگوں کے اس روایت کو صحیح کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ رکوع والے رفع الیدین کو سنت نہیں سمجھتے چنانچہ جس صفحہ سے قاری صاحب نے احمد شاہ کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرمائی اسی صفحہ پر اس عبارت کے بعد مندرجہ ذیل عبارت بھی موجود و مذکور ہے تو سنیہ حضرت علامہ احمد شاہ لکھتے ہیں ”وَلَكِنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى تَرْكِ الرَّفْعِ فِي الْمَوَاضِعِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ نَفَى وَالْأَحَادِيثُ الدَّالَّةُ عَلَى الرَّفْعِ اثْبَاتٌ وَالْإِثْبَاتُ مُقَدَّمٌ لِأَنَّ الرَّفْعَ سُنَّةٌ وَقَدْ يُتْرَكُهَا مَرَّةً أَوْ مَرَارًا وَلَكِنَّ الْفِعْلَ الْأَغْلَبَ وَالْأَكْثَرَ هُوَ السُّنَّةُ وَهُوَ الرَّفْعُ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ الخ“

(ترمذی مع تحقیق احمد شاہ ج ۲ ص ۴۱)

حضرت شا کر صاحب فرماتے ہیں ”لیکن یہ روایت (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت) دوسرے مقاموں میں رفع الیدین کے ترک پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ نفی ہے۔ اور رفع الیدین کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث اثبات ہیں اور اثبات مقدم ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ رفع الیدین سنت ہے اور وہ اس کو ایک دفعہ یا کئی دفعہ ترک بھی کرتے ہیں لیکن اغلب اور اکثر عمل ہی سنت ہے اور وہ ہے رکوع کرتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا“ تو جناب دیکھا آپ نے کہ ان بزرگوں نے کتنے واضح اور واضح الفاظ میں رکوع والے رفع الیدین کو سنت قرار دیا ہے تو مقام غور ہے کہ قاری صاحب کو ان کے اس روایت کو صحیح کہنے والے فیصلہ کو نقل کرنے سے آخر فائدہ؟

③ رہا حضرت العلامة احمد شا کر صاحب کا قول ”وَمَا قَالُوهُ فِي تَغْلِيلِهِ لَيْسَ بِعِلَّةٍ“ تو وہ ان کی اپنی رائے ہے اور ادھر دوسرے محدثین اپنی بیان کردہ علتوں کو علتیں قرار دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان علتوں کو ذکر کرتے اور بادلائل ثابت کرتے کہ ان میں کوئی ایک علت بھی واقع میں علت بننے کے قابل نہیں مگر اس مقام پر انہوں نے ایسا نہیں کیا ہم قاری صاحب سے پوچھتے ہیں کہیں ان کا ”غیر مفسر“ والا اعتراض اس مقام پر بھی تو وارد نہیں ہو رہا؟

قاری صاحب کا ایک مشورہ اور اس کا حال:

مندرجہ بالا تین بزرگوں کا مندرجہ بالا فیصلہ نقل کرنے کے بعد قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو میرا یہ مشورہ ہے کہ قبول افتدز ہے عز و شرف“۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① اولاً قاری صاحب! بندہ کا کوئی ایک ہی حوالہ پیش فرما دیں جس کی ان تین بزرگوں میں سے کسی ایک ہی نے تغلیط اور تردید کی ہو باقی ان تین بزرگوں کا پہلے مذکور بارہ ائمہ محدثین کے حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت کو ناقابل

احتجاج قرار دینے سے اتفاق نہ کرنا میرے کسی ایک حوالہ کی بھی تغلیط و تردید نہیں ہے۔

② ثانیاً، بندہ نے آپ کے اس مشورہ کو پہلے ہی سے مد نظر رکھا ہوا ہے اسی لیے تو میں نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا ”تو محترم امجد صاحب! قاری صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا قابل احتجاج ہونا نقل فرمایا ان کے نام اور ان کی تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن القطان کی تصحیح کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے اب یہ بھی یاد رکھئے کہ اس روایت کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن سے بارہ کے اسماء گرامی مع حوالہ اوپر گزر چکے ہیں“ (میرا رقعہ نمبر اص ۵) میری اس عبارت کو غور سے پڑھیں آپ پر واضح ہو جائے گا کہ میں نے تو شروع ہی سے اپنے بڑوں کو مد نظر رکھا ہے لہذا قاری صاحب کا میری اس قسم کی عبارات کو پڑھ کر یہ مشورہ دینا غمازی کرتا ہے کہ وہ بندہ کی اس قسم کی عبارات کو سمجھ ہی نہیں یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بندہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ میرے پہلے رقعہ ہی میں لکھا ہے ”یہ تو قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں“ (میرا رقعہ نمبر اص ۷) کیوں جی قاری صاحب! آپ نے دیکھ لیا کہ بندہ نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو ملحوظ رکھا ہوا ہے اور بات چیت کے آغاز سے لے کر اب تک ان کو مد نظر رکھا ہوا ہے مشورہ دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ضرورت ہے تو صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین نہ کرو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

③ ثالثاً، قاری صاحب! آپ تو مقلد ہیں اس لیے آپ پر تو اپنے بڑوں کی طرف نظر کر لینا بہت ہی ضروری ٹھہرانا لیکن آپ نے مجھے تو یہ مشورہ دے دیا مگر خود اپنے اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ دیکھئے آپ کے بڑے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنویؒ، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ سندھی حنفی اور ان کے علاوہ آپ کے کئی اور بڑے رکوع والے رفع الیدین کو غیر منسوخ قرار دے چکے ہیں تو بتائیں آپ نے رفع الیدین کے نسخ کا دعویٰ کرتے وقت یا اس کے بعد اپنے ان بڑوں کی طرف نظر کی؟ پھر پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کے ہی بڑے علامہ ماردینی حنفی اور حافظ زیلیعی حنفی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے فیصلہ ”ولم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ کو ترمذی والی روایت سے بھی متعلق قرار دیا نیز آپ کے بڑے حافظ زیلیعی حنفی اور علامہ شوق صاحب نیوی حنفی نے حضرت الامام ابو حاتم رازی کے فیصلہ ”هذا حدیث خطاء الخ“ کو بھی ترمذی والی روایت سے بھی متعلق ٹھہرایا تو پھر کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت ابو حاتم رازی کے مندرجہ بالا فیصلوں کو صرف طحاوی والی روایت سے متعلق کہنے میں اپنے ان بڑوں کی طرف نظر فرمائی؟ پھر آپ بندہ کے پہلے رقعہ میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ کے ہی بڑے ملا علی قاری حنفی اور میرک شاہ حنفی نے ”لیس ہو بصحیح“ کو حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ کی تصدیق و تائید کی ہے تو پھر کیا آپ نے اس کو صاحب مشکوٰۃ کا وہم کہنے میں اپنے ان بڑوں کی طرف نظر کی؟ تو الغرض آپ اپنے ہی بڑے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، علامہ سندھی حنفیؒ، علامہ ماردینی حنفیؒ، حافظ زیلیعی حنفیؒ، علامہ شوق صاحب نیوی حنفیؒ، ملا علی قاری حنفیؒ، علامہ میرک شاہ حنفیؒ اور دیگر ان کے

ہمناو حنفی بزرگوں اور بڑوں کی آراء اور ان کے فیصلہ جات کو نظر انداز فرما کر کس منہ سے دوسروں کو مشورہ دیتے ہیں ”اپنے بڑوں کی طرف نظر کر لیا کرو“
 اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الْخ.

- ④ رابعاً اگر قاری صاحب فرمائیں کہ ”میں واقعی ہوں تو مقلد ہی مگر میں ان بڑوں کا تو مقلد نہیں بلکہ میں تو صرف ایک ہی بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو مقلد ہوں“ تو پھر ان سے کہا جائے گا ہم بھی تو بڑوں کے مقلد نہیں۔ آپ تو ہمیں کہتے اور لکھتے ہی غیر مقلد ہو اس کے باوجود آپ نے ہمیں اپنے بڑوں کی طرف نظر کرنے کا مشورہ دیا ہے تو کیا پھر ہم آپ کو تمہارے اپنے بڑوں کی طرف نظر کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے؟ خواہ آپ ان کے مقلد نہ ہی ہوں۔
- پھر آپ اپنے آپ کو اپنے ایک بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد تو سمجھتے اور کہتے ہی ہیں اس لیے آپ کو آپ کے اپنے ہی ایک بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نظر کرنے کا مشورہ دینے میں تو ہم پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تو سنیے قاری صاحب! کیا نسخ رفع الیدین کا دعویٰ کرتے وقت یا اس کے بعد آپ نے اپنے ہی بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نظر کی؟ آپ کے رقعہ جات شاہد ہیں کہ آپ نے آج تک نسخ رفع الیدین کے سلسلہ میں اپنے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بالکل کوئی نظر نہیں کی ورنہ آپ کم از کم کسی ایک جگہ ہی لکھ دیتے کہ ”میرے والا دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ ہمارے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے“ بالخصوص جبکہ مقلد کے لیے قول امام کے سوا اور کوئی چیز مستند ہی نہیں مگر آج تک ”منسوحیت رفع الیدین“ کے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونے کو دلائل سے ثابت کرنا تو درکنار آپ تو ”منسوحیت رفع الیدین“ کو بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونا

تک بھی کہہ سکے نہ لکھ سکے خیر کوئی بات نہیں معنی بامعنی اب ہی ہمت فرما کر اس مسئلہ میں نیز اپنے دیگر مسائل مثلاً نماز کی امامت اور قرآن مجید کی تعلیم پر مال وصول کرنے میں اپنے بہت بڑے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی نظر فرمائیں یہ میرا مشورہ ہے گر قبول افتدز ہے عز و شرف۔

قاری صاحب فرماتے ہیں ”علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ج ۲ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ہمیں تو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا شاید یہ علت ہو کہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱)

① اولاً، اگر واقعی علامہ شبیر احمد عثمانی کو ان علتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا تو بھلا اس میں ان محدثین کا کیا قصور جن کو ان علتوں کے بارے میں علم ہو گیا؟ قصور تو صرف اسی کا ہے جس کو علم نہیں ہو سکا۔

وَمَنْ عَلِمَ حُجَّةً عَلَى مَنْ لَمْ يَعْلَمْ وَمَنْ حَفِظَ حُجَّةً عَلَى مَنْ لَمْ يَحْفَظْ
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ.

② ثانیاً، پھر حضرت العلامة شبیر احمد عثمانی کا قول: ”شاید یہ علت ہو الخ“ ان کی طرف سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ضعیف، معلول اور غیر ثابت قرار دینے والے حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت الامام احمد بن حنبل، حضرت الامام یحییٰ بن آدم، حضرت الامام بخاری، حضرت الامام ابوداؤد، حضرت الامام ابوحاتم رازی، حضرت الامام دارقطنی، حضرت الامام ابن حبان، حضرت الامام دارمی، حضرت الامام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی ایک محدثین کی نیت اور دیانت پر بڑا گھناؤنا حملہ ہے جس کی ان بے چاروں کے پاس کوئی ایک دلیل بھی نہیں جیسا کہ ان کا اپنا ہی لفظ ”شاید“ بتا رہا ہے۔ اگر اس بات کی کوئی دلیل ان کے پاس ہوتی تو وہ ہرگز ”شاید“ کا لفظ استعمال نہ فرماتے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ الخ

③ ثالثاً، اہل علم کو معلوم ہے کہ اہل رائے اپنے مسلک کے دلائل ان مذکور اور غیر مذکور اہل حدیث ہی کی کتب سے پیش کرتے ہیں۔ نیز محدثین اپنے مذہب کے بظاہر خلاف احادیث کی تحسین و تصحیح بھی فرماتے ہیں جیسا کہ اس پوری بات چیت سے بھی یہ بات عیاں اور واضح ہے اور اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جیسا کہ علامہ عثمانی تاثر دے رہے تو پھر صورت حال اس کے برعکس ہوتی تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا یہ قول ”شاید یہ علت ہو کہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے“ ان محدثین پر نرا بہتان ہے۔

④ رابعاً، اگر جواب ایسی ہی بے سروپا باتوں کا نام ہو تو پھر دوسرے بھی کہہ دیں گے ”شاید شبیر احمد عثمانی اور ان کے ہمنوا دیگر حنفی بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو صرف اور صرف اس لیے صحیح یا حسن کہتے ہیں کہ یہ روایت ان کے مذہب کے موافق ہے“ تو جس طرح حنفی لوگ اس بات کو بڑی شد و مد سے بے بنیاد قرار دیں گے بعینہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر علامہ شبیر احمد عثمانی کی مذکورہ بات سراسر واقع کے خلاف، محض بے بنیاد اور زری غلطی ہے۔

⑤ خامساً، اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح یا حسن تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی وہ روایت مذکور بارہ محدثین اور ان کے ہمنوا دیگر اہل حدیث کے مذہب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کے تمام رفع الیدین کو سنت سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت رکوع والے رفع الیدین کے سنت ہونے کے خلاف ہے نہ منافی جیسا کہ پہلے منقول احمد شاہر کے بیان سے واضح ہے اور آئندہ بھی اس پر روشنی ڈالی جائے گی لہذا حضرت عثمانی صاحب کی بات سراسر غلط اور ان مذکور محدثین کے مذہب نیز اس روایت میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے تو قاری صاحب ان پانچ امور کو ذہن نشین فرما کر غور کریں کیا علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ بات کہی اور آپ نے ان سے نقل کی تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر؟

ملفوظ

اس عنوان کے تحت بندہ نے لکھا تھا ”قاری صاحب نے عرف شذی کے حوالہ سے لکھا ہے ”وصحہ ابن القطان الخ“ مگر درایہ بر حاشیہ ہدایہ (ج ۱ ص ۱۱۲) میں لکھا ہے:

”وَقَالَ ابْنُ الْقَطَانِ: هُوَ عِنْدِي صَحِيحُ الْأَقْوَالِ: ثُمَّ لَا يَعُودُ فَقَدْ قَالُوا: إِنَّ وَكَيْعًا كَانَ يَقُولُهَا مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ“ ۱۰ھ

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القطان جملہ ”ثم لا يعود“ کو صحیح نہیں سمجھتے اس لیے صاحب عرف شذی کا بلا استثناء ”صحہ ابن القطان“ لکھنا درست نہیں چنانچہ معارف السنن میں نیل الفرقین سے التقاطاً اور اختصاراً نقل کرتے ہوئے حضرت بنوری لکھتے ہیں۔ ”فَابْنُ الْقَطَانِ فِي كِتَابِ الْوَهْمِ وَالْإِيْهَامِ صَحَّحَ الْحَدِيثَ بِاللَّفْظِ الْأَوَّلِ وَأَعْلَلَ بِلَفْظِ ثُمَّ لَا يَعُودُ الْخ“ (ج ۲ ص ۸۳ ع) (میر ارتعہ نمبر ص ۴۵)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے نیز انہوں نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر عمل کر کے چار چاند لگا دیے ہیں نیز امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں بلکہ حضرت ابن المبارک ”ثم لا يعود“ نقل کرتے ہیں۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ص ۱۳)

① اولاً بندہ کی مندرجہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ صاحب عرف شذی کا بلا استثناء صحہ ابن القطان لکھنا درست نہیں کیونکہ صاحب عرف شذی کو بذات خود اعتراف ہے کہ جملہ ”ثم لا يعود“ کو ابن القطان صحیح نہیں سمجھتے (معارف السنن، نیل الفرقین) تو اب قاری صاحب کا فرض تھا کہ بلا استثناء صحہ ابن القطان کا درست ہونا ثابت فرماتے مگر ان کی مندرجہ بالا عبارت گواہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک حرف بھی نہیں لکھ سکے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بلا استثناء

صححہ ابن القطان کو دہرانے کی جرأت تک بھی نہیں کی اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس سے ایک حرف بھی بلا استثناء صححہ ابن القطان کے درست ہونے پر دلالت نہیں کرتا تو بلاشبہ صاحب عرف شذی کا بلا استثناء صححہ ابن القطان لکھنا ابن القطان پر بہتان ہے۔ تو قاری صاحب ذرا توجہ فرمائیں کہ دوسروں کی طرف غلط باتیں کون منسوب کر رہا ہے؟ پھر کسی کی طرف منسوب کی ہوئی غلط بات کو بلا تحقیق کون نقل کر رہا ہے؟

② ثانیاً، قاری صاحب کا قول ”امام وکیع جب ثقہ ہیں تو ثقہ کی زیادت قابل اعتبار ہے“ محل نظر ہے کیونکہ جملہ ”ثم لایعود“ حضرت وکیع بن جراح کی زیادت کے باب سے نہیں بلکہ ان کے ادراج کے باب سے ہے جیسا کہ ابن القطان کی درایہ میں نقل کردہ عبارت ”فقد قالوا: ان وکیعاً کان یقولها من قبل نفسه“ سے واضح ہے رہا حضرت سفیان کے کچھ دوسرے شاگردوں کا بھی اس جملہ کو ذکر کرنا تو وہ وکیع کے ادراج کی نفی کرتا ہے نہ ہی وہ اس کے منافی ہے۔

③ ثالثاً، چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جملہ ”ثم لایعود“ حضرت وکیع کی زیادت کے باب سے ہی ہے لیکن ثقہ کی زیادت کا مقبول ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں چنانچہ اصول حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے تو قاری صاحب کا فرمانا ”ثقلہ کی زیادت قابل اعتبار ہے“ علی الاطلاق درست نہیں۔

④ رابعاً، قاری صاحب کا قول ”نیز انہوں نے الخ“ بھی نادرست ہے کیونکہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جملہ ”ثم لایعود“ وکیع صاحب کا ادراج ہے لہذا ان کا عمل اس روایت پر عمل نہ رہا۔

⑤ خامساً، قاری صاحب نے حضرت وکیع کے اس روایت کو صحیح سمجھنے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی لہذا دعویٰ بلا دلیل خارج۔

⑥ سادساً، اگر قاری صاحب فرمائیں کہ حضرت وکیع کا اس روایت کے موافق عمل

کرنا ان کے اس روایت کو صحیح سمجھنے کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت وکیع کا عمل اس روایت پر عمل نہیں تھوڑی دیر کے لیے ہم مان لیتے ہیں کہ ان کا عمل اس روایت پر ہی عمل ہے لیکن کسی امام یا راوی کے عمل یا قول کا کسی روایت کے موافق ہونا اس روایت کے اس امام یا راوی کے نزدیک صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ علوم الحدیث لابن الصلاحؒ تدریب الراوی اور دیگر کتب اصول حدیث میں لکھا ہے تو چار چاند والی بات کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

⑦ سابعاً، قاری صاحب کا قول ”امام وکیع اس زیادت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں الخ“ بھی محل نظر ہے کیونکہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ وکیع کا ادرارج ہے نہ کہ ان کی زیادت اور قاری صاحب کا یہ قول زیادت وکیع پر مبنی ہے تو جب بنیاد ہی ثابت نہیں تو اس پر دیوار کیسے تعمیر ہو باقی ابن مبارک وغیرہ کا اس جملہ کو ذکر کرنا ادرارج وکیع کے منافی نہیں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

⑧ ثامناً، جو ابن مبارکؒ جملہ ”ثم لا یعود“ نقل کرتے ہیں وہی ابن مبارکؒ ”لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ بھی تو فرماتے ہیں تو ابن مبارکؒ کا ”ثم لا یعود“ کو نقل کرنا تو اس کے ان کے اپنے ہاں ثابت ہونے کی بھی دلیل نہیں چہ جائے کہ ان کا یہ نقل کرنا کسی دوسرے کے ہاں اس کے ثابت ہونے کی دلیل ہو جبکہ ان کا ”لم یثبت حدیث ابن مسعود الخ“ فرمانا اس روایت کے ان کے ہاں ثابت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

⑨ تاسعاً، ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جملہ ”ثم لا یعود“ وکیع کی زیادت ہے اور وہ اسے بیان کرنے میں متفرد بھی نہیں لیکن ان سے اوپر والے راوی حضرت سفیان ثوریؒ تو اس کو بیان کرنے میں متفرد ہیں۔ پھر امام بخاریؒ امام ابو حاتمؒ اور دیگر اہل علم اس کو حضرت سفیان ثوریؒ کا وہم بھی قرار دے چکے ہیں۔

شوق صاحب نیوی خفی اور حافظ زلیعی خفی کے جواب کا رد:

شوق صاحب نیوی خفی آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا رَعَمَ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُو حَاتِمٍ مِنْ أَنَّ الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ سُفْيَانَ
فِي حَبَابٍ عَنْهُ بِوُجُوهِ أَحَدَهَا إِنَّ مَا رَوَاهُ ابْنُ إِدْرِيسَ فَهُوَ حَدِيثٌ آخَرُ
يَدُلُّ عَلَيْهِ اخْتِلَافُ سِيَاقِهِمَا وَثَانِيهَا إِنَّ سُفْيَانَ أَحْفَظَ مِنْ ابْنِ
إِدْرِيسَ وَقَدْ قَالَ الْحَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ فِي تَرْجَمَةِ سُفْيَانَ: ثِقَّةٌ
حَافِظٌ إِمَامٌ حُجَّةٌ. انْتَهَى فَمَعَ وَتَوْقِهِ وَحِفْظِهِ وَ إِمَامَتِهِ لَا يَضُرُّ
مُخَالَفَةَ ابْنِ إِدْرِيسَ لَهُ وَ ثَالِثُهَا أَنَّ هَذِهِ زِيَادَةٌ وَ الزِّيَادَةُ مِنَ الثِّقَةِ
الْحَافِظِ الْمُتَقِنِ مَقْبُولَةٌ وَ أَجَابَ عَنْهُ الْعَلَّامَةُ الزَّيْلَعِيُّ فِي نَصَبِ
الرَّايَةِ بِأَنَّ الْبُخَارِيَّ وَ أَبَا حَاتِمٍ جَعَلَا الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ سُفْيَانَ وَ ابْنِ
الْقَطَّانِ وَ غَيْرُهُ يَجْعَلُونَ الْوَهْمَ فِيهِ مِنْ وَ كَيْعٍ وَ هَذَا اخْتِلَافٌ يُؤَدِّي
إِلَى طَرَحِ الْقَوْلَيْنِ وَ الرُّجُوعِ إِلَى صِحَّةِ الْحَدِيثِ لِوُرُودِهِ عَنْ
الثِّقَاتِ " ۱۰ (ص ۱۰۶/۱۰۵)

وَالْجَوَابُ عَنِ الْأَوَّلِ أَنَّ كَلَامَ النِّيمَوِيِّ نَفْسَهُ قُبِيلَ هَذَا يَدُلُّ عَلَى
أَنَّ حَدِيثَ هَنَادٍ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَ حَدِيثَ نَعِيمِ ابْنِ حَمَادٍ وَ يَحْيَى بْنِ
يَحْيَى عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ حَدِيثٌ وَاحِدٌ مَعَ أَنَّ فِي سِيَاقِهِمَا أَيْضًا
اخْتِلَافًا فَظَهَرَ أَنَّ كُلَّ اخْتِلَافٍ فِي السِّيَاقِ لَا يَدُلُّ عَلَى تَعَدُّدِ
الْحَدِيثِ. ثُمَّ إِنَّ الْبُخَارِيَّ وَ أَبَا حَاتِمٍ وَ غَيْرَهُمَا كَيْحَى ابْنِ آدَمَ
يَجْعَلُونَ حَدِيثَ ابْنِ إِدْرِيسَ وَ حَدِيثَ سُفْيَانَ وَاحِدًا مَعَ عِلْمِهِمْ
بِاخْتِلَافِ السِّيَاقِ الَّذِي أَشَارَ إِلَيْهِ النِّيمَوِيُّ وَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ
أَعْرَفَ بِالْقَنْ وَ خَبَايَاهُ مِنْ أَمْثَالِ النِّيمَوِيِّ وَ عَنِ الثَّانِي أَنَّهُ لَمْ يَأْتِ بِمَا
يَدُلُّ عَلَى أَنَّ سُفْيَانَ كَانَ أَحْفَظَ مِنْ ابْنِ إِدْرِيسَ سَلَّمْنَا أَنَّ سُفْيَانَ

أَحْفَظُ مِنْ ابْنِ إِدْرِيسَ لَكِنْ نَقُولُ: إِنَّ الْبُخَارِيَّ هُنَالِكَ يَجْعَلُ ابْنَ إِدْرِيسَ أَحْفَظَ مِنْ سُفْيَانَ بَلْ إِنَّمَا جَعَلَ كِتَابَ ابْنِ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلَيْبٍ أَحْفَظَ مِنْ سُفْيَانَ فَقَدْ نَقَلَ الْيَمُومِيُّ عَنْهُ كَلَامَ الْبُخَارِيِّ وَفِيهِ: لِأَنَّ الْكِتَابَ أَحْفَظُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فَإِنَّ الرَّجُلَ يُحَدِّثُ بِشَيْءٍ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى الْكِتَابِ الْخِ وَمَا نَقَلَ مِنْ تَقْرِيبِ الْحَافِظِ لَا يَثْبُتُ بِهِ إِنَّ سُفْيَانَ أَحْفَظَ مِنَ الْكِتَابِ بَلْ لَا يَثْبُتُ بِهِ إِنَّ سُفْيَانَ أَحْفَظَ مِنْ ابْنِ إِدْرِيسَ، فَمَعَ وَثُوقِ سُفْيَانَ وَحِفْظِهِ وَإِمَامِيَّةِ يَضُرُّ مُخَالَفَةَ كِتَابِ ابْنِ إِدْرِيسَ لَهُ وَعَنِ الثَّالِثِ إِنَّ كُلَّ زِيَادَةٍ زَادَهَا الْثِقَةُ الْحَافِظُ الْمُتَّقِنُ لَا تَكُونُ مَقْبُولَةً كَمَا تَحَقَّقُ فِي مَوْضِعِهِ. وَيُجَابُ عَنْ كَلَامِ الزَّيْلَعِيِّ أَوَّلًا بِأَنَّ طَرَحَ الْقَوْلَيْنِ أَوَّالِ الْقَوْلِ إِنَّمَا يَكُونُ حَيْثُ تَسَاوَى الْقَوْلَيْنِ أَوَّالِ الْقَوْلِ فِي الْقُوَّةِ، وَالتَّسَاوَى لَا يُوْجَدُ هَهُنَا فَإِنَّ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ وَغَيْرُهُمَا هُوَ الْأَقْوَى وَالْأَرْجَعُ، فَلَيْسَ هَذَا الْإِخْتِلَافُ مِمَّا يُوْدَى إِلَى طَرَحِ الْقَوْلَيْنِ الْخِ وَثَانِيًا بِأَنَّ لَا يُجَابُ الْإِخْتِلَافُ الطَّرَحُ شَرْطًا آخَرًا وَهُوَ عَدَمُ امْكَانِ الْجَمْعِ وَلَا يُوْجَدُ هَهُنَا لِأَنَّ الْجَمْعَ هَهُنَا مُمَكِّنٌ بِأَنَّ يُقَالُ إِنَّ وَكِيعًا وَسُفْيَانَ كِلَيْهِمَا قَدَوَهُمَا وَأَصْلُهُ مِنْ سُفْيَانَ وَثَالِثًا بِأَنَّ مَقْصُودَ ابْنِ الْقَطَّانِ وَغَيْرِهِ أَنَّ وَكِيعًا قَالَ ثُمَّ لَا يَعُودُ بَعْدَ بَيَانِ الْحَدِيثِ بِذَوْنِهِ فَهُوَ مِنْ بَابِ الْإِدْرَاجِ وَيَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ كَلَامُ ابْنِ الْقَطَّانِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ قَبْلُ فَلَا اخْتِلَافَ بَيْنَ ابْنِ الْقَطَّانِ وَغَيْرِهِ وَبَيْنَ الْبُخَارِيِّ وَأَبِي حَاتِمٍ وَغَيْرِهِمَا فِي جَعْلِ الْوَهْمِ مِنْ وَكِيعٍ أَوْ مِنْ سُفْيَانَ فَلَا اخْتِلَافَ فَلَا طَرَحَ وَرَابِعًا بِأَنَّ اخْتِلَافَ الرُّوَاةِ فِي ذِكْرِ ثُمَّ لَا يَعُودُ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ وَعَدَمُ ذِكْرِهِ اخْتِلَافٌ يُوْدَى إِلَى طَرَحِ

ثُبُوتُ ثُمَّ لَا يَعُودُ أَوْ مَا فِي مَعْنَاهُ فِي الْحَدِيثِ وَخَامِسًا بَانَ مُجَرَّدَ
وَرُودِ الْحَدِيثِ عَنِ الثَّقَاتِ لَا يَسْتَدْعِي صِحَّتَهُ وَلَا حُسْنَهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق حفاظ دارمی بیہقی،

بزار اور ابن عبدالبر کے فیصلے

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا: ”حافظ ابن القیم تہذیب السنن میں لکھتے
ہیں: ”وَضَعَّفَهُ الدَّارِمِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ“ اور اس روایت کو امام دارمی، امام
دارقطنی، اور امام بیہقی نے ضعیف کہا۔ نیز مرعاة المفاتیح میں ہے ”وَقَالَ الْبَزَّازُ لَا يَثْبُتُ
وَلَا يُحْتَجُّ بِمِثْلِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: هُوَ مِنْ آثَارِ مَعْلُولَةٍ ضَعِيفَةٍ عِنْدَ أَهْلِ
الْعِلْمِ“ ۱۰ (ج ۲ ص ۳۲۳) حافظ بزار فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی
روایت سے احتجاج کیا جاتا ہے اور حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک
معلول اور ضعیف روایات سے ہے۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۵)

قاری صاحب نے پہلے فرمایا تو تھا ”اب ترتیب وار ان کے جوابات سنئے“
(ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) مگر اس مندرجہ بالا عبارت کے جواب میں انہوں نے ایک
لفظ بھی نہیں لکھا شاید وہ اپنے ”غیر مفسر“ والے جواب کو ہی اس کا بھی جواب سمجھتے ہوں
تو آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ ان کے ”غیر مفسر“ والے جواب کا رد کئی مرتبہ پوری
وضاحت سے لکھا جا چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے

ائمہ محدثین کے اسماء گرامی

اس بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”تو محترم امجد صاحب! قاری
صاحب نے جن ائمہ محدثین سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا قابل
احتجاج ہونا نقل فرمایا ان کے نام اور ان کی تعداد آپ کے سامنے ہے جن سے ابن
القطن کی تصحیح کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اب یہ بھی یاد رکھئے کہ اس روایت کو

ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے بارہ کے اسماء گرامی سے حوالہ اوپر گزر چکے ہیں آپ ایک مرتبہ پھر ان کے ناموں پر نگاہ ڈال لیجیے۔ تو سینے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے ائمہ محدثین میں حضرت الامام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت الامام احمد بن حنبل، حضرت الامام احمد کے شیخ اور استاد حضرت یحییٰ بن آدم، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ابوحاتم، حافظ دارقطنی، حافظ ابن حبان، امام دارمی، امام بیہقی، حافظ بزار، اور حافظ ابن عبدالبر کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ (میرا قلعہ نمبر ۵)

ان ائمہ محدثین کے فیصلہ جات پر قاری صاحب کی طرف سے وارد کردہ اعتراضات سے ہر ایک اعتراض کا رد پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مذکور بالا بارہ محدثین اور دیگر بہت سے اہل علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دے چکے ہیں لہذا اس روایت سے قاری صاحب کا اپنے مدعی پر استدلال نادرست ہے۔

صاحب مشکوٰۃ پر ایک وہم کے الزام کی حقیقت:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”صاحب مشکوٰۃ اپنی شہرہ آفاق کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی زیر بحث روایت کو ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”وقال ابوداؤد: ليس هو بصحيح على هذا المعنى“ یعنی امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ”وہ روایت اس معنی پر صحیح نہیں“ اس پر مشکوٰۃ کے ایک محشی فرماتے ہیں ”یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے کیونکہ ابوداؤد کی سنن میں یہ لفظ نہیں ہے“ ہمارے قاری صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقام پر صاحب مشکوٰۃ کی طرف وہم کی نسبت بجائے خود ایک وہم ہے کیونکہ صاحب مشکوٰۃ اس فیصلہ کو امام

ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں متفرد اور اکیلے نہیں چنانچہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر بھی ”لیس ہو بصحیح“ کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دے چکے ہیں۔ پھر امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ”وتصریح ابی داؤد بانہ لیس بصحیح“ نیز صاحب عون المعبود کا بیان ہے کہ ”میرے پاس ابوداؤد کے دو پرانے نسخے ہیں جن میں یہ لفظ بھی موجود ہے۔“ (میرا قلعہ نمبر ۱ ص ۶۵)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”اصل بات یہ ہے کہ مولانا صاحب پریشانی میں پڑ گئے ہوں گے کہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہاں مولانا صاحب تحقیق کے میدان میں ایسا ہی ہوتا ہے آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحب مشکوٰۃ کے ادہام کثیرہ ہے۔ التفصیل کی اب گنجائش نہیں ویسے چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ فرمالیجئے اس کے بعد انہوں نے صاحب مشکوٰۃ کے دو وہم: ① بصوتہ الاعلیٰ؛ ② امراتہ بیان کیے ہیں۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۳)

① اؤلا پریشانی والی بات قاری صاحب کا بندہ پر صریح بہتان ہے۔ میری عبارت ملاحظہ فرمائیں اس میں کوئی ایک لفظ بھی آپ کو نہیں ملے گا جو میری پریشانی پر دلالت کرے ہاں میری عبارت میں آپ کو یہ ضرور پتہ چلے گا کہ قاری صاحب کا صاحب مشکوٰۃ پر وہم والا الزام ان کے رقعہ کو پڑھنے سے پہلے ہی بندہ کو معلوم تھا تو پھر پریشانی کیوں اور کیسی؟ نیز میری عبارت صاحب مشکوٰۃ کے ”لیس ہو بصحیح“ کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے کے وہم نہ ہونے پر دلائل سے بھری پڑی ہے اور ان دلائل سے کسی ایک دلیل کا بھی قاری صاحب نے جواب نہیں دیا اور نہ ہی دیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ تو آپ خود غور فرمائیں کہ یہ صورت حال قاری صاحب کے لیے پریشانی کا باعث ہے یا میرے لیے؟ کسی

۱۔ یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

نے سچ کہا ”الْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلَى نَفْسِهِ“ پھر آپ ذرا قاری صاحب کے لفظ ”پڑ گئے ہوں گے“ پر تھوڑا سا ہی تدبیر کر لیں تو واضح ہو جائے گا کہ وہ خود پریشانی میں مبتلا خواہ مخواہ ہی یہ بات بنا رہے ہیں جس کی کوئی دلیل اور شہادت ان کے پاس موجود نہیں قاری صاحب! خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو صرف دوسروں کو ہی وعظ نہ کرو۔

② ثانیاً میری عبارت پر غور کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ اس میں صاحب مشکوٰۃ سے مطلقاً اور اصلاً وہم سرزد ہونے کی نفی نہیں صرف ان کے ”لیس ہو بصحیح“ کو ابو داؤد کا فیصلہ قرار دینے میں ان سے وہم سرزد ہونے کی نفی ہے چنانچہ آپ بندہ کے پہلے رقعہ میں مذکور عنوان پر ہی نظر فرمائیں اس میں بھی ”ایک وہم“ کا لفظ موجود ہے۔ پھر نیچے عبارت میں بھی ”اس مقام“ کا لفظ مذکور ہے اس لیے قاری صاحب کا قول ”آپ تو ایک پڑھ کر پریشان ہو رہے ہیں جبکہ صاحب مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ الخ“ بندہ پر بہتان ہونے کے ساتھ ساتھ اصل بات سے بے ربط اور بے جوڑ بھی ہے۔

③ ثالثاً صاحب مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ والی بات کو چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ صاحب مشکوٰۃ کا ”لیس ہو بصحیح“ کو ابو داؤد کا فیصلہ قرار دینا ان کا وہم ہے اور ایسے ہی ”بصوتہ الا علی“ اور ”امراتہ“ کو صاحب مشکوٰۃ کے وہم تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی ”قال ابو داؤد: ليس هو بصحيح“ الخ کا صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا تو صاحب مشکوٰۃ کے اوہام کثیرہ کو ”قال ابو داؤد: ليس هو بصحيح الخ“ کے صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہونے کی دلیل بنانا قاری صاحب کا نزاع وہم ہے۔

④ رابعاً قاری صاحب کی اسی اوہام کثیرہ اور چلتے چلتے ایک دو ملاحظہ کرنے والی

دلیل کو سامنے رکھ کر اگر کوئی صاحب اسی مقام پر صاحب مشکوٰۃ کے قول ”رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی“ کو ان کا وہم کہنا شروع کر دیں تو قاری صاحب کو تو بتقاضائے انصاف ان صاحب کی یہ بات قبول کرنا ہوگی مگر وہ اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ روایت ان تین کتابوں میں موجود ہے تو اسی طرح ”لیس ہو بصحیح“ بھی ابوداؤد میں موجود ہے گو اس کے تمام نسخوں میں موجود نہیں پھر صاحب مشکوٰۃ نے اس کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام ابوداؤد کی یہ عبارت ان کی سنن کے تمام نسخوں میں موجود ہے اور کسی فیصلہ کے امام ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کے لیے اس فیصلہ کا سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں موجود ہونا کوئی ضروری نہیں اگر وہ کسی ایک نسخہ میں بھی مل جائے تو وہ امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دیا جائے گا۔

⑤ خاصاً قاری صاحب! آپ نے ”بصوتہ الا علی“ اور ”امراتہ“ کے صاحب مشکوٰۃ کے وہم ہونے پر بہت سے حوالے نقل کیے ہیں خواہ وہ تمام کے تمام آپ نے ”راہ سنت“ ہی سے لیے ذرا سوچ سمجھ کر بتائیں ”قال ابوداؤد: لیس ہو بصحیح“ الخ کے صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہونے پر آپ نے کسی ایک ہی عالم اور بزرگ کا (خواہ وہ حنفی ہی ہو) کوئی ایک ہی حوالہ بھی دیا؟ خواہ وہ ”راہ سنت“ ایسی کتاب ہی سے ہوں نہیں ہرگز نہیں۔ چلو اب ہی کسی مستند و معتمد علیہ محدث خواہ وہ حنفی ہی کیوں نہ ہو کا کوئی ایک ہی حوالہ پیش فرمادیں کہ ”لیس ہو بصحیح“ حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ نہیں، تاکہ بات تو باربابط ہو جائے اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو کم از کم کسی قابل اعتماد عالم خواہ وہ حنفی ہی ہو سے اتنی بات ہی نقل کر دیں کہ عبارت ”لیس ہو بصحیح“ سنن ابی داؤد کے کسی ایک نسخہ میں بھی موجود نہیں تاکہ آپ کے کلام کا موضوع گفتگو سے تو کچھ تعلق قائم ہو جائے۔

صاحب مشکوٰۃ کے حق میں حافظ ابن عبد البر کی شہادت:

حافظ ابن حجر، قاضی شوکانی، اور صاحب عون المعبود کے صاحب مشکوٰۃ کی ”لیس ہو بصحیح“ کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے میں تائید کرنے والے بیانات تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب حافظ ابن عبد البر کا صاحب مشکوٰۃ کی اس امر میں تائید کرنے والا بیان بھی پڑھ لیں چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے ”قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي التَّمْهِيدِ: وَأَمَّا حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ إِلَّا أَصْلَى بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً. فَإِنْ أَبَادَاؤُدَ قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثِ طَوِيلٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى“ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۲۰) یہ سمجھ کہ قاری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ ”لیس ہو بصحیح“ کو امام ابوداؤد کا فیصلہ قرار دینے والے مذکور بالا ائمہ محدثین میں سے کوئی ایک بھی حنفی نہیں کوئی حنفی بزرگ اس کو ابوداؤد کا فیصلہ قرار دے تو پھر میں مانوں۔ ویسے قاری صاحب اور دیگر مقلدین حنفی ایسے موقعوں پر اپنے بڑوں کی بھی چھوڑ دیا کرتے ہیں جیسا کہ آپ اس سے پہلے قاری صاحب کے ہی ایک مشورہ پر کلام میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ بندہ نے اپنے پہلے رقعہ ہی میں دو حنفی بزرگوں کی صاحب مشکوٰۃ کے حق میں شہادتیں بھی نقل کر دی تھیں تو میری وہ عبارت مع عنوان ملاحظہ ہو۔

ملا علی قاری حنفی اور علامہ میرک حنفی کی صاحب مشکوٰۃ کے حق میں شہادت:

ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ”(وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى) يَعْنِي وَإِنْ كَانَ سَنَدُهُ صَحِيحًا لِأَنَّ غَيْرَ ابْنِ مَسْعُودٍ رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالْإِعْتِدَالِ وَالْقِيَامِ مِنَ الشَّهَادَةِ الْأَوَّلِ“ ۱۰ھ (ج ۲ ص ۲۶۹) ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کے اس فیصلہ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو سنداً صحیح ہے معنی صحیح

نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے غیر نے رکوع جاتے اور اس سے سیدھا کھڑا ہوتے وقت اور پہلے تشہد سے اٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

تو ملا علی قاری حنفی کا صاحب مشکوٰۃ کے ابو داؤد سے نقل کردہ فیصلہ کی مندرجہ بالا توجیہ اور تشریح کرنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ ملا علی قاری حنفی اس فیصلہ کو ابو داؤد کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں ورنہ وہ بھی ہمارے قاری صاحب زید مجدہ کی طرح فرما دیتے ”یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے“ پھر ملا علی قاری حنفی ہی اس کے بعد لکھتے ہیں ”قَالَ مِيرْكَ: فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي سُنَنِ أَبِي دَاوُدَ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى، وَإِنَّمَا فِيهِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ فَقَطْ“ ۱۰ (حوالہ مذکور) علامہ میرک حنفی فرماتے ہیں ”اس میں نظر ہے کیونکہ لفظ ”على هذا المعنى“ سنن ابی داؤد میں نہیں ہیں۔ سنن ابی داؤد میں تو صرف ”لیس بصحیح“ کے لفظ ہیں۔ تو علامہ میرک حنفی نے شہادت دے دی کہ لفظ ”لیس بصحیح“ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں) امام ابو داؤد کی کتاب سنن میں موجود ہیں (فائدہ) علامہ میرک حنفی کے ربیمارک سے پتہ چلا کہ ملا علی قاری حنفی کی تشریح ”وان كان سنده صحيحاً لان غير الخ“ واقع کے مطابق ہے نہ ہی وہ ابو داؤد کی مراد میں شامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد لفظ ”على هذا المعنى“ ہی تو ہے۔

تو دونوں حنفی بزرگ ملا علی قاری اور علامہ میرک بھی دیگر اہل علم کی طرح ”لیس بصحیح“ کے ابو داؤد کا فیصلہ ہونے میں صاحب مشکوٰۃ کے ساتھ ہیں تو ثابت ہوا کہ اس مقام پر ”لیس بصحیح“ کو امام ابو داؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ سے تو کوئی وہم سرزد نہیں ہوا البتہ ان پر اس جگہ وہم کا الزام لگانے والے خود ضرور بالضرور وہم یا ایہام میں مبتلا ہیں۔ یاد رہے کسی لفظ کے ابو داؤد کا لفظ ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ابو داؤد کی کتاب کے تمام نسخوں میں موجود ہو بلکہ اس کا کسی

ایک نسخہ میں موجود ہونا بھی کافی ہے جیسا کہ اہل علم اس کو خوب جانتے ہیں۔

(میر ارتعہ نمبر ۱ ص ۷۶)

قاری صاحب اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر لکھتے ہیں ”مولانا صاحب یہ جواب ابوداؤد کا فیصلہ ملا علی قاری حنفی یا علامہ میرک حنفی کا فیصلہ ہے بقول شما یعنی صحیح نہیں اس معنی پر تو مولانا صاحب احتمال رکھتا ہے کہ مراد نہ صحیح ہونا ساتھ اس طریق خاص کے ہوئے پس ضرر نہیں کرتا بیچ صحت حدیث کے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اولاً قاری صاحب! آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ ”قال ابوداؤد: ليس هو بصحيح الخ“ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور آپ نے اپنے اس دعویٰ کی دلیل بزعم خود یہ دی کہ یہ عبارت ابوداؤد میں نہیں تو اس پر بندہ نے متعدد دلائل و شواہد سے ثابت کیا کہ یہ عبارت ابوداؤد میں ہے گو اس کے بعض نسخوں میں نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبد البر، ملا علی قاری حنفی، علامہ میرک حنفی اور دیگر اہل علم کی شہادتیں اور ان کے بیانات سن چکے ہیں۔ پھر قاری صاحب بندہ کی طرف سے صاحب مشکوٰۃ کے حق میں پیش کردہ شہادتوں میں سے کسی ایک شہادت کی بھی تردید نہیں کر سکے تو ان حالات میں انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تو تقاضا تھا کہ قاری صاحب ”قال ابوداؤد: ليس هو بصحيح الخ“ کو صاحب مشکوٰۃ کا وہم بنانے والا دعویٰ واپس لیتے اور اپنی اس غلطی سے توبہ کرتے مگر اس مبنی برانصاف چیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قاری صاحب ”بقول شما“ کہہ کر اپنے اس بے بنیاد اور غلط دعویٰ پر اڑنے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جبکہ وہ خود ہی اس سے قبل اپنے اس واقع کے خلاف بات پر اڑنے کو واضح لفظوں میں بھی لکھ چکے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹ میں مذکور ہے اور اس میں ”ليس بصحيح“ کے الفاظ مذکور نہیں“ الخ (ان کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۱) تو قاری

صاحب! آپ کے پاس موجود ایک نسخہ میں یہ لفظ نہ ہونے سے ان لفظوں کے تمام نسخوں میں ہونے کی نفی نہیں ہوتی تو قصہ مختصر آپ اپنا دو ٹوک فیصلہ لکھیں کہ ”لیس بصحیح الخ“ کو امام ابو داؤد کا فیصلہ قرار دینے میں صاحب مشکوٰۃ حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبد البر، ملا علی قاری حنفی، اور علامہ میرک حنفی سچے ہیں یا نہیں؟ جواب ہاں یا نہ میں دیں۔ ادھر ادھر کی باتیں نہ بنائیں۔ نیز فرمائیں کہ اتنی شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ نے لفظ ”بقول شام“ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر استعمال فرمایا ہے؟

② ثانیاً، اگر اب بھی تسلی نہیں ہوئی تو پھر جامع ازہر کے مدرس محمد محی الدین عبد الحمید کی تعلیق کے ساتھ مصر میں چھپے ہوئے ابو داؤد کے نسخہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد لفظ ”وقال ابو داؤد: هذا مختصر من حدیث طویل ولیس هو بصحیح علی هذا اللفظ“ بھی مذکور ہیں۔ اس حوالہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اسی کو ملاحظہ فرمائیں، سر دست اتنی بات یاد رکھیں کہ یہ عبارت اس محولہ بالا نسخہ کے باب ”من لم يذكر الرفع عند الركوع“ حدیث نمبر ۷۳۸، جلد اول ص ۱۹۹ میں مذکور ہے۔

③ ثالثاً، قاری صاحب کا قول ”احتمال رکھتا ہے مراد نہ صحیح ہونا الخ“ پر غور کریں اور حضرت الامام ابو داؤد کے مندرجہ بالا فیصلہ ”لیس بصحیح الخ“ کو بھی سامنے رکھیں، اور سوچیں آیا قاری صاحب کے اس قول میں کوئی جان ہے کیونکہ حضرت الامام ابو داؤد کے اس فیصلہ میں طریق خاص کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ ہاں ”هذا اللفظ“ اس میں موجود ہیں اور ”هذا اللفظ“ سے ”هذا الطريق“ مراد لینا بالکل غلط ہے۔ پھر قاری صاحب کا اپنا ہی لفظ ”احتمال“ بتا رہا ہے کہ قاری صاحب نے یہ بات محض اٹکل بچو سے کہی ہے۔ اس احتمال کی کوئی ایک بلکہ آدھی دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں۔ قاری صاحب خود بھی تو اللہ

تعالیٰ سے ڈرنا۔ پہلے تو آپ ”لیس ہو بصحیح“ کو ابوداؤد کا فیصلہ تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ اب اس کی تاویل بلکہ تحریف کر رہے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اب آپ نے ”لیس بصحیح“ کے ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کو تسلیم فرما ہے ورنہ آپ کو یہ تاویل بلکہ تحریف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

④ رابعاً، تھوڑی دیر کے لیے ہم اگر ان کی یہ طریق خاص والی بات تسلیم کر لیں تو پھر یہ روایت ابوداؤد کے اس طریق خاص سے تو قاری صاحب کے نزدیک بھی غیر صحیح ٹھہرے گی حالانکہ قاری صاحب خود ہی اپنے پہلے رقعہ میں اس روایت کو ترمذی، ابوداؤد، طحاوی اور مسند احمد کے حوالہ سے نقل کر کے اسے حسن اور صحیح قرار دے چکے ہیں تو قاری صاحب نے ابوداؤد والے طریق سے اس روایت کو اپنے پہلے رقعہ میں تو حسن اور صحیح سمجھا اور اب وہ خود ہی اپنے پانچویں رقعہ میں اسی روایت کو ابوداؤد والے طریق ہی سے غیر صحیح بنا رہے ہیں۔ وانما یوخذ بالآخر فالآخر۔

⑤ خامساً، ابوداؤد والا طریق یہ ہے ”وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن ابن الاسود عن علقمة“ پھر ترمذی، طحاوی اور مسند احمد والی روایتیں بھی اسی طریق سے ہی مروی ہیں تو ابوداؤد کے اس فیصلہ کو اس طریق کے ساتھ خاص کرنے سے ترمذی، طحاوی اور مسند احمد والی روایتوں کا صحیح نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ تو فرمائیے صاحب! آپ کی یہ تاویل بلکہ تحریف صحت حدیث میں مضرت ٹھہری یا نہ؟ ادھر قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد ترمذی، طحاوی، ابوداؤد اور مسند احمد کا ہی حوالہ دیا ہوا ہے اور ان چاروں کی روایت ان کے اس ”احتمال“ کی رو سے بھی صحیح نہ رہی تو واضح ہو گیا کہ قاری صاحب کی طرف سے اپنے پہلے رقعہ میں پیش کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح نہیں۔

قاری صاحب لکھتے ہیں ”دوسری بات یہ کہ غیر مفسر ہے الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵) بات تو ہو رہی ہے کہ ”لیس ہو بصحیح“ امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے یا نہیں؟ صاحب مشکوٰۃ، حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبدالبر، ملا علی قاری حنفی، علامہ میرک حنفی اور دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ وہ امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے قاری صاحب کا خیال ہے کہ نہیں تو ذرا سوچ سمجھ کر بتائیے کہ حضرت الامام ابوداؤد کے فیصلہ ”لیس ہو بصحیح“ کو قاری صاحب کے ”غیر مفسر“ کہنے سے ان کا مدعی ”وہ ابوداؤد کا فیصلہ نہیں“ ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کے اسے ”غیر مفسر“ قرار دینے میں تو اس کے ابوداؤد کا فیصلہ ہونے کو تسلیم کر لینا پایا جاتا ہے جو قاری صاحب کے صاحب مشکوٰۃ پر وہم والے فتویٰ کے سراسر منافی ہے۔ اگر قاری صاحب اپنی خاص طریق والی اور غیر مفسر والی باتوں کو درست قرار دیں تو پھر ان کا صاحب مشکوٰۃ پر وہم والا فتویٰ غلط اور اگر وہ اپنے صاحب مشکوٰۃ پر وہم والے فتویٰ کو درست فرمائیں تو پھر ان کی طریق خاص اور غیر مفسر والی دونوں باتیں غلط تو قاری صاحب کی طریق خاص اور غیر مفسر والی اور ان کے صاحب مشکوٰۃ پر وہم کے فتویٰ والی دونوں باتوں سے ایک بات تو لامحالہ غلط اور نا درست ہے یہ بات تو ہم نے قاری صاحب کے بیانات کی روشنی میں کی ہے ورنہ ہمارے نزدیک تو قاری صاحب کی یہ دونوں باتیں بے بنیاد غلط واقع کے خلاف اور ان سے ایک تو سراسر بہتان ہے جیسے کہ تفصیل آپ پہلے سن چکے ہیں۔ نیز قاری صاحب کی غیر مفسر والی بات کو پہلے کئی دفعہ کئی وجوہ سے رد کیا جا چکا ہے۔ ان وجوہ کو سابقہ صفحات میں ایک مرتبہ پھر سے پڑھ لیں کیونکہ ان سے کئی وجوہ آپ یہاں بھی جاری کر سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت الامام ابوداؤد کا فیصلہ ”لیس ہو بصحیح“ الخ کسی راوی پر کوئی جرح نہیں الخ، قاری صاحب کے اس روایت کی تحسین و تصحیح میں نقل کردہ جملہ فیصلے بھی تو غیر مفسر ہی ہیں، پھر امام ابوداؤد نانی ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں اور قاری صاحب مثبت و مدعی ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اصول کے

لحاظ سے دلیل مدعی اور مثبت کے ذمہ ہے نہ کہ نافی۔ سائل اور مدعی علیہ کے ذمہ اس لیے قاری صاحب کی غیر مفسر والی بات بے کار ہے اور حضرت الامام ابو داؤد کا یہ فیصلہ غیر مفسر نہیں بلکہ مفسر ہے کیونکہ انہوں نے فیصلہ یہ دیا ہے کہ یہ حدیث ایک لمبی حدیث سے مختصر بنائی گئی ہے اور وہ ان لفظوں میں صحیح نہیں ہے اور واضح ہے کہ حضرت الامام ابو داؤد کے فیصلہ کے یہ الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ یہ روایت غلط اختصار کی وجہ سے ان لفظوں میں صحیح نہیں تو حضرت الامام ابو داؤد کے اپنے فیصلہ کی معقول وجہ بیان کر دینے کے بعد بھی اسے ”غیر مفسر“ کہتے رہنا کہاں کا انصاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ پر استدلال کا دوسرا جواب:

اس سے پہلے آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو کچھ سنا وہ قاری صاحب کے اس سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کا پہلا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت سارے ائمہ محدثین کے ہاں سرے سے قابل احتجاج ہی نہیں جن سے بارہ ائمہ محدثین کے اسماء گرامی گنوائے بھی جا چکے ہیں لہذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال کرنا غلط ہے اب قاری صاحب کے اس استدلال کا دوسرا جواب سنئے جو بندہ نے اس سے قبل اپنے پہلے رقعہ میں درج کیا تھا چنانچہ ملاحظہ ہو۔

② ثانیاً، تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قابل احتجاج ہے لیکن اس کو احادیث رفع الیدین کا ناخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اسے ناخ قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت ہو مگر قاری صاحب نے ابھی تک اس کے متاخر ہونے کی کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی لہذا ان کی خدمت میں گزارش ہے

کہ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں۔ (میرا رقعہ نمبر ص ۸۷)

بندہ کے اس دوسرے جواب کو پڑھ کر اور اس کا کچھ حصہ نقل فرما کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب اور کوئی دلیل پیش کرو تو شاید آپ چوں و چراں کریں اس لیے میں ان ہی سے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے دلیل پیش کرتا ہوں۔ مظاہر حق ج ۱ ص ۲۵۸ میں ہے اور کہا ابن مسعودؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہم نے بھی ہاتھ اٹھائے اور حضرت نے ترک کیے ہم نے بھی ترک کیے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ص ۱۵)

① اولاً قاری صاحب نے اپنے پہلے رقعہ میں ترمذی، ابوداؤد، طحاوی اور مسند الامام احمد کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ”الاصلی بکم الخ“ پیش فرمائی اور اس سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کیا تو بندہ نے ان کے اس استدلال کے دوسرے جواب میں ان سے مطالبہ کیا کہ اس ترمذی، ابوداؤد، طحاوی اور مسند الامام احمد والی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کریں ورنہ آپ کا اس روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نادرست مگر وہ اب بھی اس روایت کے احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونے کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ انہوں نے پیش فرمایا وہ اس کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں ہرگز نہیں۔

② ثانیاً قاری صاحب! آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی اس مرتبہ پیش کردہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ”رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہم نے بھی ہاتھ اٹھائے الخ“ کے عربی الفاظ مع السند نقل فرمائیں یا پھر اس کتاب کا حوالہ

۱۔ یہ الفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں ۱۲ منہ

دیں جس میں یہ روایت باسند مذکور ہو، پھر اس روایت کا صحیح ہونا ثابت کرنا بھی آپ کے ذمہ ہے۔ ان امور کو سرانجام دینے سے قبل آپ کا اس سے استدلال ناقابل التفات ہے۔

③ ثالثاً، مندرجہ بالا بات کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی آپ کا اس روایت ”رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے الخ“ سے نماز میں ترک رفع الیدین پر استدلال درست نہیں کیونکہ آپ کے ہی نقل کردہ الفاظ میں تو نماز کا ذکر تک نہیں پھر اس روایت سے نماز میں ترک رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

④ رابعاً، اس بات کو بھی اگر جانے دیا جائے تب بھی اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے ترک پر استدلال غلط ہے کیونکہ رکوع کا تو اس روایت میں نام و نشان تک نہیں ملتا اس لیے اس سے ترک رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال تو بالکل ہی غلط ہے۔

⑤ خامساً، اس چیز کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے ترک پر ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ نماز میں رکوع جاتے، اس سے سر اٹھاتے وقت اور دوسری رکعت سے اٹھ کر تو رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور ان مقاموں پر آپ رفع الیدین کرتے تھے اور سلام کے وقت نیز طاق رکعت سے اٹھ کر رسول کریم ﷺ رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور اس روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کیا، ہم نے بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین نہ کیا، ہم نے بھی نہ کیا۔ الغرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت میں بتانا چاہتے ہیں کہ ہم رفع اور ترک دونوں میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے لہذا قاری صاحب کے اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے منسوخ

ہونے پر استدلال میں رتی بھر بھی جان نہیں ہے۔

⑥ سادساً، اس کو بھی ملحوظ خاطر نہ رکھیں تو بھی اس روایت سے ترک رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کسی کام کا نہیں کیونکہ اس روایت کے سیاق میں لفظ ”اور“ ہے جو واو عاطفہ کا ترجمہ ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ واو عاطفہ ”اور“ کی تقدم و تاخر پر کوئی سی دلالت بھی نہیں ہوتی لہذا قاری صاحب کا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ترک رفع الیدین کے متاخر ہونے پر استدلال کرنا بالکل ہی غلط ہے۔

⑦ سابعاً، اس بات کو بھی جانے دیجیے پھر بھی اس روایت سے رفع الیدین کی منسوخیت پر استدلال غلط ہے کیونکہ اس روایت میں آپ کے ایک فعل اور اسی فعل کے ترک کا ذکر ہے اور ترک کا فعل کی منسوخیت ہی پر مبنی ہونا کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں ہاں منسوخیت کے علاوہ ترک کے کئی اور اسباب دلائل سے ثابت ہیں خواہ ترک متاخر ہی ہو تو قاری صاحب کے اس روایت میں مذکور ترک رفع الیدین کے ناخ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے ثابت کریں کہ ترک کے فعل سے متاخر ہونے کی صورت میں منسوخیت فعل کے سوا ترک کا اور کوئی سبب نہیں ہوا کرتا پھر اس روایت سے استدلال کریں۔

⑧ ثامناً، اس روایت میں رفع الیدین ترک کرنے کا ذکر ہے جس میں شروع نماز والے رفع الیدین کا ترک بھی شامل ہے۔ تو جس طرح دوسرے دلائل کی بنا پر اس شروع نماز والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں سمجھا گیا اسی طرح رکوع جاتے اس سے سر اٹھاتے وقت اور دوسری رکعت سے اٹھ کر رفع الیدین کو بھی دوسرے دلائل کی بنا پر اس روایت سے منسوخ نہیں سمجھا جائے گا شروع نماز والے رفع الیدین میں دوسرے دلائل کا اعتبار کرنا اور رکوع والے رفع الیدین میں دوسرے دلائل کا اعتبار نہ کرنا سراسر نا انصافی ہے۔

⑨ تاسعاً، اگر اس روایت سے رکوع والے رفع الیدین کو منسوخ بنانا ہے تو پھر وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو بھی اسی روایت سے منسوخ بنانا پڑے گا جبکہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈر کر بتائیں کہ اس روایت کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ رفع الیدین (رکوع والے) کو تو منسوخ بنانا اور نبی کریم ﷺ سے غیر ثابت شدہ رفع الیدین (وتروں کی تیسری رکعت والے) کو منسوخ نہ بنانا کہاں کا انصاف ہے؟

قاری صاحب کی ایک اور بات کا جواب:

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”نیز جن حضرات صحابہ کرامؓ سے رفع الیدین کی روایات آتی ہیں انہیں سے پھر ترک رفع الیدین کی روایات آتی ہیں اور عمل بھی ترک رفع الیدین کا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت علی و حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اولاً، ترک رفع الیدین کی مرفوع روایات ان مذکور بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترک والی مرفوع روایات سمیت تمام کی تمام ضعیف ہیں، ان سے کوئی ایک بھی قابل احتجاج نہیں کیونکہ ان سب سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت قدرے اچھی ہے۔ اور اس کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بارہ بڑے بڑے ائمہ محدثین نے اسے ناقابل احتجاج قرار دیا ہے ان سے حافظ ابن حبان کا بیان اس مقام پر بہت ہی مناسب ہے اسے ایک دفعہ پھر سن لیجیے وہ لکھتے ہیں ”هذا احسن خبر روى لاهل الكوفة في نفسى رفع اليدين في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه وهو في الحقيقة اضعف شيء يعول عليه لان له عللا تبطله“ ۱۰ھ (حوالہ پہلے لکھا جا چکا ہے)

حافظ ابن حبان کہتے ہیں ”کوفیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں سے یہ روایت (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت) سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ ضعیف ترین شے ہے کیونکہ اس کی کئی علتیں ہیں جو اس کے قابل احتجاج ہونے میں مانع ہیں“
تو جب سب سے اچھی روایت کا یہ حال ہے کہ وہ ضعیف ترین ہے تو پھر باقی اضعف ترین کیوں نہ ہوں گی؟ قاری صاحب نے ترک رفع الیدین کی ان مرفوع روایات کی طرف صرف اشارہ ہی فرمایا اس لیے ہم نے بھی ان تمام کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کیا اور اگر وہ آئندہ انہیں تفصیل سے بیان فرمائیں گے تو ہم بھی ان کے ضعف کو پوری تفصیل سے عرض کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔

② ثانیاً، ترک رفع الیدین کی مرفوع روایات کی صحت کو فرض کر لیا جائے تو بھی ان کا رفع الیدین کی احادیث سے متاخر ہونا ثابت نہیں ہوتا رہا ایک ہی صحابی سے کسی فعل اور اس کے ترک کی مرفوع روایتوں کا مروی ہونا تو اس سے ترک والی روایت کا متاخر ہونا لازم نہیں آتا لہذا قاری صاحب کی یہ بات بھی ان کی دوسری باتوں کی طرح ان کے مدعی کو ثابت نہیں کرتی۔

③ ثالثاً، ترک کے منسوخیت فعل کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہوتے ہیں لہذا پہلے قاری صاحب ترک کا منسوخیت فعل میں مقصور و محصور ہونا ثابت کر لیں۔ پھر اس کے بعد اپنی مندرجہ بالا بات بنائیں۔

④ رابعاً، ترک رفع الیدین کے مذکور بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہونے کے ثبوت میں نظر ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

⑤ خامساً، پہلے لکھا جا چکا ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں کیونکہ شرعی دلائل صرف چار ہیں جن میں موقوف روایت شامل نہیں تفصیل گزر چکی ہے۔

⑥ سادسا، راوی کے عمل کے اس کی روایت کے خلاف ہونے سے اس کی روایت کا نسخ ثابت نہیں ہوتا کَمَا تَقَرَّرَ فِي مَوْضِعِهِ۔

⑦ سابعاً، جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کے ترک کی روایات آتی ہیں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کی روایات بھی آتی ہیں اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے صحابہؓ سے رفع الیدین کرنے والا عمل بھی ثابت ہے تو جب صورت حال یہ ہے تو کوئی صاحب رفع الیدین کرنے کو بھی متاخر کہہ سکتے ہیں لہذا ترک رفع الیدین کو اس بات کی بنا پر متاخر کہنا نرا تحکم ہے۔

قاری صاحب کی ایک اور بات کا جواب:

قاری صاحب لکھتے ہیں ”نیز بعض حدیثوں کو غیر مقلدین حضرات خود منسوخ جانتے ہیں جیسے رفع الیدین بین السجدتین تو جو دلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوخیت کے قائم کرتے ہیں وہی دلائل رفع الیدین عند الکرکوع وغیرہ کی منسوخیت کے احناف حضرات کی طرف سے سمجھ لیں۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اَوَّلًا، اہل حدیث حضرات کے بعض احادیث کو منسوخ جاننے، سمجھنے اور کہنے سے ترک رفع الیدین والی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا رفع الیدین کی احادیث کے لیے ناخ ہونا ثابت نہیں ہوتا قاری صاحب! آپ تو اہل حدیث کے بعض احادیث کو منسوخ جاننے، سمجھنے اور کہنے کی بات کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل حدیث حضرات تو بعض آیات کو بھی منسوخ جانتے، سمجھتے اور کہتے ہیں مگر یاد رہے کہ ان کے بعض احادیث اور بعض آیات کو منسوخ جاننے، سمجھنے اور کہنے سے آپ کا مدعا (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا رفع الیدین کی احادیث سے متاخر اور ان کا ناخ ہونا) تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بات تو باربہل کریں۔

② ثانیاً، رفع الیدین، بین السجدتین کی منسوخیت والا الزام آپ ان لوگوں کو تو دے

سکتے ہیں جو اس کے قائل ہوں، ہمارا تو یہ عقیدہ اور نظریہ نہیں ہے لہذا آپ کا یہ الزام ہم پر تو سرے سے وارد نہیں ہوتا۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں۔ آخر آپ میدان تحقیق میں ہیں۔

③ ثالثاً، ہم تو رفع الیدین بین السجدتین کی منسوحیت کے قائل ہی نہیں اور جو لوگ قائل ہیں ان کی دلیل ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ”رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ وَيَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ“۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۲)

اور واضح بات ہے کہ اس حدیث سے رفع الیدین بین السجدتین کی منسوحیت پر استدلال کی کسی حد تک کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو سکتی ہے خواہ وہ قاری صاحب کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی طرح ہی کیوں نہ ہو مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس مذکورہ بالا روایت سے رکوع والے رفع الیدین کی منسوحیت پر استدلال کی تو کوئی وجہ جواز ہی نہیں ہاں کوئی دیوانہ اس حدیث سے اس مدعا پر استدلال کرے تو کرے کہ دیوانوں کے تو کام ہی نرالے ہوتے ہیں اتنی بات ذہن نشین فرما لینے کے بعد قاری صاحب کے قول ”جودلائل وہ اس رفع الیدین بین السجدتین کی منسوحیت کے قائم کرتے ہیں وہی دلائل رفع الیدین عند الركوع وغیرہ کی منسوحیت کے احناف حضرات کی طرف سے الخ“ کو ملاحظہ فرمائیں اور بعد از غور فرمائیں کہ اس میں کوئی ادنیٰ معقولیت بھی ہے؟ آخر ”ولا يفعل ذالك في السجود“ سے رکوع والا رفع الیدین کیونکر منسوخ ہو سکتا ہے؟ جبکہ اسی حدیث میں رکوع والے رفع الیدین کا بھی ثبوت ہے۔

④ رابعاً، قاری صاحب اور ان کے ہمنوا و تروں کی تیسری رکعت والے رفع

الیدین کو منسوخ نہیں جانتے جبکہ یہ رفع الیدین رسول کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں تو پھر صحیح احادیث سے ثابت مواضع ثلاثہ والا رفع الیدین بھلا کیسے منسوخ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کچھ تو انصاف کرو۔

⑤ خامساً بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ناخ مان لیا جائے تو پھر ورتوں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین بھی منسوخ ٹھہرے گا کیونکہ ”الافی اول مرة“ اور ”ثم لا يعود“ یا ”ثم لم يعد“ سے تو اس کی بھی نفی ہو رہی ہے نا تو قاری صاحب اس کا جو جواب ارشاد فرمائیں گے اس سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ اور اقویٰ جواب ہماری طرف سے قاری صاحب کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا جائے گا کہ مواضع ثلاثہ والا رفع الیدین بھی منسوخ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب کا سہارا:

بہت سے حنفی بزرگ جب رفع الیدین کے مسئلہ میں اپنے موقف و مسلک کے دلائل میں کمزوری محسوس کرتے ہیں تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کر کے دلائل کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی جگہ اپنے آپ کو ایک گنا تسلی یافتہ باور کر لیتے ہیں ہمارے قاری صاحب نے بھی یہی کچھ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۹ میں بسند صحیح آتا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جو چیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے پسند کریں اسے میں بھی پسند کرتا ہوں اور راضی ہوں“ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۵)

① اولاً مسئلہ چل رہا ہے منسوحیت رفع الیدین کا جس کے قاری صاحب مدعی ہیں اور انہیں اس مقام پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا احادیث رفع الیدین سے متاخر ہونا ثابت کرنا ہے تاکہ اسے ناخ بنایا جاسکے۔ اور ظاہر ہے

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا منقبت سے یہ چیز بالکل ثابت نہیں۔ کما لا یخفی علی اہل العلم۔

② ثانیاً، اس منقبت کے سہارے سے قاری صاحب کو فائدہ تب پہنچ سکتا ہے جبکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ترک رفع الیدین کو پسند کرنا پہلے ثابت فرمالیا ہو مگر وہ ابھی تک اس چیز کو ثابت نہیں فرما سکے کیونکہ یہ چیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت ہی سے ثابت ہونا تھی کہ انہوں نے یہی روایت پیش فرمائی ہوئی ہے اور پہلے پڑھ چکے ہیں کہ بارہ بڑے بڑے ائمہ محدثین نے اس روایت کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے تو اس روایت سے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ترک رفع الیدین پسند کرنا ثابت نہ ہوا تو پھر مندرجہ بالا منقبت اس مقام پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہے؟

③ ثالثاً، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام مسلم کی روایت کے مطابق رکوع میں تطبیق اور تین نمازیوں کی جماعت کی صورت میں دونوں مقتدیوں کے امام کے پیچھے نہیں بلکہ ان دو مقتدیوں سے ایک امام کے دائیں اور دوسرے کے امام کے بائیں کھڑے ہونے کو پسند فرماتے ہیں اور قاری صاحب سمیت تمام حنفی مقلدین نے بھی ان دونوں مسئلوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب اور ان کی پسند کو چھوڑ رکھا ہے تو جو جواب قاری صاحب ان دو مسئلوں میں پیش فرمائیں گے وہی جواب ہماری طرف سے مسئلہ رفع الیدین میں سمجھ لیں کیونکہ حدیث ”رضیت لکم الخ“ تو دونوں مقام پر چسپاں ہو رہی ہے تو اس حدیث کو مسئلہ رفع الیدین پر تو چسپاں کرنا اور تطبیق فی الركوع اور تین نمازیوں کی جماعت والے دونوں مسئلوں پر چسپاں نہ کرنا سراسر نا انصافی ہے ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں قاری صاحب اور ان کے ہموا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول یا عمل کو چھوڑ دیتے ہیں تو کیا ان

④ سب مقاموں پر انہیں حدیث ”رضیت لکم الخ“ بھول جاتی ہے؟
 رابعاً، قاری صاحب آپ کا دعویٰ ہے ”منسوخیت رفع الیدین“ اور جو روایتیں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی یہ بات نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رفع الیدین کی منسوخیت کو اختیار اور پسند فرمایا ہے اس لیے آپ کا فرض ہے کہ پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رفع الیدین کی منسوخیت کو اختیار اور پسند فرمانا ثابت کریں پھر حدیث ”رضیت لکم الخ“ پیش فرمائیں۔

⑤ خامساً، قاری صاحب کے اس مقام پر حدیث ”رضیت لکم الخ“ پیش کرنے سے معلوم ہوا کہ مرفوع روایات ان کے موقف و مدعا کے لیے ثبوت نہیں اسی لیے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پسند کے درست ہونے کی دلیل پیش کر رہے ہیں تو تسلیم کی صورت میں ان کا یہ موقف و مدعا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تجاوز کر کے براہ راست رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتا ورنہ وہ اپنے اس موقف و مدعا کے اثبات کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مرفوع حدیث پیش فرمادیتے انہیں حدیث ”رضیت لکم الخ“ پیش فرمانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جس سے بالواسطہ مسئلہ نکلتا ہے وہ بھی قاری صاحب کے زعم میں نہ کہ نفس الامر ہیں۔

⑥ سادساً، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ان کے حق میں فرمان ”رَضِيتْ لَكُمْ مَا رَضِيَ لَكُمْ ابْنُ أُمِّ عَبْدِ“ بھی موجود ہے اور حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی نہیں اور رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ بالا فرمان بھی ان کے حق میں نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ قاری صاحب اور ان کے ہموا حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد تو بنتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقلد نہیں بنتے اور نہ ہی

اپنے آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقلد کہلواتے ہیں آیا یہ ”رضیت لکم الخ“ پر عمل ہے؟ قاری صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے مسئلہ رفع الیدین ہی نہیں مسائل اور بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب کا سہارا لیتے ہوئے قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”نیز ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱ و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۹ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ۔ حضرت ابن مسعود تمہیں جو حدیث سنائیں اس کی تصدیق کرو۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۷)

① اولاً قاری صاحب کی بیان کردہ اس حدیث کو دیکھنے کے لیے بندہ نے ان کے دیے ہوئے حوالوں کی طرف مراجعت کی تو مجھے یہ حدیث ترمذی اور مستدرک حاکم کے ان مقاموں پر نہیں ملی اس لیے قاری صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ ترمذی اور مستدرک کی جلد بیان کرنے کے ساتھ ان ابواب کی بھی نشاندہی فرمائیں جن میں یہ حدیث موجود ہو۔ ہاں ترمذی میں قاری صاحب کے ہی بیان کردہ مقام پر مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں:

”حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عِيسَى عَنْ شَرِيكَ عَنْ أَبِي الْيَقْطَانِ عَنْ زَادَانَ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ اسْتَخْلَفْتَ. قَالَ: إِنْ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوهُ غَدَبْتُمْ وَلَكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوهُ وَمَا أَقْرَأَكُمْ عَبْدُ اللَّهِ فَأَقْرَأُوهُ. قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَقُلْتُ لِإِسْحَاقَ بْنِ عِيسَى يَقُولُونَ هَذَا عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ لَا. عَنْ زَادَانَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ حَدِيثُ شَرِيكَ. ۱۰ھ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱)

دیکھا صاحب! حدیث کے لفظ تو تھے ”جو تم سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو“ مگر آپ نے حذیفہ کو ابن مسعودؓ سے تبدیل کر دیا تو صاحب مشکوٰۃؒ پر وہم کا فتویٰ لگانے والے اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرنے والے قاری صاحب بتلائیں کہ یہ حذیفہ کو ابن مسعودؓ میں تبدیل کرنے والا کارنامہ بھی انہوں نے وہم سے محفوظ رہ کر اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ہی سرانجام دیا ہے؟

(فائدہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا روایت کو امام ترمذیؒ نے تو حسن کہا ہے مگر وہ حسن ہے نہیں کیونکہ اس کی سند میں شریک ابن عبد اللہ نخعی ہیں جن کے متعلق تقریب میں لکھا ہے ”صُدُوْقٌ يُخْطِئُ كَثِيْرًا تَغْيِيْرَ حِفْظِهِ مِنْذُوْلِي الْقَضَاءِ بِالْكُوفَةِ وَكَانَ عَادِلًا فَاضِلًا عَابِدًا شَدِيْدًا عَلٰى اَهْلِ الْبِدْعِ“ نیز اس کی سند میں ابو الیقظان بھی ہیں جن کے متعلق تقریب ہی میں لکھا ہے ”اَبُو الْيَقْظَانَ الْكُوفِيُّ الْاَعْمٰى ضَعِيْفٌ وَاخْتَلَطَ وَكَانَ يَدْلُسُ وَيَغْلُوْ فِي التَّشْيِيْعِ“ تو حدیث ”وما حدثکم ابن مسعود فصدقوه“ کو ثابت کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے۔

② ثانیاً، صحابی کوئی بھی ہو اس کی بیان کردہ حدیث کی تصدیق ہی کی جائے گی بشرطیکہ صحابی کا اس حدیث کو بیان کرنا ثابت ہو جائے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع الیدین والی روایت کو تو بہت سارے محدثین ناقابل احتجاج قرار دے چکے ہیں جن میں سے بارہ ائمہ محدثین کے اسماء گرامی پہلے لکھے جا چکے ہیں تو قاری صاحب پہلے آپ اس روایت (ترک رفع الیدین والی روایت) کا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان ہونا تو ثابت فرمائیں پھر اس کے بعد ”فصدقوه“ والی روایت پیش فرمائیں۔

③ ثالثاً، قاری صاحب کا مدعا ہے ”منسوخیت رفع الیدین“ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ”میرا دعویٰ ہے منسوخیت رفع الیدین کا“ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کی ترک رفع الیدین والی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان نہیں کیا کہ رفع الیدین منسوخ ہے تو جو قاری صاحب کا مدعا ہے وہ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان نہیں کیا اور جو کچھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا وہ قاری صاحب کا مدعا نہیں لہذا قاری صاحب کا ”فصدقوہ“ کو اس مقام پر چسپاں کرنا بے محل ہے۔

④ رابعاً، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع الیدین والی روایت کو قابل احتجاج سمجھ کر چند منٹ کے لیے ہم اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ مگر اس سے بھی قاری صاحب کا مدعا ”ترک رفع الیدین کا رفع الیدین سے متاخر اور اس کا ناسخ ہونا“ تو ہرگز ثابت نہ ہوگا تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ منقبت اس مقام پر بیان کرنے سے انہیں فائدہ؟

⑤ خامساً، اگر قاری صاحب اس ”فصدقوہ“ کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع الیدین والی روایت کو متاخر اور ناسخ مانتے ہیں تو پھر ان کو لازم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی صحیح مسلم میں موجود تطبیق فی الركوع اور تین نمازیوں کی جماعت کی کیفیت والی حدیث کو بھی متاخر اور ناسخ مانیں کیونکہ ”فصدقوہ“ تو دونوں مقام پر چسپاں ہو رہا ہے دیکھئے قاری صاحب کوئی انصاف لگتی کہتے ہیں یا نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ پر استدلال کا تیسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”③ ثالثاً، چند منٹ کے لیے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت احادیث رفع الیدین سے متاخر ہے تو بھی اس کو ناسخ رفع الیدین قرار دینا درست نہیں کیونکہ اصول کا قاعدہ ہے کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا“۔ (میرا رقعہ نمبر ۸) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ فرما رہے

ہیں کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا خدا جانے مولانا صاحب کون سے اصول کے تحت فرما رہے ہیں کہ فعل ناسخ نہیں ہوا کرتا مولانا صاحب تفصیل کی اب گنجائش نہیں اختصاراً سنیے نووی ج ۱ ص ۱۵۶ میں ہے ”الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ الْخ“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۷)

① اولاً قاری صاحب نے بزعم خود فعل کے ناسخ ہونے کے اثبات کے لیے نووی ج ۱ ص ۱۵۶ کا حوالہ دیا ہے بندہ نے یہ مقام دیکھا اسے بغور پڑھا مگر مجھے اس مقام پر نووی کا کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملا جس کا مطلب ہو کہ فعل ناسخ ہوا کرتا ہے باقی امام نووی کا اس مقام پر ”الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ“ کے منسوخ ہونے کو اکثر اہل علم سے نقل کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ فعل ناسخ ہوا کرتا ہے۔

② ثانیاً اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ نووی صاحب جمہور کی طرف سے لکھتے ہیں ”وَأَجَابُوا عَنْ حَدِيثِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ بِجَوَابَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّهُ مَنْسُوخٌ بِحَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ آخِرُ الْأَمْرِينِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ الْوُضُوءَ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ الْخ“ (ج ۱ ص ۱۵۶) اس سے معلوم ہوا کہ فعل ناسخ ہوتا ہے تو عرض ہے کہ جو لوگ حدیث جابر ”کان آخر الامرین الخ“ کو ناسخ مانتے ہیں وہ اس میں مذکور امر سے مراد وہ امر لیتے ہیں جو نہی کا مقابل ہے کہ نہی کا مقابل امر قول ہے نہ کہ فعل لہذا اس سے فعل کے ناسخ ہونے پر استدلال نادرست ہے اور اگر درست مان بھی لیا جائے تو یہ جمہور کا مذہب ہی ہوگا اور ضروری نہیں کہ جمہور کا مذہب ہر موقع پر درست ہی ہو دیکھئے جمہور کا قول یا مذہب شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں۔

(فائدہ) یاد رہے کہ اکثر اہل علم کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ”کان آخر

الامرین الخ“ میں امر سے نہی کا مقابل امر مراد لینا محل نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فتح

الباری میں لکھتے ہیں ”قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُ: إِنَّ الْمُرَادَ بِالْأَمْرِ هُنَا الشَّانُ وَالْقِصَّةُ لَأَمْقَابِلُ النَّهْيِ وَإِنَّ هَذَا اللَّفْظَ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرِ بْنِ الْمَشْهُورِ فِي قِصَّةِ الْمَرْأَةِ الَّتِي صَنَعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأَ“ (ج اباب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق. ص ۳۱۱)

③ ثالثاً علامہ خطابی ترک الوضوء مما مست النار کی ایک روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”وَفِي الْخَبَرِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِالْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ اسْتِحْبَابٌ لَا أَمْرٌ يُجَابِ“۔ (معالم السنن بر حاشیہ مختصر السنن للمذری ج ۱ ص ۱۴۰)

تو اس سے معلوم ہوا کہ علامہ خطابی ایسے مشہور و معروف محدث بھی ترک الوضوء مما مست النار والی احادیث کو الوضوء مما مست النار والی احادیث کے لیے ناخ نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو صرف ان کو تَوَضَّؤُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ میں امر کے ندب و استحباب پر محمول ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہی بات رائج ہے لہذا اس مسئلہ میں ترک وضو کو ناخ بنانا درست نہ رہا جبکہ ترک وضوء کا الوضوء مما مست النار والی احادیث سے متاخر ہونا بھی نظر سے خالی نہیں پھر امام زہری ایسے محدث و فقیہ تو الوضوء مما مست النار والی احادیث کو ترک وضوء والی احادیث کا ناخ قرار دیتے ہیں تو واضح ہو گیا کہ قاری صاحب کا الوضوء مما مست النار والے مسئلہ کو اس مقام پر پیش کرنا ان کے لیے کوئی مفید نہیں۔

④ رابعاً قاری صاحب اگر ترک الوضوء کا مما مست النار والے نبی کریم ﷺ کے فعل کو آپ کے فرمان ”تَوَضَّؤُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ“ کے لیے ناخ بنانے پر مصر ہوں تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے بوقت بول استقبال قبلہ والے فعل کو بھی آپ کے فرمان ”لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ الْخ“ کے لیے ناخ بنائیں جبکہ دوسری صورت میں فعل کا متاخر ہونا یقینی طور پر معلوم ہے

اور پہلی صورت میں فعل کا متاخر ہونا محل نظر ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ فعل کو دونوں صورتوں میں ناخ بنایا جائے یا دونوں صورتوں میں ناخ نہ بنایا جائے اور یہ تقریر قاری صاحب کے خیال کے پیش نظر ہے اور ہم اپنے نظریہ کی پہلے وضاحت کر چکے ہیں چونکہ قاری صاحب دوسری صورت میں فعل کو اس کے متاخر ہونے کے باوجود ناخ نہیں سمجھتے اس لیے پتہ چلا کہ قاری صاحب بھی فعل کے ناخ نہ ہونے کے اندر سے قائل ہیں تو اب بندہ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہے کہ قاری صاحب آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں لیکن مجھے آپ پر افسوس بہت آتا ہے کہ آپ دوسروں کو تو اس فعل کے ناخ بنانے کی تلقین کر رہے ہیں جس کا تاخر سرے سے ثابت ہی نہیں اور خود اس فعل کو بھی ناخ کہنے کے لیے تیار نہیں جس کا تاخر دلیل سے ثابت ہے۔ اللہ جانے آپ یہ کام کس اصول کے تحت کر رہے ہیں۔ ہمیں تو آپ کی اس پالیسی میں انصاف اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کی کوئی معمولی سی رمت بھی نظر نہیں آتی۔

⑤ خامساً، اس مقام پر ہمارے کلام ”فعل ناخ نہیں ہوا کرتا“ میں ترک بھی شامل ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں قاری صاحب کے نزدیک ترک رفع الیدین ہی کا ذکر ہے اور اسی ترک کو انہوں نے ناخ قرار دیا ہوا ہے اور ان کی اسی بات کے جواب میں بندہ نے لکھا تھا ”فعل ناخ نہیں ہوا کرتا“ پھر عمل اور ترک عمل دونوں پر فعل کے اطلاق میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی عمل کو بسا اوقات صرف اس لیے ترک فرما دیا کرتے تھے کہ کہیں وہ فرض اور واجب نہ ہو جائے چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدْعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةً أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ“۔

(جلد اول، کتاب التہجد، باب تحریض النبی ﷺ علی قیام اللیل ص ۱۵۲)

تو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کے ترک کر دینے کو اس عمل کے منسوخ ہونے میں منحصر سمجھنا درست نہیں کیونکہ ترک کی نسخ کے علاوہ اور بھی وجہ موجود ہے بلکہ وجہ موجود ہیں چنانچہ ایک وجہ تو اس حدیث میں مذکور ہے اور ایک وجہ اس سے قبل علامہ خطابی کے کلام میں گزر چکی ہے اور بسا اوقات کسی عمل کو کسی دائمی یا غیر دائمی مانع اور عذر کی بنا پر بھی چھوڑ دیا جاتا ہے تو دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کے ترک کر دینے کو اس عمل کے منسوخ ہونے میں مقصور و محصور سمجھنا بالکل ہی غلط اور نادُرست ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں مذکور ترک رفع الیدین کو رفع الیدین سے متاخر فرض کر لینے کی صورت میں بھی ترک رفع الیدین کو ناخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس ترک کے ترک بوجہ منسوحیت رفع الیدین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ نیز بندہ کا پیش کردہ اصول ”فعل ناخ نہیں ہوا کرتا“ مذکورہ دلائل سے مدلل ہو گیا۔

⑥ سادساً قاری صاحب آپ نے مجھے شوافع وغیرہ سے نقل کرنے کا بزم خود طعنہ دیا چنانچہ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں ”یہ دلائل آپ شوافع وغیرہ کے پیش کر رہے ہو آپ جیسے عالم کے لیے مناسب نہیں“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۷) اور آپ ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ”اصل بات یہ ہے مولانا صاحب یہ دلائل شوافع وغیرہ سے مانگ مانگ تم اپنا مسلک ان دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہو الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۹)

چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کی تحریروں میں شوافع وغیرہ کا کوئی حوالہ نہ آتا مگر آپ کے رقعہ جات میں جتنے حوالے دیے گئے ان سے کوئی ایک حوالہ بھی شوافع وغیرہ سے باہر نہیں۔ دیکھئے اس مقام پر ہی آپ نے نووی کا حوالہ پیش کیا ہوا ہے پھر آپ نے بیہقی، دارقطنی اور دیگر اہل علم سے کئی ایک باتیں نقل فرمائیں اور یہ سب اہل علم شوافع وغیرہ ہی میں شامل ہیں۔ آپ کے رقعہ جات میں مذکور رجال سے کوئی ایک بھی شوافع

وغیرہ سے باہر نہیں اگر شوافع وغیرہ سے نقل کرنا آپ کی نگاہ میں اتنا ہی بڑا طعنہ تھا تو پھر آپ نے خود اپنا مواد شوافع وغیرہ سے کیوں نقل فرمایا۔ لہٰذا کچھ تو انصاف کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈریے ”اتامرون الناس بالبر وتنسون الخ“ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو رفع الیدین کی احادیث سے متاخر ہونے کو تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی اس کو احادیث رفع الیدین کے لیے ناسخ قرار دینا درست نہیں کیونکہ فعل ناسخ نہیں ہوتا۔ لِمَا وَكَمَا تَقَدَّمَ

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں اس مقام پر لکھا تھا ”اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ قاری صاحب نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت یا بعض دیگر روایات سے نسخ رفع الیدین پر استدلال نہیں کیا بلکہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ پر استدلال فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے تفصیل سے مدلل طور پر وضاحت کر چکے ہیں کہ قاری صاحب ”منسوخیت رفع الیدین“ کے مدعی ہیں لہٰذا ان کے جملہ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کا مطلب بھی یہی ہے کہ نسخ کی وجہ سے رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس کے بعد والا ان کا اپنا ہی جملہ ”اور دلیل منسوخیت پر بھی“ ہماری اس تفصیل پر دلالت کر رہا ہے۔ ہاں اگر قاری صاحب کا نظریہ ہو کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے سرے سے ثابت ہی نہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنا یہ نظریہ صاف اور واضح لفظوں میں لکھیں۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ اس نظریہ سے ان کا ”منسوخیت رفع الیدین“ والا دعویٰ لامحالہ غلط ٹھہرے گا تو اس صورت میں انہیں منسوخیت والا دعویٰ واپس لینا ہوگا۔ اگر قاری صاحب نے اپنا دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ واپس لے لیا اور دوسرا موقف و نظریہ ”رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ سے اصلاً

ثابت ہی نہیں، لکھ دیا تو ان شاء اللہ العزیز بتایا جائے گا کہ ان کا یہ دوسرا نظریہ دعوائے نسخ کی طرح ان کی پیش کردہ پانچ اور غیر پیش کردہ روایات میں سے کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔“ (میرا رقعہ نمبر ۵ ص ۸)

تو دیکھئے جناب قاری صاحب! آپ کی بات ”مولانا صاحب نے بدمثل خود مجھے منسوحیت رفع الیدین کا مدعی ٹھرایا ہوا ہے حالانکہ مرے رقعہ کے آخری سطور یہ ہے اور بطور سرخی دے کر لکھا ہوا ہے یعنی اس طرح تنبیہ بھائی امجد صاحب یہ دلائل پیش کیے ہیں ترک رفع الیدین پر الخ“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱) اور اس مضمون پر دلالت کرنے والی آپ کی دیگر باتوں کا رد تو بندہ نے اس وقت ہی کر دیا تھا جس وقت کہ یہ باتیں آپ نے لکھی تھیں نہ آپ کی توجہ ان کی طرف تھی ورنہ آپ اپنے پہلے رقعہ میں ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ کبھی نہ لکھتے۔

باقی رہا آپ کا اپنے پہلے رقعہ کے آغاز میں بولے ہوئے لفظوں ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کی جگہ اسی پہلے رقعہ کے آخر میں تنبیہ کی سرخی دے کر لفظ ”ترک رفع الیدین“ بول اور لکھ لینا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ لفظ ”ترک رفع الیدین“ میں بھی لفظ ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ کی طرح منسوحیت رفع الیدین کی نفی پر کوئی سی دلالت بھی نہیں ہے جبکہ آپ کے ہی لفظ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی منسوحیت رفع الیدین“ کے آپ کا دعویٰ ہونے میں نص صریح ہیں۔

اگر آپ انصاف کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو آپ اپنے اس پانچویں رقعہ میں ”منسوحیت رفع الیدین“ سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں کبھی نہ لکھتے کیونکہ ان کا رد تو بندہ نے اپنے پہلے رقعہ ہی میں لکھ دیا تھا جیسا کہ عنوان ”ایک شبہ اور اس کا ازالہ“ کے تحت درج شدہ میری عبارت سے واضح ہے اگر آپ نے منسوحیت

۱۔ یہ سب الفاظ قاری صاحب نے اپنے رقعہ میں اسی طرح لکھے ہیں۔ ۱۲ منہ

رفع الیدین سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں ضرور بنانا ہی تھیں تو از روئے انصاف آپ کا فرض تھا کہ پہلے آپ میرے مندرجہ بالا رد کا جواب دیتے جو صرف اور صرف یہی بن سکتا تھا کہ جملہ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ میں نے کہا نہ لکھا یا اس جملہ کی منسوحیت رفع الیدین کے میرا دعویٰ ہونے پر دلالت نہیں اور یہ جواب قاری صاحب ابدالآباد تک نہیں دے سکتے کیونکہ جملہ ”اور دلیل منسوحیت پر بھی“ وہ کہہ اور اپنے پہلے رقعہ میں لکھ چکے ہیں نیز اس جملہ کی منسوحیت رفع الیدین کے ان کا دعویٰ ہونے پر دلالت بھی واضح ترین ہے۔

نیز آپ نے اپنے ہی دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ سے انکار پر دلالت کرنے والی باتیں بنانے کے بعد چار و ناچار لکھا ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین کا“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۳) تو آپ کے ہی اس صریح بیان سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی اس سے قبل بنائی ہوئی آپ کے دعوائے منسوحیت سے انکار پر دلالت کرنے والی باتوں میں انصاف ملحوظ رکھا گیا ہے نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال کی حالت:

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں چھ جوابات سے ثابت کیا تھا کہ قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال غلط ہے اب کہ قاری صاحب نے ان چھ جوابات سے کچھ پر کلام کیا ہے۔ نیچے وہ جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز ان پر قاری صاحب کے کلام کی خامی اور کمزوری واضح کی جا رہی ہے تو آپ بغور سماعت فرمائیں۔

پہلا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”رہا حضرت قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسخ رفع الیدین پر استدلال تو وہ بھی نادرست ہے۔“

① ”أَوَّلًا“ تو اس لیے کہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ ”مَالِي أَرَاكُمْ“

رَافِعُیْ اَیْدِیْکُمْ“ بھی موجود ہیں جن کا معنی ہے ”کیا ہے مجھے یا میرے لیے دیکھتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ اٹھانے والے؟“ اور واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو رفع الیدین خود کیا کرتے تھے اور جو رفع الیدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اتباع میں کیا کرتے تھے وہ رفع الیدین تو آپ ﷺ کو معلوم ہی تھا پھر اس رفع الیدین سے متعلق آپ ”مَالِیْ اَرَاکُمْ الخ“ کیونکر فرما سکتے ہیں لہذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے۔ (میرا رقعہ نمبر اس ۹)

میرے اس پہلے جواب کی تردید میں قاری صاحب نے ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قاری صاحب نے خواہ مخواہ میرے ذمہ یہ بات لگائی کہ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مسند حمیدی والی روایت کو صحیح سمجھتا ہے حالانکہ میں نے اپنے پہلے ہی رقعہ میں اس کے قابل احتجاج نہ ہونے کی تصریح کر دی تھی تو مجھے بھی اس مقام پر ان کے اس طرز عمل کے پیش نظر یہ کہنے کا حق ہے کہ قاری صاحب نے میرے اس پہلے جواب کے صحیح ہونے کو تسلیم فرما لیا ہے ورنہ وہ اس کی تردید و تغلیط میں کوئی نہ کوئی لفظ تو ضرور بولتے صرف ان کا فرما دینا ”اس تفصیل میں دو تین باتیں خاص ہیں جو کہ قابل جواب ہیں“ اس پہلے جواب کا رد ہے نہ کسی دوسرے جواب کا یہ تو صرف قاری صاحب کے منہ کی بات ہے بندہ کے چھ کے چھ جواب ٹھوس مضبوط اور محکم ہیں جن میں سے کسی ایک کا رد بھی قاری صاحب کے پاس موجود نہیں صرف ان کے منہ کی باتیں ہیں چنانچہ آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آئندہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے دیکھئے۔ اگر میں بھی صرف منہ ہی سے کہہ دوں کہ ”قاری صاحب کی کوئی بات بھی قابل جواب نہیں“ اور اس پر کوئی دلیل قائم نہ کروں تو کیا یہ ان کی باتوں کا جواب یا رد ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر قاری صاحب کا میری کسی بات سے متعلق صرف منہ سے ہی اشارہ فرما دینا کہ وہ قابل جواب نہیں پھر اس پر کوئی

دلیل قائم نہ کرنا میری اس بات کا جواب یا رد کیسے تصور کیا جاسکتا ہے؟

دوسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

② ”ثانیاً“ اس لیے کہ اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے لفظ ”کانھا اذنب خیل شمس“ بھی مذکور ہیں جن کا ترجمہ ہے ”گویا وہ ہاتھ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں“ اور واضح ہے کہ جو رفع الیدین نبی کریم ﷺ کا اپنا معمول ہے اور جو رفع الیدین آپ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے اس رفع الیدین کے متعلق آپ ﷺ کا یہ الفاظ استعمال فرمانا محال ہے لہذا اس روایت سے نبی کریم ﷺ کے اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول رفع الیدین کے نسخ پر استدلال ناقابل التفات ہے۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱۵۹) میرے اس دوسرے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب اس کے جواب میں صرف میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ تلخیص یا مختصر المعانی کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ یعنی بحث مشبہ اور مشبہ بہ کی“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۱۷۵)

بندہ نے البلاغۃ الواضحة، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور فن بلاغت کی دیگر کتابوں میں مشبہ اور مشبہ بہ کی بحث کا کئی دفعہ بفضل اللہ تعالیٰ مطالعہ کیا ہوا ہے تو قاری صاحب کے مذکورہ بالا مشورہ پر تو یہ بندہ ان کے یہ مشورہ دینے سے پہلے ہی عمل کر چکا ہے اور مجھے تو مشبہ اور مشبہ بہ کی پوری بحث میں کسی ایک کتاب میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملا جو بندہ کے مذکور بالا دوسرے جواب کے خلاف ہو اس لیے قاری صاحب کی خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ وہ خیر خواہی کے جذبہ سے اس بندہ کی اصلاح کے لیے صرف اس مشورہ پر ہی اکتفا نہ فرمائیں بلکہ تلخیص یا مختصر المعانی سے وہ عبارت پیش فرمائیں جو بندہ کے اس دوسرے جواب کے خلاف ہو۔ ان کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تو قاری صاحب بندہ کے اس دوسرے جواب کے رد میں بھی کوئی ایک لفظ نہیں بول سکے

اور جو کچھ انہوں نے اوپر فرمایا وہ صرف ان کا مشورہ ہے تو ان کے اپنے ہی طرز عمل کے پیش نظر یہ دوسرا جواب بھی ان کے ہاں صحیح ہے۔

تیسرا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

③ ”ثالثاً اس لیے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی ”کأنها اذنا ب

خیل شمس“ کا مصداق ہے کیونکہ قاعدہ ہے۔ ”العبرة بعموم اللفظ الخ“ تو جیسے اس وتروں والے رفع الیدین کو اس روایت سے منسوخ نہیں کیا گیا ویسے ہی رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کو بھی اس کی مثبت احادیث کی بنا پر منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱ ص ۹)

قاری صاحب نے میرے اس تیسرے جواب پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کیا۔ معلوم ہوا وہ اس تیسرے جواب کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات ان کے اپنے ہی طریقہ کے پیش نظر کہی جا رہی ہے چنانچہ پہلے جواب کے بعد ان کے اس طریقہ کی تفصیل بھی لکھی جا چکی ہے اسے ہی ملاحظہ فرمائیں۔

چوتھا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

④ ”رابعاً اس لیے کہ قاری صاحب کے اس روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر

استدلال کی بنیاد ”رافعی ایذیکم الخ“ میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین مراد ہونے پر ہے مگر ابھی تک انہوں نے اس کی کوئی دلیل بیاں نہیں فرمائی لہذا ان کا اس روایت سے اس رفع الیدین کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں۔ باقی ”کنا اذا صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ اور ”خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“ کے اس واقعہ کے دو دفعہ رونما ہونے پر دلالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں

موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ”وَمَنْ اَدْعٰى فَعَلَيْهِ الْبَيِّنَاتُ“ بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ ”خسر ج علینا“ والے واقعہ میں رفع الیدین عند السلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ ”وَمَنْ اَدْعٰى فَعَلَيْهِ الْبُرْهَانُ“ (میرا رقعہ نمبر اس ۱۰۹)

اس چوتھے جواب کا بھی قاری صاحب سے کوئی جواب نہ بنا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قاری صاحب نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری حنفی کا قول ”یہ نسخ رفع الیدین میں مفید ہے“ ذکر کیا ہے اور واضح ہے کہ یہ میری مندرجہ بالا بات کا جواب نہیں ہے کیونکہ ملا علی قاری حنفی کی یہ بات اس مقام پر ہمارے قاری جمیل احمد صاحب کے دعوائے نسخ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو قاری صاحب کا ملا علی قاری کی بات ”وَيُفِيدُ النَّسْخَ“ کو پیش فرمانا ان کے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اپنے پانچویں رقعہ میں پہلے رقعہ کے بعد ایک دفعہ پھر ذکر کر دینے کے مترادف ہے۔

باقی حضرت نواب صدیق الحسن خاں صاحب کا ملا علی قاری کو الشیخ اور العلامہ کے الفاظ سے یاد کرنا ملا علی قاری کی ہر بات درست ہونے کی سند نہیں دیکھئے نواب صاحب نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ ملا علی قاری کی کئی باتوں کی پر زور تردید فرمائی ہے اور یہ بات تمام اہل علم کے ہاں مسلم ہے کہ ہر شیخ اور ہر علامہ کی ہر بات درست نہیں ہوتی بھلا حضرت الامام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جن کی آپ لوگ تقلید بھی کرتے ہیں سے بڑھ کر ان سے بعد میں آنے والوں میں آپ کے ہاں کون الشیخ اور العلامہ ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود آپ کے ہاں بھی حضرت الامام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ہر بات درست نہیں تو پھر ملا علی قاری ایسے الشیخ اور العلامہ کی ہر بات کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ قاری صاحب! اب تو آپ کو حضرت ملا علی قاری کی صفت ”الشیخ اور العلامہ“ یاد آ رہی ہے مگر صاحب مشکوٰۃ پر ”قال ابو داؤد: ليس هو بصحيح الخ“ والے وہم کا الزام

لگاتے وقت ملا علی قاری کی صفت ”الشیخ العلامة“ کو آپ بالکل ہی بھول گئے وہاں بھی تو ملا علی قاری ایسے الشیخ العلامة کی طرف سے صاحب مشکوٰۃ کی تائید کو تسلیم فرمائیں نا اور صاحب مشکوٰۃ پر اس مقام پر وہم والا الزام واپس لیں نا تو قصہ مختصر ہر الشیخ العلامة کی ہر بات درست نہیں ہوا کرتی۔ آپ نے خود لکھا۔

ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضاء نہیں کہتے

ہر صاحب عصا کو موسیٰ نہیں کہتے

اور ایسے ہی عاقل ہر الشیخ العلامة کی ہر بات کو بے خطا نہیں کہتے تو ملا علی قاری کا قول ”ویفید النسخ“ خطا ہے۔ چنانچہ کئی ایک حنفی بزرگ مقلد مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری حنفی، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی اور علامہ سندھی حنفی رفع الیدین کو غیر منسوخ قرار دے چکے ہیں۔

تو بندہ کے اس چوتھے جواب میں مرکزی بات تو یہ تھی کہ ”دافعی ایدیکم“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی اور ظاہر ہے کہ ملا علی قاری کا قول ”ویفید النسخ“ اس مرکزی بات کا جواب نہیں اور نہ ہی ”دافعی ایدیکم“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل ہے صرف ملا علی قاری کا اپنا ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور قاری صاحب خود ہی لکھا کرتے ہیں ”دعویٰ بغیر دلیل کے خارج“ لہذا ملا علی قاری کا قول ”ویفید النسخ“ خارج۔

قاری صاحب نے تقریباً ایک صفحہ صرف اس بات پر صرف کیا ہے کہ حدیثیں دو ہیں اور واقعہ بھی دو ہیں ایک سلام والا اور دوسرا غیر سلام والا مگر ان کی یہ ساری محنت اس مقام پر بے سود ہے کیونکہ بندہ نے تو پہلے ہی لکھ دیا تھا ”لازم نہیں آتا کہ دونوں موقعوں پر رفع الیدین جدا جدا ہو ومن ادعیٰ فعلیہ البیان“۔

پھر قاری صاحب بزعم خود حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے دو

ہونے کے دلائل دینے کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں ”ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دو حدیثوں کو ایک بنا کر اشارہ کے منع پر چسپاں کرنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۱)

ہم قاری صاحب کی یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ حدیثیں دو ہیں اور واقعہ بھی دو ہیں ایک واقعہ میں سلام کے وقت اشارہ اور رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے مگر دوسری حدیث اور دوسرے واقعہ میں ”رافعی ایذیکم“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی کیا دلیل ہے؟ صرف ایک واقعہ اور ایک حدیث کے سلام والے اشارہ اور رفع الیدین سے متعلق ہونا تو اس کی دلیل ہے نہیں چنانچہ بندہ نے پہلے ہی لکھ دیا تھا ”بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ ”خروج علینا“ والے واقعہ میں رفع الیدین عند السلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے ومن ادعی فعلیہ البرہان۔

نیز قاری صاحب لکھتے ہیں ”علامہ زیلعی نصب الراية میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں سیاق جدا جدا ہے لہذا ایک روایت کو دوسری کی تفسیر نہیں بنایا جاسکتا۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۱)

قاری صاحب! آپ شاید سمجھے یا نہ سمجھے بندہ نے اپنے اس چوتھے جواب میں ”باقی“ ”کنا اذا صلینا“ سے لے کر آخر تک مذکور کلام میں نصب الراية والے کی اس مذکورہ بالا بات ہی کا رد کیا تھا کیونکہ نصب الراية کی اس بات کو آپ نے اپنے پہلے رقعہ میں بھی نقل کیا تھا تو اب دوبارہ اسی کو نقل کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آپ کا فرض تھا کہ میری طرف سے نصب الراية کی اس بات کی تردید کا آپ جواب دیتے مگر وہ جواب تو آپ سے بن نہ پڑا اس لیے آپ نے اسی بات کو دوبارہ نقل کر دیا۔

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

نصب الراية والے کی بات کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ دونوں سیاق جدا جدا ہیں اور ایک سیاق (سلام کے وقت اشارہ و رفع الیدین والا) دوسرے سیاق (خرج علینا والے) کی تفسیر نہیں مگر اس کا یہ مطلب کہاں سے اور کیسے نکل آیا کہ ”خرج علینا“ والے میں وارد ”رافعی ایذیکم“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے؟ میرے چوتھے جواب میں مذکورہ عبارت ”بصورت تسلیم اتنی چیز سامنے آئے گی کہ ”خرج علینا“ والے واقعہ میں رفع الیدین عند السلام مراد نہیں مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ اس سے رکوع والا رفع الیدین مراد ہے ”ومن ادعی فعلیہ البرہان“ پر غور فرمائیں وہ نصب الراية والی اس بات کا ہی رد ہے اس کا جواب دیں تو اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہی ہے کہ ”رافعی ایذیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی قاری صاحب ابھی تک کوئی ایک بلکہ کوئی حصہ دلیل بھی پیش نہیں فرما سکے اور جو کچھ انہوں نے پیش فرمایا وہ مطلوب دلیل کا کروڑواں حصہ بھی نہیں اس لیے ”رافعی ایذیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کرنے والا فریضہ ابھی تک ہمارے قاری صاحب کے ذمہ ہے جس سے انہیں اولین فرصت میں سبکدوش ہونا چاہیے۔

میرے اس چوتھے جواب میں جس چیز کا قاری صاحب سے مطالبہ کیا گیا وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ ”رافعی ایذیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کریں مگر وہ مطلوب دلیل پیش کرنے کی بجائے فرماتے ہیں ”اس سے یہ ثابت ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ رفع الیدین کرنے والوں پر ناراض ہوئے اور انہیں سکون کا حکم دیا کہ معلوم ہوا رفع الیدین سکون کے خلاف ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی تفسیر کے مطابق رفع الیدین خشوع نماز کے مخالف ہے مولانا صاحب یہ تفسیری فتویٰ ان کی مرفوع روایت کے عین موافق ہے جس میں رفع الیدین سے منع کیا گیا ہے۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۹)

① اولاً، جس چیز کا قاری صاحب سے مطالبہ تھا ان کی یہ عبارت اس کا جواب نہیں کیونکہ انہوں نے ہمارے اس چوتھے جواب والے مطالبہ کے پیش نظر ”رافعی ایدیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل بیان کرنا تھی اور ان کی پیش کردہ عبارت میں یہ چیز ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی صرف رفع الیدین کے لفظ سے رکوع والے رفع الیدین کو مراد لے لینا درست نہیں اور اگر قاری صاحب نے قاعدہ ”العبرة بعموم اللفظ الخ“ کو اس مقام پر خواہ مخواہ چسپاں کرنا ہی ہے تو پھر وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو بھی سکون کے خلاف خشوع نماز کے مخالف اور آپ ﷺ کی ناراضگی کا باعث و مصداق بنانا ہوگا۔ آخر لفظ ”رفع الیدین“ قاعدہ ”العبرة بعموم اللفظ الخ“ کی رو سے تو اس وتروں والے رفع الیدین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے نا۔

② ثانیاً، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین سے منع والی مرفوع روایت اور ان کے تفسیری فتویٰ کے حوالے پیش کریں نیز ان دونوں کا قابل احتجاج ہونا ثابت فرمائیں جبکہ آپ نے اپنے اس رقعہ میں ان دونوں کاموں سے کوئی سا کام بھی نہیں کیا تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ صرف دوسروں کو ہی تحقیق کا میدان یاد نہ دلائیں خود بھی اسے یاد رکھیں۔

اس مقام پر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بات بندہ کے اس چوتھے جواب میں کہی گئی تھی۔ قاری صاحب اس کا جواب دینے میں بالکل ہی ناکام رہے کیونکہ ”رافعی ایدیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل کا کوئی معمولی سا حصہ بھی وہ ابھی تک پیش نہیں فرما سکے تو ”رافعی ایدیکم الخ“ میں رکوع والا رفع الیدین مراد ہونے کی دلیل پیش کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے۔

پانچواں جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

⑤ ”خامساً“ اس لیے کہ قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا سجدہ سے سر اٹھانا اور جلسہ سے دوسرے سجدہ میں جانا یہ سب حرکات ہیں جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہیں تو ”اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ کا تقاضا ہے کہ یہ مذکورہ بالا حرکات بھی ممنوع یا منسوخ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے: ”الْعَبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ“ تو جس طرح نماز کے اندر یہ سب حرکات دوسرے دلائل کی بنا پر درست ہیں اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دوسرے دلائل کی وجہ سے درست نبی کریم ﷺ کی سنت اور قابل اجر و ثواب ہے لہذا قاری صاحب کا حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال بے بنیاد ہے۔ (میرا رقعہ نمبر اس ۱۰)

میرے اس جواب نمبر ۵ کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا قومہ سے سجدہ میں جانا سجدہ سے سر اٹھانا وغیرہ وغیرہ یہ دلائل سے ثابت ہیں لہذا قیام سے رکوع میں جانا رکوع سے سر اٹھانا وغیرہ یہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۱۹) قاری صاحب! کچھ تو اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور انصاف لگتی کہیے ہم نے بھی تو یہی کہا کہ یہ چیزیں دلائل سے ثابت ہیں اس لیے ان کو سکون فی الصلوٰۃ والی روایت سے ممنوع یا منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا اور اسی طرح رکوع والا رفع الیدین بھی دلائل سے ثابت ہے لہذا اس کو بھی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی سکون فی الصلوٰۃ والی روایت کے ذریعہ ممنوع یا منسوخ نہیں کیا جاسکتا تو اس مقام پر انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تقاضا تھا کہ قاری صاحب فرماتے ”رکوع والا رفع الیدین دلائل سے ثابت نہیں لہذا اس کو مندرجہ بالا حرکات کے ساتھ ملانا درست نہیں“ یا پھر جو بات انہوں نے مندرجہ بالا حرکات سے

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

متعلق لکھی کہ وہ دلائل سے ثابت ہیں لہذا سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں، وہی بات رکوع والے رفع الیدین سے متعلق بھی لکھتے کہ ”رکوع والا رفع الیدین بھی دلائل سے ثابت ہے لہذا وہ بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہیں، مگر ان کا مندرجہ بالا بیان شاہد صدق ہے کہ انہوں نے ان مبنی بر انصاف دو باتوں سے کوئی سی بات بھی نہیں کہی ہرگز نہیں کہی تو قاری صاحب! بندہ کے مندرجہ بالا پانچویں جواب اور اپنی اس مندرجہ بالا بات کو بار بار پڑھیں اور غور و فکر کرنے کے بعد بتائیں کیا آپ نے مندرجہ بالا بات انصاف اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہی ہے یا کسی اور سے ڈر کر؟ تو قاری صاحب بندہ کے اس پانچویں جواب کا بھی درپیش نہیں کر سکے۔

چھٹا جواب:

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا:

⑥ ”سادساً اس لیے کہ رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین اگر سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو لامحالہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور ”العبرة بعموم اللفظ الخ“ والا قاعدہ اس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے لہذا حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رکوع والے رفع الیدین کے نسخ پر استدلال غلط ہے ورنہ نماز وتر کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا نسخ لازم آئے گا ”وہو کما تری“۔

(میرا رقعہ نمبر ۱۰۷)

میرے اس چھٹے جواب کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”مولانا صاحب تیسری رکعت کے اندر وتروں میں رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے یہ نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اولاً، میرے چھٹے جواب کو ایک دفعہ پھر پڑھیں اور قاری صاحب کی مندرجہ بالا

بات پر غور کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ قاری صاحب نے یہ کان کو الٹی جانب سے پکڑنے والا کام کیا ہے یہاں تو بے چارے قاری صاحب قیام سے رکوع اور رکوع سے سجدہ کے موقع پر اپنی کبھی ہوئی بات بھی نہ کہہ سکے۔

② ثانیاً قاری صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈریے اور انصاف کیجیے اگر آپ کی مندرجہ بالا بات کے پیش نظر کوئی صاحب فرمائیں کہ ”پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے اٹھ کر اور قیام کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھنے سے پہلے رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے ان تینوں مقاموں پر رفع الیدین نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ“ تو کیا آپ ان صاحب کی اس بات کو بھی اپنی مندرجہ بالا بات کی طرح درست سمجھیں گے جبکہ انصاف اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کا تقاضا ہے کہ آپ اپنی اوپر والی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان صاحب کی اس مندرجہ بالا بات کو بھی درست قرار دیں لیکن آپ یہ سب کچھ کہنے اور لکھنے کے باوجود ان صاحب کی بات کو مردود ہی قرار دیں گے لہذا اسی طرح آپ کی اوپر والی بات بھی غلط ہے بنیاد اور مردود ہے۔

③ ثالثاً قاری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے پتہ چل رہا ہے کہ ان کے نزدیک وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین نہ کرنے کی غیر صریح روایت موجود ہے کیونکہ انہوں نے صریح کے موجود ہونے کی نفی کی ہے۔ اور اگر قاری صاحب کا مقصود صریح اور غیر صریح دونوں کے موجود ہونے کی نفی ہوتا تو وہ روایت کو صریح سے کبھی مقید نہ فرماتے اور اہل علم جانتے ہیں کہ غیر صریح روایت سے بھی مسئلہ ثابت ہو جایا کرتا ہے گو غیر صریح کے صریح کے مخالف ہونے کی صورت میں صریح کو ترجیح دی جاتی ہے اور زیر بحث مسئلہ میں قاری صاحب کے نزدیک غیر صریح روایت کسی صریح روایت کے مخالف نہیں ہے تو قاری صاحب

کے اس مندرجہ بالا بیان کے لحاظ سے وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین نہ کرنے کی غیر صریح روایت موجود ہے لہذا وہ بھی سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے تو اسے بھی حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ کی زد میں لانا چاہیے نیز قاری صاحب کی اس عبارت کا مفہوم ”کسی کام کا نہ کرنا صریح روایت سے ثابت ہوتا ہے“ اصول و قواعد کے خلاف ہے۔

④ رابعاً قاری صاحب کی ہی زبان میں ہم بھی کہتے ہیں ”رکوع جاتے“ اس سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں اس لیے ان تینوں مقام پر رفع الیدین نہ سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے اور نہ ہی ممنوع اور منسوخ“ لیجیے قاری صاحب اب تو آپ کی ہی زبان ہے اسے تو تسلیم کیجیے۔

⑤ خامساً وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں فرمائی نہ صریح اور نہ ہی غیر صریح جبکہ رکوع والے رفع الیدین کو ثابت کرنے والی بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں کئی ایک صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں تو وتروں کی تیسری رکعت والا وہ رفع الیدین جس کی قاری صاحب نے ابھی تک کوئی ایک صریح یا غیر صریح دلیل بھی نہیں دی تو قاری صاحب کے نزدیک سکون فی الصلوٰۃ کے منافی نہ ہو اور نہ ہی وہ ممنوع اور منسوخ قرار پائے اور رکوع والا وہ رفع الیدین جس کے اثبات میں کئی ایک صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں قاری صاحب کے نزدیک سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہو۔ نیز وہ ان کے نزدیک ممنوع اور منسوخ بھی قرار پائے اس سے بڑھ کر نا انصافی کی اور کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ تو قاری صاحب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین نہ کرو خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو نا۔

منسوحیت رفع الیدین کی تردید از بزرگانِ حنفیہ:

آپ پہلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے کہ قاری صاحب نے ”منسوحیت رفع الیدین“ کے اثبات میں بزع خود بطور دلیل جو پانچ روایات پیش کی تھیں ان سے کچھ تو پایہ ثبوت کو ہی نہیں پہنچتیں اور جو ان سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ان سے رفع الیدین کی منسوحیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل آپ پہلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں اس مقام پر آپ کو یہ بتانا مقصود ہے قاری صاحب کے منسوحیت رفع الیدین والے دعویٰ کی تو کئی ایک حنفی بزرگ بھی تردید و تغلیط فرما چکے ہیں۔ شاید قاری اپنے ان اکابر بزرگوں کی ہی تسلیم فرمائیں چنانچہ اسی غرض کی خاطر بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت لکھا تھا ”کئی ایک حنفی بزرگوں نے بھی دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ کی تردید و تغلیط فرمائی ہے جن میں سے صرف تین بزرگوں کے اقوال نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا دَعْوَى نَسْخِهِ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِيِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ
بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِينَ وَابْنِ الْهَمَّامِ وَالْعَيْنِيِّ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَصْحَابِنَا
فَلَيْسَتْ بِمُبْرَهِنٍ عَلَيْهَا بِمَا يَشْفِي الْعَلِيلَ وَيُرْوَى الْعَلِيلُ“

(التعليق الممجد على مؤطا محمد ص ۸۹ حاشیہ ۹)

نیز وہی لکھتے ہیں:

”وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ بَعْدَ رَوَايَتِهِ عَنْ عَلِيٍّ: لَمْ يَكُنْ عَلِيٌّ لِيَرَى النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ ثُمَّ يَتْرُكُهُ الْأَوْقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُهُ.
إِنْتَهَى وَفِيهِ نَظَرٌ فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَرْكُ عَلِيٍّ وَكَذَا تَرْكُ ابْنِ
مَسْعُودٍ وَتَرْكُ غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ إِنْ ثَبَتَ عَنْهُمْ لَأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا
الرَّفْعَ سَنَةً مُؤَكَّدَةً يُلْزَمُ الْأَخْذُ بِهَا وَلَا يَنْحَصِرُ ذَلِكَ فِي النَّسْخِ“

بَلْ لَا يُجْتَزَأُ يَنْسَخُ أَمْرٌ ثَابِتٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِمَجْرَدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابِيِّ مَعَ امْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَ فِعْلِ
الرَّسُولِ وَفِعْلِهِ“۔ ۱۰ھ (ص ۸۹ حاشیہ نمبر ۱۱)

نیز لکھنوی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں:

”وَلَا إِلَى دَعْوَى نَسْخِ الرَّفْعِ مَا لَمْ يَثْبُتْ ذَلِكَ بِنَصٍّ عَنِ الشَّارِعِ“۔

(ص ۹۱ حاشیہ نمبر ۵)

تو ان مندرجہ بالا عبارات میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے تصریح فرمادی ہے کہ منسوحیت رفع الیدین والا دعویٰ درست نہیں۔

② حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اپنی کتاب ”نیل الفرقدین“ میں تحریر

فرماتے ہیں ”إِنَّ الرِّفْعَ مُتَوَاتِرٌ إِسْنَادًا وَعَمَلًا وَلَا يَشْكُ فِيهِ، وَلَمْ يَنْسَخْ
وَلَا حَرَفَ مِنْهُ“ (ص ۲۲) رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اس
میں شک نہیں کیا جاتا، وہ منسوخ بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی حرف منسوخ ہے۔

③ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفیؒ ترمذی کی شرح معارف السنن میں

اپنے استاذ گرامی کی مندرجہ بالا عبارت نقل فرما کر کوئی ایک لفظ بھی اس کی تردید
میں نہیں بولتے اور ان کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاذ

گرامی کی اس مسئلہ میں حرف بحرف تائید فرما رہے ہیں۔ (میرا قعہ نمبر ۱۱ ص ۱۲)

بندہ کی اس عبارت پر قاری صاحب نے کوئی ایک حرف بھی نہیں لکھا جس

سے معلوم ہوا کہ انہیں میری ان باتوں سے پورا اتفاق ہے۔ تو یہ ہیں ان کے اپنے ہی

بزرگ جو نسخ رفع الیدین والے دعویٰ کی تردید و تغلیط فرما رہے ہیں پھر قاری صاحب

نے مجھے تو مشورہ دیا کہ ”مولانا صاحب اگر کوئی حوالہ پیش کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی

طرف بھی نظر کر لیا کرو الخ“ تو ان کے ہی انداز میں یہ بندہ بھی کہتا ہے ”قاری

صاحب! اگر آپ نے کوئی دعویٰ کرنا ہو تو پہلے اپنے بڑوں کی طرف بھی نظر کر لیا کرو

خصوصاً اپنے ایک بہت ہی بڑے حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کیونکہ آپ ان کے تو مقلد بھی ہیں اس لیے آپ پر از روئے تقلید واجب ہے کہ ”منسوحیت رفع الیدین“ کو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونا ثابت کریں یا اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ سے رجوع فرمائیں یہ میرا مشورہ ہے کہ قبول افتدز ہے عز و شرف۔

﴿ آخری بات ﴾

اس عنوان کے تحت بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”قاری صاحب حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مقلد کا مستند اس کے امام کا قول ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ مسلم الثبوت کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھا ہے: ”وَأَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهُ قَوْلُ مُجْتَهِدِهِ لَا ظَنَّهُ وَلَا ظَنُّهُ“ اس لیے مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ کو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ کم از کم اس موقف میں تو ان کے مقلد نہیں رہیں گے“ (میرا رقعہ نمبر ۱۲) اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”یہ جو بحث چل رہی ہے اس سے یہ بات خارج ہے لہذا خروج عن البحث لازم آتا ہے الخ۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اولاً ہماری اس بات چیت کا موضوع ہے ”منسوحیت رفع الیدین“ قاری صاحب مدعی ہیں اور بندہ سائل اور اگر قاری صاحب سے ان کے مقلد ہونے کی حیثیت سے اپنے اس دعویٰ و قول کو اپنے ہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کرنے کا سوال کر لیا جائے تو یہ موضوع بحث سے خارج کیوں اور خروج عن البحث لازم کیسے؟ خصوصاً جبکہ مقلد کے لیے مستند صرف اور صرف اس کے امام کا قول ہی ہے۔ امام کا ظن مقلد کے لیے مستند ہے نہ اس کا اپنا ظن۔ اگر قاری صاحب منسوحیت رفع الیدین والا قول حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہیں

کرتے تو پھر یہ ان کا اپنا ظن ٹھہرا اور مقلد کا ظن تو اس کی اپنی ذات کے لیے مستند نہیں چہ جائیکہ وہ اپنے اس ظن کو دوسروں پر ٹھونسنا شروع کر دے۔ پھر ان کا یہ ظن بھی وہ ظن ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل بھی نہیں۔

② ثانیاً، تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ قاری صاحب سے ہمارا یہ مطالبہ کہ ”مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ - منسوخیت رفع الیدین“ کو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت فرمائیں“ خارج عن الجث ہے اور اس سے خروج عن الجث لازم آتا ہے لیکن یہ خروج عن الجث والا لازم حرام ہے نہ مکروہ کیونکہ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ ایک موضوع پر بات چیت کے دوران اس موضوع سے خارج کوئی بات بیان ہو گئی ہے اور اگر آپ ”منسوخیت رفع الیدین“ والا قول حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہ کریں تو خروج عن التقليد لازم آئے گا اور خروج عن التقليد تقلید کے آپ کے نزدیک فرض ہونے کی صورت میں تو حرام اور تقلید کے آپ کے نزدیک واجب ہونے کی صورت میں مکروہ تحریمی تو قصہ مختصر جو چیز آپ کے خیال کے مطابق بندہ پر لازم آئی یعنی خروج عن الجث وہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ وہ جائز اور درست ہے اور جو چیز آپ پر لازم آئی یعنی خروج عن التقليد وہ حرام ہے یا مکروہ تحریمی تو آپ کے اس حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنے کے لیے صرف دو ہی راہیں ہیں یا تو آپ ”منسوخیت رفع الیدین“ والا قول حضرت الامام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت فرمائیں یا پھر کم از کم اس مسئلہ میں ان کی تقلید سے رجوع کریں اور صاف صریح اور دو ٹوک لفظوں میں لکھیں کہ میں منسوخیت کے مسئلہ میں حضرت الامام ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں اور یہ گوگو والی حالت چھوڑیں۔

③ ثالثاً، پہلے صفحات اور رقعہ جات اس بات پر شاہد ہیں کہ قاری صاحب اپنے

دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ کو کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں فرما سکے اور اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں انہوں نے جو مواد پیش کیا اس کا کچھ حصہ تو سرے سے ثابت ہی نہیں اور اس کا جو حصہ ثابت ہے اس سے رفع الیدین کی منسوحیت ثابت نہیں ہوتی اور اب میرے مندرجہ بالا مطالبہ پر قاری صاحب کا منسوحیت رفع الیدین والے قول کو حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ قاری صاحب کے نزدیک بھی ”منسوحیت رفع الیدین“ والا قول حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے بھی ثابت نہیں۔

قاری صاحب مزید لکھتے ہیں ”اس کے جواب میں صرف یہی کہتا ہوں کہ مولانا صاحب اس عبارت کو پوری پڑھیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں امام الاعظم امام ابوحنیفہؒ کے کس بات میں مقلد ہوں۔“ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

① اولاً قاری صاحب! میں نے آپ کے پانچوں کے پانچ رقعے پورے کے پورے بڑی توجہ سے کئی بار پڑھے مگر آپ کے ان پانچوں رقعوں میں مجھے تو کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملا جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ آپ کس بات میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ ہاں آپ کے رقعوں میں ”رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے“ یہ دلائل پیش کیے ہیں ”ترک رفع الیدین پر“ اور ”دلیل منسوحیت پر بھی“ اور ”تو خیر میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین کا“ ایسے جملے ضرور موجود ہیں جن سے صاف ظاہر اور واضح ہے کہ آپ منسوحیت کی وجہ سے ترک رفع الیدین کے قائل ہیں تو بتائیے صاحب حضرت الامام ابوحنیفہؒ کا قول اور فتویٰ بھی یہی ہے کہ ”منسوحیت کی وجہ سے ترک رفع الیدین“ اگر ہے تو حوالہ پیش کریں اگر نہیں تو پھر آپ ”منسوحیت کی وجہ سے ترک رفع الیدین“ میں

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہ رہے تو حضرت صاحب! آپ کا یہ رقعہ بتا رہا ہے کہ جس طرح آپ ”منسوحیت رفع الیدین“ کو دلائل سے ثابت کرنے میں ناکام رہے اسی طرح آپ اس ”منسوحیت رفع الیدین“ کے حضرت الامام ابوحنیفہؒ کا قول ہونے کو ثابت کرنے سے بھی عاجز ہی رہے۔

② ثانیاً، آپ کا قول ”کس بات میں مقلد ہوں“ بتا رہا ہے کہ آپ کسی بات میں تو حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور کسی بات میں آپ ان کے مقلد نہیں آخر ایسا کیوں؟ آپ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں وجوب تقلید کے جو دلائل بزع خود پیش کیا کرتے ہیں آیا ان میں بھی اس قسم کی دوغلی پالیسی پائی جاتی ہے؟ کہ کسی بات میں تقلید ہے اور کسی میں نہیں؟ نیز جن باتوں میں آپ حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہیں ان باتوں میں تو آپ بھی حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کرنے اور چھوڑنے والے ٹھہرے تو پھر اگر اہل حدیث حضرات محض قرآن و حدیث کے پیش نظر حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے کچھ اقوال رد کریں اور چھوڑ دیں تو پھر وہ قائل ملامت کیوں؟ اور آپ کے بعض بھائیوں کے نزدیک وہ اعداد رمل والے شعر کے مصداق کیسے؟ جبکہ آپ بھی اپنے مندرجہ بالا قول ”کس بات میں مقلد ہوں“ کی رو سے حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے کچھ اقوال رد کر اور چھوڑ دیتے ہیں تو آیا آپ بھی قابل ملامت اور اعداد رمل والے شعر کا مصداق بنے یا نہ۔

③ ثالثاً، آپ کی اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ”منسوحیت رفع الیدین“ میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے تو مقلد نہیں تو پھر ہم آپ سے پوچھتے ہیں آیا آپ اس ”منسوحیت رفع الیدین“ میں اپنی ذات کے مقلد ہیں یا امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ کسی اور شخصیت کے یا نہ اپنی ذات کے اور نہ ہی کسی اور شخصیت کے تو ان تین صورتوں سے جو صورت بھی آپ اختیار فرمائیں ہر صورت میں حضرت

الامام ابوحنیفہؒ کی تقلید کے ترک کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی خرابیاں لازم آئیں گی جبکہ صرف ترک تقلید ہی آپ کے ہاں حرام یا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر آپ تقلید کو فرض اور واجب نہ سمجھتے ہوں تو پھر دوسری بات ہے۔

مختلف اقوال رکھنے والے حنفی سب کے سب کم از کم اس مسئلہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہیں ہو سکتے

بندہ نے اپنے پہلے رقعہ میں لکھا تھا ”یزحنفی حضرات کے رفع الیدین کے سلسلہ میں متعدد و مختلف قول ہیں۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں ”رفع الیدین قبیح ہے“ (بدائع الصنائع) کوئی بزرگ یوں گویا ہوتے ہیں ”رفع الیدین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے“ (علامہ اتفاقی) کوئی صاحب لکھتے ہیں ”ترک رفع الیدین اولیٰ ہے“ (الکوکب الدری) کوئی صاحب فرماتے ہیں ”رفع الیدین کرنا اقویٰ اور ارجح ہے“ (حجتہ اللہ علامہ سندھی، علامہ عبدالحی لکھنوی) کوئی بزرگ فرماتے ہیں ”رفع الیدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں“ (نیل الفرقان، معارف السنن) تو مقلدین حضرات کے پانچ مختلف قول ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں تو مقلد ہونے کی حیثیت سے منسوحیت رفع الیدین کے قول کا حضرت الامام ابوحنیفہؒ سے ثابت کرنا قاری صاحب کی ذمہ داری ہے۔“ (میرا رقعہ نمبر ۱۲)

اس کو پڑھ کر قاری صاحب لکھتے ہیں ”تفصیل کا موقعہ نہیں^۱ خلاصہ کلام یہ کہ غیر مقلدین کے بھی مختلف قول ہیں رفع الیدین کے بارے میں لہذا پہلے آپ ایک قول پر یعنی سب کے سب متفق ہوں پھر احناف پر اعتراض کرنا“۔

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵)

۱۔ یہ عبارت قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے ۱۲ منہ

① اولاً، تفصیل کے موقع نہ ہونے والی بات قاری صاحب خواہ مخواہ بنا رہے ہیں کیونکہ وہ خود اس سے قبل کئی ایک باتیں بلا موقع کہہ چکے ہیں مثلاً صاحب مشکوٰۃ کے دو وہم ”بصوتہ الاعلیٰ“ اور ”امرأتہ“ والی بات اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی دو روایات کے سیاق جدا جدا ہونے پر ان کا کلام۔

② ثانیاً، تمام اہلحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ رکوع والا رفع الیدین نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے منسوخ نہیں ہاں اکثر اہل حدیث اس کو سنت اور بعض اس کو واجب سمجھتے ہیں پھر اس میں ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیونکہ ان سے کوئی بھی کسی کا مقلد نہیں۔

③ ثالثاً، قاری صاحب آپ غلط سمجھے بندہ نے خفی بزرگوں کے آپس کے اندر اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے باہمی اختلاف پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا میری غرض تو صرف اور صرف وہی تھی اور ہے جو میرے قول ”ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد کیونکر رہ سکتے ہیں“ سے واضح ہے اس کا جواب اگر آپ کے پاس ہو تو پیش کریں۔ سوال کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھانے کی کوشش نہ کریں، نیز مقلدین کے صرف ایک ہی مسئلہ میں پانچ اقوال میں مختلف ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ تقلید اتفاق کا مدار نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات اس کو ثابت کرنے کے لیے دن رات ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ اگر تقلید اتفاق کا مدار نہ ہو تو مقلدین متعدد فرقوں میں نہ بٹتے اور نہ ہی ایک امام کے مقلدین میں کسی قسم کا کوئی اختلاف ہوتا۔

قاری صاحب کا ایک خطرناک سوال اور اس کا جواب:

قاری صاحب لکھتے ہیں: ”اسی سلسلہ میں غیر مقلدین سے ایک سوال کہ

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں..... ابو حفص وغیرہ۔ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ۔“

(قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۵ ص ۲۵ ۲۷)

① اَوَّلًا، اگر بندہ کی ”آخری بات“ کے تحت لکھی ہوئی عبارت سے خروج عن الجہت لازم آتا ہے تو قاری صاحب کا اپنا یہ سوال تو ہے ہی خروج عن الجہت اسامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔

② ثانیاً، عنوان ”آخری بات“ کے تحت بندہ نے جو کچھ لکھا اس سے مقصود صرف دو چیزیں تھیں ① ”مقلد ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ کو حضرت الامام ابو حنیفہؒ سے ثابت فرمائیں ورنہ وہ الخ“ ② ”ظاہر بات ہے کہ حضرت الامام ابو حنیفہؒ سے تو یہ پانچوں کے پانچ قول ثابت نہیں تو پھر پانچوں قسم کے یہ مقلدین مسئلہ رفع الیدین میں حضرت الامام ابو حنیفہؒ کے مقلد کیوں کر رہ سکتے ہیں“ ان دو باتوں کا تو قاری صاحب سے کوئی معقول جواب نہ بنا لیا غیر مقلدین کو لعنتی بنانے کے شوق سے ایک سوال پیش کر دیا اور خود اس سوال کے نتائج سے غافل ہو گئے چنانچہ عنقریب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ ان کے اس سوال کی زد سے نہ تو وہ خود ہی بچ سکے اور نہ ہی اپنے امام حضرت الامام ابو حنیفہؒ ہی کو بچا سکے۔

③ ثالثاً، قاری صاحب کا مندرجہ بالا سوال غیر مقلدین کی طرح تمام مقلدین ائمہ مجتہدین اور تمام صحابہ و تابعین کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اسی لیے بندہ نے اس سوال کو عنوان میں خطرناک کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اب ذرا اس اجمال کی تفصیل سنیں تو قاری صاحب کی زبان میں ”بعض مقلدین حنفیہ رکوع والے

رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں اور بعض مقلدین حنفیہ اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں (جیسا کہ حنفی بزرگوں کے مذکورہ پانچ اقوال سے واضح ہے) اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ، نیز ائمہ مجتہدین سے کئی ایک ائمہ رکوع والے رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں اور حضرت الامام ابو حنیفہؒ اور ان کے ہمنوا اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لیے بتایا جائے الخ۔ یہ دونوں باتیں ہم نے لفظ بلفظ قاری صاحب کی ہی زبان میں دہرائی ہیں صرف غیر مقلدین کی جگہ مقلدین اور ائمہ مجتہدین اور سجدے والے رفع الیدین کی جگہ رکوع والے رفع الیدین کو استعمال کیا ہے۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قاری صاحب کا یہ لعنتی گرسوال صرف غیر مقلدین کے ساتھ مخصوص ہے نہ ہی سجدہ والے رفع الیدین کے ساتھ بلکہ یہ تو تمام مقلدین سمیت پوری امت مسلمہ کو ہر سنت وغیر سنت والے اختلاف کے مقام پر اپنی پلیٹ میں لے رہا ہے اور امت کے ہر فرد کو لعنتی بنا رہا ہے۔ پھر مقلدین اور ائمہ مجتہدین کے فرض اور غیر فرض والے اختلافات میں تو صورت حال اور بھی سنگین ہو جائے گی۔ دوسروں کو نرے تعصب اور کم عقلی سے مطعون کرنے والو غور کرو کہیں آپ کے اس لعنتی گرسوال میں بھی نرا تعصب اور کم عقلی ہی کا فرمانہ ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

قاری صاحب کی ذمہ داری اور خلاصہ کلام:

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قاری صاحب نے اپنے دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ پر بزم خود جو دلائل پیش کیے ان میں سے کسی ایک دلیل سے بھی منسوخیت رفع الیدین ثابت نہیں ہوتی نیز آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ منسوخیت رفع الیدین کے حضرت الامام ابو حنیفہؒ کا قول و مذہب ہونے کو بھی قاری صاحب ثابت نہیں فرما

سکے لہذا ان دونوں چیزوں منسوخیت رفع الیدین اور اس کے حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول و مذہب ہونے کو ثابت کرنا ابھی تک قاری صاحب کے ذمہ ہے دیکھیں وہ اپنی اس ذمہ داری سے کب سبکدوش ہوتے ہیں تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ رکوع جاتے اس سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعت سے اٹھ کر رفع الیدین کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت غیر منسوخہ ہے نسخ رفع الیدین کی کوئی ایک دلیل بھی نہیں۔ کئی ایک حنفی بزرگ اس بات کا اعتراف اقرار اذعان اور اعلان فرما چکے ہیں ان سب امور کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنت سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۶ رذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بخدمت اقدس جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب!
 زَادَنِی اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا.
 اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد تسلیم عرض ہے کہ آپ کا رقعہ ۴ ستمبر بعد نماز مغرب میرے پاس پہنچا، پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ نے اس حوالہ جواب نہیں دیا جو میں نے اپنے رقعہ نمبر ۵ ص ۹ پر لکھا تھا کہ اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم (یعنی اصل کتاب سے) تو جب مولانا صاحب میں نے اس شرط کے ساتھ لکھا تھا کہ پہلے اس کو صحیح ثابت کریں پھر آگے چلنا لیکن آپ نے اس شرط کو مد نظر نہیں رکھا اس لیے آپ کے رقعہ کا جواب میں اس وقت دوں گا جب آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کر دیں اس کے پہلے نہیں کیونکہ قانون ہے۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ۔

باقی رہا مولانا صاحب کا یہ لکھنا جیسا کہ انہوں نے اپنے رقعہ نمبر ۵ ص ۴۶ پر لکھا ہے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ الوداؤد کا فیصلہ نقل کرنے میں وہم کا الزام لگانے کی طرح صاحب تلخیص پر بھی امام احمد اور یحییٰ بن آدم کے فیصلہ تصنیف کے نقل کرنے میں وہم کا الزام لگا دے اور صاف صاف لفظوں میں لکھ دیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے تلخیص میں حافظ ابن حجر کا فیصلہ تصنیف کو نقل کرنا حافظ ابن حجر کا زواہم ہے تو یہ بندہ ان شاء اللہ العزیز معتبر اور مستند اصل کتاب سے فیصلہ تصنیف کا امام احمد اور یحییٰ بن آدم سے ثابت ہونا پیش کر دے نیز وہ اصل کتاب بھی آپ کو دکھا دے گا الخ۔
 لو سنئے مولانا صاحب صاف صاف لفظوں میں:

۱۔ ساری عبارت اصل مسودہ میں ایسے ہی ہے۔

مولانا صاحب امام احمد اور یحییٰ ابن آدم نے اس حدیث پر جرح نہیں کی اور نہ ہی دنیا کی کسی کتاب میں اس کا نام و نشان ملتا ہے البتہ حافظ ابن حجر تلخیص الجبرۃ امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں قال احمد و شیخہ یحییٰ بن آدم ہو ضعیف۔ کہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم جو امام احمد کے استاد ہیں دونوں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ سخت غلطی ہے کیونکہ جزء رفع الیدین میں کوئی تضعیف نہیں کی گئی۔

جیل احمد گلوٹیاں کلاں

۴ ستمبر بروز اتوار

مقیم مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن ماحقہ مسجد گنبد والی

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



نوٹ: یہ تمام عبارت بعینہ کتابت کی گئی لہذا قارئین اگر کہیں سقم محسوس کریں تو اسے کاتب کی غلطی نہ تصور کریں۔ (کاتب)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بخدمت جناب قاری جمیل احمد صاحب!

زَادَنِي اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا.

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

آپ کا چھٹا رقعہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ”آپ نے اس حوالہ کا جواب نہیں دیا جو میں نے اپنے رقعہ نمبر ۵ ص ۹ پر لکھا تھا کہ اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم (یعنی اصل کتاب سے) تو جب مولانا صاحب میں نے اس شرط کے ساتھ لکھا تھا کہ پہلے اس کو صحیح ثابت کریں پھر آگے چلنا لیکن آپ نے اس شرط کو مد نظر نہیں رکھا اس لیے آپ کے رقعہ کا جواب میں اس وقت دوں گا جب آپ یہ حوالہ صحیح ثابت کریں اس کے پہلے نہیں کیونکہ قانون ہے اذا فئات الشرط فأت المشروط۔ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۶ ص ۱)

① اولاً بندہ نے اپنے ۹۶ صفحات پر مشتمل پانچویں رقعہ میں قاری صاحب کے پانچویں رقعہ میں درج تمام باتوں کا مدلل جواب تحریر کیا چنانچہ قاری صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی اس بات کا ایک گنا اعتراف و اقرار پایا جاتا ہے انہیں شکوہ ہے تو صرف ایک حوالہ کے متعلق کہ اس کا انہیں جواب نہیں دیا گیا حالانکہ بندہ نے اس کا جواب بھی دے دیا تھا چنانچہ آپ قاری صاحب کے رقعہ نمبر ۵ ص ۹ اور بندہ کے رقعہ نمبر ۵ ص ۴۵ و ۴۶ کو پڑھ کر خود معلوم کر سکتے ہیں۔ سر دست اتنی بات یاد رکھیں کہ قاری صاحب نے حضرت الامام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن آدمؒ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متعلق

۱۔ یہ عبارات والفاظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہیں۔

فیصلہ تضعیف کے سلسلہ میں بندہ سے صحیح حوالہ کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں بندہ نے کہا کہ میں نے صحیح حوالہ تو پہلے ہی پیش کیا ہوا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا وہ فیصلہ حافظ ابن حجر کی کتاب تلخیص میں موجود ہے چنانچہ ان کے اس فیصلہ کے تلخیص میں موجود ہونے کا قاری صاحب نے خود بھی اعتراف فرمایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”البتہ حافظ ابن حجر تلخیص الحیر امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں قال احمد و شیخہ یحییٰ بن آدم ہو ضعیف“ الخ (قاری صاحب کا رقعہ نمبر ۶ ص ۱) کیوں جی قاری صاحب بندہ نے صحیح حوالہ پیش کر دیا تھا نا جس کا آپ نے خود بھی اعتراف فرمایا لہذا آپ کی مندرجہ بالا عبارت بے بنیاد اور واقع کے سراسر خلاف ہے کیونکہ بندہ نے آپ کے اس حوالہ کا بھی جواب دیا نیز آپ کی اس شرط کو بھی مد نظر رکھا تھا۔ رہی آپ کی ”اصل کتاب“ والی بات تو وہ آپ کے پانچویں رقعہ میں بالکل نہیں ہے چنانچہ آپ کے اسے دو قوسوں کے درمیان ذکر کرنے سے بھی ظاہر ہو رہا ہے تو قاری صاحب! اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ صرف دوسروں کو ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا وعظ نہ کریں خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے ڈریں نا۔

② ثانیاً اس مسئلہ پر میری اور آپ کی بات چیت جاری رہنے اور ختم ہو جانے والا معاملہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے آپ چاہیں تو میرے پانچویں رقعہ کا جواب دیں چاہیں تو نہ دیں۔ آپ پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا جواب نہ دینا اور بات چیت کو ختم کرنا عقلی اور نقلی طور پر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے لہذا اس مقام پر آپ کی شرط مشروط والی بات سراسر بے موقع و محل ہے کیونکہ اس کے بغیر بھی آپ بات چیت کو ختم کر سکتے ہیں ہاں اتنی بات ضرور یاد رکھیں

۱۔ یہ لفظ قاری صاحب کے رقعہ میں اسی طرح ہے۔

جب تک آپ بندہ کی تحریر کا جواب دیتے جائیں گے اس وقت تک یہ بندہ بھی آپ کو صحیح بات سمجھانے کی غرض سے آپ کی تحریر کا جواب دیتا جائے گا۔

ان شاء اللہ العزیز الحکیم۔

③ ثالثاً آپ نے اپنے پانچویں رقعہ میں صاف اور صریح لفظوں میں لکھا ہے ”میرا دعویٰ ہے منسوحیت رفع الیدین“ اور میری اور آپ کی سابقہ تحریرات شاہد ہیں کہ ابھی تک آپ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں ناکام ہی چلے آ رہے ہیں اس لیے آپ خود غور فرمائیں کسی اپنے بزرگ سے پوچھیں کہ اس قسم کی شرط و مشروط والی بات بنا کر آپ کے جواب نہ دینے اور بات چیت کو یہیں ختم کر دینے سے آپ کا دعویٰ ”منسوحیت رفع الیدین“ ثابت ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

④ رابعاً آپ کی بات ”اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو آگے بات کرنا ورنہ ختم“ میں کوئی لزوم اور ربط بھی نہیں ہے جیسا کہ کسی کے اس قول ”اگر سورج نکلا ہوا ہو تو رات ہوگی ورنہ دن“ میں کوئی لزوم اور ربط نہیں ہے ہاں اگر آپ یہ فرماتے ”اگر یہ حوالہ صحیح ثابت کر دے تو فیہا ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے“ تو یقیناً آپ کی بات معقول ہوتی۔

⑤ خامساً یہ تو پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قاری صاحب کی مندرجہ بالا شرط والی بات میں کوئی لزوم اور ربط نہیں ہے لہذا اس مقام پر ان کا قانون اذافات الشروط المشروطہ کو چسپاں کرنا سراسرنا درست ہے۔

⑥ سادساً دیکھئے حدیث بریرہؓ میں رسول کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا تھا ”اس کو آزاد کر دے اور ولاء کی ان کے لیے شرط کرے“ اس کے باوجود ولاء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی حق

ہے تو معلوم ہوا کہ اذا فأت الشرط فأت المشروط. کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صرف وہاں جاری ہوتا ہے جہاں شرط حق اور درست ہو نیز دیکھئے یہ قانون کسی کے قول ”اگر سورج نکلا ہوا ہو تو رات ہوگی ورنہ دن“ میں جاری نہیں ہو رہا۔

⑦ سابعاً اس بندہ کی طرف سے اگر کہا جائے ”قاری صاحب! اگر آپ قال ابو داؤد لیس ہو بصحیح الخ“ کے صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہونا، ابن القطان کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بلا استثناء صحیح کہنا اور ”وما حدثکم ابن مسعود فصدقہ“ کا ترمذی اور مستدرک حاکم میں موجود ہونا ثابت فرما دیں تو آگے بات کرنا ورنہ بات چیت ختم“ تو کیا اس میں از روئے انصاف کوئی معقولیت ہے؟ یا اس سے زیر بحث مسئلہ حل ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں لہذا آپ کی مندرجہ بالا شرط مشروط والی بات بھی اسی قسم میں شامل و داخل ہے جبکہ یہ تینوں آپ کی غلطیاں ہیں جیسا کہ میری سابقہ تحریروں میں تفصیلاً لکھا ہے اور امام احمد اور یحییٰ بن آدم کی طرف فیصلہ تضعیف کی نسبت بندہ کی غلطی نہیں ہے چنانچہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

⑧ ثامناً آپ کا لکھنا ”حافظ ابن حجر تلخیص الحمیرۃ امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں الخ“ سراسر غلط ہے کیونکہ تلخیص الحمیرۃ میں ”رسالہ جزء رفع الیدین“ کا حوالہ نہیں ہے آپ تلخیص کے اس مقام کو ذرا غور سے پڑھیں باقی مجھے آپ کو بنوری صاحب کو یا کسی اور بزرگ کو حافظ ابن حجر کے مآخذ کا پتہ نہ چل سکتا کوئی ناممکن چیز نہیں ہاں تلخیص میں ”امام بخاری کا ذکر ضرور موجود ہے لیکن امام بخاری کے ذکر سے ان کے رسالہ جزء رفع الیدین کو مراد لے لینا کوئی لازم نہیں لہذا آپ کی بات ”لیکن حافظ ابن حجر کی یہ سخت غلطی

ہے،” بھی بے بنیاد اور غلط ہے اور آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخصیص میں منقول عبارت ”قَالَ أَحْمَدُ وَ شَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيفٌ“ ہمیں کہیں نہیں ملی ”وَمَنْ عَلِمَهُ حُجَّةٌ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْلَمْ“۔

⑨ تاسعاً آپ کی بات ”جزء رفع الیدین میں کوئی تضعیف ان سے ذکر نہیں کی گئی“ سراسر غلط ہے کیونکہ جزء رفع الیدین میں حضرت الامام احمد اور ان کے شیخ حضرت یحییٰ بن آدم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی تضعیف مذکور و موجود ہے چنانچہ سینے علامہ شوق صاحب نیوی حنفی آثار السنن کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِي جُزْءِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ: وَيُرْوَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً، وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ قَالَ نَظَرْتُ فِي كِتَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ لَيْسَ فِيهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ“ الخ (ص ۱۰۵)

علامہ شوق صاحب نیوی حنفی کی یہ عبارت صریح ہے کہ ”امام احمد بن حنبل کا اپنے استاذ یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے فرمانا کہ عبداللہ بن ادریس کی عاصم بن کلیب سے روایت کردہ کتاب میں ”ثم لم يعد“ کے لفظ نہیں امام بخاری کے رسالہ جزء رفع الیدین میں موجود و مذکور ہے۔ نیز حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں:

وَكَمَا ذَكَرَهُ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِصِ: إِنَّ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ وَ شَيْخَهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَا: هُوَ ضَعِيفٌ. نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا ۱۰۱۰ فَهُوَ مِنْ

الْحَافِظُ عَجَلَةً تَأْخُذُ الْمَرْءَ عِنْدَ الظَّفَرِ بِالْمَقْصُودِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُمَعْنَ
نَظَرَهُ فِي الْكَلَامِ وَأَيْنَ ذَلِكَ فِي كَلَامِهِمَا وَإِنَّمَا الَّذِي حَكَاهُ
الْبُخَارِيُّ فِي الْجُزْءِ هَكَذَا: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ
نَظَرْتُ فِي كِتَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ لَيْسَ
فِيهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ ١٠ ثُمَّ تَكَلَّمَ الْبُخَارِيُّ مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ فَلَا دَخَلَ لَا
حَمْدَ وَ شَيْخِهِ بِالتَّضْعِيفِ كَمَا يُرِيدُهُ الْحَافِظُ نَعَمْ وَالْعَجَلَةُ تَعْمَلُ
الْعَجَائِبَ ١٠٠ (ج ٢ ص ٢٨٢)

تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حنفی نے بھی تصریح فرمادی کہ
”امام احمد بن حنبل کا اپنے استاذ یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے فرمانا کہ لفظ ”ثم لم يعد“
عبداللہ بن ادریس کی عاصم بن کلیب سے روایت کردہ کتاب میں نہیں“ امام بخاری
کے رسالہ جزء رفع الیدین میں موجود و مذکور ہے۔ اگر ان دو حنفی بزرگوں کی تصریح پر
بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو لیجیے اصل کتاب ”جزء رفع الیدین“ ملاحظہ فرمائیں۔ اس
کے ص ۱۱۳ اور ص ۱۲ پر عبارت:

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ قَالَ: نَظَرْتُ فِي كِتَابِ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ لَيْسَ فِيهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ.

مذکور و موجود ہے۔ امام بخاری کا یہ رسالہ رقعہ رساں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا
جا رہا ہے مطلوبہ صفحہ دیکھ کر اسی وقت واپس فرمادیں نوازش ہوگی۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر قاری صاحب فرمائیں کہ مجھے مندرجہ بالا عبارت کا جزء رفع الیدین
میں ہونا تو تسلیم ہے مگر یہ امام احمد اور یحییٰ بن آدم کی طرف سے حدیث کی کوئی تضعیف
نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب امام احمد نے یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے حضرت

سفیان ثوری کے عاصم بن کلیب سے روایت کردہ الفاظ ”ثم لم يعد“ سے متعلق تصریح فرمادی کہ یہ الفاظ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں تو یہ اس روایت کی تضعیف ہی ہے سمجھنے کی خاطر آپ اپنے صاحب مشکوٰۃ اور دیگر بزرگوں کے قول ”قال ابو داؤد ليس هو بصحيح الخ“ سے متعلق فیصلہ ”یہ الفاظ ابو داؤد میں نہیں ہیں“ کو ملحوظ رکھیں اور غور فرمائیں آیا آپ نے یہ صاحب مشکوٰۃ اور دیگر بزرگوں کے مذکورہ بالا قول کی تضعیف کی تھی یا تصحیح یا نہ تضعیف اور نہ ہی تصحیح؟ نیز غور فرمائیں آپ نے حدیث لکھی ”وما حدثکم ابن مسعود فصدقوه“ اور ترمذی اور مستدرک حاکم کا حوالہ دیا اس پر بندہ نے لکھا کہ یہ حدیث ان دونوں کتابوں میں نہیں تو یہ میری طرف سے آپ کے بیان کی تضعیف تھی یا تصحیح یا نہ تضعیف اور نہ ہی تصحیح؟ تو قاری صاحب آپ ذرا انصاف سے کام لیں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جزء رفع الیدین میں مذکور امام احمد کے یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے منقول فیصلہ میں ”ضعیف“ کا لفظ موجود نہیں لیکن یہ کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تضعیف روایت کے فیصلہ میں ضعیف کا لفظ بولنا کوئی ضروری نہیں مشہور ہے ”وَالْمُنَاقَشَةُ فِي اللَّفْظِ لَيْسَتْ مِنْ دَابِ الْمُحْصَلِينَ“ پھر قاری صاحب اور بنوری صاحب دونوں کو اعتراف ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث پر کلام کیا اور اس کے ضعیف ہونے کا فیصلہ بھی دیا ہے اور امام بخاری کا فیصلہ تضعیف بھی یہی ہے کہ لفظ ”ثم لم يعد“ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں تو پھر یحییٰ بن آدم کے حوالہ سے امام احمد کا یہی بات کہنا کیوں فیصلہ تضعیف نہیں؟ آخر انصاف بھی کوئی شے ہے تو اس سوال و جواب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مولانا بنوری صاحب کی اس مقام پر حافظ ابن حجر پر مندرجہ بالا نکتہ چینی خواہ مخواہ ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔

ایک اور سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی صاحب معارف السنن کو سامنے رکھ کر فرمائیں کہ محدثین کی تضعیف صرف لفظ ”ثم لم یعد“ سے متعلق ہے تو جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں لفظ ”ثم یرفع یدیه الامرۃ او الافی اول مرة“ ثابت ہو چکے ہیں تو لفظ ”ثم لم یعد او ثم لا یعود“ ثابت نہ ہونے سے اس حدیث کے ہمارے مدعا کے موافق صحیح یا حسن ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات سرے سے ہے ہی بے بنیاد کیونکہ محدثین نے ان سب لفظوں کو ضعیف اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ علامہ شوق صاحب نیوی حنفی کی جزء رفع الیدین سے نقل کردہ امام بخاری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ”الامرۃ“ والے لفظ کے ساتھ نقل کی پھر اس کی تضعیف کے وقت لفظ ”ثم لم یعد“ کو غیر محفوظ قرار دیا جس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ وہ دونوں کو ضعیف سمجھتے ہیں نیز امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن آدم اور امام بخاری نے تصریح فرمادی کہ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں لفظ ”ثم لم یعد“ نہیں جبکہ حضرت سفیان ثوری اس لفظ کو یا اس کے ہم معنی دوسرے لفظ کو عاصم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن ادریس اس لفظ کو حضرت عاصم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں نہ اس کے ہم معنی کسی دیگر لفظ کو اس بات کی تحقیق کے لیے آپ عبداللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب الخ حدیث کو دیکھیں وہ ابوداؤد میں بھی ہے اور جزء رفع الیدین میں بھی مگر اس میں ”ثم لم یعد“ کی طرح ”ثم لا یعود“ الامرۃ الافی اول مرة“ اور ان کا ہم معنی کوئی دیگر لفظ بھی موجود نہیں اس میں تو صرف اور صرف یہ لفظ ہیں ”فکبر و رفع یدیه ثم رکع“ الخ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے محدثین نے اسے ”ثم لم یعد ثم لا یعود“ الامرۃ الافی اول مرة“ اور ان کے ہم معنی الفاظ سے ناقابل احتجاج قرار دیا ہے تفصیل کے لیے بندہ کا پانچواں رقعہ

پڑھیں۔

⑩ عاشراً، ہم نے اپنے پہلے اور پانچویں رقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دینے والے بارہ ائمہ محدثین کے اسماء گرامی گنوائے تھے جن میں سے صرف دو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن آدم سے متعلق حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ ان دو بزرگوں نے حدیث پر جرح نہیں کی حالانکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ان دو بزرگوں نے بھی فرمایا ہے کہ لفظ ”ثم لم يعد“ عاصم بن کلیب سے مروی کتاب میں موجود نہیں اور ان کا یہ فرمانا حدیث پر جرح ہی تو ہے تاہم تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان دو بزرگوں نے حدیث پر جرح نہیں کی لیکن ان دو بزرگوں کے علاوہ دس ائمہ محدثین حضرت الامام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت الامام بخاری، حضرت الامام ابوداؤد، حضرت الامام ابوحاتم رازی، حضرت الامام دارقطنی، حضرت الامام ابن حبان، حضرت الامام دارمی، حضرت الامام بیہقی، حضرت الامام بزار اور حضرت الامام ابن عبدالبر تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ناقابل احتجاج قرار دے ہی رہے ہیں ناقصیل کے لیے میرا پانچواں رقعہ پڑھیں تو فرمائیں قاری صاحب! آپ کے ان دو بزرگوں کے اس روایت پر جرح نہ کرنے پر زور دینے سے آپ کو فائدہ؟ کیا اس سے آپ کا دعویٰ ”منسوخیت رفع الیدین“ ثابت ہو گیا؟ نہیں ہرگز نہیں جبکہ اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کو تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی اس سے رفع الیدین کی منسوخیت ثابت نہیں ہوتی، تفصیل کے لیے بندہ کا پانچواں رقعہ ضرور پڑھیں۔

تو قاری صاحب! بندہ نے آپ کے شرط کو مد نظر نہ رکھنے والے شکوہ کو بھی دور کر دیا نیز امام احمد اور یحییٰ بن آدم کا فیصلہ تضعیف اصل کتاب سے پیش کر دیا پھر وہ

اصل کتاب آپ کو دکھا بھی دی، اس کے بعد بھی جواب دینے اور نہ دینے کے سلسلہ میں آپ پر کسی قسم کا جبر نہیں آپ چاہیں جواب دیں چاہیں نہ دیں ہاں اتنی بات ضرور یاد رکھیں اگر آپ نے جواب دیا تو یہ بندہ بھی آپ کو صحیح بات سمجھانے کی نیت و غرض سے جواب دے گا۔ ان شاء اللہ العزیز الحکیم۔

ابن عبدالحق بقلمہ

۲۶ رذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ



﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾

ایک دین اور چار مذہب

تحریری مناظرہ

ما بین

مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی خطیب مسجد طیبہ وحدت کالونی
و مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اور

مولانا قاضی حمید اللہ صاحب خطیب مدینہ مسجد وحدت کالونی
و مہتمم مدرسہ انوار العلوم شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

فہرست مضامین

- ۱۔ پیش لفظ 767
- ۲۔ قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبر 768
- ۳۔ اختلاف کی اقسام 768
- ۴۔ اصول دین میں اختلاف 768
- ۵۔ فروع دین میں اختلاف 769
- ۶۔ دنیاوی امور میں اختلاف 769
- ۷۔ رفع یدین چھوڑنے کی روایات 769
- ۸۔ آمین بالجہر۔ قرأت فاتحہ خلف الامام 770
- ۹۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر نہ لگائیں 771
- ۱۰۔ عبدالسلام کی تحریر نمبر 772
- ۱۱۔ قاضی صاحب کی اصول دین اور فروع دین کی خود ساختہ تقسیم ... 773
- ۱۲۔ قاضی صاحب کے فروع قرار دادہ مسائل کا اصول قرار دادہ مسائل سے تعلق .. 774
- ۱۳۔ کیا متواترہ سنت سے انکار فروعی مسئلہ ہے؟ 774
- ۱۴۔ قرأت فاتحہ 775
- ۱۵۔ کیا صحابہ میں مردوں کے سننے پر اختلاف تھا؟ 775
- ۱۶۔ معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر اختلاف 775
- ۱۷۔ قاضی صاحب کے کفر و شرک قرار دادہ مسائل کا اکابر دیوبند میں وجود .. 776
- ۱۸۔ پہلی حکایت 776

- ۱۹۔ دوسری حکایت 777
- ۲۰۔ تیسری حکایت 778
- ۲۱۔ چوتھی حکایت 779
- ۲۲۔ پانچویں حکایت 779
- ۲۳۔ تبلیغی جماعت کا عقیدہ 781
- ۲۴۔ بھوک میں آنحضرت ﷺ سے عرض اور آپ کا روٹی عطا فرمانا .. 782
- ۲۵۔ آپ کا ایک بھوکے کو درہم عطا فرمانا 783
- ۲۶۔ آنحضرت ﷺ کا دست مبارک قبر سے باہر نکلنا 783
- ۲۷۔ ایک عورت کی آنحضرتؐ سے فریاد اور اسے ستانے والوں کی موت .. 784
- ۲۸۔ ایک مؤذن کی آپؐ سے شکایت اور اسے مارنے والے پر فاج گرنا اور موت .. 785
- ۲۹۔ مدینہ سے دُور رہنے والوں کا مدینہ کی طرف درخواست لکھ کر بھیجنا .. 785
- ۳۰۔ ائمہ کا اختلاف اور فرقہ سازی 786
- ۳۱۔ شیخ الہند کا حق کو تسلیم کرنے کے بعد انکار 787
- ۳۲۔ کیا صرف سند یافتہ عالم ہی کسی کو قرآنی آیات کا مطلب سمجھا سکتا ہے؟ .. 788
- ۳۳۔ قاضی صاحب کا دوسروں کے لیے اندازِ تحقیر 788
- ۳۴۔ ترک رفع یدین کی روایات 789
- ۳۵۔ قاضی صاحب کا ذہنی مفروضوں کو حدیث کا مطلب قرار دینا 790
- ۳۶۔ ترک رفع کی روایت کا ثابت نہ ہونا 791
- ۳۷۔ کیا صحابہؓ کے افعال شرعی حجت ہیں؟ 793
- ۳۸۔ نسائی میں سجدوں میں رفع یدین کا حکم دینے کی حدیث نہیں ہے .. 794
- ۳۹۔ آمین بالجہر 794
- ۴۰۔ کیا مقتدی الحمد نہ پڑھے؟ 795

- ۳۱۔ و اخفی بها صوته 796
- ۳۲۔ کیا ابن قیم نے بلند آواز سے آمین کو تعلیم کے لیے قرار دیا ہے؟ .. 796
- ۳۳۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے؟ 797
- ۳۴۔ قاضی صاحب کا ابو زرہ کے ذمہ بات لگانا 798
- ۳۵۔ قاضی صاحب کا میزان کو ابن حجر کی تصنیف قرار دینا 799
- ۳۶۔ گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث 799
- ۳۷۔ قاضی صاحب کا بعض احادیث پر متعارض ہونے کا بہتان 799
- ۳۸۔ قاضی صاحب کی خدمت میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ان کا اپنا سوال . 800
- ۳۹۔ قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبر ۲ 802
- ۵۰۔ عبدالسلام کی تحریر نمبر ۲ 803



بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ماہ اگست ۸۳ء کی بات ہے میں نے جناب بشیر احمد مسلم صاحب کی کتاب ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ جامع مسجد مدینہ سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ کے خطیب جناب قاضی حمید اللہ صاحب کے مطالعہ کے لیے دی اور گزارش کی کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب میں اٹھائے گئے سوالات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیجیے تاکہ افہام وتفہیم سے اختلافی مسائل جو اہل حدیث علماء اور دیوبندی علماء میں پائے جاتے ہیں کا حل تلاش کیا جائے جس کے جواب میں انہوں نے مجھے اوٹ پٹانگ قسم کا تحریری جواب دیا جس کا جواب جامع مسجد طیبہ کے خطیب جناب حافظ عبدالسلام صاحب نے تفصیلی طور پر دیا جو میں نے دستی طور پر قاضی حمید اللہ صاحب کو دینا چاہا جو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً بذریعہ ڈاک اسے رجسٹری بنام قاضی حمید اللہ صاحب کیا گیا جس کے جواب میں انہوں نے ایک مختصر رقعہ بھیجا۔ اس کا جواب ڈاک کے ذریعے بھیج دیا گیا۔ مگر اس کے بعد قاضی صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اب قاضی صاحب کی تحریر اور اس کا جواب اور قاضی صاحب کی دوسری تحریر اور اس کا جواب شائع کیا جا رہا ہے۔ قاضی صاحب اگر جواب دے سکتے ہوں تو بڑے شوق سے اب بھی تحریر کر سکتے ہیں۔

خالد ابراہیم طالب علم ایم اے اسلامیات

وحدت کالونی، گوجرانوالہ



قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبر ۱

اختلاف کے چند قسم ہیں: ۱۔

ایک اختلاف اصول دین میں ہے جیسا کہ ایک آدمی قبر کو سجدہ جائز مانتا ہے۔ ان کے نام منٹ مانتے ہیں چادر چڑھاتے ہیں۔ بزرگوں کو اور نیوں کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارتے ہیں اور ان سے نفع کی اُمید رکھتے ہیں اور ان کے ضرر سے ڈرتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک خصوصاً اہل پنجاب کا بڑا حصہ ان شرکیہ عقائد میں مبتلا ہے۔ اور ایک شخص ہے کہ وہ ان تمام عقائد کو شرک اور کفر سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل حق کا یہی مسلک ہے۔ مذکورہ بالا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف ہے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ یعنی کچھ مومن اور کچھ کافر نہ بنو بلکہ سب مسلمان بنو۔ اسی طرح ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں ان آیات سے یہ اختلاف یعنی کفر اسلام کا اختلاف مراد ہے۔

دوم اختلاف فروع دین میں ہے۔ جیسا کہ رفع الدین کرو یا نہ کرو آمین زور سے کہو یا نہ کہو قرأت خلف الامام کرو یا نہ کرو۔ نبیؐ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے، مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے، اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں، بلکہ دونوں گروہ مسلمان ہیں۔ اس سے آیت ولا تفرقوا کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ اختلافات حضرات صحابہ میں بھی موجود تھے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ آپؐ نے معراج کی رات خدا کو نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ آپؐ نے خدا کو دیکھا تھا۔ یا حضرات صحابہ کا ایک گروہ مانتے تھے کہ مردے سنتے ہیں اور ایک گروہ نہیں مانتا تھا۔ اب ہم یہ جرات نہیں

۱۔ مولانا کی تمام عبارت بعینہ نقل کی گئی ہے کسی لفظ کو کاتب کی غلطی خیال نہ کیا جائے۔

کر سکتے کہ ان میں ایک گروہ کافر تھا۔ بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کا اختلاف خلوص اور تحقیق پر مبنی تھا۔ اسی طرح چار اماموں میں کئی فروعی مسائل میں اختلاف تھا۔ بتائیے آپ کس کو کافر کہیں گے یا یہ فرمائیے کہ آیت ولا تفرقوا اس وقت نہیں تھی۔

تیسری قسم اختلاف دنیاوی امور میں ہے۔ مثلاً حکومت کا نظام کیسے چلایا جائے۔ صدارتی ہو یا پارلیمانی، فوجی ہو سول ہو۔ اس میں بھی لوگوں کے کئی گروہ ہیں۔ مسلم لیگ، جمعۃ علماء اسلام، جمعیت علماء پاکستان، نیشنل، الحمدیث مولانا عبداللہ گروپ، الحمدیث فضل حق گروپ، اس سے بھی آیت ولا تفرقوا کا کوئی تعلق نہیں ورنہ یا پھر مولوی عبداللہ یا فضل حق کو کافر کہنا پڑے گا۔ میرے عزیز اخیر میں آپ سے عرض ہے کہ جاہل آدمی کو قطعاً یہ حق نہیں کہ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے پھریں یا آیات کا مطلب دوسروں کو سمجھائیں، جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ خاک تفسیر کرے گا۔ آپ اپنے استاد سے کھڑے کھڑے دریافت کریں کہ قرآن میں کب کب کالفاظ آیا ہے اس کا معنی کیا ہے وہ کسی ترجمہ کے دیکھے بغیر آپ کو نہیں بتا سکے گا۔

مذکور تحریر سے اگر آپ مطمئن نہیں ہوئے تو پھر اپنے محترم استاد کو میرے سامنے بٹھاؤ۔ آپ کے سامنے باتیں ہوں گی۔ آپ کو حق ظاہر ہوگا۔ مجھے یقین ہے آپ حق کے طلب گار ہیں اللہ آپ کو اور مجھے حق پر جینے اور مرنے کی توفیق دے دیں۔ آمین، حمید اللہ عفی عنہ

رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں۔ ایک عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کی روایت ہے:

أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَصَلَّيْ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ. صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

مطلب یہ ہے کہ ابن مسعود نے صحابہ کی جمع میں یہ بات کہی کہ آپ سوائے تحریمہ کے

اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی۔ اس کے نقل کرنے والے ترمذی ہے اور ابن حزم ہے۔ دوسری اسود کی روایت ہے رَأَيْتُ غَمَرَ إِلَى أَخِيهِ مطلب یہ کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔ نقل کرنے والے ابن ابی شیبہ ہے جو ہر انتہی نے لکھا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اور ابن حجر نے درایہ میں لکھا رجالہ ثقات تیسری روایت بیہقی اور ابن ابی شیبہ کی ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سوائے تحریمہ کے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے اور طبرانی میں بھی ہے ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی کتاب جزء رفع الیدین میں بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ سجدہ کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور آپ لوگ سجدہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے اب آپ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔



امین بالجہر



مسلم کی روایت میں ہے جب امام اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح تکبیر کا حکم ہے اور وہ خفی ہے تو امین کا حکم بھی خفی پڑھنے کا ہے ورنہ پھر اللہ اکبر بھی مقتدی زور سے پڑھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقتدی الحمد نہیں پڑے گا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا امام ولا الضالین کہے گا اور مقتدی آمین کہے گا۔

ابوداؤد نے روایت نقل فرمائی کہ آپ ولا الضالین کے بعد سکتے فرماتے تھے اسی طرح احمد دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔ ترمذی طیالسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

واخفی بہا صوتہ یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب

پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو ابجدیث بن گئے اور دوسرے اہل کفر بن گئے۔

بایں عقل و دانش بیاید گریست

اور جن روایات میں زور سے آمین کہنا آیا ہے تو یہ جبر کبھی کبھی تعلیم کے لیے آپ فرماتے تھے۔ جیسے حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جبر جائز ہے۔ اب ابن القیم بھی کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ پہلے گھٹنے لگائیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قلب ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ۔ اس کو بھی دارقطنی، بیہقی، اور امام احمد بن حنبل نے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ امام نسائی نے لکھا ہے حدیث منکر ابو زرہ نے لکھا ہے:

اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظ خراب تھا۔

اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔ امام ابو داؤد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ۔

آپ سے درخواست ہے کہ ہر روز آدھ گھنٹہ میرے پاس مدرسہ میں بیٹھا کریں میں ان شاء اللہ خلوص سے احادیث رسول کی روشنی میں سمجھا دوں گا۔ اللہ آپ کو مجھ کو حق پر چینیے اور مرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین

حمید اللہ عفی اللہ



عبدالسلام کی تحریر نمبر ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم بشیر احمد صاحب مسلم سابق معلم عطا محمد اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ نے چند سال پیشتر ایک کتاب ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ کے نام سے لکھی تھی۔ اس میں کتاب و سنت پر ایک ہو جانے کی دعوت فرقہ سازی کی مذمت اور صحیح احادیث سے رسول اللہ ﷺ کی نماز ذکر کی تھی۔ وحدت کالونی گوجرانوالہ کے بھائی خالد ابراہیم صاحب نے وہ کتاب اپنے محلہ کی مدینہ مسجد کے دیوبندی خطیب مولانا قاضی حمید اللہ صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اس پر تبصرہ لکھا اور خالد ابراہیم صاحب نے ان کے کہنے کے مطابق وہ تبصرہ مجھے لا کر دیا کہ میں اس کی حقیقت حال واضح کروں تا کہ دونوں طرف کی گفتگو سے حق آشکار ہو جائے۔

میرے مخاطب آئندہ گفتگو میں مولانا قاضی حمید اللہ صاحب خطیب مدینہ مسجد ہیں کیونکہ تبصرہ انہوں نے لکھ کر جواب مانگا ہے میری نیت اللہ کے فضل سے احقاق حق اور ابطال باطل ہے۔

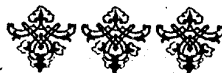
إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

راقم: عبدالسلام بھٹوی

خطیب مسجد طیبہ اہلحدیث وحدت کالونی

و مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۷ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ



آپ فرماتے ہیں، اختلاف کے چند قسم ہیں: ۱۔

ایک اختلاف اصول دین میں ہے جیسا کہ ایک آدمی قبر کو سجدہ جائز مانتا ہے۔ ان کے نام منت مانتے ہیں چادر چڑھاتے ہیں۔ بزرگوں کو اور نیوں کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارتے ہیں اور ان سے نفع کی اُمید رکھتے ہیں اور ان کے ضرر سے ڈرتے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک خصوصاً اہل پنجاب کا بڑا حصہ ان شرکیہ عقائد میں مبتلا ہے اور ایک شخص ہے کہ وہ ان تمام عقائد کو شرک اور کفر سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل حق کا یہی مسلک ہے۔ مذکورہ بالا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف ہے۔ الخ

دوم اختلاف فروع دین میں ہے جیسا کہ رفع یدین کر دینا نہ کرو۔ آمین زور سے کہو یا نہ کہو قرأت خلف الامام کر دینا نہ کرو۔ نبی ﷺ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے۔ اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں بلکہ دونوں گروہ مسلمان ہیں۔ اس سے آیت ولا تفرقوا کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف حضرات صحابہ میں بھی موجود تھے۔

❖ اُصول دین اور فروع دین کی خود ساختہ تقسیم ❖

حقیقتِ حال * اس کلام میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں:

① آپ نے اصول دین اور فروع دین کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی صرف اپنے خیال کے مطابق بعض چیزوں کو اُصول دین میں داخل کر دیا ہے اور بعض کو فروع دین میں دلیل نہ اُصول دین ہونے کی دی ہے نہ فروع دین ہونے کی۔ بظاہر آپ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں صحابہ کرام میں اختلاف موجود تھا وہ فروع دین میں شامل ہیں تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ جن

۱۔ مولانا کی تمام عبارت بعینہ نقل کی گئی ہے کسی لفظ کو کاتب کی غلطی خیال نہ کیا جائے۔

چیزوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف نہیں تھا وہ سب اُصول دین ہیں بہر حال آپ سے گزارش ہے کہ اُصول دین اور فروع دین کی جامع مانع تعریف ضرور بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ آپ نے وہ تعریف کس آیت یا حدیث سے اخذ کی ہے۔

② فروع دین میں اختلاف کی جو مثالیں آپ نے دی ہیں ان پر بھی توجہ فرمائیں آپ کو ان کے ڈانڈے اُصول دین سے ملے ہوئے نظر آئیں گے۔
فروع قرار دادہ مسائل کا اُصول قرار دادہ مسائل سے تعلق:

۱۔ رفع یدین رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ ہے جیسا کہ مولانا یوسف نوری، معارف السنن ج ۲ ص ۴۵۹ میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ فِي نَيْلِ الْفَرْقَدَيْنِ ص: ۲۲، إِنَّ الرِّفْعَ مُتَوَاتِرًا إِسْنَادًا وَعَمَلًا وَلَا يُشْكُ فِيهِ.

یعنی مولانا انور شاہ کشمیری نے نیل الفرقدین میں فرمایا ہے کہ یقیناً رفع یدین اسناد اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔
کیا متواترہ سنت سے انکار فروعی مسئلہ ہے:

اب ایک چیز ہے رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، اور ایک ہے اس متواترہ سنت کا انکار کر دینا۔ کیا متواترہ سنت کا انکار کر دینا بھی فروع دین میں شامل ہے۔ وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔
مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

وَالسَّوَاكُ سُنَّةٌ وَاعْتِقَادُ سُنيَّتِهِ فَرَضٌ (لَا أَنَّهُ ثَبَتَ مُتَوَاتِرًا بِإِنْحَاءِ التَّوَاتُرِ) وَتَخْصِيلُ عِلْمِهَا سُنَّةٌ وَجُحُودُهَا كُفْرٌ. (فيض الباری ج ۱ ص ۷۱)

یعنی سواک سنت ہے اور اس کے سنت ہونے کا عقیدہ رکھنا فرض ہے (کیونکہ یہ کئی طرح کے تواتر کے ساتھ متواتر ہے) اور اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے

اور اس کا انکار کفر ہے۔

مسواک کے سنت ہونے سے انکار کو علامہ کشمیری اس لیے کفر کہہ رہے ہیں کہ وہ سنت متواترہ کا انکار ہے۔ تو جو لوگ رفع الیدین کے سنت ہونے کے منکر ہیں سنت متواترہ کے منکر ہونے کی حیثیت سے ہمارا اور ان کا اختلاف فروع دین میں اختلاف ہو یا اصول دین میں؟

قرأت فاتحہ:

ب۔ ”قرأت خلف الامام کرو یا نہ کرو“۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی تو شاید آپ کی مثال آپ کے موقف کے مطابق درست ہوتی۔ مگر جب اختلاف یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک فریق یہ کہنے لگے کہ سورۃ فاتحہ نہ امام پر فرض ہے نہ مقتدی پر نہ منفرد پر۔ قرآن کی کوئی آیت پڑھ لو نماز ہو جائے گی اور دوسرے فریق کو یہ اصرار ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ بتائیے کیا صحابہؓ میں یہ اختلاف تھا کہ کچھ صحابہؓ امام، منفرد، مقتدی کسی پر بھی فاتحہ فرض نہیں سمجھتے تھے اور کچھ اس کے بغیر نماز نہ ہونے کے قائل تھے تو پھر یہ اختلاف آپ کے مطابق کفر و اسلام کا اختلاف ہوا۔

کیا صحابہؓ میں مردوں کے سننے پر اختلاف تھا:

ج۔ مردوں کے سننے نہ سننے کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی خاص موقعہ کے متعلق ہو سکتا ہے اختلاف ہو مگر یہ بات کہ مردہ ہر آنے والے کی ہر بات سنتا ہے اس میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف تھا یہ غلط اور بے دلیل ہے تو جو لوگ مردوں کے ہر بات کو سننے کے قائل ہیں ان سے ہمارا اختلاف تو فروع دین میں اختلاف نہ رہا۔

معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر اختلاف:

د۔ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھنے یا دل کے ساتھ دیکھنے کے متعلق تو صحابہؓ میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر کیا صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ بھی اختلاف تھا

کہ کچھ کہتے تھے کہ نہیں دیکھا اور کچھ کہتے تھے کہ آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ تو پھر جو لوگ آنکھوں کے ساتھ دیکھنا بیان کرتے ہیں بلکہ عرش پر جا بٹھاتے ہیں۔ یہ اختلاف فروعی ہو گا یا اصولی؟

کفر و شرک قرار دادہ مسائل کا اکابر دیوبند میں وجود:

③ جن چیزوں کو آپ نے خود اصول دین تسلیم کیا ہے۔ مثلاً آپ نے مندرجہ ذیل عقائد کو کفر و شرک قرار دیا ہے۔

ا: نبیوں، ولیوں (بزرگوں) کو عالم الغیب ماننا۔

ب: اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا۔

ج: ان سے نفع کی امید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا۔

اور ان عقائد کے رکھنے والوں کو کافر و مشرک سمجھنے والوں کو اہل حق قرار دیا

ہے۔

اب آپ دیانتداری سے فرمائیے کہ مندرجہ ذیل واقعات و عبارات کا عقیدہ رکھنے والے مسلمان اور موحّد ہیں یا کافر و مشرک؟

پہلی حکایت:

① اکابر دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے شیخ شاہ امداد اللہ کی کا واقعہ ”کرامات امدادیہ“ میں مذکور ہے کہ ان کے ایک مرید کسی بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ جہاز طوفان سے ٹکرا گیا۔ قریب تھا کہ موجوں کے ہولناک تصادم سے اس کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی یہ ہے:

”انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیروشن ضمیر کی طرف خیال کیا اس وقت سے زیادہ

اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارسازِ مطلق ہے، اسی وقت آگہو غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔

ادھر تو یہ قصہ پیش آیا۔ ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ کمر کیوں کر چھلی؟ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگہو ڈوبا جاتا تھا۔ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ اور آگہو کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی، اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کراماتِ امدادیہ ص ۱۸)

اس واقعہ میں بزرگوں کو عالم الغیب ماننا، اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا، ان سے نفع کی امید رکھنا اور پھر واقعی ان کا مدد کو پہنچنا سب کچھ موجود ہے۔ اور یہ بھی کہ جہاز غرق ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کی بجائے پیر روشن ضمیر کا خیال کرنا چاہیے۔

دوسری حکایت:

② ارواحِ ثلاثہ یعنی حکایاتِ اولیاء جس کے مرتب مولانا اشرف علی تھانوی ہیں، میں

مولانا قاسم نانوتوی کی روایت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

”خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا، اور قوم کے راجپوت تھے اور حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے

تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۵۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

گویا نانوتوی صاحب کے عقیدہ کے مطابق غیب کی پانچ چابیوں میں سے ایک چابی عبد اللہ خاں کے پاس بھی تھی۔
تیسری حکایت:

③ حاجی دوست محمد خاں دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک نہایت مخلص خادم تھے۔ ایک بار اُن کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ اب اس کے بعد کا واقعہ تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی سنئے۔ علالت کی سنگینی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں، غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ حاجی صاحب کو اہلیہ سے محبت زیادہ تھی۔ بے قرار ہو گئے۔ پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی، صرف سینہ میں سانس چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے، رونے لگے اور سر ہانے بیٹھ کر ”یلیں شریف“ پڑھنی شروع کر دی۔ چند لمحے گزرے تھے کہ دفعۃً مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی۔ سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دوست محمد خاں اس حیرت ناک نگاہ کو دیکھ نہ سکے بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔ مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں۔ نبضیں ٹھکانے آ گئیں اور افاقہ ہو گیا دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔“ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۲۱)

گویا بیماری میں مایوسی ہو تو اللہ تعالیٰ کی بجائے مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرف متوجہ ہو کر عرض معروض کی جاتی تھی۔ اور ایسا کرتے ہی بیماری غائب ہو جاتی۔ اس میں بھی بزرگوں کا علم غیب ان سے مدد چاہنا اور ان کا مدد کرنا موجود ہے۔
چوتھی حکایت:

④ مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پر داد احمد فرید صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

”کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آ کر بارات پر حملہ کیا۔ ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کیے چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سرو سامانی تھی۔ یہ مقابلہ میں شہید ہو گئے۔“

اس کے بعد کیا ہوا؟

”شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی۔ اور فرمایا، اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گے تو اس طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لیے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔“ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۲)

شہادت کے بعد زندوں کی طرح آنا، مٹھائی لانا، روزانہ آنے کا مشروط وعدہ کرنا، پھر قبر میں ہی جان لینا کہ اہل خانہ نے لوگوں کو بتا دیا ہے اور پھر نہ آنا، بزرگوں کے علم اور قدرت کے واضح نمونے ہیں۔

پانچویں حکایت:

⑤ علمائے دیوبند کے عقیدہ کا بہترین اظہار اس حکایت سے بھی ہوتا ہے جو ارواح

مثلاً میں حکایت نمبر ۲۴۶ کے عنوان سے لکھی ہے۔ سنئے:

”حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمان مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن امروہی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمت اور منازعت کی صورت اختیار کر لی اور مولوی محمود الحسن گواصل جھکڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا، پہلے یہ میرا روٹی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ جسدِ غضری (ظاہری جسم) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھکڑے میں نہ پڑے، بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔“

(ارواحِ ثلاثہ ص ۲۲۳ شائع کردہ دارالاشاعت کراچی)

اس پر مولانا اشرف علی تھانوی حاشیہ چڑھاتے ہیں:

”یہ واقعہ روح کا تمثیل تھا اور اس کی دو صورتیں دیکھ سکتے ہیں، ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسدِ غضری کے۔ دوسری یہ کہ روح نے خود عناصر میں

تصرف کر کے جسدِ غصری تیار کر لیا ہو۔ (ص ۲۲۲ ارواحِ ثلاثہ)

اس واقع کو بیان کرنے والے ہیں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

بیان کرتے ہیں اپنے چچا مولانا حبیب الرحمن صاحب سے وہ بھی اپنے زمانے کے مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا مولانا رفیع الدین کا وہ بھی اپنے زمانہ کے مہتمم دارالعلوم دیوبند واقعہ سنایا گیا مولانا محمود الحسن کو جو صدر المدرسین دیوبند اور شیخ الہند سے ملقب ہیں۔ انہوں نے واقعہ سن کر اپنے شریک مناظرہ ہونے سے توبہ کی۔

ان سب حضرات کا عقیدہ یہی تھا کہ مردے جسدِ غصری کے ساتھ آتے ہیں۔ پچھلوں کی خبر رکھتے ہیں۔ ان کے جھگڑوں کو مٹانے کے لیے دخل بھی دیتے ہیں۔ اور جسدِ غصری کے ساتھ آنے والے بھی بانی دیوبند مولانا قاسم نانوتوی اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے روح میں یہ قوت بھی مان لی کہ وہ جب چاہے عناصر (مٹی، پانی، آگ، ہوا) میں تصرف کر کے ایک جسم تیار کر لے۔

اب فرمائیے بزرگوں کا عالم الغیب ہونا، مصیبت کے وقت ان کا مدد کو آنا، اس سے نکلتا ہے یا نہیں؟

ان پانچ حکایتوں میں سے دوسری اور پانچویں حکایت ارواحِ ثلاثہ سے ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ باقی تین حوالے میں نے ایک نہایت معتبر مآخذ سے نقل کیے ہیں۔ اگر آپ ان حوالوں کو غلط کہیں تو سب اصل کتابیں مہیا ہو سکتی ہیں۔ ان شاء اللہ

تبلیغی جماعت کا عقیدہ:

اس بحث کے آخر میں تبلیغی جماعت کے لیے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی تصنیف کردہ فضائل کی کتابوں کا مختصر سا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ تبلیغی جماعت نے اسے اپنا نصاب قرار دے رکھا ہے اور جماعت کے تعلیمی حلقوں

میں بھی یہی پڑھی جاتی ہیں اور درس و وعظ کے موقع پر بھی قرآن مجید کی اُردو تفسیر یا حدیث کے ترجمے کی بجائے یہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ عام طور پر جماعت کا کوئی مبلغ جب زبانی وعظ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کلمہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے سب کچھ ہو سکتے ہیں اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہو سکتے ہیں۔

مگر آپ مندرجہ ذیل حکایات جو انہوں نے فضائل حج میں ذکر فرمائی ہیں کو پڑھیں اور دیانتداری سے بتائیں کہ کیا ان میں رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب سمجھا گیا ہے یا نہیں، ان کو حاجات میں پکارا گیا یا نہیں۔ انہیں نفع و ضرر پہنچانے والا بنایا گیا ہے یا نہیں؟

بھوک میں آنحضرت ﷺ سے عرض اور آپ کا روٹی عطا کرنا:

حکایت نمبر ۸: شیخ ابوالخیر اقطع فرماتے ہیں۔ میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا۔ کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی۔ میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور حضور اقدس ﷺ اور حضرات شیخین پر سلام عرض کر کے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آج رات کو حضور کا مہمان بنوں گا۔ یہ عرض کر کے وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں۔ دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے ہیں۔ حضرت علیؑ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا دیکھ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا تو آپؐ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔ (فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۲۸، مکتبہ اشرفیہ رائے ونڈ)

حکایت نمبر ۲۳ میں بھی تقریباً یہی چیز بیان ہوئی ہے۔ ص ۱۳۳

حکایت نمبر ۲۲ میں ہے کہ ایک صاحب نے بھوک سے تنگ آ کر عشاء کے وقت قبر اطہر پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک..... چنانچہ آگے ان کے کھانے

کا انتظام ہونے کا ذکر لکھا ہے۔ ص ۱۳۳

ظاہر ہے کہ یہ حضرات جنہوں نے پانچ پانچ دن یا اس سے بھی زیادہ کئی دن تک بھوک کی سختی اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ سے تو مانگتے ہی رہے ہوں گے مگر مشکل تبھی حل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فوت ہونے کے باوجود ہزاروں من مٹی اور کئی دیواروں کے پیچھے سے فریاد سن کر ان کی بھوک دور کرنے کا انتظام فرمایا۔ اب کون عقیدت مند ہے جو حضرت شیخ الحدیث کی تحریر پڑھے اور پھر مدینہ میں بھوکا ہونے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد نہ کرے۔

آپ کا ایک بھوکے کو درہم عطا فرمانا:

حکایت نمبر ۲۲ ص ۱۳۳ میں ہے کہ ایک بھوک کے ستائے ہوئے شخص کی درخواست پر آپ نے ان کے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیے ہاتھ کھولا تو اس میں درہم رکھے ہوئے تھے۔ مفصل واقعہ کتاب میں دیکھیں۔

معلوم ہوا آنحضرت ﷺ سوال کرنے والوں کو بنفس نفیس درہم بھی عطا فرماتے ہیں۔ کم از کم مدینہ میں تو آپ سے ہی سوال ہونا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کا دست مبارک قبر سے نکلنا:

حکایت نمبر ۱۳: سید احمد رفاعی مشہور اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے۔

فِي حَالَةِ الْبُعْدِ رُوحِي كُنْتُ أَرْسَلُهَا تُقْبَلُ الْأَرْضَ عَنِّي وَهِيَ نَائِبَتِي
وَهَذِهِ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ فَأَمْدُذُ يَمِينِكَ كَيْ تَحْطِيَ بِهَا شَفَتِي
”دُور کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔ اپنا دست مبارک عطا کیجیے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔“

اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما (الحاوی للسیوطی) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور انور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی، جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ (الْبَنِيَانُ الْمُشِيدُ)
دیکھئے فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۳۱، ۱۳۰۔

معلوم ہوا آنحضرت ﷺ کو اتنی قدرت حاصل ہے کہ فوت ہونے کے باوجود جب چاہیں ہاتھ باہر نکال کر بوسہ کا شرف عطا فرمادیں۔ معلوم نہیں قرآن میں یہ آیت کیوں اُتری ہے کہ:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ﴾

پھر لطف یہ کہ دیکھا نوے ہزار نے مگر روایت انہی لفظوں سے ہے کہ کہا جاتا ہے۔ کہنے والے کا پتہ ہی نہیں کون ہے؟ اب یہ حکایت پڑھ کر کون مسلمان ہے جو سلام کہتے وقت یہ انتظار نہ رکھے کہ حضور ﷺ کا ہاتھ ابھی نکلا اور ابھی بوسہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حکایت نمبر ۱۴ و ۱۵ میں کانوں کے ساتھ قبر سے وعلیکم السلام کی آواز سننے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ (دیکھئے ص ۱۳۱)

ایک عورت کی آنحضرت ﷺ سے فریاد اور اسے ستانے والوں کی موت:

حکایت نمبر ۱۶: یوسف بن علی کہتے ہیں کہ ایک ہاشمی عورت مدینہ طیبہ میں رہتی تھی اور بعض خدام اس کو ستایا کرتے تھے۔ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں فریاد لے کر حاضر ہوئی تو روضہ شریفہ سے آواز آئی:

أَمَّا لَكَ فِي أُسْوَةِ فَاصْبِرِي كَمَا صَبَرْتُ أَوْ نَحْوِ هَذَا.

”کیا تیرے لیے میرے اتباع میں رغبت نہیں جس طرح میں نے صبر کیا تو بھی صبر کر۔“

وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز کے بعد جس قدر کوفت مجھے تھی وہ سب جاتی رہی اور وہ تینوں خادم جو مجھے ستایا کرتے تھے مر گئے۔ (الحادی) (فضائل حج ص ۱۳۱)

معلوم ہوا کہ مدینہ میں اگر کوئی ستائے اس کی فریاد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کی جائے تو آپ تسلی بھی دیتے ہیں اور دشمنوں کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ہاشمی عورت کون تھی، سچی تھی یا جھوٹی۔ ہمیں اس سے کیا غرض، ہمارا تو کام ہی ان لفظوں سے چلتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ ایک عورت کا واقعہ لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

ایک مؤذن کی آپ سے شکایت اور اسے مارنے والے پر فالج گرنا اور موت:

حکایت نمبر ۲۶: ثابت بن احمد ابوالقاسم بغدادی فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ وہ مدینہ پاک میں مسجد نبوی میں صبح کی اذان دے رہے تھے۔ اذان میں مؤذن نے کہا ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“ تو ایک خادم نے آ کر انہیں تھپڑ مار دیا۔ وہ مؤذن رویا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے اس خادم پر فالج گر گیا۔ لوگ اٹھا کر اس کو گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔ (وفاء) (فضائل حج از مولانا زکریا ص ۱۳۳)

اس سے بڑھ کر کیا نفع پہنچایا جاسکتا ہے کہ دشمن کو ختم ہی کر دیا۔ معلوم ہوا مدینہ میں کوئی تھپڑ مارے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا چاہیے۔ آپ خود ہی بندوبست فرمالیں گے کیا اسی کا نام ہے غیر اللہ سے کچھ نہ ہو سکنے کا یقین؟

مندرجہ بالا حکایات سے آنحضرت ﷺ کا مدینہ جانے والوں کی مدد کرنا نکلتا ہے جو مدینہ میں نہیں شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارن پوری نے ان کی مشکل بھی آسان فرمادی ہے۔ چنانچہ سنئے:

مدینہ سے دور رہنے والوں کا مدینہ کی طرف درخواست لکھ کر بھیجنا:

حکایت نمبر ۳۵: ابو محمد اشبیلی کہتے ہیں کہ غرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا

کہ جد نہیں، اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابی ضال نے ایک خط حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں لکھا۔ اس میں چند شعر بھی لکھے جو وفاء الوفاء میں مذکور ہیں۔ وہ خط حجاج کے قافلہ میں سے ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں بیماری سے صحت کی دعا کی درخواست تھی۔ وہ قافلہ جب مدینہ پاک پہنچا اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا۔ اسی وقت وہ بیمار اچھا ہو گیا۔ جب وہ شخص جس کے ہاتھ خط گیا تھاج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تھا گویا کوئی بیماری اس کو پہنچی ہی نہیں۔ (وفاء) (فضائل ج ص ۱۳۸ از مولانا زکریا صاحب)

معلوم ہوا جو مدینہ نہ جاسکیں وہ خط لکھ کر بھیج دیں، اور صحت کے لیے خط بھیجا جاسکتا ہے تو دولت، اولاد اور دوسری نعمتوں کے لیے کوئی نہیں بھیجا جاسکتا۔ رہی یہ بات کہ خط میں درخواست تو دعا کی ہی ہے تو جن لوگوں پر شرک کے فتوے لگائے جاتے ہیں وہ بھی فوت شدہ بزرگوں سے دعا ہی کرواتے ہیں۔ پوچھ کر دیکھ لیجیے۔

میں نے یہ اور اس سے پہلی حکایات اس لیے لکھی ہیں کہ آپ نے مندرجہ ذیل عقائد رکھنے والوں کو کافر و مشرک قرار دیا ہے۔

ا: نبیوں، بزرگوں کو عالم الغیب مانتا۔

ب: اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا۔

ج: ان سے نفع کی امید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا۔

اور یہ عقائد رکھنے والوں کو کافر و مشرک سمجھنے والوں کو اہل حق قرار دیا ہے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ یہ حکایات لکھنے والے اور انہیں سچا سمجھنے والے اہل حق ہیں۔ یا اہل کفر و شرک۔ اور ان کا اختلاف اصول دین میں ہے یا فروع دین میں۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ائمہ کا اختلاف اور فرقہ سازی:

آپ فرماتے ہیں: اسی طرح چار اماموں میں کئی فروعی مسائل میں اختلاف

تھاتے آپ کس کو کافر کہیں گے یا یہ فرمائیے کہ آیت ولا تفرقوا اس وقت نہیں تھی۔
حقیقت حال:

چار اماموں بلکہ اُمت کے بے شمار ائمہ کے درمیان اختلاف بے شک موجود تھا مگر الگ الگ فرقے انہوں نے نہیں بنائے تھے اس لیے وہ ولا تفرقوا کی زد میں نہیں آتے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے تو ان لوگوں نے کیا جنہوں نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا اور حق و انصاف واضح ہونے کے باوجود امام کی غلط بات پر اڑ گئے۔ اعتبار نہ ہو تو شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا فرمان ان کی تقریر ترمذی ص ۳۹ پر دیکھ لیجیے۔ باب البیعان بالخیار کے تحت آخر میں فرماتے ہیں:

الْحَقُّ وَالْإِنصَافُ أَنَّ التَّرَجُّحَ لِلشَّافِعِيِّ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَنَحْنُ مُقِلُّوْنَ يَجِبُ عَلَيْنَا تَقْلِيدُ إِمَامِنَا أَبِي حَنِيفَةَ.

یعنی حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح شافعی کے مسلک کو ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔

شیخ الہند کا حق تسلیم کرنے کے بعد انکار:

اب بتائیے یہ اختلاف ائمہ میں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد بعض امام اسے مان لیتے تھے اور بعض کسی شخصیت کی آڑ لے کر حق و انصاف کا انکار کر دیتے تھے۔ کیا یہ اختلاف بھی فروغی ہے کہ حق و انصاف مان لینے کے بعد بھی انکار کر دیا جائے اور جب ہند کے شیخ کا یہ حال ہو اور وہ اپنی دھڑے بندی میں اتنا پختہ ہو کہ اس فعل شنیع کو واجب قرار دیتا ہو تو شاگردوں کا کیا حال ہوگا۔

إِذَا كَانَ رَبُّ الْبَيْتِ بِالطَّبْلِ ضَارِبًا

فَلَا تَلُمُ الْأَوْلَادَ فِيهِ عَلَى الرَّقْصِ

”جب گھر کا مالک ہی ڈھول بجانا شروع کر دے تو اگر بچے رقص کرنے

لگیں تو انہیں ملامت مت کرو۔“

اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ سعودی حکومت سے پہلے عین حرم میں چار مصلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی قائم تھے۔ کیا ائمہ اربعہ اور صحابہؓ نے بھی عین حرم میں چار مصلے بنائے تھے۔ معلوم ہوا قصور امام مالک، شافعی، احمد، ابوحنیفہ کا نہیں ان کی تقلید کی بنا پر فرقے بنانے والوں کا ہے جنہوں نے ایک دین حق کو چار مذہب بنا کر دین نبیؐ میں رخنہ ڈال دیے۔ وَلَنِعْمَ مَا قِيلَ۔

دین حق را چار مذہب ساختند

رخنہ در دین نبی انداختند

کیا صرف سند یافتہ عالم ہی کسی کو قرآنی آیات کا مطلب سمجھا سکتا ہے؟

آپ فرماتے ہیں میرے عزیز! اخیر میں آپ سے عرض ہے کہ جاہل آدمی کو قطعاً یہ حق نہیں کہ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے پھریں یا آیات کا مطلب دوسروں کو سمجھائیں۔ جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو وہ خاک تفسیر کرے گا۔

حقیقت حال:

یہ واقعی درست ہے کہ جاہل کو ان قرآنی آیات کی تفسیر یا مطلب سمجھانے کا حق نہیں جن سے وہ جاہل ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو بعض آیات کا مطلب معلوم ہو بعض کا معلوم نہ ہو تو جو اسے معلوم ہے اس کا مطلب بھی کسی کو سمجھا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ جب تک تمام آیات کا مطلب معلوم نہ ہو کسی آیت کا مطلب بھی نہیں سمجھا سکتا تو کیا آپ کو تمام آیات کا مطلب معلوم ہے۔ علمائے دیوبند کو تمام آیات کا مطلب معلوم ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ لوگوں کو بھی کوئی حق نہیں کہ لوگوں کو آیات کا مطلب سمجھاتے پھریں اور اگر حکم یہ ہے کہ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً تو پھر ہر مسلمان کو جتنا معلوم ہو آگے پہنچانا اس پر فرض ہے۔

قاضی صاحب کا دوسروں کے لیے اندازِ تحقیر:

آپ فرماتے ہیں: آپ اپنے استاد سے کھڑے کھڑے دریافت کریں کہ

قرآن میں کبد کا لفظ آیا ہے اس کا معنی کیا ہے وہ کسی ترجمہ کے دیکھے بغیر آپ کو نہیں بتا سکے گا۔ الخ

حقیقت حال:

معلوم نہیں آپ کی مراد کون سا استاد ہے کیونکہ استاد کئی ہوتے ہیں۔ خیر آپ کی مراد کوئی خاص استاد ہو یا سب استاد ہوں آپ کی یہ تعلی عالم الغیب ہونے کے دعوے کے مترادف ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ استاد کو سارے قرآن میں سے خاص طور پر لفظ کبد کا معنی ترجمہ دیکھنے کے بغیر نہیں آئے گا۔ اللہ سے ڈریں جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے آپ کی تحریر پڑھتے وقت کسی ترجمہ کو دیکھنے کے بغیر اللہ کے فضل سے کم از کم اس لفظ کا معنی ضرور معلوم تھا اور وہ ہے ”مشقت“ اور میں نے اب تک اس لفظ کا ترجمہ قرآن سے نہیں دیکھا۔

ترک رفع الیدین کی روایات:

آپ فرماتے ہیں: رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں۔ ایک عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے:

أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ. صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

مطلب یہ ہے کہ ابن مسعود نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمع میں یہ بات کہی کہ آپؐ سوی عکبیر تحریمہ کے اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی اس کے نقل کرنے والے ترمذی ہے اور ابن حزم ہے۔

حقیقت حال:

اس عبارت میں کئی چیزیں قابل غور ہیں:

① آپ نے فرمایا ہے ”رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں“ لیکن رفع

یدین کرنے کی روایات جو تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں ان کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ یہی فرقہ پرستی کا تلخ ثمر ہے کہ آپ نے زیر تبصرہ کتاب ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ میں رفع یدین کے ثبوت کی بہت سی احادیث پڑھنے کے باوجود ان کا ذکر ہی گول کر دیا ہے ع

حَفِظْتُ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ أَشْيَاءُ

آپ واضح طور پر فرمائیں کہ وہ احادیث ثابت ہی نہیں یا آپ کے نزدیک عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے منسوخ ہیں۔ پھر مزید اس موضوع پر بات ہوگی۔
 ② آپ نے حدیث لکھ کر جو مطلب بیان کیا ہے فرمائیے مندرجہ ذیل الفاظ کن لفظوں کا مطلب ہیں؟

قاضی صاحب کا ذہنی مفروضوں کو حدیث کا مطلب قرار دینا:

ا۔ ”ابن مسعود نے صحابہؓ کے مجمع میں یہ بات کہی“ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع آپ نے کس لفظ سے نکالا ہے۔

ب۔ پھر آپ نے مطلب بیان کرتے ہوئے روایت کو ابن مسعود کی قولی روایت بنا دیا ہے۔ حالانکہ نقل آپ نے فعلی روایت کی ہے اور مطلب قولی روایت کا بیان کیا ہے جو نقل نہیں کی۔ اگرچہ ثابت دونوں ہی نہیں۔

ج۔ پھر آپ فرماتے ہیں ”کسی نے اس کی تردید نہیں کی“ یہ کسی لفظ کا مطلب ہے یا صرف زورِ خطابت ہے؟ روایت کے الفاظ میں تو نہ کسی کے تائید کرنے کا ذکر ہے نہ تردید کرنے کا۔

③ آپ نے رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہونے کے دعوے کے باوجود صرف ایک مرفوع روایت ذکر کی ہے معلوم ہوتا ہے باقی روایات پر آپ کو بھی اعتماد نہیں ورنہ آگے افعال صحابہؓ ذکر نہ کرتے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ترک رفع الیدین کی ایک روایت بھی ثابت نہیں۔ سب سے اچھی یہی روایت ہو سکتی

ہے جو آپ نے نقل کی مگر اس کا حال یہ ہے کہ بہت سے جلیل القدر محدث اسے ثابت نہیں مانتے۔

وَقَالَ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِصِ: وَهَذَا الْحَدِيثُ حَسَنُهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: لَمْ يَثْبُتْ عِنْدِي وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَبِيهِ: هَذَا حَدِيثٌ خَطَأٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَشَيْخُهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ: هُوَ ضَعِيفٌ. نَقَلَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْهُمَا وَتَابَعَهُمَا عَلَى ذَلِكَ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: لَمْ يَثْبُتْ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الصَّلَاةِ: هَذَا أَحْسَنُ خَبَرٍ رَوَى لِأَهْلِ الْكُوفَةِ فِي نَفْيِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ أَضْعَفُ شَيْءٍ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ عِلَالًا تُبْطَلُهُ.

(تحفة الاحوذی ص ۲۲۰ ج ۱)

ترک رفع یدین کی روایت کا ثابت نہ ہونا:

مطلب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کو امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا اور عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ثابت نہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ روایت خطا ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم دونوں فرماتے ہیں۔ وہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاری نے ان دونوں بزرگوں کا یہ فیصلہ ان دونوں سے نقل فرمایا اور اس فیصلہ پر ان دونوں کی متابعت و موافقت کی اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں وہ روایت صحیح نہیں اور دارقطنی فرماتے ہیں وہ ثابت نہیں۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کوئیوں کے لیے نماز میں رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی نفی میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے اور درحقیقت وہ سب سے کمزور شے ہے کیونکہ اس میں کئی علل ہیں جو اسے باطل ٹھہراتی ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ تہذیب السنن میں لکھتے ہیں:

وَضَعْفُهُ الدَّارِمِيُّ وَالذَّارِقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.

اور اس روایت کو امام دارمی، امام دارقطنی، اور امام بیہقی نے ضعیف کہا۔
نیز مرعاة المفاتیح میں ہے:

وَقَالَ الْبَزَّازُ: لَا يَثْبُتُ وَلَا يُخْتَجُّ بِمِثْلِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: هُوَ مِنْ

آثَارِ مَعْلُولَةٍ ضَعِيفَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ. (ج ۲ ص ۳۲۳)

حافظ بزارؒ فرماتے ہیں۔ وہ ثابت نہیں اور نہ ہی اس جیسی روایات سے دلیل
پکڑی جاسکتی ہے اور حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں وہ اہل علم کے نزدیک معلول اور
ضعیف روایات سے ہے۔

تو محترم اس روایت کو غیر ثابت قرار دینے والے بہت سے محدثین میں سے
یہ بارہ امام یاد رکھیے۔

- (۱) امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید عبد اللہ بن مبارک (۲) حضرت امام احمد بن
حنبل (۳) حضرت امام احمد بن حنبل کے شیخ حضرت یحییٰ بن آدم (۴) حضرت امام بخاری
(۵) امام ابوداؤد (۶) امام ابوحاتم (۷) حافظ دارقطنی (۸) حافظ ابن حبان (۹) امام دارمی
(۱۰) امام بیہقی (۱۱) حافظ بزار (۱۲) اور حافظ ابن عبد البرؒ رحمہ اللہ۔

ان کے مقابلے میں دو شخص آپ نے ذکر فرمائے ہیں: (۱) امام ترمذی،
(۲) ابن حزمؒ۔

امام ترمذیؒ کے حدیث کو حسن کہنے کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں کیونکہ وہ حدیث
ضعیف کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں۔ اگر آپ کو انکار ہو تو لکھیں میں ان شاء اللہ العزیز
باحوالہ تفصیل لکھ دوں گا۔ امام ترمذیؒ کا حدیث کو حسن کہنے میں تساہل محدثین کے ہاں
مشہور ہے اور جب اتنے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں حسن کہیں تو خود ہی اندازہ
لگالیں۔

رہے ابن حزم تو کیا ان کی تصحیح کی وجہ سے آپ نے رفع الیدین ترک کی ہے؟ کیا ابن حزم نے ان علتوں کا کوئی جواب دیا ہے جو مندرجہ بالا محدثین خصوصاً امام بخاریؒ اور ابو حاتم نے اس روایت میں بیان کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اساطین فن کے مقابلے میں ابن حزم کے صحیح کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اب دیکھئے ایک طرف متفق علیہ صحیح متواتر احادیث ثبوت رفع الیدین کی موجود ہیں اور ایک طرف غیر ثابت روایات ترک رفع یدین کی یا زیادہ سے زیادہ ایک روایت جو مختلف فیہ ہے۔ کیا ان غیر ثابت روایات کے ساتھ متفق علیہ صحیح متواتر احادیث کو ترک کرنا انصاف ہے؟

آپ فرماتے ہیں: دوسری اسود کی روایت ہے رایت عمرالی الخ مطلب یہ ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہیں اٹھاتے تھے آخر تک۔

حقیقت حال:

آپ لوگوں کے نزدیک دلیلیں چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔
کیا صحابہؓ کے افعال شرعی حجت ہیں:

فرمائیے صحابہؓ کے یہ افعال اگر ثابت بھی ہوں تو کتاب ہیں یا سنت یا اجماع یا قیاس؟ اور اگر آپ اصرار کریں کہ صحابہؓ کے اقوال و افعال بھی حجت ہیں تو پھر اپنی اصول فقہ میں ترمیم کر دیجیے کہ دلائل شرع پانچ ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس، اقوال و افعال صحابہؓ۔

چونکہ یہ چیز دلیل کے طور پر پیش ہی نہیں کی جاسکتی اس لیے میں اس کے صحیح ثابت یا غیر ثابت ہونے پر بحث نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کی بھی گنجائش ہے۔

آپ فرماتے ہیں: جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ جیسا کہ نسائی کی روایت

میں صاف موجود ہے۔ الی تو لکھم اور آپ لوگ سجدہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اب آپ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

﴿نسائی میں سجدوں میں رفع یدین کا حکم دینے کی حدیث نہیں ہے﴾

حقیقت حال:

آپ نے جو فرمایا ہے کہ ”جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی اٹھاؤ۔“ یہ حکم کسی روایت میں موجود ہی نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ”سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ“ نسائی میں بھی نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر بہتان نہ باندھو۔ یا پھر اس روایت کے لفظ اور باب لکھو۔

باقی رہی یہ بات کہ ہم سجدوں میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدوں میں رفع یدین کرنے کی ایک روایت بھی ثابت نہیں اور اس کے مقابلے میں صحیح بخاری کی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث موجود ہے كَانْ لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ فِي السُّجُودِ کہ آنحضرت ﷺ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اب میں نے تو یہ جواب دے دیا ہے کہ سجدوں والی رفع یدین ثابت نہیں۔ کیا آپ کا جواب بھی یہی ہے کہ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت کی رفع یدین ثابت نہیں؟ صاف طور پر لکھئے۔

آمین بالجبر:

آپ فرماتے ہیں: مسلم کی روایت میں ہے جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس طرح تکبیر کا حکم ہے اور وہ خفی ہے تو آمین کا حکم بھی خفی پڑھنے کا ہے ورنہ پھر اللہ اکبر بھی مقتدی زور سے پڑھے۔

حقیقت حال:

اس روایت میں اللہ اکبر نہ آہستہ پڑھنے کا حکم ہے نہ زور سے پڑھنے کا

فرمائیے اس حدیث کے کون سے لفظ کا معنی ہے کہ اللہ اکبر آہستہ کہو۔ اللہ اکبر جو آہستہ کہی جاتی ہے تو وہ دوسرے دلائل کی بنا پر آہستہ کہی جاتی ہے۔ اگر آمین کے متعلق بھی دوسرے دلائل سے ثابت ہو جائے کہ آہستہ کہنی چاہیے تو ٹھیک ہے آہستہ کہہ لیں مگر آہستہ کہنا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: دوسری بات یہ ہے کہ مقتدی الحمد نہیں پڑھے گا کیونکہ آپؐ نے فرمایا امام ولا الضالین کہے گا اور مقتدی آمین۔

کیا مقتدی الحمد نہ پڑھے؟

حقیقتِ حال:

آپؐ کے فرمان ”جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو“ کے کون سے لفظ کا مطلب ہے کہ امام آمین نہ کہے اور مقتدی ولا الضالین نہ کہے۔ آنحضرت ﷺ کا آہستہ آمین کہنا اور بقول شام تعلیم کے لیے بلند آواز سے آمین کہنا تو آپؐ نے خود تسلیم کیا ہے تو آپؐ نے پھر نعوذ باللہ اپنے فرمان کی خود ہی خلاف ورزی فرمائی کہ حکم یہ دیا کہ امام صرف ولا الضالین کہے آمین نہ کہے اور مقتدی صرف آمین کہے سورت فاتحہ نہ پڑھے۔ اور پھر خود امام بن کر آمین بھی کہی۔ سچ ہے دلیل نہ ہو تو کشید ہی کی جاتی ہے۔ خواہ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

آپؐ فرماتے ہیں ابوداؤد نے روایت نقل فرمائی کہ آپؐ ولا الضالین کے بعد سکتہ فرماتے تھے اسی طرح احمد دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔

حقیقتِ حال:

ابوداؤد کی روایت جو آپؐ نے نقل کی ہے وہ صحیح نہیں۔ کیا آپؐ اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر صحیح سمجھتے ہیں تو کیا پوری حدیث پر آپؐ کا عمل ہے؟ سوچ سمجھ کر لکھیں۔

وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ

آپؐ فرماتے ہیں: ترمذی طیالسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

”وَ أَخْفَىٰ بِهَا صَوْتَهُ“ یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے۔
حقیقت حال:

طیالسی اور مستدرک حاکم تو میرے پاس اس وقت موجود نہیں، ترمذی موجود ہے۔ مگر آپ نے جو الفاظ ترمذی کی طرف منسوب کیے ہیں ”وَ أَخْفَىٰ بِهَا صَوْتَهُ“ وہ ترمذی میں نہیں ہیں۔ اللہ سے ڈریں حوالہ غلط نہ دیا کریں۔ اللہ بہتر جانتا ہے طیالسی اور مستدرک میں بھی ہیں یا نہیں۔ آپ کا نقل میں ثقہ نہ ہونا تو اس حوالہ سے اور سجدتین میں رفع یدین کے حکم کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ یاد رہے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ اور اخْفَىٰ بِهَا صَوْتَهُ کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے خفض صوت اور چیز ہے اور اخفاء صوت دوسری چیز۔ ایک میں آواز ہوتی ہے دوسری میں نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: اور جن روایات میں زور سے آمین آیا ہے تو یہ جبر کبھی کبھی تعلیم کے لیے آپ فرماتے تھے جیسے حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں بھی تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جبر جائز ہے۔ اب ابن قیمؒ بھی کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ

﴿ کیا ابن قیمؒ نے بلند آواز سے آمین کو تعلیم کے لیے قرار دیا ہے ﴾

حقیقت حال:

ابن قیمؒ سے جو بات آپ نے نقل کی ہے اُسے دکھانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ فرمائیے کون سے باب یا صفحے میں انہوں نے یہ فرمایا ہے۔ میں نے تو زاد المعاد میں متعلقہ مقام کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا ہے:

فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ قَالَ آمِينَ فَإِنْ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ رَفَعَ

بِهَا صَوْتَهُ وَقَالَهَا مَنْ خَلْفَهُ. (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲ مطبوعہ دار الکتاب بیروت)

یعنی جب آنحضرت ﷺ فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو آمین کہتے، اگر جبر کے ساتھ قرآن کر رہے ہوتے تو آمین بلند آواز سے کہتے اور جو لوگ آپ کے پیچھے ہوتے

وہ بھی آمین کہتے۔

بلکہ حافظ ابن قیمؒ نے تو اعلام الموقعین میں سنت محکمہ صحیحہ کو رد کرنے کی مثالیں بیان کرتے ہوئے انسٹوئیں مثال یہی بیان کی کہ کچھ لوگوں نے آمین بالجہر کی سنت محکمہ صحیحہ کو رد کر دیا ہے پھر پوری تفصیل سے مسئلہ بیان کیا ہے اور آمین بالجہر کے منکروں کو سنت محکمہ صحیحہ کو رد کرنے والے قرار دیا ہے۔ دیکھئے اعلام الموقعین ج ۲ ص ۴۵ طبع ہند۔

خدا نہ کرے آپ نے ابن قیمؒ پر بھی بہتان ہی نہ باندھا ہو۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے:

آپ فرماتے ہیں: سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ گھٹنے لگائیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے امام بخاریؒ نے لکھا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں قلب ہے۔

حقیقت حال:

ترمذی نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو حدیث نقل کی ہے اسے بالکل ضعیف نہیں کہا۔ صرف عبد اللہ بن سعید مقبری کے طریق کا حوالہ دے کر اس کے راوی عبد اللہ بن سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف روایت کو اس پوری سند کے ساتھ امام صاحب نے نقل ہی نہیں کیا۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ دکھائیں کہ ترمذی نے اس حدیث کو کہاں ضعیف لکھا ہے جسے انہوں نے پوری سند کے ساتھ ابوالرناد عن الاعرج عن ابی ہریرہؓ کے طریق سے روایت فرمایا ہے۔

اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں اس کا حوالہ بھی آپ کے ذمہ ہے کہ امام بخاریؒ کے لفظ باحوالہ نقل فرمائیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان الفاظ کا یہی ترجمہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں؟

اور ابن قیمؒ نے قلب والی جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ اگر آپ صحیح سمجھتے ہوں تو دلائل بیان کریں ان شاء اللہ حقیقت واضح کر دی جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں: اسی طرح ابن عمرؓ کی روایت ہے ہاتھ پہلے لگاؤ۔ اس کو بھی دارقطنی، بیہقی اور امام احمد بن حنبل نے ضعیف ٹھہرایا ہے۔ امام نسائی نے لکھا ہے حدیث منکر۔ ابوزرعہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔

حقیقت حال:

آپ جس کتاب پر تبصرہ کر رہے ہیں یعنی ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ اس میں مصنف نے بخاری سے ان الفاظ کا ترجمہ نقل کیا ہے وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَصْعُقُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُجُوبِهِ یعنی نافعؓ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے۔ بخاری نے اسے جزم و یقین کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے اگرچہ سند حذف کر دی ہے مگر دوسری کتابوں میں سند موجود ہے۔ مثلاً صحیح ابن خزمیہ وغیرہ۔

اب ایک روایت کے راوی بھی معتبر ہیں بخاری میں بھی وہ ہے آپ اس پر جرحیں نقل کرتے ہیں جن کی نہ وجہ اور علت بیان کی گئی ہے نہ ہی آپ نے حوالہ دیا ہے کہ ان ائمہ نے خاص اس حدیث کو کہاں ضعیف کہا ہے اور کیا وجہ بیان کی ہے۔ آپ وہ علتیں بیان فرمائیں حقیقت واضح کر دی جائے گی۔ ان شاء اللہ

ابوزرعہ کے ذمہ بات لگانا:

ہاں ایک بات کا حوالہ ہم آپ سے ضرور طلب کریں گے جو آپ نے ابوزرعہ کے ذمہ لگائی ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ بتائیں کہ ابوزرعہ نے کہاں کہا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا۔ ہمیں تو اس کی کوئی سند ایسی نہیں ملی جس میں ابو حاتم ہو۔ بیچارے ابوزرعہ پر بھی یہ الزام ہی معلوم ہوتا ہے۔

میزان کو ابن حجر کی تصنیف قرار دینا

اور آخر میں آپ فرماتے ہیں ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔
فرمائیے ابن حجر نے بھی ”میزان“ نامی کوئی کتاب لکھی ہے؟ یہ تو وہی معاملہ ہوا۔
چہ خوش گفست است سعدی در زلیخا
الَا يَا أَيُّهَا السَّاقِي اذْرِ كَأْسًا وَ نَاوِلْهَا

گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث:

آپ فرماتے ہیں: امام ابوداؤد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ۔

حقیقت حال:

اس کی سند میں شریک کوئی ہے جن کا حافظہ قاضی بننے کے بعد خراب ہو گیا تھا۔ دیکھئے تقریب۔

بعض احادیث پر متعارض ہونے کا بہتان:

آپ فرماتے ہیں: آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب پر عمل آپ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو اہل حدیث بن گئے اور دوسرے اہل کفر بن گئے۔

بایں عقل و دانش ببايد گريست

حقیقت حال:

یہ سوال اس سے پہلے ہم نے کسی مسلمان سے نہیں سنا ہمیشہ منکرین حدیث یا منکرین اسلام سے سنتے آئے ہیں کیونکہ مسلمان کے عقیدہ کی رو سے احادیث میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

اللہ کے کلام میں تعارض واختلاف نہیں ہو سکتا اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ تعارض کا ہونا باطل ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث بھی چونکہ وحی ہے اس لیے اس میں تعارض ہو تو نعوذ باللہ وحی الہی میں تعارض لازم آتا ہے۔ آپ نے غور ہی نہیں کیا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

میں ائمہ محدثین کی کاوشوں کا ادنیٰ سا خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ وہ احادیث پیش کریں جن میں آپ کو تعارض نظر آتا ہے ان شاء اللہ آپ کو سمجھا دوں گا کہ تعارض نہیں فہم کا قصور ہے۔ ہاں غیر ثابت روایات کا احادیث رسول اللہ ﷺ ہونا ثابت ہی نہیں ان کے تعارض کو احادیث رسول اللہ ﷺ میں تعارض نہیں کہا جاسکتا۔

قاضی صاحب کی خدمت میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ان کا اپنا سوال:

اب یہی سوال تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ آپ سے کیا جاتا ہے۔ ”آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر۔ سب پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بہت سے اقوال ابوحنیفہ متعارض ہیں۔ اور اگر بعض پر عمل کرتے ہیں تو پھر بعض پر دوسرے لوگ بھی عمل کرتے ہیں تو آپ کی خصوصیت کیا ہے کہ آپ تو پکے مذہبی بن گئے اور دوسرے لاندہب۔

بریں عقل ودانش باید گریست

یاد رہے اس سوال میں وہ خرابی بھی نہیں جو آپ کے سوال میں تھی کیونکہ امام ابوحنیفہ پر وحی نہیں آتی تھی۔ ان کے اقوال میں تعارض ہو سکتا ہے اور ہے اگر آپ فرمائیں تو ان کے کلام میں تعارض کا ثبوت پیش کرنا میری ذمہ داری ہے۔ ان شاء اللہ الحمد للہ! بھائی صاحب کے کہنے پر میں نے اس تبصرہ کی حقیقت واضح کر دی ہے جو آپ نے ان کے کہنے پر بشیر احمد صاحب مسلم کی کتاب ”الاسلام اور مذہبی

فرقے“ پر لکھا ہے۔ میری غرض اس سے یہی ہے کہ آپ کے سامنے بھائی صاحب اور تمام پڑھنے والوں کے سامنے حق واضح ہو جائے۔ آپ اس کا جواب مجھے جمعہ کے دن مسجد طیبہ میں پہنچا سکتے ہیں یا ڈاک کے ذریعے رجسٹری کر کے جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ کے پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

راقم

عبدالسلام بھٹوی

خطیب مسجد طیبہ الحمد للہ وحدت کالونی

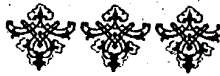
گوجرانوالہ

خط کا پتہ

عبدالسلام بھٹوی

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ

گوجرانوالہ



مولانا قاضی حمید اللہ صاحب کی تحریر نمبر ۲

مکرمی مولانا صاحب السلام علیکم!

میرے اور آپ کے درمیان جو شخص واسطہ بنا تھا۔ اس کا تو واسطہ فی العروض والاثبات بنا درکنار وہ تو واسطہ فی الاثبات بھی نہ بن سکا کیونکہ اس نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا نہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں لہذا مولانا صاحب میرے سامنے تشریف لے آئیں یا مجھے بلائیں۔ آپ سے بھی یہی عرض معروض ہے۔ دُور سے تیر مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ والسلام

خویدم حمید اللہ

یہ خط ۵ محرم ۱۴۰۴ھ کو موصول ہوا



حافظ عبد السلام صاحب کی تحریر نمبر ۲

از عبد السلام بخد مت مکرم جناب قاضی حمید اللہ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط مجھے کل ۵ محرم ۱۴۰۵ھ کو ملا۔ گزارش یہ ہے کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اس سے پہلے میری آپ سے کوئی راہ و رسم نہ تھی۔ نہ ملاقات ہوئی کسی جھگڑے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جسے حل کرنے کے لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوں یا آپ کو آنے کی تکلیف دوں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ایک تحریر لکھی، اور اپنی مرضی سے ہی خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے میرے پاس بھیج دی۔ وہ بیچارہ نہ واسطہ فی العرض، نہ فی الثبوت، نہ فی الاثبات، وہ تو تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا۔ میں نے آپ کی تحریر غور سے پڑھی، اس میں بہت سی باتیں حق کے خلاف تھیں مثلاً اصول و فروع کی خود ساختہ تقسیم، آنحضرت ﷺ کی ثابت شدہ سنتوں کو غیر ثابت قرار دینے کی کوشش، اس کوشش میں کئی غلط حوالے اور آخر میں احادیث رسول ﷺ کو متعارض قرار دے کر جمیع احادیث رسول کو ناقابل عمل قرار دینا۔ میں نے اس کے جواب میں آپ سے ان باتوں کی وضاحت طلب کی۔ اور آپ کے پیش کردہ حوالوں کا ثبوت مانگا۔ اب فرمائیے اس میں کون سے مناظرہ کی ضرورت ہے جس کے لیے آپ مجھے للکار رہے ہیں کہ خود آ جاؤ یا مجھے بلا لو آپ سیدھے طریقے سے اپنی ہی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت پیش کریں۔

اور آپ نے جو لکھا ہے کہ ”میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں“ تو عرض یہ ہے کہ آپ کا وقت کب سے معیار بنا ہے۔ وہ تحریر لکھنے سے پہلے یا میرا جواب پہنچنے کے بعد۔ اگر پہلے ہی معیار تھا تو تحریر کے لیے کس طرح گنجائش نکل

آئی اور اگر بعد میں معیار بنا تو یہ انصاف نہیں کہ اپنی بات لکھنے کے لیے تو وقت میں گنجائش نکال لی جائے مگر جب اس کا ثبوت طلب کیا جائے تو وقت معیار بن جائے۔
تِلْكَ إِذَا قِسْمَةُ ضَيْضَى.

اور یہ بھی فرمائیے کہ اگر آپ کا وقت معیار ہے تو آنے کے لیے کس طرح وقت نکالیں گے اور بلا کر کس طرح گفتگو کریں گے۔ وہی گنجائش جو اس وقت نکالیں گے ابھی نکال کر اپنی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت لکھ بھیجیں اور وہی زور علم جو واسطہ فی الثبوت، فی العروض، فی الاثبات اور معیار وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کرنے پر بلا ضرورت و بلا مناسبت صرف فرما رہے ہیں اپنی باتوں کا ثبوت لکھنے پر صرف فرمائیں۔ آپ یہ بات تصور سے بھی نکال دیں کہ میں تحریر کا بہترین طریقہ چھوڑ کر آپ کے لکارنے پر جھگڑے کے لیے آپ کو بلاؤں گا یا خود آپ کے پاس آؤں گا۔ اگر آپ تحریر کو دُور سے تیر چلانا سمجھتے ہیں تو یہ تیر تو خود آپ نے پہلے چلایا ہے۔

فقط والسلام

عبدالسلام

مدرس جامعہ محمدیہ و خطیب مسجد طیبہ

۶ محرم ۱۴۰۵ھ

وحدت کالونی، گوجرانوالہ



کشف الظلام

اس کتاب میں قاضی حمید اللہ صاحب کے
رسالہ اظہار المرام کی حقیقت واضح کی گئی ہے
جو انہوں نے ”ایک دین اور چار مذہب“ کے
جواب میں لکھا۔

از

عبدالسلام بھٹوی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست عنوانات

- 810 گذارش احوال واقعی
- 812 خلاف واقعہ دعویٰ
- 812 کسی کے خلاف کچھ نہ لکھنے اور کہنے کا دعویٰ
- 813 خلاف واقعہ باتوں کے لیے حیلہ جواز
- 815 تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا دعویٰ
- 816 تہذیب کا نمونہ
- 817 اکابر دیوبند کے متعلق صحابہ کے قافلہ کے افراد ہونے کا دعویٰ
- 818 اکابر دیوبند کی تصانیف عادیہ محال ہونے کا دعویٰ
- 819 اصولی و فروعی اختلاف
- 822 علمائے دیوبند کی کرامات
- 826 تبلیغی جماعت کی کتب فضائل میں شرک کی تعلیم پر مشتمل حکایات
- 828 محدثین کی الفاظ حدیث نقل کرنے میں امانت اور درود شریف کا التزام
- 830 قاضی صاحب کی درود شریف سے بے پروائی
- 831 درود سے بے پروائی کا سبب
- 831 نماز میں درود
- 832 نفل میں احتیاط کا فقدان

- 832 نسائی کا حوالہ.....
- 834 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت.....
- 836 عبداللہ بن مبارک.....
- 837 ابو داؤد.....
- 839 تقلید کیا ہے؟.....
- 841 ابو داؤد سمجھنے کی اہلیت.....
- 842 ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بخاری کی بیان کردہ علت.....
- 844 ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں عاصم بن کلیب کا تفرد.....
- 845 کیا کسی صحابی کا قول دین میں حجت ہے؟.....
- 846 صحابہ کی نقل کا معتبر ہونا.....
- 847 صحابہ کی نقل کو غیر معتبر سمجھنے والے کون ہیں؟.....
- 849 حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انسؓ کی احادیث رد کرنے کی اصل وجہ.....
- 850 قاضی صاحب کا ایک اور وہم.....
- 850 آئین بالجہر.....
- 851 ترمذی اور مستدرک کا غلط حوالہ.....
- 853 ابن قیم کا حوالہ.....
- 854 وہ حوالے جن کا میں نے انکار کیا تھا.....
- 855 سجدہ میں جاتے وقت گھٹنے پہلے رکھنے کی روایت کی حقیقت.....
- 857 سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر رکھنے کی روایت.....
- 857 ترمذی کا ضعیف کہنا.....
- 858 بخاری کی تعلیل.....
- 859 قلب کا دعویٰ.....

- 859 ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت
- 861 قاضی صاحب کا مبلغ علم اور سخن فہمی
- 863 احادیث میں تعارض
- 867 اقوال ابی حنیفہ میں تعارض
- 867 واسطہ کی بحث
- 871 امکان کی اصطلاح
- 871 فرقہ سازی
- 873 الحمدیث کے مدارس کی ضرورت
- 876 مدرسہ اوڈانوالہ کیوں بنایا گیا؟
- 878 الحمدیث پوتھ فورس
- 879 کیا خطابت سے برطرف کرنا کافر قرار دینا ہے؟



بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزارش احوال واقعی

تقریباً ڈیڑھ دو برس قبل مدینہ مسجد وحدت کالونی گوجرانوالہ کے قریب رہنے والے ایک طالب علم خالد ابراہیم نے جناب قاضی حمید اللہ صاحب الموصوف باللقابہ کی خدمت میں جناب بشیر احمد مسلم کی ایک کتاب ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ پیش کی۔ قاضی صاحب نے اس پر تبصرہ لکھا اور خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے اس تبصرہ کو پڑھا۔ اگر اس میں مذکورہ کتاب کی ان غلطیوں کی نشاندہی ہوتی جو کتاب میں واقعی موجود ہیں تو مجھے جواب لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی مگر اس تبصرہ میں کئی صحیح باتوں کی تردید تھی، بہت سی باتیں خلاف واقعہ تھیں اور کئی حوالے بالکل غلط تھے۔ اس لیے میں نے اس کا جواب پہلے دستی اور پھر رجسٹری کے ذریعے بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے جواب میں ایک خط لکھا کہ ”میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں لہذا آپ میرے سامنے تشریف لے آئیں یا مجھے بلائیں۔“ میں نے عرض کیا۔ ”آپ نے پہلے اپنی مرضی سے ایک تحریر بھیجی ہے۔ اب آپ اس کے حوالے صحیح ثابت کیجئے۔ میں آپ سے لڑنے جھگڑنے پر تیار نہیں ہوں۔ وہ وقت جس میں آپ میرے ہاں تشریف لائیں گے یا مجھے بلائیں گے اسی میں اپنی لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت لکھ بھیجئے۔“ مگر ظاہر ہے جب کسی شخص کے ہاں وقت میں تضعیف کا امکان ہی نہ ہو وہ تحریر کے لیے کس طرح وقت نکال سکتا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے میرا دوسرا رقعہ پہنچنے کے بعد سکوت اختیار فرمالیا۔

۱۔ خالد ابراہیم صاحب نہایت ہونہار اور صالح نوجوان اور ایم اے کے طالب علم تھے پچھلے دنوں ایک ایکسٹنٹ میں ان کا انتقال ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

قریباً آٹھ ماہ انتظار کرنے کے بعد اہل حدیث یوتھ فورس کے نوجوانوں نے قاضی صاحب کی اور میری وہ تحریریں ”ایک دین اور چار مذہب“ کے نام سے شائع کر دیں۔ ان کے شائع ہونے کے تقریباً آٹھ ماہ بعد وہ کام جو سولہ ماہ قبل ممکن ہی نہ تھا واقع ہو گیا۔ قاضی صاحب کے معیار میں تضعیف ہو گئی اور انہوں نے میری تحریر کا جواب ”اظہار المرام“ کے نام سے شائع کر دیا مگر اپنے اس خادم کو جو ان کا اولین مخاطب تھا یاد ہی نہیں فرمایا کہ ایک نسخہ مجھے بھیج دیتے غرض میں نے ایک طالب علم کو بھیج کر وہ رسالہ منگوا یا اور اب اس کی حقیقت واضح کرتا ہوں۔

مختصر جواب اس کا تو یہ ہے کہ جو صاحب ”ایک دین اور چار مذہب“ اور ”اظہار المرام“ کو سامنے رکھ کر پڑھیں گے۔ انشاء اللہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ قاضی صاحب میرے سوالات میں سے ایک کا جواب بھی نہیں دے سکے بلکہ انہوں نے اپنی تحریر میں مزید کئی غلطیاں اور بہت سی خلاف واقعہ باتیں کی ہیں۔ اب آپ اختصار کے ساتھ ان کے جوابات کا حقیقت میں جواب نہ ہونا ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے ان کی ہند جدید خلاف واقعہ باتوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالسلام بھٹوی جامعہ محمدیہ

جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

شعبان ۱۴۰۶ھ



خلاف واقعہ دعوے

کسی کے خلاف کچھ نہ لکھنے اور کہنے کا دعویٰ:

قاضی صاحب نے اپنی معصومیت کے اظہار کے لیے اپنی تحریر کی ابتداء ہی ایک خلاف واقع بلکہ ناممکن الوقوع دعویٰ سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”بندہ پندرہ بیس سال سے اس شہر گوجرانوالہ میں اکابرین دیوبند کے نقش

قدم پر چل کر ثبت انداز میں حسب طاقت دین کی خدمت کر رہا ہے آج

تک نہ تو میں نے کسی کے خلاف قلم اٹھایا اور نہ ہی زبان ہلائی ہے۔“

(اظہار المرام ص ۳)

قاضی صاحب کا آج تک کسی کے خلاف نہ قلم اٹھانا اور نہ زبان ہلانا اور اس کام کو اکابرین دیوبند کے نقش قدم پر چلنا قرار دینا ان کے وہ متوسلین تو شاید درست تسلیم کر لیں جو قاضی صاحب کے دن کو رات کہنے پر بھی سبحان اللہ کہنے کے عادی ہوں وہ شخص جسے اللہ نے تھوڑی سی بصیرت بھی دی ہے ہرگز نہیں مان سکتا کہ کوئی مبلغ (خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو) ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف زبان نہ ہلائے۔ دنیا میں سب سے بڑے مبلغ رسول کریم ﷺ کی بات بھی مشرکین، یہود و نصاریٰ منافقین اور دوسرے گمراہ لوگوں کے خلاف ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ۔ اب بھی کوئی شخص اگر غیر اللہ سے مدد مانگتا جائز قرار دے گا تو اس کی بات ایک اللہ سے مدد مانگنے والوں کے خلاف ہوگی اگر وہ صرف ایک اللہ سے مدد مانگنے کی بات کرے گا تو وہ غیر اللہ سے استغاثہ کرنے والوں اور قبروں پر جا کر اہل قبور سے روٹیاں اور اشرفیاں مانگنے والوں کے خلاف ہوگی۔ مدح صحابہ کرے گا تو شیعوں کے خلاف ہوگی۔ حدیث نہ ماننے والوں کو گمراہ قرار دے گا تو منکرین حدیث کے خلاف ہوگی۔ صرف کتاب و سنت پر جمع ہونے کی دعوت

دے گا تو مقلدین کے خلاف ہوگی۔ تقلید ترک کرنے والوں کو گمراہ قرار دے گا تو کتاب و سنت کے متبعین کے خلاف ہوگی اور اگر نبی عن المبکر کرے گا تو بد قماش لوگوں کے خلاف ہوگی اور یقیناً ان چیزوں میں سے کئی چیزیں قاضی صاحب اور ان کے اکابر لکھتے بھی ہیں اور بیان بھی کرتے ہیں۔ بندہ سے ان کی تحریری گفتگو اور اکابرین دیوبند کی بیسیوں تصانیف اس کی واضح دلیل ہیں۔ قاضی صاحب کو غور فرمانا چاہیے تھا کہ وہ اتنی صاف خلاف واقعہ بات ایسی جرأت سے کس طرح تحریر فرما رہے ہیں۔

(تَسَاوَرَ اللَّهُ عَنْ ذَنْبِكَ الْحَلِيَّ وَالْخَفِيَّ)

خلاف واقعہ باتوں کے لیے حیلہ جواز:

میں نے غور کیا کہ یہ حضرات صاف خلاف واقعہ باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر لیتے ہیں اور جو کام دن رات کرتے ہیں اس سے انکار کس طرح کر دیتے ہیں تو مجھے اس سوال کا جواب شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی سے مل گیا وہ فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے ایک قصہ اکثر سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کو پانی پت ایک ضرورت سے جانا تھا راستہ میں جتنا پڑتی تھی جس میں اتفاق سے طغیانی کی صورت تھی کہ کشتی بھی اس وقت نہ چل سکتی تھی یہ شخص بہت پریشان تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں جنگل میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ ان سے جا کر اپنی ضرورت کا اظہار کرو اگر وہ کوئی صورت تجویز کر دیں تو شاید کام چل جائے ویسے کوئی صورت نہیں ہے لیکن وہ بزرگ اول اول بہت خفا ہوں گے انکار کریں گے اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ یہ شخص وہاں گیا اس جنگل میں ایک جھونپڑی پڑی ہوئی تھی اس میں ان کے اہل و عیال بھی رہتے تھے اس شخص نے بہت دیر پہلے ہی ضرورت کا اظہار کیا کہ مقدمہ کی کل کو تاریخ ہے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اول تو انہوں نے حسب عادت خوب ڈانٹا کہ میں کیا کر سکتا ہوں

میرے قبضہ میں کیا ہے؟ اس کے بعد جب اس نے بہت زیادہ عاجزی کی تو انہوں نے فرمایا کہ جمنہ سے جا کر کہہ دو کہ ایسے شخص نے مجھے بھیجا ہے جس نے عمر بھر نہ کبھی کچھ کھایا نہ بیوی سے صحبت کی۔ یہ شخص واپس ہوا اور ان کے کہنے کے موافق عمل کیا جمنہ کا پانی ایک دم رک گیا اور یہ شخص پار ہو گیا۔ جمنہ پھر حسب معمول چلنے لگی۔ لیکن اس شخص کے واپس ہونے کے بعد ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کر دیا کہ تو نے مجھے ذلیل اور رسوا کیا۔ بغیر کھائے تو خود پھول کر ہاتھی بن گیا اس کا تو تجھے اختیار ہے اپنے متعلق جو چاہے جھوٹ بول دے لیکن یہ بات کہ تو کبھی بیوی کے پاس نہیں گیا اس بات نے مجھے رسوا کر دیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ اولاد جو پھر رہی ہے یہ سب حرام کی اولاد ہوئی ان بزرگ نے اول تو عورت سے یہ کہا کہ تجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں جب میں اولاد کو اپنی اولاد بتاتا ہوں تو پھر کیا اعتراض ہے؟ مگر وہ بے تحاشا روتی رہی کہ تو نے مجھے زنا کرنے والی بنا دیا اس پر ان بزرگ نے کہا، غور سے سن! میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کبھی اپنی خواہش نفس کے لیے کوئی چیز نہیں کھائی ہمیشہ جو کھایا محض اس ارادہ اور نیت سے کھایا کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے لیے بدن کو قوت پہنچے اور جب بھی تیرے پاس گیا ہمیشہ تیرا حق ادا کرنے کا ارادہ رہا۔ کبھی اپنی خواہش کے تقاضہ سے صحبت نہیں کی۔ قصہ۔ ختم ہوا۔“ (فضائل صدقات ص ۳۸۹)

معلوم ہوا کہ بزرگ کھانے پینے اور بیوی سے صحبت کرنے کے باوجود بغیر کسی مجبوری کے بھی ان کاموں سے صاف انکار کر سکتے ہیں اور ان کے اس صدق و صفائی برکت سے جمنہ کا پانی بھی تھم کر راستہ دے دیتا ہے تو قاضی صاحب بھی چونکہ کسی کے خلاف کہتے ہیں تو اللہ کی خاطر کہتے ہیں اس لیے انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس سے انکار کریں اور اس قصہ کی رو سے ان کے اس انکار سے کئی کرامات ظہور پذیر

ہونے کا امکان بھی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ”رسول اللہ ﷺ بھی ہر کام اللہ کے لیے کرتے تھے مگر انہوں نے تو کبھی کھانے پینے، بیویوں کے پاس جانے یا کسی کے خلاف بات کرنے سے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ جب کافروں نے اعتراض کیا کہ یہ پیغمبر تو کھاتا پیتا ہے اس کی بیویاں اور بچے ہیں تو بجائے اس کے کہ آپ انکار فرماتے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ صرف یہی رسول نہیں پہلے تمام رسول بھی کھاتے پیتے تھے اور ان کی بیویاں اور بچے تھے۔“ تو یہ سوال یہاں بے محل ہے کیونکہ بزرگوں کی باتیں قرآن و حدیث کی رو سے نہیں دیکھی جاتیں نہ ہی ان کے باطنی علوم و معارف کو ظاہرین لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ صرف نکتہ شناس لوگوں کا کام ہے۔

میں تو ان اکابر کرام کے متعلق جب سنتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے برعکس فلاں صاحب چالیس چالیس سال تک عشاء اور صبح کی نماز ایک وضو سے پڑھتے تھے فلاں صاحب مدت ہائے دراز تک کچھ نہیں کھاتے تھے اور فلاں صاحب اچھا خاصہ صحت مند جسم رکھتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے ہیں۔ تو سمجھ لیتا ہوں کہ یہ سب چیزیں بیان کرنے والے وہی حیلہ شرعی استعمال فرما رہے ہیں جو جمناء والے بزرگوں نے استعمال فرمایا تھا۔

تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا دعویٰ:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”میں نے کوشش کی ہے کہ مولانا صاحب کے بارے میں کہیں بے ادبی کے الفاظ تحریر میں نہ لائیں نہ اس کو ذرا یا دھمکایا ہے نہ ان کو طعنہ دیا ہے نہ عار اور شرم دلایا ہے اور نہ ان کو جھوٹا کہا ہے اور نہ ہی ان کے اکابر پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے غرضیکہ کہیں بھی تہذیب کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔“ (اظہار المرام ص ۴)

یہ سب قاضی صاحب کی عنایت ہے۔ ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میں نے چند حوالے پوچھ لیے یا اکابر کی چند عبارتیں نقل کر کے یہ پوچھ لیا کہ ان عبارات والوں پر آپ کیا فتویٰ صادر کریں گے تو اس میں قاضی صاحب کو مجھے ڈرانے دھمکانے کا حق کس طرح حاصل ہو گیا کہ وہ اسے استعمال نہ کرنے کا احسان جتلا رہے ہیں؟ میرا رسالہ ”ایک دین اور چار مذہب“ سب کے سامنے ہے۔ میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا اس کا دائرہ تہذیب میں ہونا یا نہ ہونا ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ البتہ قاضی صاحب کے تہذیب کے دامن کو نہ چھوڑنے اور میرے اکابر پر ہاتھ صاف نہ کرنے کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جو میرے مرحوم استاذ کے متعلق ہے میرے متعلق انہوں نے تہذیب کا جو انداز اختیار کیا ہے ناچیز اس سے قطع نظر کرتا ہے۔

ہنیئاً مریئاً غیر داء مخامر

لعزۃ من اعراضنا ما استحل

تہذیب کا نمونہ:

استاذ مرحوم مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی نے خیر الکلام کے شروع میں اختلاف کی دو قسمیں بیان کی ہیں، اصولی اختلاف اور فروعی اختلاف۔ اور ان کی اصولی و فروعی کی تقسیم قاضی صاحب والی تقسیم سے ہے بھی بالکل مختلف، جیسا کہ آئندہ آئے گا۔ مجھے نہ قاضی صاحب والی اصولی و فروعی تقسیم کی دلیل مل سکی نہ حضرت استاذ صاحب والی کی۔ اس لیے میں اسے ان کی اپنی اپنی اصطلاح مان سکتا ہوں مگر یہ کوئی شرعی تقسیم نہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے دلیل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے استاذ کی ایک بات سے اتفاق نہیں کیا مگر قاضی صاحب کی تہذیب ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

”اب آپ کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو حافظ مرحوم کی بھی تردید فرمائیں

تاکہ غیر مقلدین پر بھی عیاں ہو جائے کہ خیر الکلام جھوٹ کا پلندہ ہے یا پھر

میری بات تسلیم کریں۔“ (اظہار ص ۷)

مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اگر میں حافظ مرحوم کی ایک بات سے اختلاف کروں تو اس سے خیر الکلام جھوٹ کا پلندہ کیسے ثابت ہو جائے گی۔ اگر امام محمد اور امام ابو یوسف کے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے سینکڑوں مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کے استاذ کے اقوال کے مجموعے جھوٹ کا پلندہ انہیں بنتے تو اس ناچیز کے صرف ایک بات میں اختلاف کرنے سے اس کے استاذ کی کتاب جھوٹ کا پلندہ کیسے بن گئی؟ (تَحَاوَزَ اللَّهُ عَنْ ذَنْبِكَ الْحَلِيَّ وَالْحَفِيَّ)

اکابر دیوبند کے متعلق صحابہ کے قافلہ کے افراد ہونے کا دعویٰ:

قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”بقول سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کہ صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا اور قاسم نانوتوی شیخ الہند محمود الحسن شاہ انور شاہ مولانا اشرف علی تھانوی شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیچھے رہ گئے۔“

(اظہار ص ۴)

آپ بے شک جو چائیں اپنے اکابر کی تعریف کریں مگر انہیں صحابہ کے ساتھ نہ ملائیں کیونکہ کوئی صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع چھوڑ کر امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب قرار نہ دیتا تھا نہ ہی ان میں سے کوئی اپنے آپ کو حنفی قادری یا نقشبندی کہلاتا تھا اور یہ حضرات تو حق و انصاف کا اقرار کرنے کے بعد اس کا انکار اس دلیل سے کر دیتے تھے کہ:

وَالْحَقُّ وَالْإِنصَافُ أَنَّ التَّرَجُّعَ لِلشَّافِعِيِّ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَنَحْنُ مُقَلِّدُونَ يَجِبُ عَلَيْنَا تَقْلِيدُ إِمَامِنَا أَبِي حَنِيفَةَ.

”یعنی حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح شافعی کے مسلک کو ہے

اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے ایک دین اور چار مذہب ص ۳۳) فرمائیے کسی صحابی کے منہ سے یہ الفاظ نکل سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں صحابہ کرام کبھی غیر اللہ سے مدد نہیں مانگتے تھے نہ جہاز غرق ہونے کے وقت امداد کے لیے پیر روشن ضمیر کا خیال جائز سمجھتے تھے نہ بیماری کے وقت مراقب ہو کر کسی امام ربانی سے درخواست کرتے تھے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر عرض معروض یا لکھے ہوئے رقعے پڑھنا ان کا معمول تھا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ اور تعریفیں جو چاہیں کریں مگر غیر اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم دینے والوں کو صحابہ کرام کے قافلے کا فرد نہ کہیں۔ اکابر دیوبند کے استغاثہ غیر اللہ کے یہ واقعات باحوالہ ”ایک دین اور چار مذہب“ میں بیان ہو چکے ہیں ضرورت پڑنے پر مزید حوالہ جات پیش کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

اکابر دیوبند کی تصانیف عادیہ محال ہونے کا دعویٰ:

قاضی صاحب نے تھانوی صاحب، عثمانی صاحب، مفتی شفیع صاحب اور مولانا اعجاز علی صاحب کی چند تصانیف و حواشی ذکر کر کے لکھا ہے:

”یہ تصانیف اگرچہ محال عقلاً نہیں مگر محال عادیہ ضرور ہیں۔“ (اظہار ص ۲۹)

محال عادیہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہونا عقلاً تو ناممکن نہیں مگر عادت کے لحاظ سے ناممکن ہے یعنی علماء دیوبند سے ہی یہ خرق عادت ظاہر ہوا ہے کسی اور سے یہ کام ممکن نہیں ہے۔ کتنی زبردست تعالیٰ ہے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ ائمہ ستہ امام طبری، حافظ ابن حجر، ابن جوزی، ابن حبان، بیہقی، ابن حزم، سیوطی، ابن تیمیہ، ابن قیم، خطیب بغدادی، شوکانی اور سینکڑوں محدثین رحمہم اللہ کی اتنی کثیر اور عظیم تصانیف موجود ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی دیوبندی عالم کی تصانیف ان کا عشر عشر بھی نہیں۔ تو جب دیوبندی علماء سے کئی گناہ زیادہ تصانیف کے مصنفین گزر چکے ہیں اور بعد کے لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے ان سے لے کر لکھا ہے تو

ان حضرات سے کون سی محال عادت چیز کا صدور ہوا ہے کہ اُولَئِكَ آبائی کا چیلنج دیا جا رہا ہے؟ اسی طرح حماسہ مثبتی اور دوسری کتب کی شروح تو پہلے ہی موجود تھیں اگر مولانا اعزاز علی نے ان میں سے حاشیہ مرتب کر دیا تو فرمائیے وہ شارحین جنہوں نے خود محنت کی ان کی تصانیف تو عادت ممکن تھیں اور جنہوں نے ان کی دریوزہ گری کر کے حاشیہ لکھ دیا ان کی تصانیف عادت محال ہو گئیں۔ فی اللجب خود ہندوستان میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مولانا وحید الزمان، مولانا شمس الحق، مولانا عبدالرحمان مبارکپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا امیر علی اور دوسرے علماء کی تصانیف کثیرہ کے موجود ہوتے ہوئے دیوبندی علماء کی تصانیف کا عادت محال ہونا تب ہی درست ہو سکتا ہے کہ قاضی صاحب نے محال عادت کا کوئی خانہ ساز مفہوم ذہن میں رکھا ہو۔ قاضی صاحب کو واسطہ کی بحث پر غور کرنے کے ساتھ محال عادت کی اصطلاح پر بھی غور کر لینا چاہیے تھا۔ معلوم نہیں یہ حضرات اپنے معتقدین کے سامنے اکابر دیوبند سے کون کون سی محال عادت چیزوں کا صدور بیان فرماتے رہتے ہوں گے۔

اصولی و فروعی اختلاف

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں دینی امور میں اختلاف کی دو قسمیں بنائی تھیں۔ اصول دین میں اختلاف اور فروع دین میں اختلاف۔ اصول دین میں اختلاف کو اسلام اور کفر کا اختلاف قرار دیا اور فروع میں اختلاف کے متعلق فرمایا کہ یہ اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں۔

اس پر میں نے عرض کیا تھا کہ ”آپ اصول دین اور فروع دین کی جامع مانع تعریف بتائیں کہ آپ نے وہ تعریف کس آیت یا حدیث سے لی ہے“۔
اس کے جواب میں قاضی صاحب نے شرح عقائد وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

”احکام شرعیہ میں سے بعض کا تعلق کیفیت عمل سے ہے اور فروع کہلاتے ہیں اور بعض کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہے اور اصل کہلاتے ہیں دلیل میں یہ آیت لکھی ہے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ (اظہار ص ۶)

مگر اصول و فروع دین کی اس تقسیم و تعریف سے تو قاضی صاحب کو بہت ہی زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔

① جب عقائد اصول دین ہیں اور اعمال دین میں اختلاف بقول قاضی صاحب کفر و اسلام کا اختلاف ہے تو پھر امت میں عقیدے کا ہر اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف ہوگا۔ کیا قاضی صاحب کو یہ منظور ہے؟

② قاضی صاحب کی پہلی تحریر میں لکھا تھا کہ ”صحابہ میں اختلاف تھا کہ نبی ﷺ نے معراج کی رات خدا پاک کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ مردے سنتے ہیں یا نہیں اس قسم کا اختلاف اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں۔“ ظاہر ہے کہ مردوں کے سننے یا نہ سننے میں اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے مگر قاضی صاحب نے پہلی تحریر میں عقیدہ کا اختلاف ہونے کے باوجود اسے فروع دین میں شامل کر دیا۔ اور اظہار المرام میں عقیدے کے اختلاف کو (بلا امتیاز) اصول دین میں اختلاف بنا دیا اور یہی تناقض اس تقسیم کے خود ساختہ ہونے کی اور جامع مانع نہ ہونے کی دلیل ہے۔

نوٹ: میں نے لکھا تھا کہ ”یہ بات کہ مردہ ہر آنے والے کی ہر بات سنتا ہے اس میں بھی صحابہ کا اختلاف تھا یہ بات غلط اور بے دلیل ہے“ قاضی صاحب نے اس پر سکوت فرمایا ہے اور اس بات میں صحابہ کے درمیان اختلاف کی کوئی دلیل نہیں دی اسی طرح میں نے معراج کی رات آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ نہ دیکھنے میں صحابہ کے اختلاف سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ قاضی صاحب نے اس اختلاف کے وجود کی بھی دلیل نہیں فہلُ هَذَا السُّكُوتُ إِلَّا دَلِيلُ التَّسْلِيمِ؟

قاضی صاحب عقیدہ کے اختلاف کو اصولی اور عمل کے اختلاف کو فروعی قرار دے رہے ہیں اور تائید میں میرے استاذ مکرم رحمہ اللہ کا قول پیش کر رہے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

”شیعہ اور سنی میں اختلاف اصولی ہے اور اہل سنت کے فرقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے خواہ اعتقادی ہو۔ خواہ فقہی۔ فروعی ہے۔“

گویا استاذ مرحوم کے نزدیک اصولی فروعی کی تقسیم یہ نہیں کہ عقیدہ کا اختلاف ہو تو فروعی ہے بلکہ یہ ہے کہ شیعہ سنی کا اختلاف (عقیدہ میں ہو یا عمل میں) اصولی ہے اور سنیوں کا آپس میں اختلاف (عقیدہ میں ہو یا عمل میں فروعی ہے) فرمائیے قاضی صاحب کو اس سے کیا تائید حاصل ہوئی اور اگر انہیں اصرار ہے کہ یہ قول ان کی تائید میں ہے تو ”خن فہمی عالم بالا معلوم شد“ کے علاوہ کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے والی اختلاف کی خود ساختہ اقسام کے متعلق یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ وہ اقسام ساری امت سے چلی آ رہی ہیں۔ فرمائیے ساری امت میں سے کس نے کہا ہے کہ اصول دین (عقیدہ) میں اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف ہے اور فروع دین میں اختلاف فروعی ہے اور کفر و اسلام کا اختلاف نہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو یا کسی صحابی نے یا تابعی نے یا تبع تابعی نے۔ کیا ساری امت میں یہ لوگ شامل نہیں؟ یہ بات تو تفتازانی نے بھی نہیں کہی۔ اگرچہ وہ کہہ بھی دیتے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی کیونکہ ان کا قول دین میں حجت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دین و فروع دین میں اختلاف کی تقسیم جو کفر و اسلام کا فیصلہ کرتی ہے قاضی صاحب کی طبع زاد تصنیف اور بالکل بے دلیل بات ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی گھڑی ہوئی بات کو پوری امت کی بات قرار دے رہے ہیں۔

(تجاوز الله عن ذنبك الحلبي والخفي)

علمائے دیوبند کی کرامات

جناب قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں نبیوں و لیوں کو عالم الغیب ماننے، اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنے، ان سے نفع کی امید رکھنے اور ان کے ضرر سے ڈرنے کو کفر و شرک قرار دیا تھا۔ اس پر میں نے اکابر علماء دیوبند کے چند واقعات و عبارات انہی کی کتابوں سے نقل کر کے عرض کیا کہ حضرت! یہ سب کچھ تو ان اکابر میں بھی موجود ہے ان پر کیا فتویٰ ہے۔

قاضی صاحب نے اس پر کہا ہے کہ یہ واقعات عالم مثال اور کرامات سے متعلق ہیں پھر عالم مثال کے اثبات کے لیے احادیث سے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ اسی طرح قرآن و حدیث سے چند کرامات نقل کی ہیں۔ اور اس تاویل کے ساتھ اپنے اکابر کے صریح شرکیہ عقاید کو کرامات کا جامہ پہنا دیا ہے۔

عالم مثال شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کا جو مفہوم وہ مراد لیتے ہیں اس میں مناقشہ کی گنجائش ہے مگر مجھے اس سے غرض نہیں آپ عالم مثال کے اس خاص مفہوم کو مان بھی لیں تو میری تحریر میں اس کے متعلق بات ہی نہیں اسی طرح بات یہ نہیں کہ اکابر دیوبند سے کرامات ظاہر ہوئیں یا نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ آپ کے فرمان کے مطابق نبیوں و لیوں کو عالم الغیب ماننا، اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنا، ان سے نفع کی امید رکھنا اور ان کے ضرر سے ڈرنا کفر و شرک ہے اور ان حکایات و واقعات میں اکابر علمائے دیوبند اپنی مصیبتوں اور حاجتوں میں غیر اللہ کو پکارنے اور ان کے اس پکار کو سن کر مدد کو پہنچنے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ فرمائیے کیا مصیبت کے وقت اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارنا کرامت ہے؟ نہیں، یہ ہرگز کرامت نہیں یہ تو پرلے درجے کی دناست ہے۔ کرامت تو یہ ہے کہ انسان سخت سے سخت مصیبت اور حاجت میں بھی اللہ تعالیٰ کے در کا ہی سائل رہے کسی غیر سے سوال نہ کرے اور اللہ تعالیٰ

اپنے بندے کو خرق عادت کے طور پر مصیبت سے بچالے یا اسباب کے بغیر نعمتیں عطا فرمادے۔ آپ نے قرآن و حدیث سے جتنی مثالیں کرامات کی بیان کی ہیں کیا ان لوگوں نے غیر اللہ کو پکارا تھا؟ فرمائیے مریم علیہا السلام نے رزق کے لیے جرتج رحمہ اللہ نے اپنی بے گناہی کے اثبات کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھانے میں برکت کے لیے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اندھیرے میں روشنی کے حصول کے لیے اور سفینہ رضی اللہ عنہ نے جنگل میں راستہ معلوم کرنے کے لیے کسی بزرگ یا نبی کو پکارا تھا؟ جب کہ اکابر دیوبند کے مذکورہ واقعات میں مرکزی نکتہ ہی یہ ہے کہ مصیبت میں بزرگوں کو مدد کے لیے پکارا گیا اور وہ مدد کے لیے پہنچے۔ وہ واقعات میرے رسالہ ”ایک دین اور چار مذہب“ میں تفصیل سے باحوالہ مذکور ہیں۔ یہاں میں اشارۃً محل استدلال کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔

① کرامات امدادیہ میں جو مذکور ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید کا جہاز طوفان میں گھر گیا اور ”انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اس مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہو گا الخ“ اور اس کے بعد حاجی صاحب کے جہاز کو پھٹے دے کر بچانے کا ذکر ہے فرمائیے مریدوں کا یہ عقیدہ رکھنا کہ حاجی صاحب فریاد سنتے ہیں اور انہیں مدد کے لیے پکارنا بھی کرامت ہے؟ سکے کے مشرک تو جہاز غرق ہوتے وقت اپنے تمام مشکل کشاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو پکارتے تھے مگر اکابر دیوبند کے تربیت یافتگان اس وقت بھی اللہ کو نہیں بلکہ اپنے پیر روشن ضمیر کو پکارتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ پیر روشن ضمیر اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا ان کی حالت سے مطلع ہو کر اپنی کمر چٹلوا کر ان کا جہاز ڈوبنے سے بچا دیتا ہے اور ہمارے قاضی صاحب ان خرافات پر کرامات کا لیل لگا رہے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارنے والوں اور ان کو اس بات کی تعلیم دینے والے مرشدوں کو اللہ کی طرف سے کرامت کا حصول! اس خیال است و محال است و جنوں۔

② مولانا رشید احمد صاحب کے مرید کا اپنی اہلیہ کی بیماری اور اس کی زندگی سے مایوسی کے وقت مراقب ہو کر گنگوہی صاحب سے عرض کرنا کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف رفع ہو جائے الخ اللہ تعالیٰ نے تو ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم ذکر فرمائی ہے وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور یہاں بیماری میں زندگی سے مایوسی کے وقت حضرت گنگوہی کے فیض یافتہ حضرات اللہ کے سامنے درخواست کرنے کی بجائے گنگوہی صاحب سے خاتمہ بالخیر یا بیماری رفع ہونے کی درخواست کر رہے ہیں اور گنگوہی صاحب کے علم و قدرت کی وسعت کی بدولت فوراً بیماری دور ہو جاتی ہے۔ گویا گنگوہی صاحب ان کی درخواست سنتے بھی ہیں اور زندگی، موت اور صحت و مرض بھی انہی کے قبضہ میں ہے اور قاضی صاحب کا اصرار ہے کہ اس بد عقیدگی کو بھی ہم کرامت سمجھیں۔

③ مولانا قاسم نانوتوی نے عبد اللہ خاں کی یہ حالت بیان کی ہے کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے، تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواحِ ثلاثہ)

میں نے اس پر لکھا تھا ”گویا نانوتوی صاحب کے عقیدہ کے مطابق غیب کی پانچ چابیوں میں سے ایک چابی عبد اللہ خاں کے پاس بھی تھی۔“

اس پر قاضی صاحب نے لکھا ہے یہ علم غیب نہیں یہ نشانوں سے یا الہام سے پوشیدہ چیزوں کی خبر دینا ہے۔ مثال کے لیے انہوں نے تیز گام کے پہلے سے اعلان کردہ وقت پر کراچی پہنچنے اور محکمہ موسمیات کی پیش گوئیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قاضی صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندی حضرات کا بریلویوں سے صرف لفظی نزاع ہے۔ آپ نے بھی مان لیا کہ عبد اللہ خاں کے پاس تعویذ کے لیے آنے والے ہر شخص کے ہاں ہونے والے بچے کا علم تھا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی۔

آپ صرف اسے علم غیب کہنے سے انکار کرتے ہیں بریلوی حضرات بھی

اپنے بزرگوں کے لیے اس چیز کے قائل ہیں اور اس کا نام وہ علم غیب رکھتے ہیں۔
 حقیقت یہ کہ کسی ایک آدھ موقع پر الہام کے ذریعے علم ہو جانا اور بات ہے
 اور تعویذ کے لیے آنے والے ہر شخص کے ہاں ہونے والے بچے کے علم کو ان پانچ چیزوں میں شمار کیا
 بات۔ آنحضرت ﷺ نے پیدا ہونے والے بچے کے علم کو ان پانچ چیزوں میں شمار کیا
 ہے لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ رہا علامتوں سے یا
 اسباب کے ذریعے پیش گوئی کرنا تو ان پانچ چیزوں کی پیش گوئی کتنی بھی علامتوں کو یا
 اسباب کو ملحوظ رکھ کر کی جائے کبھی درست نکلتی ہے کبھی غلط۔ تیز گام کا عملہ دو بجے اعلان
 کرتا ہے کہ گاڑی کل دس بجے کراچی پہنچ جائے گی تو کبھی پہنچتی ہے کبھی نہیں۔ کبھی
 ڈرائیور صاحب ہی چل بٹے ہیں۔ اسی طرح محکمہ موسمیات کی پیش گوئی کبھی ٹھیک نکلتی
 ہے کبھی غلط۔ ان کی ہر پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی اور جس کی پیش گوئیوں میں سے
 ایک فیصد بھی غلط نکل آئے باقی کا یقین بھی ناممکن ہوتا ہے کہ صحیح ہی نکلیں گی۔ قرآن
 مجید میں مذکور پانچ غیب کی چیزوں کے متعلق کسی کی پیشگوئیاں سو فیصد درست ہو
 جائیں، کوئی شخص آنے والے کل کی ہر بات جان لیتا ہو یا پیدا ہونے والے ہر بچے
 کے متعلق بتا دیتا ہو بالکل ناممکن بات ہے اور قرآن و حدیث سے صاف انکار ہے۔
 فرمائیے کیا رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ان پانچ چیزوں میں سے کسی
 چیز کا کلی علم حاصل تھا؟ اگر انہیں حاصل نہ تھا عبد اللہ خاں کو کیسے حاصل ہو گیا؟

④ قاضی حمید اللہ صاحب عالم مثال کی بات کرتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے تین
 مہتمم صاحبان فرماتے ہیں کہ مولانا نانوتوی مرنے کے بعد جسدِ عرضی کے
 ساتھ مولانا رفیع الدین صاحب کے پاس آئے اور مولانا تھانوی روح میں یہ
 قوت مانتے ہیں کہ وہ عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عرضی تیار کر سکتی ہے۔ کیا
 جسدِ عرضی اور عناصر میں تصرف بھی عالم مثال ہی ہے؟ تفصیل اور حوالہ جات
 کے لیے دیکھئے ایک دین اور چار مذہب۔

تبلیغی جماعت کی کتب فضائل میں شرک کی تعلیم پر

مشتمل حکایات

میں نے مولانا زکریا سہارنپوری صاحب کے مشہور سلسلہ فضائل سے چھ سات حکایات فضائل حج میں سے نقل کی تھیں جن میں کئی اشخاص کا بھوک کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر درخواست کرنا اور آپ کا انہیں روٹی عطا فرمانا مذکور ہے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کو درخواست پر آپ نے درہم عطا فرمائے۔ کسی کی درخواست پر آپ نے دست مبارک قبر سے نکال کر مصافحہ فرمایا اور نوے ہزار کے مجمع نے اسے دیکھا۔ کسی عورت نے ستانے والوں کی شکایت قبر پر آ کر کی تو وہ ستانے والے مر گئے۔ ایک مؤذن نے تھپڑ مارنے والے کی شکایت قبر پر آ کر کی تو تھپڑ مارنے والے پر فاج لگ کر گیا۔ غرناطہ کا ایک بیمار خود مدینہ میں قبر پر نہیں پہنچ سکتا تھا اس نے رقعہ لکھ کر حاجیوں کے ہاتھ بھیج دیا انہوں نے قبر شریف پر رقعہ پڑھا تو بیمار غرناطہ میں بیٹھا ہوا تندرست ہو گیا۔ تفصیل وحوالہ جات کے لیے دیکھئے ”ایک دین اور چار مذہب“۔

میں نے عرض کیا تھا کہ آپ نے نبیوں ولیوں کو عالم الغیب ماننے والوں اپنی حاجتوں میں غیروں کو پکارنے والوں ان سے نفع کی امید رکھنے والوں اور ان کے ضرر سے ڈرنے والوں کو کافر و مشرک قرار دیا ہے۔

اب آپ فرمائیں کہ یہ حکایات لکھنے والے اور انہیں سچا سمجھنے والے اہل حق

ہیں یا اہل کفر و شرک اور ان کا اختلاف اصول دین میں ہے یا فروع دین میں؟

قاضی صاحب اس پر لکھتے ہیں:

”ہمارے اکابر نے صرف آپ کے سلام کے بارے میں لکھا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی روح مقدس مجھے ظاہر

ہوگئی الخ۔“ (اظہار المرام ص ۲۶)

قاضی صاحب نے یہاں نہ قرآن کی کوئی دلیل پیش کی نہ سنت کی کہ قبر پر جا کر مانگنا جائز ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا جو کلام انہوں نے نقل کیا ہے اس میں بھی یہ بات نہیں کہ شاہ صاحب نے آنحضرت ﷺ کی قبر پر جا کر روٹی، درہم، شفا یا دشمنوں کی بربادی کی درخواست آنحضرت ﷺ سے کی اور آپ نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔

بالفرض اگر وہ بھی کسی قبر پر جا کر کچھ مانگیں گے تو ان کی بات بھی غلط ہوگی۔
رجال کو پرکھنے کا پیمانہ حق ہے نہ کہ حق کو پرکھنے کا پیمانہ رجال۔

قاضی صاحب کو یہ غور فرمانا چاہیے تھا کہ جس وقت انہوں نے اظہار المرام میں یہ الفاظ ثبت فرمائے تھے کہ ”ہمارے اکابر نے صرف آپ کے سلام کے بارے میں لکھا ہے“ تو کیا وہ واقعی سچ لکھ رہے تھے کہیں انہوں نے جمنوالے بزرگوں کا کام تو نہیں کیا؟ کیا قبر پر جا کر بھوک کی شکایت یا مہمان بنانے کی درخواست اور آپ کا روٹی دینا صرف سلام ہے؟ خرچ ختم ہونے کی شکایت پر اشرفیاں ملنا صرف سلام ہے؟ مظلوموں کا ظالموں کی شکایت کرنا اور ان کی ستیاناس ہونا صرف سلام ہے؟ احمد رفاعی کا دست بوس کی درخواست کرنا؟ آپ کا ہاتھ نکلنا ان کا چومنا اور نوے ہزار کے مجمع کا اسے دیکھنا صرف سلام ہے؟ بیماروں کا دعا کی درخواست لکھ کر حاجیوں کے ہاتھ مدینہ بھیجنا اور قبر پر پڑھا جانا صرف سلام ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ساری تعلیم تو صاف اس بات کی ہے کہ قبر پر جا کر آنحضرت ﷺ سے مانگو تو آپ دیتے ہیں اور ہمارے قاضی صاحب ہیں کہ اسے صرف سلام کہہ رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا سہارنپوری نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے نہ ہو سکتے اور نبی ﷺ سے ہو سکتے کا یقین پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے ورنہ قبر پر درخواستوں کا کیا مطلب؟

سچی بات یہ ہے کہ مجھے قاضی صاحب کے متعلق بہت خوش فہمی تھی کہ اتنی

صریح مشرکانہ باتیں دیکھ کر وہ ان سے اظہار برأت کر دیں گے میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قاضی صاحب جیسا تو حیدی مبلغ مشرکانہ عقائد پر مشتمل تحریروں کی وکالت شروع کر دے گا مگر معلوم ہوا کہ وہ اسی طرز عمل پر کار بند ہیں کہ ۔

وہل انالامن غزیه ان غوت

غویت وان ترشد غزیه ارشد

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان حکایات کی مکمل حمایت کی اور ان سب چیزوں کو ”صرف سلام“ کہہ کر بزعم خود جواب مکمل کر دیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات جو اہل قبور سے مدد مانگتے ہیں وہ بھی آپ کی طرح یہ تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ ہم نے صرف سلام ہی عرض کیا تھا ان پر کافر و مشرک کے فتوے آپ کیوں لگاتے ہیں؟

محترم قاضی صاحب اچھی طرح سوچ لیں کہ ہم سب نے دنیا سے رخصت ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں نہ ہماری مشینت کام آئے گی نہ سبحان اللہ کہنے والے معتقدین کا ہجوم۔ نہ غلط راہ پر چلانے والے سادات و کبراء کی سفارش پھر شرک کی تبلیغ کی بے جا حمایت وہاں کیا رنگ دکھائے گی۔

(تجاوز اللہ عن ذنبک الجلی والنجی)

محدثین کی الفاظ حدیث نقل کرنے میں امانت اور

درود شریف کا التزام

علم حدیث ایک ایسا نازک فن ہے کہ معمولی سے لفظ کے بدلنے سے بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے اس لیے محدثین کسی استاد سے جو لفظ سنتے ہیں وہی آگے بیان کرتے ہیں۔ بعض اوقات مجبوراً روایت بالمعنی بھی کر لیتے ہیں مگر جب کسی کتاب

سے کوئی بات نقل فرماتے ہیں تو اس میں ایک لفظ کی تبدیلی بھی جائز نہیں سمجھتے دیکھئے مقدمہ ابن صلاح ص ۱۰۵ البتہ وہ درود شریف کے التزام میں استاد سے سننا شرط نہیں سمجھتے۔

محدثین کی احتیاط اور امانت علمی تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سہارنپوری کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

”آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کسی تحریر میں نبی کریم ﷺ کا پاک نام گزرے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیے۔ محدثین رحمہم اللہ کے یہاں اس مسئلہ میں انتہائی تشدد ہے کہ حدیث پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو استاد سے نہ سنا ہو حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ استاد سے غلط سنا ہو تو اس کو بھی یہ حضرات نقل میں بعینہ اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح استاذ سے سنا ہے۔ اس کو صحیح کر کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر توضیح کے طور پر کسی لفظ کے اضافہ کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اس کو استاد کے کلام سے ممتاز کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی استاد نے کہا تھا۔ اس سب کے باوجود جملہ حضرات محدثین اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا نام نامی آئے تو درود شریف لکھنا چاہیے اگرچہ استاد کی کتاب میں نہ ہو الخ“۔ (فضائل درود شریف ص ۹۵)

درود کے متعلق شیخ الحدیث صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

”جب اسم مبارک لکھے صلوٰۃ و سلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے صرف ”یا صلعم“ پر اکتفاء نہ کرے۔“

یہی بات مقدمہ ابن صلاح ص ۹۲ میں بھی موجود ہے۔ مگر قاضی صاحب نے

ان تمام باتوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

درود شریف سے بے پروائی

آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے ساتھ درود لکھنے سے قاضی صاحب نے بے حد لاپرواہی اختیار کی ہے اظہار المرام میں صرف چند مقامات پر آپ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے ورنہ اکثر ”لکھا ہے یا صلعم اور بہت سے جگہوں پر آنحضرت ﷺ کا ذکر درود کے بغیر ہی کیا ہے ”یا صلعم بھی نہیں لکھا۔ بلکہ کتب حدیث سے جو روایتیں نقل کی ہیں اصل کتابوں میں پورا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے مگر قاضی صاحب نے کہیں ”کر دیا ہے کہیں صلعم مثلاً اظہار المرام کے ص ۹ پر نسائی کی روایت ص ۱۰ پر تعلیق آثار السنن سے منقول دو روایتوں ص ۱۱ پر ترمذی کی ایک عبارت ص ۷۷ پر طرابلسی وغیرہ کے حوالے سے وائل رضی اللہ عنہ کی روایت ص ۲۶ پر حجتہ اللہ سے شاہ صاحب کی عبارت ص ۲۷ پر مسلم سے جریج والی روایت ص ۲۸ پر بخاری مسلم سے عبد الرحمان بن ابی بکر کی روایت اور اسی صفحہ پر بخاری سے انس رضی اللہ عنہ سے لاٹھی روشن ہونے کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے تذکرہ کے ساتھ صرف ”یا صلعم لکھا گیا ہے حالانکہ اصل کتابوں میں پورا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ اور بعض جگہ درود شریف اصل کتاب میں موجود ہونے کے باوجود نقل کرتے وقت قاضی صاحب نے بالکل ہی اڑا دیا ہے۔ ”یا صلعم کا تکلف بھی روا نہیں رکھا مثلاً اظہار المرام کے ص ۶ پر ترمذی سے ”أَصْلِي بِكُمُ الْخ“ ص ۱۱ پر نسائی سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ص ۱۲ پر ابوداؤد سے ابن مسعود کی روایت نقل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے تذکرہ کے ساتھ درود شریف بالکل ہی چھوڑ دیا ہے ”یا صلعم بھی نہیں لکھا حالانکہ اصل ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں مکمل ”صلی اللہ علیہ وسلم“ موجود ہے۔ یہ طرز عمل درود کی اہمیت کے علاوہ نقل میں احتیاط کے تقاضے کے بھی خلاف ہے۔ اگر ایک دو مقامات پر نادانستہ درود رہ جاتا یا ”اور صلعم پر اکتفاء ہو جاتی تو میں گرفت نہ کرتا کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے مگر چونکہ اکثر ایسا کیا

گیا ہے اس لیے میں نے یاد دہانی ضروری سمجھی۔

درود سے لاپرواہی کا سبب:

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے برعکس حضرات احناف زندگی میں صرف ایک دفعہ درود پڑھنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا زکریا صاحب نے تھانوی صاحب سے نقل کر کے لکھا ہے۔

مسئلہ ۱: ”عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے بوجہ حکم صَلُّوا کے جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔“ اور ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا نام ذکر ہو تو بقول مولانا تھانوی صاحب مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے پھر مستحب ہے۔ دیکھئے فضائل درود ص ۹۸۔

یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں کہیں بھول کر درود شریف لکھا گیا ہو تو الگ بات ہے ورنہ آپ ہدایہ قدوری وغیرہ دیکھیں ہر جگہ علیہ السلام پر اکتفاء کیا جاتا ہے صلوٰۃ کی توفیق بہت کم ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے ساتھ بالالتزام صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا اور لکھنا صرف اہل حدیث کی خصوصیت ہے۔

نماز میں درود:

یہ حالت تو نماز کے علاوہ تھی۔ نماز میں بھی درود پڑھنا احناف کے ہاں فرض نہیں کیونکہ زندگی میں ایک دفعہ پڑھنے سے فرض ادا ہو چکا ہے۔ ہدایہ میں نماز کے فرض صرف چھ لکھے ہیں ان میں درود شریف نہیں ہے بلکہ نماز میں ان کے ہاں واجب اصطلاحی بھی نہیں ہے۔ ہدایہ میں جو واجبات ذکر کیے ہیں ان میں درود شریف شامل نہیں صرف سنت ہے وہ بھی آخری تشہد میں اس کے علاوہ مکروہ۔ چنانچہ فضائل درود ص ۹۸ میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے۔

”نماز میں بغیر تشہد اخیر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔“

ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ جس طرح ”إِذْ كُفُّوا وَاَسْبِغُوا“ سے نماز میں رکوع وسجود

فرض ہے ”وَيَبَاكَ فَطَهَّرْ“ سے نماز میں کپڑوں کی طہارت فرض ہے ”قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ“ سے قیام فرض ہے اسی طرح ”صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا“ کی رو سے نماز میں تشہد اور درود دونوں فرض ہیں۔
نقل میں احتیاط کا فقدان:

قاضی صاحب نے درود شریف اصل کتابوں میں مذکور ہونے کے باوجود نقل کرتے ہوئے حذف کر دیا اور الفاظ حدیث جن کا بعینہ نقل کرنا ضروری تھا نقل کرتے ہوئے بدل دیئے۔ میں نے ”ایک دین اور چار مذہب“ میں اس بے احتیاطی اور علمی امانت و دیانت سے انحراف کی طرف توجہ دلائی۔ قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کرتے اظہار المرام میں یہ کام کیا ہے کہ وہ حوالے جو انہوں نے غلط دیئے تھے اور میں نے ان پر گرفت کی تھی کہ آپ کے نقل کردہ یہ الفاظ کسی کتاب میں موجود نہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے وہ الفاظ جن پر میں نے گرفت کی تھی بدل کر نئے الفاظ بنا کر کہا ہے کہ میں نے تو یہ الفاظ لکھے تھے اور یہ فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر موجود ہیں۔

نسائی کا حوالہ:

مثلاً میں نے قاضی صاحب کے ان الفاظ پر گرفت کی تھی:

”جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے اور طبرانی میں بھی ہے ابن ماجہ میں بھی۔“

قاضی صاحب کی تحریر:

اس پر میں نے لکھا تھا کہ:

”آپ نے جو فرمایا ہے کہ جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ یہ حکم کسی

روایت میں موجود ہی نہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ ”سجدہ کرتے وقت بھی اٹھاؤ“۔ نسائی میں بھی نہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر بہتان نہ باندھو یا پھر اس روایت کے لفظ اور باب لکھو۔ (ایک دین ص ۴۲)

یہ گرفت اس بنا پر تھی کہ نسائی میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع جاتے ہوئے رکوع سے اٹھتے ہوئے سجدہ کے وقت اور سجدہ سے سر اٹھا کر رفع یدین کی۔ مگر نسائی کی کسی روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ حکم موجود نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ”سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ“۔ قاضی صاحب نے یہ کام کیا کہ آپ ﷺ کے رفع یدین کرنے کو آپ کا حکم بنا دیا۔ اس پر میں نے مطالبہ کیا کہ حکم کے الفاظ کہاں ہیں روایت کے الفاظ اور باب لکھو۔

اب قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر مشتمل الفاظ کا حوالہ لکھتے۔ اپنے الفاظ بدل دیئے اور لکھا کہ دیکھو یہ الفاظ نسائی کے فلاں صفحہ پر موجود ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

”احقر نے یہ لکھا تھا کہ بعض وہ روایات جن میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے تو انہی روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ سجدہ کرتے وقت میں رفع یدین کرتے تھے الخ“۔ آگے لکھا ہے کہ حوالہ نسائی کے فلاں صفحہ پر موجود ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہوئے اتنی صاف غلط بیانی کیسے کی جاسکتی ہے۔

گوئیَا باور نئے دارندروز داوری

کیں ہمہ قلب و دغل درکار داوری کنند

قاضی صاحب! آپ نے ہرگز یہ نہیں لکھا تھا کہ ”بعض وہ روایات جن میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے تو انہی روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ سجدہ کرتے وقت میں

رفع یدین کرتے تھے، بلکہ آپ نے یہ لکھا تھا کہ ”جن روایات میں رفع یدین کا حکم آیا ہے ان میں سے بعض کے اندر یہ بھی حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھاؤ جیسا کہ نسائی کی روایت میں صاف موجود ہے۔“ ان الفاظ پر مشتمل آپ کی تحریر بعینہ میرے پاس موجود ہے اور ایک دین اور چار مذہب میں طبع بھی ہو چکی ہے۔

اگر قاضی صاحب ذکر اور حکم کے فرق کو نہ سمجھتے تو انہیں اپنا بیان بدل کر حکم کے لفظ کی بجائے ذکر کا لفظ لگا کر نسائی سے حوالہ دینے کی ضرورت نہ تھی۔

رہا ان کا یہ مناقشہ کہ ”اگر نسائی میں سجدے والی رفع یدین کا حکم نہیں تو رکوع والی کا حکم بھی تو نہیں“ تو گزارش یہ ہے کہ میں نے آپ کی طرح یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ بعض روایات میں آنحضرت ﷺ کا یہ حکم موجود ہے کہ رکوع میں جاتے یا اٹھتے وقت رفع یدین کرو۔ میں نے تو یہ دعویٰ کیا ہی نہیں۔ میرے علم کی حد تک تو احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے حکم موجود نہیں۔ اگرچہ آپ کا فعل بھی ہمارے لیے دین ہے مگر ہمیں یہ اجازت نہیں کہ حدیث کے الفاظ بدل کر آپ ﷺ کے فعل کو آپ کا حکم بنادیں۔

رہا آپ کی تحریر کا سیاق و سباق وغیرہ تو وہ خود غلطیوں پر مشتمل ہے جن کی نشاندہی میں نے اپنے رسالہ کے ص ۳۷ پر کر دی تھی۔ بعض غلطیوں کو دوسری غلطیوں کے جواز کی دلیل بنانا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں رفع یدین چھوڑنے کے لیے بہت سی احادیث ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد مرفوع روایت صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذکر کی تھی اس پر میں نے لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ہے: ”رفع یدین چھوڑنے کی بہت سی روایات ہیں“۔ لیکن رفع یدین کرنے کی روایات جو تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں ان کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ یہی فرقہ پرستی کا تلخ ثمر ہے کہ آپ

نے زیر تبصرہ ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ میں رفع یدین کے ثبوت کی بہت سی احادیث پڑھنے کے باوجود ان کا ذکر ہی گول کر دیا ہے حَفِظْتَ شَيْئًا وَ غَابَتْ عَنْكَ أَشْيَاءُ۔ آپ واضح طور پر فرمائیں کہ وہ احادیث ثابت ہی نہیں یا آپ کے نزدیک عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے منسوخ ہیں۔ پھر مزید اس موضوع پر بات ہوگی۔“

(ایک دین اور چار مذہب ص ۳۷)

قاضی صاحب نے اس کے متعلق مکمل خاموشی اختیار کی ہے۔ کچھ تو کہنا چاہیے تھا کہ رفع یدین کرنے کی بیسیوں احادیث آپ کے نزدیک ثابت ہی نہیں یا منسوخ ہیں؟ یا آپ نے ویسے ہی انہیں نہ ماننے کا تہیہ کر رکھا ہے؟

قاضی صاحب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا جو مطلب بیان کیا تھا میں نے اس میں تین اغلاط کی نشاندہی کی تھی دیکھئے ”ایک دین ص ۳۷“ قاضی صاحب نے صرف ایک غلطی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے دو پر سکوت فرمایا ہے گویا انہیں تسلیم ہے کہ واقعی وہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ جس غلطی کو انہوں نے درست بنانے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول ”إِلَّا أُصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کا مطلب انہوں نے بیان کیا تھا۔ ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں یہ بات کہی الخ“ میں نے اس پر لکھا کہ ”صحابہ کا مجمع آپ نے کس لفظ سے نکالا ہے؟ میرے سوال کی بنیاد اس بات پر تھی کہ مزعومہ روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں اس میں ان کے مخاطب ہمیں معلوم نہیں صرف تابعین تھے یا صرف صحابہ یا دونوں ملے جلے۔ کیونکہ اس وقت ان کے مخاطب تینوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ کہ ان کے مخاطب صحابہ ہی تھے اس روایت کے کسی لفظ سے ظاہر نہیں ہوتا جب کہ قاضی صاحب مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں یہ بات کہی“ اپنی اس غلطی کو درست کرنے کے لیے قاضی صاحب نے میرے ذمے وہ

لفظ لگا دیئے جو میں نے لکھے ہی نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کا خطاب الا اصلی بکم

میں صحابہ سے نہیں تابعین سے فرمایا۔“ (اظہار المرام ص ۱۳-۱۴)

پھر میری اس بات کا جواب دیا ہے جو میں نے لکھی ہی نہیں۔ قاضی صاحب کسی کے ذمے وہ لفظ لگانا جو اس نے لکھے ہی نہیں؛ دیانت کی کون سی قسم ہے؟ فرمائیے یہ الفاظ جو آپ نے مجھ سے منسوب کیے ہیں میرے رسالہ ”ایک دین اور چار مذہب“ میں کس صفحہ پر لکھے ہوئے ہیں؟

اس کے بعد میں نے تحفۃ الاحوذی میں سے تلخیص الحجیر کے حوالے سے حافظ ابن قیم کی تہذیب السنن سے اور مرعاة المفاہیج سے بارہ ائمہ نقل کیے تھے جنہوں نے عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔ قاضی صاحب نے ان میں سے بعض ائمہ کے ضعیف کہنے کی تاویل یا تردید کی کوشش کی ہے۔
عبد اللہ بن مبارک:

چونکہ عبد اللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اس لیے ان کا اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا ایک خاص مقام رکھتا ہے اس لیے قاضی صاحب نے یہ بات بنائی ہے کہ ”در حقیقت ترک رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں منقول ہیں۔ ایک کے الفاظ یہ ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کذا) لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ۔ تعلیقات آثار السنن ص ۱۰۴ اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں: إِلَّا أَصْلَبِي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (کذا) فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ۔ عبد اللہ بن مبارک جو فرماتے ہیں ولم یثبت حدیث ابن مسعود۔ یہ پہلی روایت کے بارے میں ہے نہ کہ دوسری روایت کے متعلق الخ۔“ (اظہار المرام ص ۱۰)

قاضی صاحب کی یہ بات درست نہیں اس لیے کہ عبد اللہ بن مبارک نے

فرمایا ہے۔ قَدْ ثَبَّتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ وَ ذَكَرَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَسْرَةٍ۔ یعنی جو لوگ رفع یدین کرتے ہیں ان کی حدیث ثابت ہے اور عبد اللہ بن مبارک نے زہری کی حدیث ذکر فرمائی جو انہوں نے سالم سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور ابن مسعود کی حدیث ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے رفع یدین نہیں کی مگر پہلی مرتبہ۔

تو یہاں انہوں نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث کے مقابلے میں ابن مسعود کی عدم رفع کی روایت کو مطلقاً غیر ثابت قرار دیا ہے ورنہ وہ فرماتے کہ عبد اللہ بن مسعود کی فلاں الفاظ والی حدیث تو ثابت ہے اور فلاں الفاظ والی ثابت نہیں۔

عبد اللہ بن مبارک کے عاصم بن کلیب والی روایت کو غیر ثابت کہنے کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ طریق ان کے علم میں ہے اور انہوں نے خود اسے روایت کیا ہے جیسا کہ نسائی میں ہے اور اسی پر ان کا حکم ہے دوسرے طریق کے متعلق ان کا یہ حکم تب ہو سکتا ہے جب وہ ان کے علم میں ہو اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ طریق ان کے علم میں ہے، رہے وہ الفاظ جو عبد اللہ بن مبارک نے غیر ثابت قرار دیتے ہوئے بولے ہیں وہ بالمتعی استعمال کیے گئے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حنفی علماء نے اس قول کو عاصم بن کلیب والے طریق کے متعلق مان کر اس کا باب دیا ہے دیکھئے الجوہر النقی میں علاؤ الدین ماروینی حنفی کا کلام اور نصب الراية میں حافظ زلیعی کا کلام جو انہوں نے اس حدیث پر ذکر فرمایا ہے۔

ابوداؤد:

قاضی صاحب نے لکھا ہے:

”مولانا عبد السلام صاحب فرماتے ہیں کہ ”ابن مسعود کی روایت ابوداؤد

کے نزدیک صحیح نہیں۔ یہ ابوداؤد پر بہتان ہے۔ ابوداؤد نے ابن مسعود کی روایت کے بارے کچھ نہیں فرمایا بلکہ براء بن عازبؓ کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ صحیح نہیں۔ (اظہار ص ۱۱)

اس کے بعد قاضی صاحب نے ابوداؤد کے ایک نسخہ سے عبد اللہ بن مسعود کی روایت دو سندوں کے ساتھ سفیان سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اب آپ بتائیے ابوداؤد نے ان دو روایتوں کو کب غیر صحیح کہا ہے؟

قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب حدیث کے کسی معتبر نسخے میں کوئی لفظ مذکور ہو تو وہ اس کتاب میں موجود مانے جاتے ہیں اگر دوسرے نسخے میں وہ لفظ مذکور نہ بھی ہوں تو اس سے ان الفاظ کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ ہندو پاک میں طبع کردہ عام نسخوں میں یہ الفاظ موجود نہیں۔ مگر ابوداؤد کے بہت سے نسخوں میں موجود ہے۔

① علامہ ابن عبد البر اپنی کتاب ”التمہید“ شرح موطا میں عبد اللہ بن مسعود کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

فَإِنَّ أَبَا دَاوُدَ قَالَ هَذَا حَدِيثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيثِ طَوِيلٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى.

”یعنی ابوداؤد نے کہا ہے یہ حدیث ایک لمبی حدیث سے مختصر ہے اور اس معنی پر صحیح نہیں۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن عبد البر کے پاس موجود ابوداؤد کے نسخہ میں یہ الفاظ مذکور تھے۔

② حافظ ابن حجر نے ”التلخیص“ میں ابوداؤد کا یہ قول ذکر کیا ہے جس سے ثابت

۱۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

ہوتا ہے کہ ان کے نسخہ میں بھی یہ الفاظ موجود تھے۔

③ علامہ شوکانی نے فرمایا ہے:

وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ بَأَنَّهُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ. (بیل الاوطار ص ۹۴ مجلد اول ج ۲)
”یعنی ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔“

معلوم ہوا کہ شوکانی کے نسخہ میں یہ الفاظ موجود تھے۔

④ مشکوٰۃ ص ۶۹ میں ہے:

وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى.
”یعنی ابوداؤد نے فرمایا یہ حدیث اس معنی پر صحیح نہیں۔“

معلوم ہوا خطیب تبریزی کے نسخہ ابوداؤد میں یہ الفاظ موجود تھے۔

⑤ ملا علی قاری حنفی نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں صاحب مشکوٰۃ پر تعاقب کرتے

ہوئے فرمایا ہے کہ علامہ میرک حنفی نے کہا ہے کہ ابوداؤد میں صرف یہ لفظ ہیں
”لَيْسَ بِصَحِيحٍ“ یعنی یہ صحیح نہیں۔ ثابت ہوا کہ علامہ میرک حنفی کے پاس
ابوداؤد کا جو نسخہ تھا اس میں بھی یہ لفظ موجود تھے کہ ”یہ صحیح نہیں“ ورنہ وہ فرماتے
کہ ابوداؤد میں یہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں۔

ان حوالہ جات سے عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کے متعلق ابوداؤد کا یہ فیصلہ
ان کی کتاب کے کئی صحیح نسخوں میں موجود ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا
کہ ابن عبد البر، حافظ ابن حجر، شوکانی، صاحب مشکوٰۃ اور میرک حنفی سب خائن تھے۔ اور
اگر یہ الفاظ ابوداؤد پر بہتان ہیں تو مندرجہ بالا بزرگوں نے جن میں حنفی بزرگ بھی ہیں
یہ بہتان ابوداؤد پر لگایا ہے۔

تقلید کیا ہے؟

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”آپ نے تحفۃ الاحوذی کی تقلید کر کے فرمایا کہ ابوداؤد نے ابن مسعود کی

روایت کو غیر صحیح کہا ہے اور اتنی توفیق آپ کو نہیں ہوئی کہ خود ابوداؤد اٹھا کر دیکھتے۔ معلوم ہوا کہ آپ اپنے لیے تقلید بھی جائز کر دیتے ہیں۔“

(اظہار ص ۱۲)

ابوداؤد کا ابن مسعود کی روایت کو غیر صحیح کہنا مدلل طور پر اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں صرف یہ بات قابلِ غور ہے کہ میں نے تحفۃ الاحوذی سے تلخیص میں موجود حافظ ابن حجر کا کلام نقل کیا ہے اور باقاعدہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ قاضی صاحب نے اسے تقلید قرار دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو تقلید کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی کتاب سے کوئی عبارت نقل کرنا اور ساتھ اس کا حوالہ دے دینا تقلید ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ دنیا کا کوئی مجتہد بھی ایسا نہیں جس نے کسی دوسرے سے نقل نہ کیا ہو اس طرح تو امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل، امام محمد، ابو یوسف بلکہ امام ابو حنیفہ بھی مجتہد نہیں بلکہ مقلد ٹھہریں گے کیونکہ نقل تو ان سب نے بھی دوسروں سے کیا ہے۔ کیا آپ کو امام ابو حنیفہ کا مقلد ہونا تسلیم ہے؟

علاوہ ازیں حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحب بہت سی باتیں آثار السنن سے نقل کرنے کی وجہ سے آثار السنن کے مصنف کے مقلد ٹھہریں گے حالانکہ ان کو فخر امام ابو حنیفہ کی تقلید پر ہے اور انہی کا مقلد وہ کہلاتے ہیں نیوی صاحب کا مقلد کہلانا وہ بھی یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے۔ تو جو متاع کا سد اپنے لیے پسند نہیں فرماتے وہ دوسرے کو کیوں پیش فرماتے ہیں؟

اصل یہ ہے کہ کسی سے نقل کرنا تقلید نہیں۔ تقلید نام ہے کسی کی اس بات کو تسلیم کرنے کا جو کتاب و سنت کے منافی ہو جیسا کہ مولانا محمود الحسن نے ایک بات کو حق و انصاف قرار دے کر اس کے منافی کو ماننا تقلید کی وجہ سے واجب قرار دیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری بے شمار خطاؤں کے باوجود ہمیں اس منحوس چیز سے محفوظ رکھا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہ۔

ابوداؤد سمجھنے کی اہلیت:

اب آپ قاضی صاحب کی ابوداؤد کو سمجھنے کی اہلیت ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں:

”علاوہ ازیں براء بن عازبؓ کی روایت کو ضعیف کہنا بھی غلط ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے یہ حدیث تین طریقوں سے روایت کی ہے۔ شروع کے دو طریقوں میں حدیث کا مدار یزید بن ابی زیاد ہیں اور ایک طریق میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں۔ ابوداؤد نے پہلے دو طریقوں کو ضعیف قرار نہیں دیا بلکہ اس آخری طریق کو ضعیف کہا ہے جو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے۔“ (اظہار المرام ص ۱۲)

قاضی صاحب نے جو کہا ہے کہ ”شروع کے دو طریقوں کا مدار یزید بن ابی زیاد ہیں اور ایک طریق میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں“ اور یہ کہ ”ابوداؤد نے پہلے دو طریقوں کو ضعیف نہیں کہا بلکہ اس آخری طریق کو ضعیف کہا ہے جو عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے“ تو قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تین طریق جن میں سے آخری طریق کا عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہونا آپ بیان فرما رہے ہیں۔ تینوں ہی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہیں۔ باور نہ ہو تو دوبارہ ابوداؤد نکال کر دیکھ لیجئے۔ ہم نیاز مند عالم بالا کی سخن فہمی پر تعجب کے اظہار کے علاوہ کیا عرض کر سکتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور عرض کریں گے کہ ہر ابن ابی لیلیٰ، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نہیں ہوتا ہے۔

وَمَا كُلُّ مَخْضُوبٍ الْبَنَانِ بَشِيئَةً

وَلَا كُلُّ مَضْفُوقٍ الْحَدِيدُ يَمَانِي

اگر مان بھی لیں کہ ابوداؤد نے یزید والے طریق کو ضعیف نہیں کہا تو یزید بن

۱۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

ابی زید کی اس میں موجودگی کے بعد ضعیف کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس سے پہلے آپ نے براء کی روایت بیان ہی نہیں کی تھی نہ میں نے کسی سے اس کا ضعیف ہونا نقل کیا نہ یہ روایت کچھ وزن رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے ممدوح صاحب آثار السنن نے براء سے منسوب اس روایت کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اسے ترک رفع کی دلیل کے طور پر نقل کریں۔ اور آپ ہیں کہ اس بالکل ہی غیر ثابت روایت کا بھی دفاع فرما رہے ہیں۔ (تجاوز الله عن ذنبك الحلی والحنفی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بخاری کی بیان کردہ علت:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”امام بخاری نے معلولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس روایت میں ”ثُمَّ لَمْ يَعُدْ“ کی زیادتی عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے صرف سفیان ثوری نقل کرتے ہیں اور عاصم بن کلیب کے ایک دوسرے شاگرد عبد اللہ بن ادریس کی کتاب میں یہ زیادتی موجود نہیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کے لیے مضر نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادتی ثابت ہے اس لیے کہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان عبد اللہ بن ادریس کے مقابلے میں احفظ ہیں الخ“۔ (اظہار المرام ص ۱۳)

اس کلام میں چند باتیں قابل غور ہیں:

① اس روایت میں یہی علت بخاری کے علاوہ ابو حاتم اور احمد بن حنبل وغیرہ نے بیان کی ہے مگر قاضی صاحب نے ان حضرات کی طرف یہ منسوب کر دیا ہے کہ وہ اس حدیث کی علت عاصم بن کلیب کا تفرد بتاتے ہیں حالانکہ عاصم بن کلیب کے تفرد کی علت بیان کرنے والے محدثین اور ہیں۔

② قاضی صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ”ثُمَّ لَمْ يَعُدْ“ کی زیادتی ثابت نہ ہو تب بھی حنفیہ کے لیے مضر نہیں“ یہ درست نہیں کیونکہ مطلب یہ نہیں کہ صرف لفظ ثُمَّ لَا

يَعُوْذُ ثابت نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ الفاظ جو سفیان سے مختلف راویوں نے بیان کیے ہیں اور عبد اللہ بن ادریس کی روایت میں موجود نہیں سب غیر ثابت ہیں۔ کیونکہ مقابلہ سفیان اور عبد اللہ بن ادریس کی روایتوں کا ہے اور سفیان کے بیان کردہ الفاظ خواہ تُمْ لَا يَعُوْذُ ہوں یا اس کے ہم معنی الفاظ عبد اللہ بن ادریس کی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ تو حنفیہ کا مدار جن الفاظ پر ہے ان میں سے کوئی بھی ثابت نہ ہو تو حنفیہ کے لیے کیوں مضر نہیں؟ شاید اس لیے مضر نہ ہوں کہ حنفیہ کو اس سے غرض ہی نہیں کہ کوئی لفظ حدیث میں ثابت ہے یا غیر ثابت ان کے لیے حجت ان کے خود ساختہ پیشواؤں کی بات ہوتی ہے نہ کہ حدیث۔

③ امام بخاری کے اعتراض کا جواب جو قاضی صاحب نے دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بخاری کی بات کو نہیں سمجھے۔ بخاری نے سفیان اور عبد اللہ بن ادریس کے حافظے کا مقابلہ کیا ہی نہیں کہ عبد اللہ بن ادریس کو احفظ قرار دے کر سفیان کی زیادتی کو معلول قرار دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قاضی صاحب کا یہ کہنا درست تھا کہ ”یہ زیادتی ثابت ہے اس لیے کہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان عبد اللہ بن ادریس کے مقابلے میں احفظ ہیں الخ“ بخاری نے تو مقابلہ کیا ہے سفیان کے حافظہ کا اور عبد اللہ بن ادریس کی تحریر کردہ کتاب کا۔ اور کتاب کا احفظ ہونا اظہر من الشمس اور قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے وَلَا تَسْمَعُوا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَفْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَذْنٰى اَلَّا تَرْتَابُوْا تو لکھی ہوئی بات کا حافظہ کی بہ نسبت شہادت میں زیادہ مضبوط ہونا اور شک سے بعید ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور اسی بنا پر امام بخاری اور دوسرے محدثین نے سفیان کی زیادتی کو غلط قرار دیا ہے۔ محترم قاضی صاحب کو تعجب ہوا ہے کہ وہی سفیان جسے آمین کی روایت میں شعبہ کے مقابلے میں احفظ قرار دیا گیا تھا یہاں لا یعود کے الفاظ اس

کی بھول قرار دیئے جاتے ہیں۔ اس تعجب کی وجہ یہ نہیں کہ یہ بات فی الواقع قابل تعجب ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ قاضی صاحب یہ نہیں سمجھے کہ یہاں مقابلہ ہے سفیان کے حافظے اور عبد اللہ بن ادریس کی کتاب کا اور وہاں مقابلہ ہے شعبہ اور سفیان دونوں کے حافظے کا جس میں شعبہ کو خود اقرار ہے کہ سفیان ان سے احفظ ہیں فَيَا لِّلْعُقُولِ الْقَاصِرَةِ وَالْقَرَارِيحِ الْفَاتِرَةِ عَنْ اِدْرَاكِ الْفَرْقِ بَيْنَ مُقَابَلَةِ الْكِتَابِ وَالْحِفْظِ وَبَيْنَ مُقَابَلَةِ الْحِفْظِ وَالْحِفْظِ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں عاصم بن کلیب کا تفرد:

حضرت ابن مسعود سے منسوب روایت کے ضعف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس روایت کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے جو اگرچہ ثقہ راوی ہیں مگر اتنے مضبوط حافظے والے نہیں کہ وہ اکیلے کوئی روایت بیان کریں تو حجت ہوں چنانچہ بخاری کے استاذ علی بن مدینی فرماتے ہیں لَا يُحْتَجُّ بِهِ إِذَا انفردَ (التہذیب ص ۵۶ ج ۵) منقول از جلاء العینین از سید بدیع الدین اور اس روایت میں وہ اکیلے ہیں اس لیے یہ روایت صحیح نہیں یہی بات ابن عبد البر نے التہمید میں تحریر فرمائی ہے۔ ہاں ان کا کوئی اور ثقہ متابع یا ان کی روایت کا کوئی صحیح شاہد مل جائے تو پھر وہ قبول ہوگی۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اس کا جواب یہ ہے کہ عاصم بن کلیب صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لہذا ان کا تفرد مضرت نہیں۔“

قاضی صاحب نے غور نہیں کیا، عاصم بن کلیب پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ ثقہ نہیں یا مسلم کے راوی نہیں اعتراض یہ ہے کہ وہ اس پائے کے حافظ نہیں کہ اکیلے کی روایت حجت ہو۔ رہا مسلم کا راوی ہونا تو وہ درست ہے مگر مسلم میں ان کی کوئی روایت ایسی نہیں جس میں وہ اکیلے ہیں اور ان کی روایت کا کوئی متابع یا شاہد نہ ہو اور پھر بھی مسلم نے ان کی روایت کو حجت مانا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعود کی ترک رفع یدین کی روایت کئی علتوں کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں ترمذی کا اسے حسن کہنا اور ابن حزم کا صحیح کہنا بیان کیا تھا اس کا جواب میری پہلی تحریر میں گزر چکا ہے اب انہوں نے ان بزرگوں کے علاوہ ابن عبد البر اور ابن حجر وغیرہ کو بھی اسے صحیح یا حسن کہنے والوں میں شمار کیا ہے مگر بلا حوالہ۔ مجھے ان کے حوالہ کا انتظار رہے گا کہ انہوں نے یہ کہاں فرمایا ہے؟

کیا کسی صحابی کا قول دین میں حجت ہے؟

قاضی صاحب نے ترک رفع کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کیا تھا۔ میں نے اس پر لکھا تھا:

”آپ لوگوں کے نزدیک دلیلیں چار ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ فرمائیے صحابہ کے یہ افعال اگر ثابت بھی ہوں تو کتاب ہیں یا سنت یا اجماع یا قیاس الخ۔“ (ایک دین اور چار مذہب ص ۴۱)

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”جو اباب عرض ہے کہ صحابی کا قول ہمارے ہاں حجت ہے اگر تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو مع باقی الشُّرُوطِ الْمَذْكُورَةِ فِي كِتَابِ الْأَصُولِ اور دلائل بھی چار کے چار رہتے ہیں اس لیے کہ صحابی کا قول اگر مدرک بالاعتقل ہے تو وہ قیاس ہے اور اگر مدرک بالاعتقل نہ ہو یعنی عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو اور عقل دخل نہ دے سکے جیسے ثواب عقاب کی بات ہوئی تو ایسا قول محمول علی السماع ہے تو پہلی قسم قیاس میں اور دوسری قسم حدیث میں داخل ہے الخ۔“

۱۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابی کا قول سنت یا قیاس میں شامل ہو سکے تو آپ کے نزدیک دلیل ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر صحابی کا قول یا فعل ہونے کی کیا قیمت ہوئی؟ پھر تو اصل حجت سنت اور قیاس ہی ٹھہرے احناف کے ہاں صحابہ کے اقوال کو حجت ماننے کا نقشہ آگے آ رہا ہے۔

صحابہ کی نقل معتبر ہونا:

اس مقام پر قاضی صاحب نے ایک مفروضہ قائم کر کے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے وہ یہ کہ میں (نعوذ باللہ) صحابہ کی نقل کو معتبر نہیں سمجھتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”صحابہ کے اقوال اگر معتبر نہ ہوں تو سارا دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے کیا قرآن کا نقل صحابہ کا عمل نہیں پورے دین کا نقل قرآن مجید کو جمع کرنا صحابہ کا عمل نہیں جب آپ کے ہاں نقل ناقلاً قابل اعتبار نہیں تو منقول بھی معاذ اللہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔“ (اظہار المرام ص ۱۵)

قاضی صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں وہ جواب نہ دے سکتے ہوں دوسرے کے ذمے اپنے پاس سے ایک بات لگا دیتے ہیں پھر زور شور سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ کیا یہ ربانی علماء کا طریقہ ہے؟ (تجاوز اللہ عن ذنبك الحلّی والحفی)

فرمائیے میرے سارے رسالے میں کس مقام پر کہا گیا ہے کہ صحابی کی نقل معتبر نہیں۔ صحابی کی نقل معتبر ہونا اور صحابی کا اپنا قول و فعل شرعی دلیل ہونا کیا ایک بات ہے؟ جو بات صحابی نے نقل کی وہ تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا اللہ کا کلام یا آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل ہے۔ رہا اس کا آگے پہنچانا اور نقل کرنا تو وہ آنحضرت ﷺ کے فرمان بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً کی تعمیل ہے جو صحابہ نے بھی کی اور بعد کے ائمہ نے بھی۔ مگر کسی صحابی یا تابعی یا بعد کے ثقہ راوی کے نقل میں معتبر ہونے کے باوجود اس کا اپنا قول یا فعل ہمارے لیے شریعت نہیں ہے۔ اگر کسی صحابی کے قول و فعل کو حجت اور دلیل شرعی نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس صحابی کی نقل معتبر نہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ

آپ لوگ تمام تابعین، تبع تابعین، امام مالک، شافعی احمد بخاری مسلم ابو داؤد اور دوسرے تمام ائمہ حدیث و فقہ کی نقل معتبر نہیں سمجھتے کیونکہ یقیناً آپ کے نزدیک ان میں سے کسی کا اپنا قول یا فعل شرعی دلیل نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم کسی کی بات کو شریعت مانیں اور اسے صاحب شریعت کا مقام دیں تو ہم نے اس کی نقل کو معتبر جانا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے شدت غیظ و غضب میں ہمیں منکرین حدیث سے ملا دیا ہے فرماتے ہیں:

”میرے عزیز! منکرین حدیث لعنہم اللہ تو یہی وجہ پیش کرتے ہیں کہ حدیث اس لیے حجت نہیں کہ اس کے ناقلین کا اعتبار نہیں۔ آپ کیوں بے ایمانوں کی حوصلہ افزائی فرما کر مواد فراہم کرتے ہیں؟“ (اظہار المراد ص ۱۵)

اس پر میں اس کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں

وہ بات اس کو بہت ناگوار گزری ہے

ہم تو صحابہ کرام کو امت میں سب سے افضل، مغفور لہم اور جنت کے وارث سمجھتے ہیں اور بلا استثناء ہر صحابی کو سچا اور عادل قرار دیتے ہیں۔ کسی صحابی کی بات جو وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرے ہم رد نہیں کرتے بلکہ اسے قبول کرنا فرض سمجھتے ہیں البتہ اس کی اپنی بات یا اپنے فعل کو ہم شریعت نہیں سمجھتے کیونکہ لَا حُجَّةَ فِي قَوْلِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلَا فِعْلِهِ دُونَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
صحابہ کی نقل کو غیر معتبر سمجھنے والے کون ہیں؟

آئیے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ صحابہ کی نقل کو غیر معتبر سمجھنے والے کون لوگ ہیں۔ یہ لوگ حضرات احناف ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ایک قسم وہ احادیث جو ان صحابہ نے روایت کی ہیں جو بقول

احناف فقہ اور مجتہد تھے ان کی روایت کردہ حدیث کو انہوں نے حجت قرار دیا کہ اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا چنانچہ حنفی اصول فقہ کی مسلم کتاب ”نور الانوار“ میں ہے:

وَالرَّأْيُ إِنْ عُرِفَ بِالْفِقْهِ وَالتَّقْدَمُ فِي الْاجْتِهَادِ كَالْخُلَفَاءِ
الرَّاشِدِينَ كَانَ حَدِيثُهُ حُجَّةً يُتْرَكُ بِهِ الْقِيَاسُ.

”یعنی اگر راوی فقہ اور اجتہاد کے اندر مہارت سے معروف ہے جیسا کہ خلفائے راشدین ہیں ان کی حدیث حجت ہوگی اس کے ساتھ قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔“

دوسری قسم وہ احادیث جو ان صحابہ نے روایت کی ہیں جو بقول احناف عدالت اور ضبط میں معروف تھے مگر فقہ میں نہیں ان کی حدیث قیاس کے مطابق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا اگر مخالف ہوگی تو ضرورت پڑنے پر اسے ترک کر دیا جائے گا۔ چنانچہ نور الانوار ہی میں ہے:

وَإِنْ عُرِفَ بِالْعَدَالَةِ وَالضَّبْطِ دُونَ الْفِقْهِ كَأَبِي هُرَيْرَةَ وَآنَسٍ إِنْ
وَأَقْبَحَ حَدِيثُهُ الْقِيَاسَ عُجِّلَ بِهِ وَإِنْ خَالَفَهُ لَمْ يُتْرَكْ إِلَّا بِالضَّرُورَةِ
وَهِيَ أَنَّهُ لَوْ عُجِّلَ بِالْحَدِيثِ لَأَنَسَدَ بَابَ الرَّأْيِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ.

”اور اگر وہ عدالت اور ضبط میں معروف ہے فقہ میں نہیں جیسے ابو ہریرہ اور انس ہیں تو اگر اس کی حدیث قیاس کے مطابق ہو تو اس پر عمل ہوگا اگر خلاف ہو تو اسے نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کے وقت اور وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر حدیث پر عمل کیا جائے تو رائے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ احناف نے اپنے امام کے قیاس کے خلاف ان صحابہ کی روایت کردہ صحیح احادیث کو بھی جیتہ نہیں مانا ان کا قاعدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

روایت کردہ صحیح حدیث جو قیاس ابی حنیفہ کے خلاف ہو اسے بیان کرنے والے امت محمدیہ ﷺ کے سب سے بڑے محدث حضرت ابو ہریرہ ہوں یا دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے والے حضرت انس ہوں اسے رد کر دیا جائے گا صرف یہی نہیں بلکہ ان جیسا جو بھی صحابی ہو اس کی حدیث سے یہی سلوک کیا جائے گا۔

فرمائیے جو لوگ ان صحابہ کی رسول اللہ ﷺ سے روایت کو اپنے امام کے قیاس کے خلاف حجت نہیں مانتے کیا وہ ان صحابہ کی نقل کو معتبر قرار دے رہے ہیں؟ اور جب ان کی روایت کردہ حدیث رسول اللہ ﷺ حجت نہیں مانی گئی تو ان کا اپنا قول و فعل کیسے حجت مانا گیا؟

حضرت ابو ہریرہؓ اور انسؓ کی احادیث رد کرنے کی اصل وجہ:

قدرتی طور پر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ ان حضرات نے خصوصاً ابو ہریرہؓ، انسؓ اور ان جیسے صحابہ کا نام لے کر یہ قاعدہ کیوں بنایا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اہل الرأی کے راستے میں ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ تقریباً پانچ ہزار احادیث رسول ﷺ اور انسؓ کی بھی بہت سی احادیث تھیں جن میں سے اکثر احادیث کی ان کے امام نے مخالفت کی تھی اب ایک ہی صورت ہو سکتی تھی یا امام کا قول حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترک کیا جائے یا حدیث رسول ﷺ کو کسی بہانے رد کر دیا جائے۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ گو اس مقصد کے لیے انہیں ابو ہریرہؓ اور انسؓ جیسے تسلیم شدہ فقہاء صحابہ کو غیر فقیہ قرار دینا پڑا اور گو احادیث رسول ﷺ کو ایک امتی کے مقابلے میں رد کرنا پڑا مگر امام کی محبت کی مجبوریوں نے سب مشکلیں آسان کر دیں

وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْإِمَامَ۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ صحابہ کی نقل کو غیر معتبر قرار دینے والے ہم ہیں جو ہر صحابی کی روایت کردہ ہر حدیث کو حجتہ مانتے ہیں یا آپ کہ بعض صحابہ کی روایت کردہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو بھی رد کر دیتے ہیں؟

قاضی صاحب کا ایک اور وہم:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اور کیا امام بخاری نے باب رَفَعَ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ میں عبد اللہ بن عمر کے عمل سے استدلال نہیں فرمایا؟ تو امام بخاری کے بارے میں کیا فرمان ہوگا آیا وہ بھی غلطی پر تھے؟ (اظہار المرام ص ۱۵)

قاضی صاحب کو غور سے دیکھ لینا چاہیے تھا کہ اس باب میں امام بخاری جو ابن عمر کا عمل لائے ہیں اس کے آخر میں یہ لفظ موجود ہیں یا نہیں وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ابن عمر نے یہ فعل نبی ﷺ سے بیان فرمایا۔ کیا مرفوع الی النبی ﷺ سے استدلال ابن عمر کے عمل سے استدلال ہے۔ اور کیا کتاب کے بعض حصے کو چھپا جانا علمائے ربانین کو زیب دیتا ہے؟

(تجاوز الله عن ذنبك الجلی والخفی)

آمین بالجہر:

آمین بالجہر کے متعلق جو کچھ قاضی صاحب نے اظہار المرام میں لکھا ہے اس کا موازنہ ”ایک دین اور چار مذہب“ میں مذکور بحث کے ساتھ کر لیا جائے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں صرف تین باتوں کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

① قاضی صاحب نے ولا الضالین کے بعد آپ ﷺ کے سکتہ فرمانے کی حدیث نقل کی تھی میں نے اس پر لکھا تھا:

”ابوداؤد کی روایت جو آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح نہیں کیا آپ اسے صحیح سمجھتے ہیں؟ اور اگر صحیح سمجھتے ہیں تو کیا پوری حدیث پر آپ کا عمل ہے؟ سوچ سمجھ کر لکھیں۔“ (ایک دین ص ۴۵)

اس پر قاضی صاحب نے حدیث کے صحیح ہونے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے سرہ سے حسن کا سماع ثابت ہے۔ اگر ہم سرہ سے حسن کا یہ حدیث سننا مان بھی لیں تو

روایت میں کہیں دو سکتوں کا ذکر ہے کہیں تین کا اور جن روایات میں دو کا ذکر ہے ان کے مقامات مختلف بیان ہوئے ہیں۔ آخر اس اضطراب کا حل کیا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ تینوں سکتے ثابت ہیں تو پھر کیا احناف تین سکتے کرتے ہیں۔ یہی بات ہے جو میں نے پوچھی تھی مگر قاضی صاحب نے اس پر خاموشی میں ہی عافیت سمجھی ہے کیونکہ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ جب وہ اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہوئے تین سکتے کیوں نہیں کرتے۔

اگر یہ روایت ثابت ہو جیسا کہ کئی المحدث بھی کہتے ہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ غیر الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے بعد بلند آواز سے آمین کہہ کر سکوت اختیار فرماتے اور پھر آگے قراءۃ شروع کرتے اس کی دلیل وہ صحیح روایات ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی کیونکہ کسی ایک حدیث کا مفہوم دوسری صحیح احادیث کو ساتھ ملا کر ہی سمجھا جائے گا۔

ترمذی اور مستدرک کا غلط حوالہ:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر پر میں لکھا تھا:

”ترمذی طرابلسی اور حاکم مستدرک نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے ”و اخفی بہا صوتہ“ یعنی آمین کو زور سے نہیں پڑھتے تھے۔“

میں نے اس پر لکھا تھا کہ:

”طرابلسی اور مستدرک حاکم تو میرے پاس اس وقت موجود نہیں ترمذی موجود

ہے مگر آپ نے جو الفاظ ترمذی کی طرف منسوب کیے ہیں ”و اخفی بہا

صوتہ“ ترمذی میں نہیں ہیں اللہ سے ڈریں غلط حوالہ نہ دیا کریں۔ اللہ بہتر

جانتا ہے طرابلسی اور مستدرک میں بھی ہیں یا نہیں آپ کا نقل میں ثقہ نہ ہوتا تو

اس حوالہ سے اور سجد تین میں رفع یدین کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے یاد

رہے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ اور اخفی بہا صوتہ کا مفہوم بالکل جدا جدا ہے

خفص صوت اور چیز ہے اور اخفاء صوت دوسری چیز۔ ایک میں آواز ہوتی ہے دوسری میں نہیں۔“ (ایک دین چار مذہب ص ۴۵)

چاہیے تو یہ تھا کہ قاضی صاحب ترمذی طیلانی اور مستدرک کے وہ صفحے لکھتے جہاں ”واخفی بھا صوتہ“ لکھا ہے مگر انہوں نے پھر اپنے اصل ماخذ تعلیق آثار السنن کی طرف ہی رجوع کیا ہے اور صاف طور پر مانا ہے کہ واقعی ترمذی میں یہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ حاکم میں بھی نہیں دونوں میں خفص بھا صوتہ کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے

(اظہار المرام ص ۱۸)

قاضی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ غلطی آثار السنن پر اعتماد کی وجہ سے لگی ہے جس میں اخفاء صوت اور خفص صوت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بہر حال اللہ کے فضل سے میں نے جو نشاندہی کی تھی کہ ”اخفی بھا صوتہ“ ترمذی میں موجود نہیں اور حوالہ غلط دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب اس کی تردید نہیں کر سکے بلکہ ان کی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ ترمذی کے علاوہ مستدرک کا حوالہ بھی غلط تھا۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے جو کچھ شعبہ کے الفاظ خفص بھا صوتہ کے متعلق لکھا ہے بے محل ہے کیونکہ اہل حدیث اس سے استدلال نہیں کرتے بلکہ وہ ”مَدَّ بَهَا صَوْتُهُ“ اور ”رَفَعَ بِهَا صَوْتُهُ“ سے استدلال کرتے ہیں جو دونوں سنداً ثابت ہیں اور ایک دوسرے کی تفسیر ہیں چنانچہ ابوداؤد نے باب التامین وراء الامام میں پہلی حدیث صحیح سند کے ساتھ وائل بن حجر سے نقل فرمائی ہے جس میں قال آمین و رفع بھا صوتہ کے الفاظ ہیں یعنی آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ قاضی صاحب کو شاید یہ روایت معلوم نہیں ہو سکی کہ انہوں نے لکھ دیا ہے کہ ”جس روایت میں جہو بالتامین آیا ہے تو اس کا راوی علاؤ ابن حسن ہے جو ضعیف ہے۔“ (اظہار ص ۱۹)

۱۔ ۲۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

بات یہ ہے کہ قاضی صاحب اصل کتابیں دیکھتے ہی نہیں عموماً آثار السنن اور اس کی تعلیق سے نقل کرتے ہیں اور اس کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے ورنہ یہ کبھی نہ کہتے کہ جس روایت میں جہر بالتامین (کذا) آیا ہے تو اس کا راوی علاؤ بن حسن (کذا) ہے جو ضعیف ہے۔ کیونکہ دفع بها صوتہ کی ہر روایت کا راوی علاؤ بن حسن نہیں خود صاحب آثار السنن نے دفع بها صوتہ کے الفاظ کی دو روایتیں نقل کی ہیں ایک حضرت وائل کی اور ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔ اگر غور سے آثار السنن کو ہی پڑھ لیا جاتا تو یہ غلطی نہ ہوتی فیاقلة التدبیر والتفکر۔

اور یرتج کے الفاظ پر مسئلہ کے اثبات کا مدار نہیں کہ اس کی تضعیف سے ثابت شدہ الفاظ بھی غیر ثابت ہو جائیں گے۔

ابن قیم کا حوالہ:

قاضی صاحب نے لکھا تھا: حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں تصریح فرمائی ہے کہ آمین پوشیدہ ہے البتہ تعلیم کے لیے جہر جائز ہے، میں نے اس پر عرض کیا تھا: ”ابن قیم سے جو بات آپ نے نقل کی ہے اسے دکھانا آپ کی ذمہ داری ہے فرمائیے کون سے باب یا صفحے میں انہوں نے یہ فرمایا ہے الخ۔“ دیکھئے۔

(ایک دین اور چار مذہب ص ۴۶)

اس مقام پر میں نے صرف حوالہ طلب کیا تھا جو سائل ہونے کی حیثیت سے میرا حق تھا قاضی صاحب ہا قلم اس جگہ بے قابو ہو گیا ہے لکھتے ہیں:

”احقر نے آمین بالجہر کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کا حوالہ دے کر لکھا تھا کہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ جہر تعلیم کے لیے تھا اس پر مولانا نے فٹ انکار کر دیا اور فرمایا کہ زاد المعاد کا متعلقہ مقام کھول کر دیکھا اس میں کچھ اور لکھا تھا اصل میں مولانا عبد السلام کو کتاب شائع کرنے کا بہت شوق تھا اس لیے مطالعے کی زحمت گوارہ کیے بغیر انکار پر انکار کرتا

گیا اور لکھتا گیا۔ (اظہار المرام ص ۱۶)

قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ آیا میں نے اس حوالہ سے انکار کیا ہے؟ میں نے تو صرف پوچھا ہے کہ آپ بتائیں یہ حوالہ کہاں ہے؟ مجھے نہیں ملا بلکہ مجھے ابن قیم کی عبارتیں اس کے خلاف ملی ہیں اور میں نے وہ عبارتیں نقل بھی کر دیں جو اس کے خلاف ہیں۔ کیا حوالہ پوچھنے کا نام انکار ہے؟
وہ حوالے جن کا میں نے انکار کیا تھا:

انکار تو میں نے دو اور حوالوں کا کیا تھا اور ان کی بنا پر ہی قاضی صاحب کو نقل میں غیر ثقہ قرار دیا تھا ایک یہ کہ نسائی میں رفع یدین بین السجدتین کا حکم موجود ہے اور ایک یہ کہ ترمذی میں واخفی بہا صوتہ کے الفاظ موجود ہیں حالانکہ یہ دونوں حوالے غلط تھے اور ان کا غلط ہونا اوپر واضح ہو چکا ہے۔

رہا ابن قیم کی عبارت کا حوالہ جس کے الفاظ انہوں نے اب نقل کیے ہیں تو اگر اس عبارت کا مابعد بھی ساتھ پڑھا جائے تو قاضی صاحب جو مفہوم اس سے نکال رہے ہیں اس میں مناقشہ ہو سکتا ہے مگر میں طوالت سے بچنے کے لیے صرف یہی عرض کرتا ہوں کہ اگر ابن قیم آئین بالجہر کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ آئین پوشیدہ ہے اور جہر تعلیم کے لیے تھا تو۔

① انہوں نے آئین بالجہر کے منکروں کو سنت صحیحہ محکمہ کو رد کرنے والے کیوں قرار دیا ہے؟

② کم از کم تعلیم کے لیے آئین بالجہر تو سنت ہو گیا کیا آپ نے کبھی تعلیم کے لیے بھی اس پر عمل کیا ہے؟

ویسے آنحضرت ﷺ کا ہر عمل ہی تعلیم کے لیے تھا یہ بہانہ بنا کر کہ فلاں عمل تعلیم کے لیے تھا جو عمل دل چاہے چھوڑا جاسکتا ہے۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنے پہلے رکھنے کی روایت کی حقیقت:

قاضی حمید اللہ صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں فرمایا تھا کہ ”سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر نہ لگائیں بلکہ گھٹنے لگائیں“ اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے لکھا تھا: ”امام ابو داؤد نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ گھٹنے پہلے لگاؤ۔“

میں نے اس روایت کی تردید دلیل کے ساتھ کر دی تھی آپ ”ایک دین اور چار مذہب ص ۵۰“ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں میں نے عرض کیا تھا کہ: اس کی سند میں شریک کوئی ہے جن کا حافظہ قاضی بننے کے بعد خراب ہو گیا تھا۔ دیکھئے تقریب۔“

اب قاضی صاحب کا تازہ فرمان پڑھیے لکھتے ہیں:

”بندہ نے لکھا تھا کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں کو پہلے اور ہاتھوں کو بعد میں زمین پر رکھنے چاہیے (کذا) اور دلیل وائل بن حجر کی روایت جس کو ترمذی نے باب وضع الركبتین قبل الیدین ص ۵۶ ج ۱ میں نقل فرمائی ہے حضرت مولانا عبد السلام صاحب اس روایت کی تردید تو نہ کر سکے البتہ اپنی روایت کی توثیق کے لیے پریشان ہو گئے۔“

(اظہار المرام ص ۱۹)

فرمائیے کیا واقعی میں نے اس روایت کی تردید نہیں کی؟ شریک پر جرح جو میں نے نقل کی تھی وہ آپ کی پیش کردہ روایت کی توثیق تھی یا تردید؟ قاضی صاحب نے اظہار المرام کے صفحہ ۱۹ پر تو اس روایت کی تردید کی نفی کی ہے لیکن پھر آگے چل کر ص ۲۲ پر خود ہی فرماتے ہیں: ”اس پر مولانا عبد السلام صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں شریک کوئی ہے اور اس کا حافظہ خراب ہوا تھا۔“

اب کیا سمجھا جائے کہ قاضی صاحب کی یہ بات درست ہے کہ میں اس روایت کی تردید نہیں کر سکا یا یہ درست ہے کہ میں نے اس روایت پر اعتراض کیا ہے

شاید تردید کو اعتراض کا نام دے دیا جائے تو وہ خود بخود ختم ہو جاتی ہے انکار و اقرار کی یہ کیفیت عجیب ہے!

گفتم کہ نئے آئی آرے و نعم گوید
اقرار در انکارے انکار در اقرارے

قاضی صاحب نے اس تردید کا جو جواب دیا ہے ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں:
”جواباً عرض ہے کہ اس روایت کو تردید نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں حسن
غریب اور حاکم فرماتے ہیں صحیح علی شریہ مسلم اور ابن حبان نے ابن حجر سے
نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا صرف دوسرا جملہ ضعیف ہے۔“

(الظہار ص ۲۱)

قاضی شریک پر مفسر جرح کی موجودگی میں کسی کی تحسین یا تصحیح کا اعتبار نہیں کیا
جاسکتا۔ کیونکہ جرح مفسر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً یہ دو بزرگ تو حسن اور صحیح کہنے میں
بہت ہی متساہل واقع ہوئے ہیں چنانچہ محدثین نے فرمایا ہے لَا تَغْتَرَّ بِتَحْسِينِ
التِّرْمِذِيِّ وَتَصْحِيحِ الْحَاكِمِ۔ اس لیے اصل یہی ہے کہ قاضی شریک کا حافظہ
درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اور قاضی صاحب
نے جو لکھا ہے کہ ابن حبان نے ابن حجر سے نقل کیا ہے تو محترم مولانا قاضی حمید اللہ
صاحب الموصوف بالقایہ کو کون سمجھائے کہ ابن حبان ابن حجر سے نقل کر ہی نہیں سکتے
کیونکہ ابن حبان ابن حجر سے سینکڑوں برس پہلے گزرے ہیں۔ شاید عالم مثال کی کسی
ملاقات اور کراماتی اخذ و استفادہ و نقل و روایت کا ذکر قاضی صاحب نے کیا ہو کیونکہ یہ
تاویل وہ ہر الجھن میں امرت دھارے کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اگر ہم مان بھی لیں کہ شریک ضعیف ہے مگر ابوداؤد نے تو یہی روایت دو
اور طریقوں سے بھی نقل فرمائی ہے ایک طریق عبد الجبار کا ہے اور دوسرا

طریق شقیق کا۔ (اظہار ص ۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طریق بھی ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ عبد الجبار نے یہ روایت اپنے والد سے ذکر کی ہے اور انہوں نے اپنے والد سے کچھ سنا ہی نہیں اور شقیق والا طریق مرسل بھی ہے اور اس کا راوی شقیق ابو الیث مجہول بھی ہے جیسا کہ حافظ نے تقریب میں ذہبی نے میزان میں اور طحاوی نے شرح الآثار میں صراحت کی ہے۔ دیکھئے (مرعاة المفاتیح ص ۴۵۶ ج ۲)

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر رکھنے کی روایت:

ترمذی وغیرہ میں محمد بن عبد اللہ بن حسن عن ابی الزناد عن الاعرج کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گھٹنوں سے پہلے زمین پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ چونکہ یہ حدیث احناف کے خلاف ہے اس لیے قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں اس پر ان الفاظ میں تین اعتراض کیے تھے۔ ”حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ ہاتھ پہلے لگاؤ تو امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے اس کی سند متصل نہیں۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ کی حدیث میں قلب ہے۔“

ترمذی کا ضعیف کہنا:

چونکہ ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا اس لیے میں نے اس پر گرفت کی اور لکھا کہ ترمذی نے پوری سند کے ساتھ جو حدیث نقل کی ہے اسے بالکل ضعیف نہیں کہا۔ دیکھئے (ایک دین ص ۴۷)

قاضی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا ہے:

”جواباً گزارش ہے کہ امام ترمذی نے اس کو فقط غریب کہا ہے ص ۵۶ ج

۱۔“ (اظہار المرام ص ۱۹)

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب ضعیف کو اور فقط غریب کو ایک سمجھ بیٹھے ہیں۔

میں گوجرانوالہ کے فن حدیث سے کچھ مناسبت رکھنے والے دیوبندی علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ کو ضعیف اور غریب کے درمیان نسبت ضرور سمجھا دیں۔

بخاری:

قاضی صاحب نے جو نقل کیا تھا کہ ”امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں“۔ اس پر میں نے لکھا تھا:

”اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ امام بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں اس کا حوالہ بھی آپ کے ذمہ ہے کہ امام بخاری کے لفظ باحوالہ نقل فرمائیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان کے الفاظ کا یہی ترجمہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں“۔ (ایک دین ص ۴۸)

قاضی صاحب نے اپنے اصل ماخذ آثار السنن کی تعلیقات سے بخاری کا قول نقل کیا ہے:

قَالَ الْبُخَارِيُّ : مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ لَا يَتَّبِعُ عَلَيْهِ وَقَالَ لَا أَذْرِي أَسْمَعَ مِنْ أَبِي الزِّنَادِ أَمْ لَا.

اور ترجمہ یہ کیا ہے:

”امام بخاری فرماتے ہیں محمد بن عبد اللہ بن الحسن لا يتابع عليه اور فرمایا کہ معلوم نہیں ابو الزناد نے سنایا نہیں“۔ (اظہار المرام ص ۳۰)

معلوم ہوا کہ بخاری نے اس روایت کے متعلق جو کچھ فرمایا دو باتوں پر مشتمل ہے پہلی بات یہ کہ اس روایت میں محمد بن عبد اللہ بن حسن جو نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں ثقہ ہیں اور ظاہر ہے کہ راوی ثقہ ہو تو اس کا متابع نہ بھی موجود ہو تو روایت

۱۔ قاضی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔ صحیح یوں ہے ابو الزناد سے سنایا نہیں۔

ثابت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاری کو معلوم نہیں ہو سکا کہ محمد بن عبد اللہ نے ابو الزناد سے سنایا نہیں۔ کیا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی سند متصل نہیں؟ ہرگز نہیں۔ بخاری نے یہ نہیں فرمایا کہ ”محمد بن عبد اللہ نے ابو الزناد سے نہیں سنا“۔ اگر یہ فرمایا ہوتا تو آپ واقعی ترجمہ کر سکتے تھے کہ اس کی سند متصل نہیں۔ بخاری تو صرف اپنے علم کی نفی کر رہے ہیں اور بخاری کی شرط کہ زمانہ ایک ہونے کے باوجود سماع کا ثبوت ضروری ہے بشمول امام مسلم جمہور محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے ضروری تسلیم نہیں کی اس لیے بخاری کا یہ قول بھی کوئی علت نہیں کیونکہ ابو الزناد ۱۳۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے اور محمد بن عبد اللہ بھی مدینہ کے رہنے والے تھے مدینہ پر ان کا تسلط بھی ہو گیا تھا پھر ۱۴۵ھ میں قتل کر دیئے گئے دونوں ایک طویل مدت تک ایک زمانہ میں زندہ رہے اور محمد بن عبد اللہ مدلس بھی نہیں اس لیے ان کی روایت سماع پر محمول ہوگی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (مرعاۃ ص ۴۵۹ ج ۲)

قلب:

رہا یہ دعویٰ کہ ابو ہریرہ کی حدیث میں قلب ہے تو اس پر میں نے لکھا تھا کہ: ”ابن قیم نے قلب والی جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ اگر آپ صحیح سمجھتے ہوں تو دلائل بیان کریں انشاء اللہ حقیقت واضح کر دی جائے گی۔“ (ایک دین ص ۴۸)

الحمد للہ قاضی صاحب نے دلیل پیش کرنے کی جرات نہیں کی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہے بھی بالکل بے دلیل۔ اگر اس طرح مفروضوں سے قلب بنائے جائیں تو پھر مشکل سے کوئی حدیث قلب کے بغیر رہ سکے گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے کا حکم دیا صحیح بخاری میں اس کے مطابق ابن عمر کا عمل

مذکور ہے کہ وہ مجدد کے لیے جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے تھے اس موقوف روایت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے یہاں فرمایا ہے کہ دیکھئے آپ صحابی کے قول و فعل کے دین میں حجت ہونے سے انکار کے باوجود یہاں صحابی کا فعل حجت مان رہے ہیں۔ محترم! صحابی کا یہ فعل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے اس پر عمل سنت رسول ﷺ پر عمل ہے نہ کہ صحابی کے قول و فعل کو حجت اور شریعت ماننا۔

کتاب ”الاسلام اور مذہبی فرقے“ جس پر قاضی صاحب نے تبصرہ لکھ کر میری طرف بھیجا تھا اس میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے کے لیے ایک مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی لکھی گئی ہے اور ایک صحیح بخاری سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل۔ بعض کتب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت بھی مروی ہے مگر مصنف نے وہ درج ہی نہیں کی تھی۔ قاضی صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے راویوں پر جرح شروع کر دی جو مصنف نے لکھی ہی نہ تھی۔ بلکہ کسی نے جو جرحیں ایک دوسری روایت پر کی تھیں انہوں نے حوالہ دیئے بغیر وہ بخاری کی روایت پر جڑ دیں۔ میں نے اس پر گرفت کی کہ:

”ایک روایت کے راوی بھی معتبر ہیں بخاری میں بھی وہ ہے آپ اس پر جرحیں نقل کرتے ہیں جن کی نوجہ اور علت بیان کی گئی ہے نہ ہی آپ نے حوالہ دیا ہے کہ ان ائمہ نے خاص اس حدیث کو کہاں ضعیف کہا ہے اور کیا وجہ بیان کی اس“۔ (ایک دین ص ۴۹)

الحمد للہ قاضی صاحب اس روایت پر کوئی جرح نہیں کر سکے البتہ اب یہ لکھا ہے کہ ”ابن عمر نے آپ ﷺ سے بھی نقل فرمایا کہ كَانَ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ“۔ اب معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کی جرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت پر تھی جو ذکر ہی نہ کی گئی تھی۔ اور یہ بھی کھلا کہ قاضی صاحب نے وہ جرح تعلیقات آثار

السنن سے نقل کی تھی۔

قاضی صاحب کا مبلغ علم اور سخن فہمی:

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے زیادہ تر آثار السنن اور اس کی تعلیقات سے نقل کیا ہے اور انہیں سمجھنے کا حال بھی یہ ہے کہ اپنی پہلی تحریر میں آثار السنن سے اس کا حوالہ دیئے بغیر نقل کر دیا کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ پہلے زمین پر رکھنے کی حدیث کے متعلق ابو زرہ نے لکھا ہے ”اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے“۔ دیکھئے قاضی صاحب کی پہلی تحریر جو ایک دین اور چار مذہب کے صفحہ ۱۱ پر حرف بحرف درج کی گئی ہے۔

اس پر میں نے عرض کیا:

”ہاں ایک بات کا حوالہ ہم آپ سے ضرور طلب کریں گے جو آپ نے ابو زرہ کے ذمہ لگائی ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب ہے ہمیں تو کوئی ایسی سند نہیں ملی جس میں ابو حاتم ہو بیچارے ابو زرہ پر بھی یہ الزام ہی معلوم ہوتا ہے“۔

(ایک دین اور چار مذہب ص ۴۹)

یہ بات میں نے اس لیے لکھی تھی کہ ابو حاتم بالاتفاق زبردست حافظ اور محدث ہیں ابو زرہ ان کا حافظہ خراب کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں اس روایت میں ابو حاتم ہیں ہی نہیں کہ ان پر جرح کی ضرورت ہو۔

اب قاضی صاحب نے آثار السنن کی تعلیقات سے میزان کی وہ عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب مندرجہ بالا الفاظ میں انہوں نے بیان کیا تھا۔ عبارت یہ ہے: ”وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ لَا يَخْتَجُّ بِهِ وَقَالَ أَبُو زُرْعَةَ سَبَّيْ الْحِفْظُ“ اس عبارت کا ترجمہ پہلی تحریر میں جناب قاضی حمید اللہ صاحب الموصوف بالقابہ نے یہ کیا تھا ”ابو زرہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظہ خراب تھا“۔ یہ ترجمہ بالکل غلط

ہے اب میری گرفت کے بعد اظہار الرام ص ۲۱ میں اس کا ترجمہ کیا ہے: ”ابو حاتم فرماتے ہیں:

”حجت نہیں جب کہ ابو زرہ فرماتے ہیں حافظ خراب ہے۔“

پہلی تحریر میں ابو زرہ، ابو حاتم کا حافظ خراب بتا رہے تھے اور دوسری تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو زرہ اور ابو حاتم دونوں کسی اور پر جرح فرما رہے ہیں۔ عبارت کا مطلب بالکل غلط کرنے کے علاوہ ایک بوالعجبی قاضی صاحب نے یہ فرمائی تھی کہ لکھا تھا ”اور ابن حجر نے میزان میں یہی بات لکھی ہے۔“ اس پر میں نے پوچھا تھا: ”فرمائیے ابن حجر نے بھی میزان نامی کوئی کتاب لکھی ہے؟“

قاضی صاحب اس پر فرماتے ہیں:

”میرے عزیز! مذکورہ بالا حوالہ اگر میزان میں ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس بحث میں پڑنے سے کیا سروکار کہ میزان ذہبی کی کتاب ہے یا ابن حجر کی حوالے کا انکار فرمائیں تو بتانا میرا فرض ہے۔“ (اظہار ص ۲۱)

محترم! میزان اگر ذہبی کی بجائے ابن حجر کی تصنیف بنانے پر ہمیں بولنے کی اجازت نہیں تو چلو نہ سہی مگر آپ کا فرمانا کہ مذکورہ بالا حوالہ میزان میں یقیناً ہے بالکل غلط ہے۔ میزان میں وہ الفاظ موجود نہیں جو آپ کی پہلی تحریر میں تھے اور جن کا میں نے آپ سے حوالہ طلب کیا تھا۔ وہ لفظ یہ تھے: ”ابو زرہ نے لکھا ہے اس کی سند میں ابو حاتم ہے اور اس کا حافظ خراب تھا۔“ یہ الفاظ ہرگز میزان میں نہیں ہیں۔ یہ میزان پر بھی بہتان ہے اور ابو زرہ پر بھی اور جو حوالہ آپ نے میزان سے اب نقل کیا ہے اس میں وہ بات ہے ہی نہیں جس کا حوالہ میں نے آپ سے طلب کیا تھا اور جسے بتانا آپ کا فرض تھا۔

مجھے قاضی صاحب کے حوصلہ و جرأت پر تعجب ہوتا ہے کہ اتنی فاش غلطیوں کے باوجود بولتے چلے جاتے ہیں حالانکہ ایک ناصح مشفق نے ان جیسے حضرات کو

نہایت کی ہے۔

مَنْ كَانَ هَذَا الْقَدْرُ مَبْلَغَ عِلْمِهِ
فَلَيْسَتْ رُبَّ الصَّمْتِ وَالْكَتْمَانِ

احادیث میں تعارض:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں احادیث کو ناقابل عمل ٹھہرانے کے لیے لکھا تھا: ”آخر میں آپ سے سوال ہے کہ آپ سب احادیث پر عمل کرتے ہیں یا بعض پر؟ سب پر آپ عمل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث آپس میں متعارض ہیں الخ۔“

میں نے اس پر لکھا تھا:

”یہ سوال ہم نے اس سے پہلے کسی مسلمان سے نہیں سنا۔ ہمیشہ منکرین حدیث یا منکرین اسلام سے سنتے آئے ہیں کیونکہ مسلمان کے عقیدہ کی رو سے احادیث میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ اللہ کے کلام میں تعارض و اختلاف نہیں ہو سکتا اور یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے تعارض کا ہونا باطل ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث بھی چونکہ وحی ہے اس میں تعارض ہو تو نعوذ باللہ وحی الہی میں تعارض لازم آتا ہے آپ نے غور ہی نہیں کیا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں ائمہ محدثین کی کاوشوں کا ادنیٰ سا خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ وہ احادیث پیش کریں جن میں آپ کو تعارض نظر آتا ہے انشاء اللہ آپ کو سمجھا دوں گا کہ تعارض نہیں فہم کا قصور ہے۔“ (ایک دین چار مذہب ص ۵۱)

اللہ کا شکر ہے کہ قاضی صاحب جو پہلے کہہ رہے تھے کہ ”سب احادیث پر عمل آپ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ بعض احادیث متعارض ہیں“ میری گزارشات ملاحظہ

فرمانے کے بعد اب اسی بات پر آ گئے ہیں جو میں نے عرض کی تھی کہ احادیث میں: ”تعارض نہیں، فہم کا قصور ہے۔“ البتہ قاضی صاحب نے لفظ دوسرے استعمال کیے ہیں لکھتے ہیں: ”دو حدیثوں میں ہمارے علم کے اعتبار سے تعارض ہو سکتا ہے۔ نفس الامر میں تعارض نہیں۔“ (اظہار المرام ص ۲۲)

میں نے عرض کیا تھا کہ احادیث میں ”تعارض نہیں فہم کا قصور ہے“ قاضی صاحب نے بھی فرمایا: ”احادیث میں نفس الامر (حقیقت) میں تعارض نہیں ہمارے علم کے لحاظ سے تعارض ہو سکتا ہے۔“ بس صرف لفظ فہم اور علم کا فرق باقی رہ گیا اور وہ کوئی فرق نہیں۔ امید ہے آہستہ آہستہ پورے اتفاق کی منزل بھی آ جائے گی۔

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
باد گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

اس کے بعد بظاہر متعارض احادیث سے تعارض ختم کرنے کا طریق حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور اسی کی طرف میں قاضی صاحب کو توجہ دلانا چاہتا تھا۔

میں نے بظاہر متعارض احادیث کو سمجھانے کی جو پیش کش کی تھی اس پر قاضی صاحب فرماتے ہیں: ”اور جناب نے جو فرمایا ہے کہ لاؤ میں تطبیق کروں گا تو کیا آپ کی تطبیق نص قطعی ہے کہ جو تطبیق آپ فرمائیں گے وہی تطبیق نفس الامری بھی ہوگی یا آپ جس حدیث کو ترجیح دیں گے وہ نفس الامر میں رائج ہوگی۔“ (اظہار المرام ص ۲۲)
اس کے متعلق میں صرف دو باتیں عرض کرتا ہوں:

① میری اور میرے رہنما تمام ائمہ حدیث کی تطبیق یا ترجیح نص قطعی یعنی فرمان الہی کی ہی تعمیل ہے جس کے الفاظ اوپر گزر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ اب ان احادیث کو تعارض پر باقی رکھنا اور احادیث کے متعارض ہونے کا پروپیگنڈہ کر کے یہ باور کروانا کہ

سب احادیث پر ہم عمل کر ہی نہیں سکتے اس نص قطعی کی تردید ہے اس کی بجائے آیات و احادیث میں غور و فکر کے ساتھ اس تعارض کو دور کرنے کی کوشش اس نص قطعی کی تعمیل ہے۔ آگے اس تطبیق یا ترجیح کا نفس الامری یا نص قطعی ہونا ضروری نہیں ہمارا کام کوشش کرنا ہے اگر ہم درست تطبیق یا ترجیح تک پہنچ گئے تو ہمیں دو اجر ملیں گے اور اگر غلطی ہوگئی تو ایک اجر ملے گا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ**۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

② اگر آپ میری یا ائمہ حدیث کی تطبیق و ترجیح کو اس بنا پر توجہ کے قابل نہیں سمجھتے کہ وہ نص قطعی یا نفس الامری نہیں تو فرمائیے امام ابو حنیفہ کے تمام آراء و قیاسات جن کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے آپ احادیث کو متعارض قرار دے کر ناقابل عمل ٹھہرا رہے ہیں ان میں سے ایک بھی نص قطعی یا نفس الامری ہے؟ کیا ان پر وحی الہی کا نزول ہوتا تھا کہ آپ نے ان کے آراء و قیاسات کو جزو ایمان بنایا ہوا ہے۔ تعارض اٹھانے کی کوشش تو اللہ کے کلام کی تعمیل ہے یہ تمام آراء و قیاسات اللہ کے کون سے حکم کی تعمیل ہیں؟ یہاں آپ کو نص قطعی کا مطالبہ کیوں بھول جاتا ہے مثلاً مندرجہ ذیل ارشادات نص قطعی ہیں یا نفس الامری؟

① شرعی محرمات (ماں بہن بیٹی وغیرہ) سے نکاح کر کے جماع کرے تو اس پر حد نہیں (حالانکہ اس جرم کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر یہاں اسے قتل نہیں کیا جائے گا) (ہدایہ ص ۲۱۲ ج ۲ طبع سراج دین)

② کسی عورت کو زنا کے لیے اجرت پر لا کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں۔

(عالمگیری ص ۵۳ ج ۲ طبع احمدی)

③ ہرنشہ آور چیز حرام نہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۸۰ امین کمپنی دہلی)

④ کوئی شخص کسی کو ڈبو کر مار دے تو اس پر قصاص نہیں۔ (ہدایہ کتاب الجنایات)

⑤ کوئی شخص کسی کا سر پتھر سے کچل کر قتل کر ڈالے تو قصاص نہیں۔

(ہدایہ کتاب الجنایات)

⑥ قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لیے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۲۸۷)

⑦ دودھ پلانے کی مدت اڑھائی سال ہے۔ (ہدایہ کتاب الرضاع)

⑧ چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہو چکے پھر مال کا مالک اسے وہ چیز بہہ کر دے یا بیچ دے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ہدایہ ص ۶۵ ج ۲)

نوٹ: چوری کے مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے میری کتاب ”چوری کے متعلق قانون الہی اور قانون حنفی۔“

⑨ ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیئے جانے کے بعد چور چھوٹ کر بھاگ جائے اور اسی وقت نہ پکڑا جائے بلکہ کچھ وقت بعد پکڑا جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(عالمگیری ص ۶۵ ج ۲۔ احمدی)

(اصل عربی عبارات اور ان کا مکمل ترجمہ اختصار کے پیش نظر نہیں لکھا

گیا۔ ضرورت پڑنے پر دونوں لکھ دیئے جائیں گے۔ انشاء اللہ)

تو جب یہ اقوال نہ نص قطعی ہیں نہ نفس الامری بلکہ نصوص قطعیہ کے منافی اور

نفس الامر کے خلاف ہیں اور اس کے باوجود آپ کے اکابر مثلاً مولانا محمود الحسن

وغیرہم صاحب اقوال کی تقلید اپنے لیے واجب قرار دیتے ہیں تو آپ دوسرے لوگوں

سے ان مقامات پر نص قطعی کے لیے کیوں اصرار کرتے ہیں جن پر نص قطعی پیش کرنے

کی تکلیف اللہ تعالیٰ نے دی ہی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جس میں سجدہ کرتے وقت ہاتھ گھٹنوں

سے پہلے رکھنے کا حکم ہے) پر قاضی صاحب نے یہاں پھر وہ دو اعتراض دہرائے ہیں

جن کا جواب پہلے گزر چکا ہے جن میں سے ایک بخاری کا کلام ہے اور ایک ابن قیم کا

کلام۔ ایک اعتراض یہاں نیا کیا ہے کہ ”مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ منسوخ ہے“ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ وائل بن حجر رحمہ اللہ کی طرف منسوب روایت جس میں گھٹنے پہلے رکھنے کا ذکر ہے ثابت ہی نہیں ناسخ کیسے بن گئی؟ اور اگر ثابت بھی ہو تو نسخ کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے فرمائیے وہ ان دونوں روایتوں کے کون سے لفظ سے نکلتی ہے۔

اقوال ابی حنیفہ میں تعارض:

یہ بات واضح کرنے کے بعد کہ احادیث رسول ﷺ میں تعارض نہیں، میں نے لکھا تھا کہ اقوال ابی حنیفہ میں تعارض ہے اگر آپ فرمائیں تو ان کے کلام میں تعارض کا ثبوت پیش کرنا میری ذمہ داری ہے انشاء اللہ۔ (ایک دین ص ۵۲)

الحمد للہ قاضی صاحب نے اس پر سکوت فرمایا کیونکہ امام صاحب کے اقوال کا آپس میں متعارض ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اگر قاضی صاحب انکار کرتے تو میں اس کی مثالیں پیش کرتا۔

محترم قاضی صاحب ایک طرف آیات و احادیث ہیں جن کے متعلق آپ خود مانتے ہیں کہ نفس الامر (حقیقت) میں ان کے اندر تعارض نہیں اور وہ ہیں بھی اللہ کی طرف سے اور ایک طرف اقوال امام ہیں جن کا باہمی تعارض سب دنیا کو معلوم ہے اور وہ اللہ کی طرف سے بھی نہیں۔ تو اگر آپ نے اقوال امام کو آیات و احادیث پر ترجیح دی تو وہ جواب سوچ رکھیں جو قیامت کے دن آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے میرے ساتھ بات کرتے ہوئے ہو سکتا ہے آپ تاویلات کرتے جائیں اور حق کو تسلیم نہ کریں مگر اس دن کو بھی یاد رکھیں جب رسول اللہ ﷺ عدالت الہیہ میں امت کے ترک قرآن و حدیث کا استغاثہ دائر کریں گے۔ کیا وہاں بھی تاویلات کا یہ چکر چل سکے گا؟

واسطہ کی بحث:

قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر جب خالد صاحب کے ہاتھ میری طرف

بھیجی اور میں نے اس کی فروگذاشتوں کی نشاندہی اور غلط حوالوں کی تصحیح کے مطالبہ پر مشتمل تحریر قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجی تو قاضی صاحب نے بجائے اس کے کہ حوالے صحیح کرتے اور فروگذاشتوں کی اصلاح کرتے، چند سطروں پر مشتمل دوسری تحریر بھیجی جس میں دو کام کیے ایک تو یہ مہارت کی کہ سامنے آ جاؤ یا بلاؤ۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ آپ نے پہلے تحریر بھیجی ہے اب اس میں لکھی ہوئی باتوں کا ثبوت بھی تحریری دیجئے یہ تصور ہی دل سے نکال دیجئے کہ میں تحریر کا بہترین طریقہ چھوڑ کر آپ کے لکارنے پر جھگڑنے کے لیے آپ کو بلاؤں گا یا خود آپ کے پاس آؤں گا۔

اور ایک کام انہوں نے یہ کیا کہ بلا ضرورت و بلا مناسبت علوم عقلیہ میں مروج اصطلاحات عام گفتگو میں استعمال فرمائیں جن کا ایک مقصد عقلی علوم میں آنجناب کی مہارت کا رعب ڈالنا تھا اور دوسرا مقصد اصل موضوع بحث یعنی اکابر دیوبند کے مشرکانہ عقائد اور اپنی تحریر میں پیش کردہ حوالوں کے ثبوت سے توجہ ہٹا کر غیر متعلق بحث میں الجھانا تھا۔ اگرچہ قاضی صاحب نے اصطلاحات کا استعمال بلا سلیقہ کرنے کے ساتھ بعض اصطلاحات غلط بھی استعمال کی تھیں تاہم میں نے ان سے صرف نظر کیا۔ تاکہ اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اب ”اظہار المرام“ میں چونکہ قاضی صاحب نے یہ بحث شروع کر ہی دی ہے اس لیے میں ان کی عقلی علوم میں مہارت کو بھی آشکارا کرتا ہوں۔

قاضی صاحب نے اپنی دوسری تحریر میں لکھا تھا: ”میرے اور آپ کے درمیان جو شخص واسطہ بنا تھا اس کا تو واسطہ فی العروض والثبوت بنا درکنار وہ تو واسطہ فی الاثبات بھی نہ بن سکا کیونکہ اس نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا نہیں۔“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قاضی صاحب کا مزمومہ پیغام پہنچا دیتا تو وہ واسطہ فی الاثبات بن جاتا، پیغام نہ پہنچانے کی وجہ سے واسطہ فی الاثبات نہ بن سکا۔ یہاں قاضی صاحب نے واسطہ فی الاثبات کی اصطلاح بالکل غلط استعمال کی ہے کیونکہ واسطہ فی الاثبات

وہی ہے جسے اہل علم حد واسطہ کے نام سے پہچانتے ہیں جو صغریٰ کبریٰ دونوں میں پایا جاتا ہے اور اس کو دونوں قضیوں سے حذف کر دیں تو نتیجہ نکل آتا ہے۔ یہ واسطہ قضایا میں ہوتا ہے۔ مفردات میں ہوتا ہی نہیں۔ اب غور کیجئے کہ پیغام پہنچانے والا قاضی صاحب کے اور میرے درمیان واسطہ فی الاثبات کس طرح بن سکتا ہے؟

علاوہ ازیں آپ کے نزدیک خالد صاحب نے پیغام پہنچانے کی صورت میں واسطہ فی الاثبات بننا تھا۔ میں نے ثابت کر دیا کہ وہ تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا۔ تحریر بھی تو پیغام ہے۔ اب آپ کی رو سے اسے واسطہ فی الاثبات ہونا چاہیے جب کہ میں نے اسے سفیر محض قرار دیا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا۔ ثابت ہوا کہ آپ بھی پیغام پہنچانے والے کا سفیر محض ہونا اور واسطہ فی الاثبات نہ ہونا مان گئے ہیں ورنہ ضرور سفیر محض ہونے کی تردید کرتے۔

میں نے اپنی دوسری تحریر میں لکھا تھا: ”بات تو صرف اتنی ہے کہ آپ نے اپنی مرضی سے ایک تحریر لکھی اور اپنی مرضی سے ہی خالد صاحب کے ہاتھ جواب کے لیے بھیج دی وہ بیچارہ نہ واسطہ فی العروض نہ فی الثبوت نہ فی الاثبات وہ تو تحریر پہنچانے میں سفیر محض تھا۔“

اس پر قاضی صاحب لکھتے ہیں: ”جواباً گزارش ہے کہ واسطہ سفیریہ تو واسطہ فی الثبوت کی ایک قسم کا نام ہے نہ کہ واسطہ فی الثبوت سے خارج ہے اور آپ نے واسطہ سفیریہ کو واسطہ فی الثبوت سے خارج ایک قسم بتایا ہے۔ میرے عزیز یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ واسطہ فی الثبوت کی نفی ہو اور اس کی ایک قسم سفیریہ ثابت بھی ہو۔ کیا عام اور کلی کے انتفاء سے خاص اور جزئی کی انتفاء لازم نہیں؟ الخ۔“

قاضی صاحب کو غور کرنا چاہیے تھا کہ جب میں نے یہ کہا کہ وہ واسطہ فی العروض بھی نہیں، واسطہ فی الثبوت بھی نہیں اور فی الاثبات بھی نہیں اور ساتھ ہی اس کے سفیر محض ہونے کی تعیین کر دی تو یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ میں نے جس

واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے وہ ہے جو سفیر محض کے مقابلے میں ہے نہ وہ جس کی ایک قسم واسطہ سفیر یہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ واسطہ فی الثبوت کا لفظ اس واسطہ پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ایک قسم سفیر یہ ہے اور اس پر بھی بولا جاتا ہے جو سفیر کے مقابلے میں ہے۔ اس کے باوجود قاضی صاحب فرما رہے ہیں کہ میں نے اس واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے جو عام ہے اس سے خاص کی نفی بھی ہو گئی۔ حالانکہ میں نے عام کی نفی کی ہی نہیں صرف خاص کی نفی کی ہے کیونکہ اس کو بھی اصطلاح میں واسطہ فی الثبوت کہتے ہیں اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ میں نے اس کی نفی سفیر محض کے مقابلے میں کی ہے۔

لیکن اگر قاضی صاحب اصرار فرمائیں کہ واسطہ فی الثبوت کا لفظ صرف عام پر ہی بولا جاتا ہے خاص پر نہیں بولا جاتا تو اگرچہ یہ بات غلط ہے تاہم اس صورت میں بھی قاضی صاحب کا اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عام لفظ بول کر اس کی نفی کر دی جاتی ہے۔ مگر مراد اس کے کسی خاص فرد کی نفی ہوتی ہے نہ کہ عام کے تمام افراد کی بشرطیکہ اس بات کی کوئی دلیل موجود ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مستحقین امن اور اصحاب ہدایت ان لوگوں کو قرار دیا ہے جن کے ایمان میں ظلم کی کوئی آمیزش نہ ہو۔ یہاں لفظ میں اگرچہ ظلم کی ہر آمیزش کی نفی کی گئی ہے مگر اس مقام پر ظلم کا صرف ایک فرد شرک مراد ہے نہ کہ ظلم کا ہر فرد۔ کیونکہ اس بات کی دلیل موجود ہے۔ اسی طرح میں نے جو واسطہ فی الثبوت کی نفی کی ہے اس سے مراد عام نہیں بلکہ اس کا صرف ایک فرد ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ میں نے خود ہی اس کے دوسرے فرد واسطہ سفیر کے اثبات کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے حسب عادت ایک بات اپنے پاس سے گھر کر میرے ذمے لگائی ہے اور اس پر ایک بیوقوف طالب علم کی انڈوں والی مثال منطبق

کر کے تسخّر اڑایا ہے۔ محترم قاضی صاحب! کیا میں نے کہا ہے کہ ایک واسطہ فی العروض ہے ایک واسطہ فی الثبوت ہے ایک واسطہ فی الاثبات ہے اور ایک ان تینوں کا مجموعہ سفیر یہ ہے؟ یہ خوب انصاف ہے کہ آپ اپنے پاس سے امکان پیدا کر کے ایک غلط بات گھڑ کر میرے ذمے لگائیں اور پھر اس کی پھبتی اڑائیں۔ یہ تفحیک میری کسی بات کی نہیں آپ کی میرے ذمے گھڑ کر لگائی ہوئی بات کی ہے جس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ طریقہ شروع سے ہی چلا آیا ہے۔

هُم يَشْتُمُونَ مُذَمَّمًا وَمُحَمَّمًا
فِي مَعْزِلٍ عَنْ شَتْمِهِمْ وَصِيَانٍ

امکان کی اصطلاح:

واسطہ کی اصطلاح پر بات ختم کرتے ہوئے ہم قاضی صاحب کو امکان اور عدم امکان کی بحث کی طرف بھی توجہ دلائیں گے کہ عقلی علوم میں غیر ممکن کا معنی ایسی چیز ہوتا ہے جو محال ہو اور وجود میں آ ہی نہ سکتی ہو۔

میں نے جب قاضی صاحب کی پہلی تحریر کا جواب لکھ کر ان کی خدمت میں بھیجا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ”میرا وقت معیار ہے اس میں تضعیف کا امکان نہیں الخ اس عبارت میں تحریری جواب کے لیے وقت میں گنجائش نکالنا ناممکن قرار دیا گیا ہے۔ تو جب وقت میں گنجائش نکالنا محال تھا تو اب اظہار المرام کیسے وجود میں آ گئی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت صاحب محالات پر بھی قادر ہیں اور معیار میں تضعیف پر بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے امکان اور معیار دونوں اصطلاحوں کی آبرو خراب کر دی ہے۔

فرقہ سازی:

قاضی صاحب اظہار المرام ص ۲۳ پر فرماتے ہیں: ”حضرت مولانا عبد السلام صاحب اپنی کتاب (ایک دین چار مذہب) ص ۳۲ پر لکھتے ہیں: اختلاف اپنی

جگہ ٹھیک ہے لیکن فرقہ بنانا غلط ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آپ بھی تو ایک فرقہ ہیں اور اس فرقہ کو بچانے اور بڑھانے کے لیے آپ کیا کچھ نہیں کرتے کیا آپ کے مدارس فرقہ بڑھانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے (کذا)۔

بہتر یہ ہے کہ یہاں ”ایک دین اور چار مذہب“ سے اصل عبارت نقل کر دی جائے کیونکہ قاضی صاحب کے سوال کا جواب اسی میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”چاروں اماموں بلکہ امت کے بے شمار ائمہ کے درمیان اختلاف بیشک موجود تھا مگر الگ الگ فرقے انہوں نے نہیں بنائے اس لیے وہ ”ولا تفرقوا“ کی زد میں نہیں آتے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے تو ان لوگوں نے کیا جنہوں نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا اور حق و انصاف واضح ہونے کے باوجود امام کی غلط بات پر اڑ گئے“ اس کے بعد میں نے شیخ الہند کی ایک عبارت نقل کر کے آخر میں لکھا ہے: ”اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ سعودی حکومت سے پہلے عین حرم میں چار مصلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی قائم تھے کیا ائمہ اربعہ اور صحابہ نے بھی عین حرم میں چار مصلے بنائے تھے؟ معلوم ہوا قصور امام مالک شافعی احمد ابو حنیفہ کا نہیں، ان کی تقلید کی بنا پر فرقے بنانے والوں کا ہے جنہوں نے ایک دین حق کو چار مذہب بنا کر دین نبی ﷺ میں رخنہ ڈال دیئے۔“

رہی یہ بات کہ ”آپ بھی تو ایک فرقہ ہیں“ تو یہ ٹھیک ہے مگر بعد میں بنایا ہوا فرقہ نہیں بلکہ ہماری جماعت اس پر قائم ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ ہماری نسبت نہ کسی شخص کی طرف ہے نہ کسی شہر کی طرف اور نہ کسی بدعتیہ کی طرف۔ یہ جماعت شروع سے ہے نئے فرقے وہ ہیں جنہوں نے اتباع نبی ﷺ کی بجائے امتیوں کی تقلید پر اپنی بنیاد رکھی۔ ان غلط اور بعد میں پیدا ہونے والے فرقوں کے مقابلے میں اصل دین پر قائم لوگ الگ ملت ہیں اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے جہنم میں جانے والوں کے مقابلے میں نجات پانے والوں کو بھی ایک الگ ملت قرار دیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

الَا اِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِينَ مِلَّةً
وَ اِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَفَتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُونَ فِى
النَّارِ وَ وَاِحَدَةٌ فِى الْجَنَّةِ وَ هِىَ الْجَمَاعَةُ.

(اُخْرِجَهُ ابُو دَاوُدُ وَ الدَّارِمِيُّ وَ غَيْرُهُمْ)

”تم سے پہلے اہل کتاب بہتر ملتوں میں متفرق ہو گئے اور یہ ملت تہتر میں
بٹ جائے گی۔ بہتر آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت
ہے۔“

تو محترم مولانا صاحب! جب وہ ملتیں جو آنحضرت ﷺ سے عرصہ دراز کے
بعد تقلید شخصی کی بناء پر وجود میں آئیں وہ اپنی اپنی پیشوا بنائی ہوئی شخصیت کے اقوال و
آراء و قیاسات کی حفاظت اور اپنے دھڑے کو مضبوط بنانے کے لیے مدارس بناتی ہیں
اور تبلیغ کرتی ہیں تو ہم جو اصل پہلی جماعت کے طریق کے پابند ہیں اپنی ملت کی
حفاظت کے لیے کیوں مدارس نہ بنائیں اور کیوں کوشش نہ کریں۔ اگر دوسرے لوگ
دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی محنت کرتے ہیں تو ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم سب
مسلمانوں کو اس اصل ملت پر لانے کی محنت کریں جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے
صحابہ تھے جب کہ ابھی تک امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد وغیرہ کا نام و نشان بھی نہ تھا
اور نہ کوئی دیوبند یا بریلی کو جانتا تھا۔

المحدیث کے مدارس کی ضرورت:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”کیا یہ مدارس فرقہ بڑھانے کے لیے نہیں ورنہ کتابیں آپ سب مقلدین
کی پڑھتے ہیں! استاد آپ کے دیوبندی علماء ہیں تو دیوبندی مدارس میں
پڑھا کریں! مستقلاً ادارہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر آپ نے اپنی چار
دیواری بنا رکھی ہے۔“ (اظہار المرام ص ۲۴)

گزارش یہ ہے کہ ہمارے مدارس تمام فرقوں کو ختم کر کے مسلمانوں کو اصل پہلی ملت کی طرف لوٹانے کے لیے ہیں۔ فرقے بڑھانے کے لیے مختلف ائمہ کے مقلدین کے مدارس ہیں اور یہ جو آپ نے ہمارے متعلق فرمایا ہے کہ کتابیں ہم سب مقلدین کی پڑھتے ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ ہم سب سے پہلے جس کتاب کو پڑھتے ہیں وہ قرآن مجید ہے فرمائیے یہ کس مقلد کی تصنیف ہے پھر احادیث رسول ﷺ کس مقلد کی تصنیف ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ احادیث کے مجموعے مرتب کرنے والے امام بخاری مسلم ابوداؤد وغیرہم مقلد تھے تو یہ ان ائمہ پر اتہام ہے یہ ٹھیک ہے کہ بعض لوگوں نے اپنا اپنا فرقہ چکانے کے لیے ان کو اپنے اپنے فرقہ میں شمار کیا ہے چنانچہ ایک ہی امام کے متعلق ایک فرقہ والے کہتے ہیں کہ وہ شافعی کے مقلد تھے دوسرے کہتے ہیں وہ احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور تیسرے کہتے ہیں وہ ابو حنیفہ کے مقلد تھے۔ مگر ان میں سے صرف اس کی بات درست ہو سکتی ہے جو کسی امام کا اپنا اقرار ثابت کرے کہ وہ مقلد تھے اور فلاں کے مقلد تھے مقلدین ان ائمہ کو لاکھ مقلد کہتے پھر میں جب وہ ائمہ خود مانتے ہی نہیں کہ ہم مقلد ہیں تو کسی دوسرے کے کہنے کا کیا اعتبار ہے؟ آپ کے پاس اگر ان کا صحیح سند کے ساتھ ثابت کوئی قول موجود ہے کہ ہم مقلد ہیں تو پیش فرمائیے۔

اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ ”استاد آپ کے دیوبندی ہیں“ تو اول تو یہ غلط ہے کہ ہمارے سب استاد دیوبندی ہیں اگر ایک آدھ استاد دیوبندی ہو تو اس سے سب اساتذہ کا دیوبندی ہونا لازم نہیں۔ علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن تو کچھ عرصہ پہلے منایا گیا ہے اس ایک سو سال سے پہلے دیوبندی اساتذہ کہاں تھے؟ ویسے دیوبندی یا بریلوی اساتذہ سے پڑھنا کوئی عیب کی بات ہے بھی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بدر کے کافر اسیروں سے مسلمان بچوں کو تعلیم دلوائی تھی۔ یہ حضرات تو ہمارے کلمہ گو بھائی ہیں۔

اور آپ نے جو لکھا ہے کہ ”دیوبندی مدارس میں پڑھا کریں الگ مدارس بنانے کی کیا ضرورت ہے“ تو گزارش یہ ہے کہ ہم تو تیار ہیں ہمیں دیوبندی مدارس میں پڑھنے کے علاوہ کسی دیوبندی عالم کو اپنے مدرسہ میں رکھنے پر بھی کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اللہ کے فضل سے ہمارا عقیدہ و دین کچا دھا کہ نہیں کہ تھوڑی سی کشاکش سے ٹوٹ جائے گا۔ مگر دیوبندی حضرات اپنے تقلیدی دین کی کمزوری کی وجہ سے اتنے زبردست حساس ہو گئے ہیں کہ اپنے مدارس میں اہلحدیث استاذ تو دور کی بات ہے اہلحدیث طالب علم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ سنت پر عمل انہیں گوارا ہی نہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے کتنی دفعہ اہلحدیث طالب علم نکالے گئے۔ دیوبندی مدارس میں کوئی اہلحدیث طالب علم چھپ کر پڑھ لے تو الگ بات ہے ورنہ ظاہر ہو جانے پر انہیں نکالنے کا عمل اب بھی جاری ہے الا ماشاء اللہ۔ آپ نے ہمیں برداشت نہ کیا اور نکلنے پر مجبور کیا تو ہم نے اپنے الگ مدارس قائم کیے۔ دوسری وجہ الگ مدارس بنانے کی آپ کا یہ طرز عمل تھا کہ آپ اپنے مدارس کی آٹھ دس سالہ پوری مدت تعلیم کے ہر سال میں اپنے امام کے اقوال و آراء و قیاسات تو پابندی سے پڑھاتے ہیں تاکہ وہ طلبہ کے رگ و ریشہ میں رچ جائیں۔ مگر دانستہ طور پر پوری مدت تعلیم میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے نا آشنا رکھتے ہیں صرف آخری سال میں دورہ حدیث کے نام پر انہیں حدیث کی چھ کتابوں سے گزار دیتے ہیں۔ اور دورہ میں شیخ الحدیث کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر اس حدیث کا جواب سمجھائے جو حنفی مذہب کے خلاف ہے فرمائیے یہ حدیث کی تعلیم ہے یا اس کی تردید کی تعلیم؟ ہم نے اپنے الگ مدارس بنائے ہیں تو جس طرح آپ ہر سال اپنے امام کے آراء و قیاسات پابندی سے پڑھاتے ہیں ہم بھی اپنے رسول ﷺ کی احادیث کی کم از کم ایک کتاب ہر سال پابندی سے پڑھاتے ہیں اس سے احادیث اسی طرح ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں جس طرح آپ کے ذہنوں میں آراء و قیاسات اور ایک فائدہ اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ حالات سے مجبور ہو کر تعلیم

مکمل کرنے سے پہلے مدرسہ چھوڑ جائے تو حدیث سے بالکل جاہل نہیں رہتا۔ ویسے ہم حدیث کے ساتھ پہلے دو سال چھوڑ کر ہر سال میں آراء و قیاسات کی ایک کتاب بھی ضرور پڑھاتے ہیں تاکہ طالب علم حدیث رسول ﷺ اور آراء و قیاسات کا موازنہ کر سکے۔ تو محترم یہ مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہم نے الگ مدارس بنائے ہیں ورنہ آپ سے جدائی ہمیں بھی گوارا نہ تھی۔

ضرورت است وگرنہ خدائے مے داند

کہ ترک صحبت جاناں نہ اختیار من ست

مثال کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنے کا باعث جو واقعہ ہوا پیش کرتا ہوں۔

مدرسہ اوڈانوالہ کیوں بنایا گیا:

مولانا فضل الہی وزیر آبادی کی سوانح میں لکھا ہے کہ:

”مدرسہ اوڈانوالہ کو شروع کرنے کی وجہ یہ تھی جس کو خود صوفی (عبداللہ)

صاحب (بانی مدرسہ) نے بایں الفاظ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ آٹھ آدمی

(جماعت مجاہدین کی طرف سے) بطور سفارت ہندوستان دورہ پر جا رہے

تھے رات ہم پشاور مختلف مسجدوں میں چلے گئے۔ ہم دو آدمی جس مسجد میں

ٹھہرے وہاں کے مولوی صاحب ہم کو کریدنے لگے ہم بہت پریشان تھے

کہ کیا کہیں کیونکہ انگریز کی جاسوسی بڑے زوروں پر تھی بالآخر میں نے کہا

ہم درویش ہیں اور علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا یہاں کوئی مدرسہ

نہیں تم دیوبند کے مدرسہ میں چلے جاؤ میں نے کہا ہمارے پاس تو اتنے

روپے نہیں کہ ہم وہاں جاسکیں اس نے کہا خرچ ہم دیتے ہیں۔ میں نے کہا

ہم آٹھ آدمی ہیں اس نے کہا خواہ بیس ہوں ہم خرچہ دیں گے۔ میں نے کہا

تم اتنا خرچہ کہاں سے دو گے اس نے کہا ہم کو دیوبند کی طرف سے تنخواہ ملتی

ہے ہم طلباء کو بھی بھیجتے ہیں اور ان کے اخراجات کے لیے ہمیں باقاعدہ

وہیہ ملتا ہے۔ خیر ہم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان سے روپے لے لیں چنانچہ انہوں نے ہم کو پچاس روپے دے دیئے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ مال ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ مدرسہ کی رقم ہم کیسے لے سکتے ہیں جبکہ ہم نے تحصیل علم کے لیے جانا ہی نہیں چنانچہ یہ طے پایا کہ چونکہ میرا سفر منعہائے صوبہ بہار تھا اس لیے میں ہی جاتے ہوئے پچاس روپے دیوبند میں جمع کرادوں۔ چنانچہ میں دیوبند گیا تو اس وقت مولانا انور شاہ صاحب ترمذی شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور ایک حدیث جو مسلک الحمدیث کے موافق تھی اس کی بڑی پر زور تردید فرما رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو کہہ ہی دیا کہ حضرت صاحب آپ حدیث پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید کر رہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا تو کون ہے۔ میں نے کہا الحمدیث ہوں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ طلباء مجھ کو زد و کوب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انور شاہ صاحب نے انہیں روکا اور مجھے کہا تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ طلباء تمہیں ماریں گے۔ میں نے کہا میں مجاہدین کا آدمی ہوں جہاں جاؤں گا تمہیں بدنام کروں گا۔ چنانچہ انور شاہ صاحب نے طلباء کو سختی سے روکا کہ انہیں کچھ نہ کہنا ورنہ تمہیں بدنام کر دے گا۔ چنانچہ مجھے ایک طالب علم کے سپرد کیا جس کے متعلق غالباً انور شاہ صاحب جانتے تھے کہ وہ ابھی اصل میں الحمدیث ہے جب وہ طالب علم مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آیا تو اس نے بتایا کہ ہم تین سوا الحمدیث طلباء ہیں جو یہاں پڑھتے ہیں چونکہ ہمارا کوئی اتنا بڑا مدرسہ نہیں ہے جس میں ہم جا سکیں دہلی کا مدرسہ رحمانیہ اور امرتسر کا مدرسہ غزنویہ اتنے چھوٹے ہیں کہ اتنے زیادہ طلباء کا انتظام نہیں کر سکتے اس لیے ہم مجبوراً یہاں پڑھتے ہیں اور حنفی بن کر پڑھتے ہیں ورنہ ہم کو داخل ہی نہیں کرتے۔

چنانچہ صوفی صاحب جب وہاں سے سوار ہو کر صوبہ بہار میں گئے اور ان کی جماعت کو ترغیب دی کہ تم کوئی تعلیمی ادارہ بناؤ ورنہ حدیث کا نام و نشان اس سرزمین سے مٹ جائے گا۔ میرے ترغیب دلانے پر انہوں نے مدرسہ احمدیہ سرائے لہریہ درجنگہ میں قائم کیا۔ چونکہ وہ مدرسہ بھی صوبہ بہار کے لیے ہی مفید ہو سکتا تھا اور پنجاب کے طلباء کے لیے ابھی کوئی جگہ کافی نہ تھی چنانچہ صوفی صاحب نے خود مدرسہ بنانے کا فیصلہ کر لیا (چنانچہ اس طرح مدرسہ اوڈانوالہ جواب ماموں کانجن میں منتقل ہو گیا ہے) وجود میں آیا۔

(سوانح مولانا فضل الہی دزیر آبادی از مولانا خالد گمر جاکھی ص ۱۲۲)

الہمدیث یوتھ فورس:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اور یہ یوتھ فورس کس لیے ہے؟ کیا افغانستان میں مجاہدین کی مدد اور روس کے خلاف جہاد کے لیے ہے؟ بلکہ اپنا گروہ بچانے اور بڑھانے کے لیے ہے۔“ (اظہار ص ۲۴)

مولانا! الہمدیث نوجوانوں کی قوت منظم ہونے پر آپ اتنے خفا کیوں ہیں؟ ہاں ٹھیک ہے الہمدیث یوتھ فورس دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں کے خلاف اس طریقے کی حفاظت کے لیے ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔ افغانستان کے مجاہدین کی مدد اور روس کے خلاف جہاد بھی اس کا مشن ہے۔ بلکہ روس کے ایجنٹوں کے خلاف جہاد بھی اس کا مشن ہے وہ ایجنٹ کہ جب تمام علماء نے متفقہ فتویٰ دیا تھا کہ سوشلزم کفر ہے تو روس کے ان گماشتوں نے کہا تھا سوشلزم اسلام ہے اور سرخ الحاد کے علم بردار پہلی مرتبہ انہی نام نہاد علمائے دین کے کندھوں پر سوار ہو کر پاکستان پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ الہمدیث یوتھ فورس کی جنگ

روس کے خلاف بھی ہے اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف بھی۔ جو اس کے ایسے وفادار ہیں کہ باپ سرخ طوفان کا دروازہ کھولنے والوں کا سرخیل تھا تو اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیٹا بھی اسی سرخ کفر کی حمایت میں تن من دھن قربان کرنے پر کمر بستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ان کے مشنوں اورادوں سے محفوظ رکھے آمین۔

کیا خطابت سے برطرف کرنا کا فرقرار دینا ہے؟

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

”اور گروہ بچانے کے لیے اس سے مذموم کوشش کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے مقامی گروپ کے کسی مسجد میں برادر محترم مولانا حافظ محمد الیاس صاحب خطیب تھے جب مقامی حضرات کو پتہ چلا کہ مولانا کا تعلق دوسرے گروپ سے ہے تو خطابت سے برطرف کر دیا اور اگر مولانا کل پھر آپ کے گروپ میں آجائیں تو پھر مسلمان بن کر خطابت کے قابل ہو جائیں گے۔“

(انظار المرام ص ۲۳)

قاضی صاحب! کیا واقعی اس مسجد والوں نے اس لیے حافظ صاحب کو نکالا کہ دوسرے گروپ کا ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہیں اور اگر وہ مسجد کے گروپ والوں میں آجائیں تو مسلمان ہو جائیں گے۔ مولانا صاحب! اللہ سے ڈریں مسجد سے جا کر پوچھ لیں خود حافظ الیاس صاحب سے پوچھ لیں یقیناً سب یہی کہیں گے کہ مسجد کی خطابت سے برطرف کرنے والوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو یہ سمجھتا ہو کہ حافظ صاحب دوسرے گروپ سے تعلق کی وجہ سے مسلمان نہیں ہیں عالم دین اور ایسا صاف اور صریح بہتان! (تجاوز الله عن ذنبك الحلبي والحنفی)

اصل یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں میں جس باہمی اعتماد اور ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ باقی نہ رہے تو خطابت کوئی خوشگوار چیز رہتی ہی نہیں یہ کوئی دینی اختلاف نہیں ہے۔ بعض لوگوں کے ہاں تو امام کی بیوی میں خوبصورتی کی کمی ہو یا کسی

عضو میں مخصوص شرائط نہ ہوں تو اسے ان اوصاف کے حامل کے حق میں دستبردار ہونا پڑتا ہے تو اگر ہمارے کسی خطیب کو مقتدیوں سے اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے خطیب نہ رہنے دیا گیا ہو تو کون سی تعجب کی بات ہے؟

وہ دعا جو آپ نے آخر پر لکھی تھی کہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ
أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ.

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ
تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُؤْمِنِينَ.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



سورۃ فاتحہ اور احناف

تحریری مناظرہ

امام منفرد اور مقتدی کی نماز میں سورۃ فاتحہ کی اصل اہمیت
کو احناف نے جس طرح ختم کیا ہے اس کی تفصیل اور اس پر مدلل تنقید

اور

اس مسئلہ پر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مفتی عبدالشکور
اور مفتی محمد عیسیٰ صاحبان کی دو تحریروں کا جائزہ

از

عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

از مولانا حافظ عبد المنان صاحب نور پوری

برادران اسلام! آپ جانتے ہیں مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج آئے دن وسیع تر ہوتی جا رہی ہے جس سے کئی ایک سادہ لوح بے دلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہمت و جرأت کے ساتھ اس اختلاف سے حقیقت کی تلاش کی بجائے یقین و ایمان سے ہی برگشتہ ہو بیٹھتے ہیں جب کہ مالی، اقتصادی اور سیاسی امور میں بے حد و حساب اختلاف کے باوجود وہ ان امور میں سے کسی چیز سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں حالانکہ اختلافی امور کو حل کرنے کا لائحہ عمل خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (۵۹/۴)

”پھر اگر جھگڑ بڑو کسی چیز میں تو اس کو لوٹاؤ طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔“

اہل انصاف و خرد کو اس اصول کی روشنی میں اختلاف کے مواقع میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی وہ ہمیشہ ہر قول کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اس پر صحیح اترنے والی بات کے قائل و عامل رہے ہیں اور اب بھی ان کا یہی طرہ امتیاز ہے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مستحق و مصداق ہیں:

﴿يُؤْتِي السَّخَرَةَ حَمِيمًا مُّطَاعًا وَيُزِيلُ الْفَلَاحَ قُلْ أُولَٰئِكَ أَلْدَيْنَا لَهُمْ يُجَازِيهِمْ فِي سُلُوكِهِمْ سُوًى وَمَا يَلْتَمَسُ لَكُمُ الْجَنَّةُ الَّتِي قَدْ أُخْطِئَتْ لَكُمْ فِيهَا فَأُولَٰئِكَ يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ مَا يَشَاءُ﴾

هَذِهِمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٠٣﴾

”سو تو بشارت سنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں سب سے اچھی ہے وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔“

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (ج ۱ صفحہ ۱۰۴)

”نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ۔“

اس صحیح حدیث کی رو سے کوئی سی نماز بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نہیں ہوتی خواہ وہ نماز امام کی ہو یا اکیلے کی یا مقتدی کی۔

ادھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے پیچھے تو پورے قرآن مجید سے کوئی ایک آیت پڑھنے کی بھی گنجائش نہیں نہ سورۃ فاتحہ سے اور نہ ہی کسی اور سورۃ سے۔ امام محمد رحمہ اللہ موطا میں لکھتے ہیں:

لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ وَلَا فِيمَا لَمْ يَجْهَرْ فِيهِ بِذَلِكَ جَاءَتْ عَامَةُ الْأَثَارِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ. (ص ۹۴)

”امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں نہ جہری نماز میں اور نہ ہی سری نماز میں اسی کے ساتھ عام آثار آئے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔“

امام اور اکیلا نمازی قرآن مجید سے کسی سورۃ کی کوئی ایک ہی آیت پڑھ لے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرأت کا فرض ادا ہو جائے گا خواہ وہ سورۃ فاتحہ سے ایک لفظ بھی نہ پڑھیں تو امام اور اکیلے نمازی کے لیے سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نہیں امام محمد رحمہ اللہ موطا ہی میں فرماتے ہیں۔

اَلْكَسْنَةُ اَنْ تَقْرَأَ فِي الْفَرِيضَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وَسُورَةٌ وَفِي الْآخِرَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ تَقْرَأْ فِيهِمَا أَجْزَاكَ
وَأَنْ سَبَّحْتَ فِيهِمَا أَجْزَاكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ. (ص ۱۰۱)
”سنت ہے کہ تو فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں تو پڑھے سورۃ فاتحہ اور کوئی اور
سورۃ بھی اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ اور اگر تو ان آخری دونوں
میں قرأت نہ کرے تو بھی تجھے کافی ہے اور اگر تو ان آخری دونوں میں تسبیح
پڑھ لے تو بھی تجھے کافی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔“
بعض لوگ کہتے ہیں:

”امام محمد رحمہ اللہ کے کلام میں فیصلہ سنت کا تعلق پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ
کے بعد ایک سورۃ پڑھنے اور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا
کرنے کے ساتھ ہے رہا پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ یا
سورۃ کے بقدر قرآن پڑھنا تو وہ ہمارے ہاں واجب ہے۔“

مگر یہ ان بعض لوگوں کا اپنا ذاتی یا جماعتی خیال ہے اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ
کا قول قرار دینے کے لیے ان تک صحیح سند درکار ہے جو ابھی تک مجھے تو نہیں ملی تو امام
ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک امام یا اکیلا نمازی قرآن مجید کے کسی مقام سے کوئی ایک ہی
آیت پڑھ لے سورۃ فاتحہ سے بے شک ایک لفظ بھی نہ پڑھے تو بھی نماز ہو جائے گی
کیونکہ ان کے قول کے مطابق قرأت کا فرض ادا ہو گیا۔

غور کیجیے مازی اکیلا ہو یا امام سورۃ فاتحہ نہ پڑھے قرآن مجید کی کوئی اور ایک
ہی آیت پڑھ لے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز ہو گئی اور مقتدی سورۃ فاتحہ
یا کوئی آیت پڑھے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق گنہگار ٹھہرے تو سوچئے پھر
رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ”نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ“ کون سے
نمازی کی کون سی نماز کے متعلق ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بالخصوص نام اس لیے ذکر کیا گیا کہ ہمارے ہاں کئی لوگ

ان کی تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ جو کوئی عالم یا بزرگ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہمنوا ہے ہمارے نزدیک وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہی ہے نیز دیگر مسائل میں بھی اہل علم کے اقوال و فتاویٰ حجت نہیں کیونکہ دین میں حجت صرف کتاب و سنت ہے۔

ہمارے قابل احترام حنفی بھائیوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اس صورت میں انہیں کون سی راہ اختیار کرنا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ امام اور اکیلے کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نہیں ہوتی تو وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد نہیں رہیں گے اور اگر کہیں کہ امام اور اکیلے کی نماز بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر ہو جاتی ہے تو ان کی اس مسئلہ میں تقلید تو قائم رہے گی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ۔“

ہاتھ سے جاتا رہے گا ایمان کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیا جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور کا قول چھوٹا ہے تو بے شک چھوٹے اس کی پروا نہ کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو خالی پیغمبر بھی نہیں پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تو اجتہادی خطا والا عذر موجود ہے اور آپ اس سے بھی تہی دست اور تہی دامن، غور فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھن کر صرف تقلید امام کی آڑ میں اسے نہ ماننا کہاں کا انصاف ہے؟ کل اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا جواب دیں گے؟ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے قول کو چھوڑ دینے والی تلقین کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

مدرسہ نصرة العلوم کو جرنوالہ کے ایک مفتی صاحب کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عندیہ ”کم از کم قرأت جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے وہ ایک آیت ہے“ میں ”ایک آیت“ سے مراد سورۃ فاتحہ کے بعد ”ایک آیت“ ہے چونکہ ان کا یہ خیال بالکل خطا تھا اس لیے جب ان کی تحریر ہمارے محترم ساتھی حافظ عبدالسلام

صاحب بھٹوی حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کر کے مطالبہ کیا گیا کہ آپ اس کے تعاقب میں قلم اٹھائیں تو حافظ صاحب موصوف نے اپنی ایک ہی تحریر میں ان کے اس خیال کی خطا کو خوب واضح کیا اور باحوالہ بتایا کہ ان کے نزدیک تو اگر اکیلا اور امام بھی چاروں رکعات میں سے کسی ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ“ یہ تضاد رفع کرنا بھی تک مفتی صاحب موصوف کے ذمہ ہے۔

بعض دوستوں نے تجویز پیش کی کہ مفتی صاحب اور حافظ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ کی ان تحریرات کو منظر عام پر آنا چاہیے تاکہ عوام و خواص مستفید ہوں نیز انہیں پتہ چلے کہ حنفی حضرات کا اکیلے اور امام کے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کے متعلق موقف کیا ہے؟ اور ان کے دعویٰ ”رسول اللہ ﷺ کا فرمان“ ”نہیں کوئی نماز اس کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ“ اکیلے اور امام کے متعلق ہے“ کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اس تمام تر سعی و کوشش سے غرض کسی کی ”پتہ اچھائی“ نہیں مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ٹوٹی پھوٹی سطروں کو بھی کسی کی ہدایت کا سبب بنا دے تو یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

قارئین کرام سے پرزور اپیل ہے کہ وہ عدل و انصاف کا دامن تھامے ہوئے اس رسالہ کو گہری نگاہ سے دیکھیں، غور سے اس کا مطالعہ فرمائیں، کسی نتیجہ تک پہنچے بغیر تدبر و تفکر میں نہ ہاریں اور اختلافات کی وجہ سے بے دل نہ ہوں بلکہ انہیں کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں کتاب و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابن عبدالحق بقلمہ

۱۴۰۶ھ / ۶/۱۷

سرفراز کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سبب تحریر

قرآن مجید کی سورتوں میں سے سورۃ فاتحہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ قرار دیا ہے دیکھئے صحیح بخاری ص ۴۹ ج ۲۔

اسی حدیث میں آپؐ نے اسے سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اس کا نام ”صلۃ“ (نماز) رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ”صلۃ“ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا ہے اس کے بعد ساری نماز کی بجائے صرف سورۃ فاتحہ کی تقسیم کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ بندہ جب ”الحمد لله رب العلمین“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”میرے بندے نے میری حمد کی“ پوری حدیث صحیح مسلم ص ۷۰ ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے اسے نماز کا ایک ایسا رکن قرار دیا ہے جس کے بغیر کوئی نماز ہوتی ہی نہیں صحیح بخاری اور حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں آپ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ:

”لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“

امام بخاری نے جزء القراءة میں فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تو اتر کے

ساتھ یہ حدیث آئی ہے کہ:

”جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔“

مگر اہل الرأی کے امام حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید پڑھنے کی وہ مقدار جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی صرف ایک آیت مقرر کی ہے۔ اکیلا نمازی ہو یا امام کوئی ایک آیت پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی مقتدی کو ان کے نزدیک یہ ایک آیت پڑھنا بھی ناجائز ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہر مسلم کی طرح حضرات احناف کا حق تھا کہ جب صحیح احادیث سے ان پر واضح ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو وہ اپنے امام کی بات چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کھلے دل سے قبول کر لیتے کیونکہ امام صاحب کے پاس تو حدیث نہ پہنچنے یا اجتہادی غلطی کا عذر ہو سکتا ہے مگر اب صحیح احادیث واضح ہو جانے کے بعد ہمارے ان بھائیوں کا کیا عذر ہو سکتا ہے؟

مگر انہوں نے کہا کہ ہمارے امام کا مذہب یہ ہے کہ ایک آیت پڑھ لینے سے نماز تو ہو جائے گی مگر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس کے چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔

اگر واقعی امام صاحب کا یہ مذہب ہوتا تو درست یہ بھی نہیں تھا کیونکہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے صرف ایک واجب چیز چھوڑنے کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس کی نماز ہوگی ہی نہیں۔

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ بات کہ ”ایک آیت پڑھنا فرض ہے باقی سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے“ امام صاحب سے ہرگز ثابت نہیں امام محمد بن حسن نے مؤطا میں ان سے سورۃ فاتحہ کے لیے صرف سنت کا لفظ نقل کیا ہے جیسا کہ ہمارے محترم بھائی حافظ عبد المنان صاحب کے تحریر فرمودہ تعارف میں باحوالہ گذر چکا ہے۔

قرأت میں فرض اور واجب کی یہ تقسیم بہت بعد کے لوگوں نے حدیث کی مخالفت پر پردہ ڈالنے کے لیے ایجاد کی ہے۔ اگرچہ اس ایجاد کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اور امام صاحب کے قول میں بنیادی تضاد پھر بھی بدستور قائم ہے

کہ فرمان رسول اللہ ﷺ کی رو سے کوئی نماز (امام کی ہو یا مقتدی کی یا اکیلے کی) سورۃ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی اور امام صاحب کے نزدیک مقتدی کے لیے تو ایک آیت پڑھنا بھی ناجائز ہے اور اکیلے نمازی اور امام کی نماز کوئی ایک آیت پڑھنے سے ہو جائے گی۔ یہ بات پھر بھی تسلیم نہیں کی گئی کہ ان کی نماز سورۃ فاتحہ نہ پڑھے جانے کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

برادر عزیز ماسٹر خالد صاحب نے کوہلو والا کے جناب مشتاق صاحب کے تقاضے پر اس تضاد کی نشاندہی پر مشتمل ایک سوال لکھ کر ان کو دیا جس کا جواب وہ مدرسہ نصرۃ العلوم کے دو مفتی صاحبان سے لکھوا کر لائے اور اصرار کیا کہ اس کا جواب تم اپنے مدرسہ کے کسی استاد سے لکھو اور جس پر مدرسہ کی مہر لگی ہوئی ہو تو پھر میں اس کا جواب لاؤں گا خالد صاحب نے مجھے جواب لکھنے کے لیے کہا میں نے اس کا جواب لکھا خالد صاحب نے پہلے وہ مشتاق صاحب کے ہاتھ مفتی صاحبان کی خدمت میں بھیجا مسلسل تقاضوں کے باوجود جب مشتاق صاحب جواب نہ لائے تو خالد صاحب نے وہ تینوں تحریریں مفتی صاحبان کو رجسٹری کر کے بھیج دیں مگر آج تک انہیں اس کا جواب نہیں ملا۔ ایک سال تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد اب اس تحریری گفتگو کو افادہ عوام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ خالد صاحب نے مفتی صاحبان کو میری تحریر رجسٹری کرتے وقت جو مکتوب تحریر کیا تھا چونکہ اس میں اس گفتگو کے اسباب و واقعات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے پہلے وہ مکتوب ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد اصل گفتگو پر مشتمل تحریرات ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے، اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق

عطا فرمائے۔

کتبہ: عبدالسلام بھٹوی

ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

مفتی محمد عیسیٰ و مفتی عبدالشکور صاحبان کی خدمت میں

ماسٹر محمد خالد صاحب کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۳/ اکتوبر ۱۹۸۵ء

۸/ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ

مکرمی جناب مفتی عبدالشکور و مفتی محمد عیسیٰ صاحبان حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

گزارش ہے کہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ قاری عطاء اللہ گرل ساز بختے والا ساکن کھیالی میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ جناب مشتاق صاحب ساکن کوہلو والا نے مجھے آج رات کوہلو والا میں مولانا محمد امین اوکاڑوی کی تقریر سننے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ اپنے کسی مولوی کو ساتھ لے کر آؤ اور جس طرح جی چاہے بات چیت کر لو۔ البتہ اس وقت تقریر کا موضوع سورۃ فاتحہ ہے۔

چونکہ میں اس سے پہلے دو دفعہ ماسٹر امین صاحب سے زبانی بات چیت کر چکا تھا اور مجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ زبانی بات چیت میں فائدہ محدود اور جھگڑے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور بعد میں لوگ غلط دعوے کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے یہ کر دیا اور وہ کر دیا بلکہ بعض اوقات اپنی کبھی ہوئی بات سے انکار کر جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے قاری صاحب سے عرض کیا:

”بہتر یہ ہے کہ بات چیت تحریری ہوتا کہ کوئی شخص غلط دعویٰ نہ کر سکے اور نہ ہی اپنی بات سے انکار کر سکے۔ میں آپ کو سورۃ فاتحہ کے متعلق ہی ایک سوال لکھ دیتا ہوں کیونکہ اسی پر بات کرنے کی آپ کو دعوت ملی ہے اور کہا گیا ہے جس طرح جی چاہے بات کر لو۔ آپ ماسٹر امین صاحب سے اس کا تحریری جواب لے آئیں اس پر مزید تحریری گفتگو ہوگی تو حق واضح ہو جائے گا۔“

چنانچہ میں نے قاری صاحب کو سوال لکھ کر دے دیا جو کہ ساتھ والی تحریر کے شروع میں درج ہے۔

قاری عطاء اللہ صاحب نے یہ سوال رات کوہلو والا میں ماسٹر امین صاحب

کی خدمت میں پیش کیا کہ اس کا تحریری جواب دیں لیکن ماسٹر صاحب نے صرف زبانی جواب اپنی سمجھ کے مطابق دیا، تحریری جواب نہ دیا۔

۲۲/ جولائی ۱۹۸۵ء عثمان ابراہیم (ایم پی اے) ایڈووکیٹ کے دفتر کے پاس ضلع کچہری گوجرانوالہ میں جناب مشتاق صاحب اور قاری عطاء اللہ صاحب دونوں کی مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے مشتاق صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ ماسٹر امین صاحب سے میرے سوال کا تحریری جواب لائے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیسٹ میں موجود ہے۔ میں نے کہا: تحریری سوال کا تحریری جواب چاہیے۔ مشتاق صاحب نے رفع الیدین پر تحریری بات چیت کرنے کی دعوت دی۔ میں نے کہا آپ پہلے اس سوال کا جواب دے لیں پھر ان شاء اللہ اس پر بھی بات کر لیں گے مشتاق صاحب نے ماسٹر امین صاحب سے تحریری جواب لانے کے لیے چھ ماہ کی مہلت مانگی۔ پھر ایک ہفتہ میں مدرسہ نصرۃ العلوم سے تحریری جواب لانے کا وعدہ فرمایا۔ میں نے ان کے مطالبہ پر سوال کی ایک اور نقل ان کے حوالے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد مشتاق صاحب نے نصرۃ العلوم سے تحریری جواب لا کر دیا اور ساتھ یہ شرط عائد کی کہ اس کا جواب مدرسہ کے کسی استاد سے لکھوایا جائے اور ساتھ مدرسہ کی مہر بھی ثبت ہو۔ جس طرح ہمارے جواب پر نصرۃ العلوم کی مہر ثبت ہے۔ چنانچہ میں نے حافظ عبدالسلام بھٹوی مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے گزارش کی کہ وہ اس جواب کی حقیقت واضح فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے جواب الجواب لکھا اور مہر جامعہ محمدیہ بھی ثبت کی۔ میں نے بذریعہ قاری عطاء اللہ صاحب مشتاق صاحب کے حوالے تحریر مذکور عید الاضحیٰ سے قبل کر دی۔ مشتاق صاحب نے کئی بار پوچھنے کے باوجود تادم تحریر آپ کی طرف سے کوئی جواب لا کر نہیں دیا اس لیے میں بذریعہ رجسٹری تینوں تحریریں بندہ کا سوال آپ کا جواب اور حافظ عبدالسلام صاحب کا جواب الجواب آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تاکہ آپ اس کا جواب لکھ سکیں۔

والسلام: محمد خالد بن منظور احمد

ساکن سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

سوال از ماسٹر محمد خالد صاحب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ ثَنَا سُفْيَانُ قَالَ ثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ
 ابْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (صحيح البخارى
 جلد اول كتاب الاذان باب وجوب القراءة.....)

”ہم سے علی بن عبد اللہ مدنی نے بیان کیا کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے
 بیان کیا کہ ہم سے زہری نے بیان کیا محمود بن ربیع سے انہوں نے حضرت
 عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سورہ
 فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔“

مندرجہ بالا فرمان حضرت نبی کریم ﷺ کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سورہ
 فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی ہے اور حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:
 ”وَأَذْنِي مَا يُجْزِي مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.“
 (ہدایہ اولین ص ۸۱ کتاب الصلوۃ فصل فی القراءة)

”یعنی نماز میں اگر ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔“

نبی علیہ السلام نے سات آیتوں والی سورہ فاتحہ کو نماز کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور
 حضرت الامام نے صرف ایک آیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ وضاحت فرمائی جائے۔

الراقم

آج مورخہ ۲۲/ جولائی ۱۹۸۵ء تحریر مندرجہ
 بالا کی نقل جناب مشتاق احمد صاحب ساکن
 کوہلو والا گوجرانوالہ نے برائے تحریری جواب
 موصول پائی۔

محمد خالد ساکن سرفراز کالونی جی ٹی روڈ
 گوجرانوالہ

دستخط مشتاق صاحب

جواب از مفتی محمد عیسیٰ صاحب نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

صاحب ہدایہ نے یہ عبارت صرف قراءت کے بارے لکھی ہے جو سورۃ فاتحہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس عبارت کا موضوع اور عنوان ص ۱۱۵ میں یوں ذکر کیا ہے۔ فصل فی القراءۃ۔ اس سے پہلے ص ۱۰۴ میں ہے:

ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آيِ سُورَةٍ شَاءَ.
”یعنی سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ ایک پوری سورۃ یا تین آیات پڑھے۔“

سائل عبارت کا مفہوم نہیں سمجھا۔ البتہ فاقراء واما تيسر من القرآن فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کو شامل ہے۔ اس کی پوری تفصیل حضرت مولانا مفتی عبدالشکور نے لکھ دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عیسیٰ عفی عنہ

نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ

مہر

مدرسہ نصرۃ العلوم



جواب از مفتی عبدالشکور صاحب نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

الجواب ومنه الصدق والصواب

مذکورہ بالا روایت سے مطلقاً فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو تو دعویٰ قابلِ مسموع نہیں ہو سکتا ائمہ حدیث میں حضرت امام احمدؒ حضرت سفیان ثوریؒ حضرت ابن عیینہؒ حضرت امام زہریؒ جیسے ائمہ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے مقتدی کو اس میں شامل نہیں کیا کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے:

”مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ“

موطا امام مالکؒ طحاویؒ ترمذیؒ میں موجود ہے جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہو تو نماز ہو جائے گی) امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ کا یہ ارشاد: لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ دیکھئے جابر بن عبد اللہ صحابی رضی اللہ عنہ اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں دوسرا صحیح حدیث سے ثابت ہے:

”مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَتَهُ لَهُ قِرَاءَةٌ“

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کی قرأت اس کے لیے بھی قرأت ہے تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے گویا بان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں قراءۃ

۱۔ یہ لفظ مفتی صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔

امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے: إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا۔
اور یہی قرآن میں حکم ہے۔

① حضرات احناف اس حدیث کے منکر نہیں بلکہ احناف کے نزدیک بھی فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے منفرد اور امام کو خود پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کو پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءۃ ہے۔

② نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا بھی واجب ہے۔

اگر کوئی منفرد یا امام سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اور باقی قرآن شریف پڑھ لے تو نماز ناقص اور واجب الاعدادہ ہے۔ اسی طرح اگر سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے اور قرآن کریم کی کوئی سورۃ ساتھ نہ ملائی جائے تو نماز ناقص ہے کیونکہ واجب چھوٹ گیا۔ یہ تو تفصیل واجب کی ہوئی، ایک ہے قراءۃ کی فرض مقدار جو ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیات ہے اگر کسی نے نماز میں قرآن پاک سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیات پڑھ لی تو قراءۃ کی فرض مقدار ادا ہوگی لیکن واجب کے چھوٹ جانے سے نماز ناقص اور واجب الاعدادہ ہوگی۔

امام صاحب کی ہرگز یہ مراد نہیں اور نہ آپ کا مذہب ہے کہ صرف ایک آیت کے پڑھنے سے نماز کامل ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس میں قراءۃ کی مقدار فرض کا ذکر ہے اور کوئی شخص نماز میں مالک یوم الدین تک سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو قراءۃ فرض کی مقدار پوری ہو جاتی ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ بھی تو قرآن کا جزو ہے لہذا اس سے یہ تاثر دینا کہ امام صاحب سورۃ فاتحہ کے منکر ہیں درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبد الشکور عفا اللہ عنہ

دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

۱۴۰۵/۱۱/۶ھ

مہر مدرسہ نصرۃ العلوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دونوں مفتی صاحبان کے جواب کا رد

..... از عبد السلام بھٹوی

ماسٹر محمد خالد صاحب کے ایک سوال کا جواب جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے دو مفتی صاحبان نے لکھا ہے ماسٹر صاحب نے مجھے لا کر دیا تا کہ میں اس کی حقیقت واضح کروں۔ یہ تحریر اسی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ سوال میں جو چیز دریافت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔“

اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: ”نماز میں اگر ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔“ سائل سمجھنا چاہتا ہے کہ دونوں کے اقوال میں اتنا تضاد کیوں ہے؟ اور ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے کون سا قول ماننے کا مکلف ہے؟ اس کے جواب میں دونوں مفتی صاحبان نے کوئی دلیل اس تعارض کو ختم کرنے کی نہیں لکھی۔!

پہلے ہم جناب مفتی محمد عیسیٰ صاحب کے موقف کا جائزہ لیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے: ”صاحب ہدایہ نے یہ عبارت صرف قرأت کے بارے لکھی ہے جو سورہ فاتحہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس عبارت کا موضوع اور عنوان ص ۱۱۵ میں یوں ذکر کیا ہے: فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ. اس سے پہلے ص ۱۰۴ میں ہے ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آيِ سُورَةٍ شَاءَ لَعْنَى سُورَةِ فَاتِحَةٍ پڑھے اور اس کے

۱۔ بلکہ حقیقت میں دونوں مفتی صاحبان کا جواب بھی آپس میں متعارض ہے۔ ایک صاحب ”ادنی ما یجزی من القراءة آیت“ کو سورہ فاتحہ کے علاوہ قرار دے رہے جب کہ دوسرے کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی نے نماز میں قرآن سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیات پڑھ لی تو قراءۃ کی فرض مقدار ادا ہو گئی۔ از عبد السلام

ساتھ ایک پوری سورۃ یا تین آیات پڑھے سائل عبارت کا مفہوم نہیں سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب خود عبارت کا مفہوم نہیں سمجھے یا پھر انہوں نے دانستہ طور پر مغالطہ دیا ہے کیونکہ ”ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ الْخ“ والی عبارت میں اور ”أَذْنَى مَا يُجْزَى مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةً“ والی عبارت میں پیوند نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے ثم یقرء فاتحۃ الكتاب یعنی سورہ فاتحہ پڑھے الخ اس سلسلہ کلام میں ذکر کیا ہے جس میں نماز کا طریقہ ذکر کیا ہے اور فرائض و سنن سب ذکر کیے ہیں یعنی وہ چیزیں بھی جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور وہ بھی جن کے بغیر ہو جاتی ہے چنانچہ اس عبارت کے ساتھ ہی خود صراحت کر دی ہے:

فَقِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَا تَتَعَيَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا وَكَذَا ضَمُّ السُّورَةِ إِلَيْهَا.

یعنی سورہ فاتحہ ہمارے نزدیک ایک رکن کی حیثیت سے متعین نہیں ہے نہ ہی اس کے ساتھ سورۃ ملانا جب کہ شافعی اور مالک ہمارے خلاف ہیں مختصراً اور پھر اپنے مخالفین کی دلیل یہ حدیث لکھی ہے: لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. اور اپنی دلیل: فَأَقْرَأْ وَامَّا تيسر من القرآن. لکھی ہے اگر صاحب ہدایہ کا مطلب ہے کہ: أَذْنَى مَا يُجْزَى مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةً. سے مراد سورۃ فاتحہ کے بعد ایک آیت ہے تو یہ تو انہوں نے امام مالک کا مذہب بتا کر اپنے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ وہ سورۃ فاتحہ و مازاد کو نماز کا رکن قرار دیتے ہیں اور فصل فی القراءۃ میں امام ابوحنیفہ کا قول اس قراءت کے متعلق لکھا ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی جو مُجْزَى فِي الصَّلَاةِ ہے اور رکن ہے۔ اور وہ صرف ایک آیت ہے۔

اب آپ وہ ساری عبارت ملاحظہ فرمائیں جس میں صاحب ہدایہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کا مسلک اور ان کی دلیلیں ذکر کی ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی مراد مطلق قرأت ہے سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

”وَأَذْنَى مَا يُجْزَى مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ

ثَلَاثَ آيَاتٍ فِصَارًا وَآيَةٌ طَوِيلَةٌ لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى قَارِئًا بِدُونِهِ فَاشْبَهَ قِرَاءَةً
مَا دُونَ الْآيَةِ وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى فَافْرُءْ وَامَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ مِنْ غَيْرِ
فَصُلِّ إِلَّا أَنَّ مَا دُونَ الْآيَةِ خَارِجٌ وَالْآيَةُ لَيْسَتْ بِمَعْنَاهُ“۔

”یعنی نماز میں کم از کم جتنی قرأت مجری ہے (یعنی جس سے نماز ہو جاتی ہے)
ابوصحیفہ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبین نے کہا: تین چھوٹی آیتیں یا
ایک لمبی آیت۔ کیونکہ اس کے بغیر اسے قرآن پڑھنے والا نہیں کہا جاتا تو وہ
ایک آیت سے کم پڑھنے کے مشابہ ہو جائے گا۔ اور امام ابوصحیفہ کی دلیل یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فاقرء واما تيسر من القرآن۔ یعنی پڑھو جو میسر ہو
قرآن سے“ میں (چھوٹی یا بڑی آیت کا) کوئی فرق نہیں کیا گیا مگر ایک آیت
سے کم ہو تو وہ خارج ہے اور پوری آیت پڑھنا اس کے معنی میں نہیں۔“

مفتی صاحب غور فرمائیں کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ایک لمبی یا تین چھوٹی آیتوں
سے کم پڑھے تو وہ قرآن پڑھنے والا نہیں کہلاتا تو کیا اگر پوری سورۃ فاتحہ کے بعد صرف
آدھی آیت پڑھی جائے پوری ایک لمبی یا تین چھوٹی آیات نہ پڑھی جائیں تو یہ
ساڑھے سات آیات پڑھنے والا بھی قرآن پڑھنے والا نہیں کہلا سکتا اور یہ ساڑھے
سات آیات بھی خارج از اسم قرآن ہیں؟

حقیقت یہی ہے کہ صاحب ہدایہ امام صاحب کا قول ”صرف ایک آیت“
بیان کر رہے ہیں خواہ فاتحہ سے ہو یا کسی دوسری سورۃ سے۔ سائل نے درست سمجھا
ہے۔ اور مفتی صاحب حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس قول کی مخالفت دور نہ کر
سکنے کی بنا پر مغالطہ دینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ایک اور دلیل:

اس کی ایک اور دلیل پیش خدمت ہے۔ صاحب ہدایہ نے ”أَذْنَى مَا يُعْجِزُ
مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةً“ سے پہلے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس سے بھی صاف معلوم

ہوتا ہے کہ یہاں مجزی من القراءة سے سورة فاتحہ کے بعد ایک آیت مراد نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

”وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الْأُولَيْنِ السُّورَةَ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يُعَدِّ فِي الْأُخْرَيْنِ الْخ“۔^۱

”یعنی جو شخص عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کوئی سورة پڑھ لے مگر سورة فاتحہ نہ پڑھے وہ دوسری دو رکعتوں میں نہ لوٹائے۔“

یہاں ایک شخص نے پہلی دو رکعتوں میں سورة فاتحہ نہیں پڑھی کوئی دوسری سورة پڑھی دی ہے اسے دوسری دو رکعتوں میں بھی سورة فاتحہ پڑھنے سے روکا جا رہا ہے چنانچہ نہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھی گئی نہ دوسری دو رکعتوں میں۔

اب آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ”أَذْنَى مَا يُجْزَى مِنَ الْقِرَاءَةِ آيَةً“ والی عبارت صرف اس قرأت کے بارے لکھی ہے جو سورة فاتحہ کے بعد ہے؟ مفتی عبدالشکور صاحب کے جواب کی حقیقت:

مفتی عبدالشکور صاحب نے اپنی تحریر کا نصف سے زیادہ حصہ ایک ایسے سوال کے جواب میں صرف فرمایا ہے جو سائل نے کیا ہی نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

”مذکورہ بالا روایت سے مطلقاً فاتحہ خلف الامام پر استدلال درست نہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو تو دعویٰ قابل مسووع نہیں ہو سکتا۔“

حالانکہ سائل کا سوال یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے

۱۔ عالمگیری میں یہ عبارت ہدایہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اس میں صراحت ہے ”لم يعد الفاتحة في

الاخريين“ یعنی پچھلی دو رکعتوں میں سورة فاتحہ نہ لوٹائے۔ دیکھئے عالمگیری طبع احمدی ص ۲۶ ج ۱

۲۔ مفتی صاحب نے یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے۔

سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ نماز میں ایک آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔“ فرمائیے سائل کے سوال میں کہیں عینک لگا کر دیکھنے سے بھی مقتدی یا خلف الامام نظر آتا ہے؟ چونکہ جواب کا یہ حصہ سوال سے غیر متعلق ہے اس لیے نہایت کمزور باتوں پر مشتمل ہونے کے باوجود میں اس سے صرف نظر کرتا ہوں صرف ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے ہر شخص کی نماز کی نفی فرمادی تو اس سے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے امام کی نماز کی بھی نفی ہو گئی، مقتدی کی بھی اور منفرد کی بھی۔ کیونکہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام کی نفی ہو جائے تو اس کے نیچے جتنے بھی خاص ہوں سب کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں: عام کی نفی سے خاص کی نفی عین عقلی اور منطقی قاعدہ ہے احسن الکلام ص ۱۵۲-۱۵۳، طبع دوم۔ معلوم ہوا کہ آپ کے ارشاد: ”جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں“ میں عام کی نفی کی وجہ سے امام، منفرد اور مقتدی سب کی نماز کی سورۃ فاتحہ کے بغیر نفی ہو گئی۔ اس کے باوجود سمجھنے کی خاطر ایک منٹ کے لیے مفتی صاحب مقتدی کو نکال دیں صرف امام اور منفرد کو لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر ان کی نماز نہیں ہوگی جب کہ امام ابوحنیفہ کے ارشاد کے مطابق ایک آیت سے ہو جائے گی۔ سائل کا سوال یہ ہے کہ یہ تضاد دور فرمائیں۔

تضاد دور کرنے کی کوشش:

جواب کے آخری حصہ میں مفتی صاحب نے اس تضاد کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے مفتی محمد عیسیٰ صاحب کی طرح مغالطہ نہیں دیا بلکہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب کی یکجا کردہ دونوں عبارتوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرأت کے ضروری ہونے کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ فرماتے ہیں:

”ایک ہے قرأت کی فرض مقدار جو ایک بڑی آیت یا چھوٹی تین آیات ہے اگر کسی نے نماز میں قرآن پاک سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین

آیات پڑھ لی قرأت کی فرض مقدار ادا ہو گئی۔ لیکن واجب کے چھوٹ جانے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی امام صاحب کی ہرگز یہ مراد نہیں اور نہ آپ کا مذہب ہے کہ صرف ایک آیت پڑھنے سے نماز کامل ہو جاتی ہے بلکہ اس میں قرأت کی مقدار فرض کا ذکر ہے اور کوئی شخص نماز میں مالک یوم الدین تک سورة فاتحہ پڑھ لے تو قرأت فرض کی مقدار پوری ہو جاتی ہے الخ۔“

اس سے پہلے لکھتے ہیں:

”نماز میں سورة فاتحہ کا پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ سورة ملانا بھی واجب ہے اگر کوئی منفرد یا امام سورة فاتحہ نہ پڑھے اور باقی قرآن شریف پڑھ لے تو نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہے اس طرح اگر سورة فاتحہ پڑھ لی جائے اور قرآن کریم کی کوئی اور سورة ساتھ نہ ملائی جائے تو نماز ناقص ہے کیونکہ واجب چھوٹ گیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب نے ضروری قرأت کی تین قسمیں بنائی ہیں:

① ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کی مقدار فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہو گی نہ کامل نہ ناقص۔ (ہدایہ میں یہ مذہب صاحبین کا لکھا ہے امام ابوحنیفہ کا مذہب صرف ایک آیت لکھا ہے چھوٹی ہو یا بڑی)

② سورة فاتحہ کی قرأت واجب ہے اس کے چھوڑنے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہوگی ہی نہیں۔

③ سورة فاتحہ کے ساتھ قرآن کے کچھ اور حصہ کی قرأت ایسا واجب ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہے مگر یہاں اسے واجب الاعادہ نہیں فرمایا۔

ضروری قرأت کی تین قسمیں بنانے کے باوجود سائل کا سوال اپنی جگہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے سورة فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت پڑھنے سے ہو جاتی ہے۔ آپ کو اتنی محنت کی ضرورت ہی نہ تھی تعارض صرف یوں اٹھتا تھا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے

فرمان کے مطابق سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی آپ فرماتے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس کا حوالہ پیش فرمادیتے۔ اس کے بغیر آپ لاکھ کہیں سورۃ فاتحہ کے بغیر ناقص ہے یہ ہے وہ ہے جب تک ”نہیں ہوتی“ امام صاحب سے ثابت نہ کریں تعارض نہیں اٹھ سکتا۔ مگر آپ نے یہ بات نہیں لکھی۔ سائل کا سوال تو حل نہ ہوا ہاں آپ کی اس تقسیم سے کئی اور سوال پیدا ہو گئے:

① ضروری قرأت کی یہ تین قسمیں امام ابوحنیفہؒ نے بنائی ہیں یا آپ اور آپ کے علماء نے؟ اگر امام صاحب نے بنائی ہیں تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ حوالہ لکھیں جہاں صحیح سند کے ساتھ امام صاحب کا قول مذکور ہو کہ مطلق ایک آیت کی قرأت فرض ہے سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اس کے ترک سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی اور فاتحہ سے زائد کی قرأت ایسا واجب ہے کہ اس کے ترک سے نماز ناقص ہے۔ آخر امام صاحب کے شاگردان رشید کی کتابیں موجود ہیں جن میں وہ اپنے استاد کے اقوال ذکر فرماتے ہیں۔ امام صاحب کے ہم عصر مصنفین کی کتب میں ان سے سننے والوں سے آپ کے اقوال منقول ہیں۔ بعد کی بہت سی کتابوں میں بھی آپ کے اقوال باسند صحیح مل جاتے ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ یہ تینوں قسمیں امام صاحب سے ثابت کریں۔ اپنی اور اپنے علماء کی باتیں امام صاحب کے نام نہ لگائیں۔

② اور اگر یہ تقسیم آپ کی اور آپ کے علماء کی ہے تو جب امام صاحب نے بتائی نہیں آپ نے خود اجتہاد شروع کر دیا ہے تو آپ مقلد کیسے رہ گئے۔ پھر غیر مقلدیت سے بچنے کی آپ نے کیا صورت سوچی ہے؟

③ واجب کا درجہ جو آپ نے ذکر کیا ہے کوئی شرعی درجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا یا صرف آپ لوگوں کا فن اور اصطلاح ہے؟

④ سورۃ فاتحہ سے زائد قرأت کے ترک سے نماز کا اعادہ ضروری ہے یا صرف نماز ہی ناقص ہوتی ہے؟ یہ وضاحت آپ نے نہیں فرمائی۔

۵ فافروء واما تيسر من القرآن سے قرأت کی کسی مقدار کی فرضیت تو آپ کے وضع کردہ قواعد کے مطابق تب نکل سکتی ہے کہ یہ قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالہ بھی ہو یعنی اس کا ایک معنی اتنا واضح اور متعین ہو کہ دوسرے کی گنجائش ہی نہ ہو مگر یہاں امام ابوحنیفہؒ سے اس کا معنی ایک آیت نقل ہو رہا ہے چھوٹی ہو یا بڑی اور صاحبین سے تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت استاد اور شاگرد ہی ایک مفہوم پر متفق نہیں ہو سکتے کیا قطعی الدلالہ اسی کو کہتے ہیں کہ استاد اور شاگرد ہی متفق نہ ہو سکیں کہ اس کا معنی کیا ہے۔ پھر ان کے ایک مقلد جو قرآن کی تفسیر میں بھی اپنے حنفی ہونے پر فخر کرنے سے نہیں جھجکتے میری مراد آلوسی حنفی ہیں روح المعانی میں فرماتے ہیں:

فَافَرُّوْا مَا تَيْسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ اِنْیْ فَصَلُّوْا مَا تَيْسَّرُ لَكُمْ مِنْ صَلَاةِ اللَّیْلِ۔
یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رات کی نماز جتنی آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو جس آیت کے مفہوم آپ ہی کے گھر سے کبھی کچھ نکلتے ہوں کبھی کچھ وہ کسی چیز کی فرضیت کی دلیل بن سکتی ہے؟ تو جب آپ کی تقسیم کا پہلا فرد ”ایک آیت یا تین آیات کا فرض ہونا“ ہی آپ کے قواعد کے مطابق ثابت نہیں دوسرے دو فرد کس طرح ثابت ہوں گے جو آپ نے پہلے فرد کو قائم رکھنے کے لیے ایجاد کیے ہیں۔

۶ آخر میں یہ وضاحت بھی آپ سے کروانا ضروری ہے کہ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے اور کوئی اور سورۃ پڑھنے کی صورت میں جو دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہے یہ نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس صورت میں چاروں رکعتوں میں ہی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی؟ فی الحال اسی پر اکتفاء کرتا ہوں: وان تعودوا نعد ان شاء الله ذو الود۔

عبدالسلام بھٹوی

جامعہ محمدیہ۔ جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ

مہر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

۲۹/ ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ